فقہ المعاملات میں صحابہ کرامؓ کے رسول اللہ ﷺ سے استفسارات

سننِ اربعہ کا مطالعہ

سیشن ۲۰۱۲-۲۰۱۷ء

(تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی)

مقالہ نگار
محمد اسلم حیات
رول نمبر ۱۲۔۰۴

نگران مقالہ
ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
(پروفیسر)

ادارہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

انتساب

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام

میرے ہاتھوں سے اور ہونٹوں سے خوشبو جاتی نہیں
میں نے اسم محمدؐ لکھا بہت چوما بہت
محمد اسلم حیات

اظہار تشکر

مقالہ ہذا کی تحریر و تکمیل کے سلسلے میں میں سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے نگران مقالہ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی حفظہ اللہ (ڈائریکٹر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور) کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے علمی اعتبار سے میری راہنمائی فرمائی اور اسلوب تحقیق کو بہتر بنانے میں ان کے قیمتی مشورے میرے لیے مشعل راہ بنے۔ تحقیق کے اس طویل دورانیے میں جس طرح اُنہوں نے میری سرپرستی کی اور بہت سی قیمتی آراء سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرتے رہے اور ہر موقع پر نہایت خندہ پیشانی سے راہنمائی فرماتے رہے ان کو میں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

میں ڈاکٹر محمد حماد لکھوی حفظہ اللہ کا بھی بے حد ممنون ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں جناب پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری حفظہ اللہ کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے مقالہ ہذا کو بروقت تحریری جامعہ پہنانے کے لیے میری راہنمائی فرمائی۔

میں جناب، ڈاکٹر غلام علی خان صاحب، ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر صاحب، ڈاکٹر احسان الرحمن غوری صاحب، اور ڈاکٹر حارث مبین صاحب کا بالخصوص اور شعبہ علوم اسلامیہ کے دیگر تمام اساتذہ کرام کا بالعموم تشکر ضروری سمجھتا ہوں جن کی کسی نہ کسی حوالے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ معاونت کے بعد ہی میں یہ کاوش پیش کرنے کے قابل ہوا۔

مقالہ ہذا کی تحریر و تکمیل کے سلسلے میں اراکین لائبریری شعبہ علوم اسلامیہ کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر معاملے میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ جناب چوہدری محمد حنیف صاحب(سابق چیف لائبریرین مین لائبریری)، یونیورسٹی آف دی پنجاب کا بالخصوص جناب محمد ہارون عثمانی صاحب(چیف لائبریرین)، جناب جاوید اقبال صدیقی، سیف الرحمان عتیق صاحب، محمد نذیر اعوان، محمد عمران، محمد عرفان محمود، حسیب احمد پراچہ صاحب اور باقی جملہ سٹاف کا بے حد ممنون ہوں۔ جنہوں نے مقالہ کی تحریر میں میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ خصوصی طور پر جناب ثقلین شوکت کا۔

میں اس موقع پر اپنے استاد محترم جناب پروفیسر شاہد حسین صاحب (ڈپٹی ڈی۔ای۔او۔فیصل آباد) کا بھی بے حد ممنون ہوں جن کی ان تھک کوششوں کی وجہ سے میں آج اس مقام تک پہنچا ہوں۔ میں اس موقع پر اپنی رفیقہ حیات کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کے پرزور اصرار اور Motivation سے میں اس فیلڈ میں دوبارہ آیا۔ ان کے ساتھ ساتھ محترم سیف اللہ خالد صاحب، امیر علی زاہد صاحب اور جناب محمد ارشد صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ سب سے اہم فریضہ والدین کا شکر گزار ہونا ہے جن کی دعاؤں سے میرے لیے یہ منزل آسان ہوئی۔ اللہ اُن پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ والدِ محترم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور والدہ صاحبہ کو اللہ صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ میں اپنے ماموں جناب نور احمد انجم صاحب اور اُن کی اہلیہ کا بھی بے حد ممنون ہوں۔ اللہ اُن کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ فقہائے کرام کے قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط کی روشنی میں صحابہ کرام کے رسول اللہ ﷺ سے استفسارات سنن اربعہ کا مطالعہ کے حوالے سے میری اس ادنیٰ کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔ آمین

محمد اسلم حیات

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ اَجمعین۔

موضوع کا تعارف واہمیت:INTRODUCTION AND IMPORTANCE))

اللہ رب العزت، خالقِ کائنات نے انسان کو "احسن تقویم" یعنی بہترین انداز میں تخلیق فرما کر بے لگام اور مادر پدر آزاد نہیں چھوڑا بلکہ اس کی رشد وہدایت اور فلاح واصلاح کے لیے انبیاء کا ایک سلسلہ جاری فرمایا اور ہر دور کے انسانوں کی راہنمائی کے لیے ایک دین مقرر فرمایا کہ جس کی تعلیمات کی روشنی میں وہ اپنی زندگیاں بسر کر سکیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مستحق ٹھہریں۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کتابیں نازل کیں۔ جو اس وقت کے لوگوں کے لیے ہدایت کا بہترین ذریعہ تھیں۔ پھر آخری نبی ﷺ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ایسے اصول بتائے گئے ہیں جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ہدایت ورہنمائی مہیا کرتے رہیں گے اور ساتھ ہی اسی کی عملی تعبیر وتشریح کے لیے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر آپؐ کی زندگی کو ساری انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرمادی۔ اس طرح اب مسلمانوں کے سامنے دو ہی بنیادی چیزیں ہیں جن سے وہ راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور جنہیں معیار وکسوٹی قرار دے سکتے ہیں۔ ایک قرآن اور دوسری سنت۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر عمل پیرا ہونے والوں کو کبھی بھی گمراہ نہ ہونے کی نوید سنائی، خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ اس حدیث کو امام ترمزی نے نقل کیا ہے۔

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بهما کتاب الله وسنة رسوله

اسلام کی اشاعت اور اُمتِ مسلمہ کی وحدت ویکجہتی کی واحد بنیاد رسالت مآب ﷺ سے مسلمانوں کا تعلق اور وابستگی ہے۔ اگر یہ تعلق کمزور پڑ جائے تو اس کے منفی اثرات اُمتِ مسلمہ کی وحدت ویکجہتی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دین وایمان پر پڑتے ہیں۔ اس لیے اُمت کو پیش آمدہ مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے اور اگر کہیں حکم صریح موجود نہ ہو تو ائمہ کرام ایسے استدلال کرتے ہیں جو قرآن وسنت سے متصادم نہ ہو اور ان کو فقہی انداز میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جن پر عمل پیرا ہونا طبیعتوں پر گراں نہ گزرے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فقہ کے بارے میں فرماتے ہیں: علم فقہ ایسا علم ہے جس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ قرآن وحدیث کا ثمرہ ہے۔ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی اُصول فقہ کے بغیر کلامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ کی اصل مراد کو سمجھنا ناممکن ہے۔ اس لیے فقہ اور فقیہہ کی ضرورت واہمیت پر کلام اللہ اور احادیثِ رسول ﷺ ناطق و شاہد ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَمِنْ كُلِّ فِرْ قَةٍ مِّنْهُمْ طَآءِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ (1)

---

[1] ۔سورۃالتوبۃ122:9

اس آیت میں تفقہ فی الدین کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت و اہمیت پر توجہ دلائی ہے۔ فقہ اسلامی انسان کو پیش آمدہ مسائل کا عمدہ ترین حل پیش کرتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرامؓ کا سوالات پوچھنا ایک ایسا طریقہ تھا جس سے ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کا دینی معاملات کو سمجھنے کا شوق نمایاں ہوتا ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کے جوابات سے دینی اور فقہی معارف و معاملات سے ہمارے لیے رہنمائی اور رشد و ہدایت کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ آج کے اس فتنوں کے دور میں آپ ﷺ کے طریقۂ تعلیم و تربیت اور صحابہؓ میں دین کو سمجھنے کے جذبے (Curiosity) کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے سوالات اور آپ ﷺ کے جوابات کو ایک جگہ اکٹھا کر کے اس سے فقہی معارف و مسائل کا استنباط اور دورِ حاضر کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سامان حاصل کرنے کے لیے یہ موضوع اختیار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کو اجمال اور آنحضرت ﷺ کی ذات کو تفصیل بنا کر بھیجا اور اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیوں کو دین کے ڈھانچے میں ڈھال لیا اور پوری دنیا کے امام ٹھہرے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے زندگی میں پیش آنے والے معاملات اور احکامات خداوندی کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ آج کے اس دور میں اُسی طریقۂ نبوی ﷺ کی اشد ضرورت ہے کہ وہ ان چیزوں کو ہم سامنے رکھیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کو فقہی مسائل و معاملات میں کیسے راہنمائی فرمائی۔ آج اس کام کی اشد ضرورت ہے کہ وہ تمام سوالات اور اُن کے جوابات سامنے لا کر یکجا کیے جائیں۔ اور ائمہ مجتہدین نے اُن کے حوالے سے جو مسائل کا استنباط کیا اُن کو احادیثِ نبویہ ﷺ کے ساتھ اکٹھا کر کے اُن سے مزید راہنمائی حاصل کی جائے۔ آج ہمیں اسی طریقۂ صحابہ کرامؓ کو سمجھنا اور اسے اختیار کرنا ہے جن کے متعلق اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا تھا:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِاهْتَدَوْا (1)

"اگر وہ اس پر ایمان لائیں جس پر تم (صحابہؓ) ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا گئے"۔

رُشد و ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن و حدیث پر عمل کیا جائے جو صحابہ اور سلف صالحین کے نزدیک حجت ہے۔ لہٰذا آج اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ صحابہ کا انداز اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھا کر دین و دنیا میں فلاح و نجات کا سامان پیدا کیا جائے۔

جہاں تک قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم کا تعلق ہے تو وہ ایک دائمی اور ابدی اساس ہے جو ہمیشہ رہے گی یہ وہ بنیاد ہے جس پر ہمیشہ عمارت کی تعمیر ہوتی رہے گی۔ ان دو بنیادوں کے ساتھ ساتھ ائمہ اسلام کے وہ اجتہادات بھی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جن پر اتفاق امت رہا ہے۔ جن پر اسلامی تاریخ میں تسلسل کے ساتھ عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ ان کی حیثیت بھی اسی طرح دائمی ہے جس طرح قرآن کریم اور سنتِ ثابتہ کی حیثیت دائمی ہے۔ لیکن وہ اجتہادات جو ائمہ فقہ نے اپنے زمانے کے لحاظ سے کیے ہیں، چاہے وہ دوسری صدی ہجری کے ائمہ فقہ کے ہوں یا چودھویں یا پندرھویں صدی ہجری کے ائمہ ہوں۔ ان اجتہادات میں ایسے تمام امور جن کا تعلق خاص ان کے زمانے یا ان کے علاقے سے ہے، یا ایسے رواج سے ہے جو اس علاقے میں یا اس زمانے میں پایا جاتا تھا، اور آج وہ رواج ختم ہو گیا ہے۔ ایسے تمام احکام پر نظر ثانی ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے۔

---

[1] - سورۃ البقرۃ 2:137

اس طرح ہم کہ سکتے ہیں کہ اسلام کے نظامِ معیشت و تجارت کی عملی تفصیلات ہر زمانے میں مختلف ہو سکتی ہیں۔ یہ تفصیلات مختلف زمانوں کے لحاظ سے مختلف انداز سے مرتب کی جا سکتی ہیں۔ اس لیے ماضی کے کسی رواج یا طریقہ کار کو جس کی بنیاد محض اجتہاد یا عرف و عادت پر ہو لازمی طور پر باقی رکھنا اور اس کے باقی رہنے پر اصرار کرنا درست نہیں ہے۔ یہ قرآن و سنت کا منشا نہیں ہے۔ جس چیز کو بقا ہے جس کو دوام ہے وہ قرآن مجید کے احکام ہیں، وہ سنت رسولؐ کے احکام ہیں اور ائمہ کے متفقہ اجتہادات ہیں۔ اس لیے یہ بات انتہائی مناسب اور ناگزیر ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ان بنیادی احکام اور تصورات کو یکجا کر دیا جائے۔ احادیث مبارکہ سے احکامات لے کر ائمہ کے مستنبط کردہ مسائل بیان کر کے ان کے استدلات بیان کیے جائیں۔ تاکہ قرآن و حدیث اور فقہ ایک ہی جگہ یکجا ہو جائیں اور ان کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے مسائل پر ان کے روشنی میں بات کی جائے، جن کا تعلق انسان کے تمام شعبہ ء زندگی سے ہے۔ خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی۔

فقہ المعاملات یا اسلام کا دیوانی قانون:

فقہ اسلامی کا تیسرا بڑا حصہ وہ ہے جس کو مغربی قانون کی اصطلاح میں ہم سول لاء کہ سکتے ہیں۔ یعنی اسلام کا دیوانی قانون۔ دیوانی قانون فقہ اسلامی کی اصطلاح میں فقہ المعاملات کہلاتا ہے۔ معاملات کے لفظی معنی تو ڈیلنگ یا ٹرانزیکشن کے ہیں، لیکن اصطلاحی اعتبار سے معاملات سے مراد فقہِ اسلامی کا وہ حصہ ہے جو دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان لین دین اور کاروبار کے معاملات کو منضبط کرتا ہے۔ یہ لین دین ایک فرد اور دوسرے فرد کے درمیان ہو رہا ہو یا ایک گروہ اور دوسرے گروہ کے درمیان۔

فقہ اسلامی کے اس حصہ میں لین دین کے تمام طریقے زیرِ بحث ہوتے ہیں، جن چیزوں کی لیں دین ہو گی ان چیزوں کا بیان، دولت کیا ہے۔، اسلام میں دولت کا تصور کیا ہے، دولت کا حصول کیسے ہوتا ہے۔ دولت کا انتقال رٹرانسفر کیسے ہوتا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان عقد یا معاہدہ کیسے ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی کا یہ حصہ ایک سمندر رہے، ایک بحر ناپید کنار ہے جو فقہ اسلامی کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔

فقہی معاملات کے اگر چیدہ چیدہ ذیلی شعبوں کا بیان کیا جائے تو وہ درجنوں ہیں اور اگر تمام کا شمار کیا جائے تو وہ کئی درجنوں ہیں۔ مثلاً مشارکہ اور مضاربہ اسلام کے قانونِ تجارت کا ایک بہت اہم میدان ہے، جو آج کے تصورات و عرف و رواج کے مطابق کارپوریٹ تجارت اور اجتماعی کاروبار کی بنیاد بن رہا ہے۔ آج کل بینکاری کی بات ہو رہی ہے، اسلام کا نظامِ بینکاری کیا ہے۔ اسلامی بینکاری کا سارا ارتقاء فقہ المعاملات ہی کے احکامات پر ہو رہا ہے۔ پھر بینکاری میں کئی ذیلی شعبے ہیں۔ زر کا نظام ہے۔ فیسکل سسٹم ہے۔ شریعت کی روشنی میں زر کسے کہتے ہیں۔ زر کے لین دین کے آداب کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سابقہ کام کا جائزہ:(LITERATURE REVIEW)

جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فقہ اسلامی کا سب سے بڑا شعبہ معاملات کا ہے جس کو اسلام کا دیوانی قانون یا سول لاء کہا جا سکتا ہے۔ اسلام کا یہ دیوانی قانون ہزاروں موضوعات اور لاکھوں مسائل و احکام سے بحث کرتا ہے۔ آج مغربی دنیا یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتی کہ ایڈم اسمتھ Adam Smith پہلا آدمی تھا جس نے دولت کے موضوع پر کتاب Wealth of Nations لکھی۔ ٹھیک ہے مغرب میں وہ پہلا آدمی ہو گا۔ جس نے دولت پر کتاب لکھی ہو گی۔ مغرب والے جس چیز کو نہیں جانتے یا جان بوجھ کر اس بات کو چھپانا

چاہتے ہیں اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو جانتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو ہی پوری دنیا سمجھتے ہیں۔ لیکن آج دوسری صدی کی لکھی ہوئی کم از کم تین کتابیں مالیات پر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب، کتاب الاموال ہے۔ ان کا تعلق دوسری ہجری سے تھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے کیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی موجود ہے۔ دوسری کتاب امام یحیٰ بن آدمؒ کی کتاب الخراج ہے۔ تیسری کتاب امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج ہے۔ امام ابو عبید قاسم کی کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ دولت کس چیز کو کہتے ہیں، اس کی کتنی قسمیں ہیں، اس کا طریقہ کیا ہے اور یہ کہاں سے آتی ہے۔ یہ ایک الگ فن ہے جس پر مغرب میں بھی بہت بعد میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک Public Finance ہوتا ہے، یہ ایک الگ فن ہے، تو گویا ایک عام فنانس بھی ہوتا ہے۔ پبلک فنانس پر تاریخِ انسانی میں سب سے پہلی کتاب امام ابو یوسف نے کتاب الخراج لکھی۔ لیکن یہ تمام کتابیں کسی نہ کسی خاص نوعیت کی ہیں۔ ہمارا موضوع ان تمام فنون کا اصل اور مرقع ہے۔ اس نوعیت پر میرا ایم۔ فل کا مقالہ صحابہ کرامؓ کے رسول اکرم ﷺ سے سوالات۔۔۔ فقہی مسائل و معاملات، ہے۔ اس میں صحیحین کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اب اس مقالے کی نوعیت اس سے بہت مختلف ہے۔ اس میں خصوصی طور پر صرف فقہ المعاملات کو منتخب کیا گیا ہے۔ اور اس میں اہم فقہی مآخذ سننِ اربعہ کا مطالعہ شامل ہے۔ اس پر مزید ائمہ اربعہ کے اقوال اور ان کا استدلال اور عصرِ حاضر میں ان مسائل کا حل پیش کرنا مقصود ہے۔ اس لحاظ سے یہ فقہ العولمی (Cosmopoliton Fiqh)) کی ایک کوشش ہوگی۔

مقاصدِ تحقیق:RESEARCH OBJECTIVES

۱۔ سننِ اربعہ سے فقہ المعاملات کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کے رسول اللہ ﷺ سے کیے گئے سوالات کو سامنے لانا۔

۲۔ استفسارات صحابہ پر آنحضرت ﷺ کے جوابات اور ان سے مستنبط ہونے والے مسائل و معارف۔

۳۔ ان احادیث کی تخریج

۴۔ مسائل و معاملات کے ساتھ ساتھ ان مسائل پر ائمہ مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ کی آراء اور ان کا استدلال۔

۵۔ ان احادیث مبارکہ سے عصرِ حاضر کے مسائل کا حل۔

فقہ المعاملات میں اس دور کی اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس موضوع "فقہ المعاملات میں صحابہ کرامؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسارات۔۔۔ سننِ اربعہ کا مطالعہ" کو منتخب کیا ہے۔ اس میں کوشش کی جائے گی کہ متعلقہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کا طریقۂ کار اور مزید ائمہ مجتہدین کے اقوال و افعال کو شامل کر کے اس سے عصرِ حاضر کے حوالے سے مزید احکام اور معارف سامنے لائے جائیں اور مدلل انداز میں اُن کی وضاحت کی جائے۔

فقہی ماخذ میں سنت دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ قرآنِ کریم نے یسئلونک اور یستفتونک کے تحت جوابات دیے لیکن سب معاملات میں نہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام فقہی سوالات کو اکٹھا کر کے اُن کی اہمیت واضح کریں۔ جیسے صحابہ کرامؓ کے پیشِ نظر اُس کی اہمیت تھی کہ وہ تمام معاملات میں آپ ﷺ سے سوالات کرتے تھے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں اس کی اور بھی زیادہ اہمیت ہے کہ اُن تمام سوالات کے جوابات ایک جگہ اکٹھے کر کے اُن پر ائمہ مجتہدین کی آراء کے ساتھ ساتھ ان کا استدلال پیش کیا جائے اور عصرِ حاضر کے مسائل پر ان سے راہنمائی حاصل کر کے ان کا بہتر سے بھی بہتر حل پیش کیا جائے۔

منہج تحقیق:: RESEARCH METHODOLOGY

اس مقالہ کی تیاری میں انداز تحقیق تجزیاتی اور تقابلی اختیار کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا اہم تحقیقی کام کو بخوبی انجام دینے کے لیے میں نے موضوع کو درج ذیل ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اول: اس میں فقہ المعاملات کا معنیٰ و مفہوم، اور اسکی ضرورت و اہمیت اور عصرِ حاضر میں اس کی بڑھتی ہوئی ضرورت و اہمیت کو بیان کرنا۔

باب دوم: اس باب میں مناکحات، جس میں نکاح، طلاق، عدت وغیرہ سے متعلق احکام کے معارف و معاملات کو اُجاگر کرنا ہے۔

باب سوم: اس باب میں احکام معیشت و تجارت، جیسے بیوع، خرید و فروخت اجارہ اور شرکت و مضاربت اور اُس سے متعلقہ سوالات اور ان کے جوابات کی روشنی میں فقہی احکام کا بیان ہے۔

باب چہارم: اس باب میں کتاب الفرائض، ہبہ، شکار اور وصیتوں کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

باب پنجم: آخری باب میں چار ابوب میں بیان شدہ احکام و مسائل کے فقہی جزئیات پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان پر مفصل انداز میں اثرات کا بیان ہوا ہے۔

تخریج کے حوالے سے صحاح ستہ، موطا امام مالک، اور مسند امام احمد بن حنبل کو مد نظر رکھا ہے۔

صحیح بخاری کے لیے	خ
صحیح مسلم کے لیے	م
جامع ترمذی کے لیے	ت
سنن انو داؤد کے لیے	د
سنن نسائی کے لیے	ن
سنن ابن ماجہ کے لیے	ق
موطا امام مالک کے لیے	ط
مسند امام احمد بن حنبل کے لیے	حم

کے الفاظ مخففات کے طور پر استعمال کیے ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ میری اس ادنیٰ سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالا یمان فرمائے۔ آمین۔

خطۃ البحث (Outline)

فقہ المعاملات میں صحابہ کرامؓ کے رسول اللہ ﷺ سے استفسارات --- سنن اربعہ کا مطالعہ

باب اول: فقہ المعاملات

فصلِ اول: فقہ المعاملات کا معنی و مفہوم

فہرست عنوانات

فصل دوم: کتاب الطلاق

باب چہارم: : احکامِ تجارت میں صحابہ کرامؓ کے سوالات اور فقہی جزئیات پر ان کے اثرات

انتساب

اظہار تشکر

مقدمہ

فہرست عنوانات

باب اول

باب اول: فقہ المعاملات میں استفسار کی ضرورت واہمیت

باب دوم

فقہ المناکحات میں صحابہ کرامؓ کے استفسارات اور فقہ اسلامی پر ان کے اثرات

باب سوم

احکام تجارت میں صحابہ کرامؓ کے سوالات اور فقہی جزئیات پر ان کے اثرات

باب چہارم

مالی لین دین کے احکام میں صحابہ کرامؓ کے استفسارات اور فقہ اسلامی پر ان کے اثرات

باب پنجم

صحابہ کرامؓ کے استفسارات --- عصر حاضر کے مسائل کے حل میں ان سے استفادہ

تجاویز و سفارشات

- فقہ المعاملات کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ عبادات کے بعد سب سے زیادہ اہم کام اس شعبے میں کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کے سوالات پر مشتمل احادیث سے مسائل کا استنباط قیامت تک آنے والے مسائل کا حل ہے۔
- موجودہ دور کے مسائل کو بھی آپ کی احادیث مبارکہ سے حل تلاش کرنا ہم پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔
- مسائل کے استنباط کے ساتھ ساتھ ائمہ مسالک کی آرا اور ان کی زندگیوں کا نچوڑ ہے، اس کو ساتھ شامل کر لیا جائے تو دین میں آسانی اور وسعت کے امکانات زیادہ واضح اور روشن ہوتے جاتے ہیں۔
- اسلام کی تعلیمات سے دور حاضر کے اہم ترین مسائل کو موثر حکمت عملی اور آنحضرت کے فرمودات عالیہ پر غور و فکر کرنے کی مزید ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔
- آنحضرت ﷺ سے دین کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرامؓ کا طرز عمل اپنانا آج کے دور کی اہم ضرورت ہے
- امت کے دانشوروں کی زندگیوں اور ان کے کام کو بنظر عمتیق مطالعہ کرنا ضروری ہے
- جو لوگ فقہ اور قرآن و سنت کو الگ چیز گردانتے ہیں ان کے لیے یہ اہم بات ہے کہ فقہ بھی قرآن و سنت ہی کا نچوڑ ہے۔ یہ کوئی الگ چیز نہیں ہے۔
- اسوہ حسنہ کی روشنی میں ہی دین کے جملہ مراحل سر انجام دینے میں ہی کامرانی و فلاح ہے۔
- امت مسلمہ میں اجتہاد کی جس قدر اہمیت ہے اس لحاظ سے قرآن و سنت کے احکامات کی روشنی میں عصری مسائل کا حل نہایت ضروری ہے۔
- دور حاضر کے معاشرتی، سیاسی، معاشی، اور اخلاقی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کی تعلیمات عالیہ کو اپنا کر ہی انقلاب کی راہ ہموار ہو گی۔
- اسلام کے عائلی قوانین پر سختی سے کاربند ہو کر اس دنیا کو جنت نظیر بنایا جا سکتا ہے۔
- آپ ﷺ کے طے کردہ اصول و ضوابط پر کاربند ہو کر آج ہم عالمی اقتصادی مسائل خاص کر آزاد منڈیوں بنکاری، غرضیکہ ہر طرح کے معاشی مسائل کا آسان حل پیش کر سکتے ہیں۔
- نئے پیش کردہ مسائل کا حل آنحضرت کے اسوہ کامل آپ ﷺ کے وضع کردہ قوانین اور اسلاف کے قائم کردہ معیار کو سامنے رکھ کر پیش کر سکتے ہیں۔

- دور حاضر کے بے لگام معاشرے، ذہنی پراگندگی، ہوس، لالچ اور اخلاقی ابتری کو دین اسلام کے قائم کردہ حدود و تعزیرات ہی کے ذریعے قابو پایا جاسکتا ہے۔
- جنسی تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ دین اسلام کے تصور جرم و سزا کے مطابق اسلامی سزاوں کے نفاذ کی اشد ضرورت ہے۔
- مغرب کے پراپیگنڈے کا مقابلہ دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے دیا جائے اور نام نہاد روشن خیالی اور اخلاقی بے راہ روی کو اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر مہذب ہونے کا ثبوت دیا جائے کہ مہذب کون ہے۔
- اخلاق کریمانہ پر کاربند ہونا ہی مغربی یلغار اور بے راہ روی کا سدباب ہے۔
- معاشرے کی بہتری اور نفاذ امن کے لیے اسلامی تعلیمات خصوصاً حدود و تعزیرات کے قوانین کو اپنانا اہم اور اشد ضروری ہے۔
- آزاد منڈی کی معشیت کو اخلاقی قدورں کا پابند بنایا جائے۔
- اسلامی میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ ذرائع ابلاگ کا قبلہ درست رکھنے اور جامع ابلاغیاتی پالیسی مرتب کرنے کے لیے ماہرین ابلاغ، پروفیسرز، علمائ کی مشاررتی کمیٹی قائم کی جائے اور رمضان المبارک میں خصوصاً دین کا علم کرنے والی اداکاروں کو میزبان بنایا جائے۔
- دین میں زیادہ سے زیادہ آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور منفی پراگنڈے اور ارتداد کی روش اپنانے والوں سے گریز کیا جائے۔
- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں معاملات کا جتنا زیادہ اہم کردار ہے اس کو نہ صرف اجاگر کیا جائے بلکہ اس پر عمل پیرا ہونا نہایت اہم اور وقت کی ضرورت ہے۔
- جو یہ کہا جاتا ہے کہ غیر مسلم ہم سے اچھے ہیں اس کا جواب امت مسلمہ میں جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی، ملاوٹ وعدہ خلافی غرضیکہ وہ تمام اخلاقی برائیاں ہے۔ اگر ہم اپنے معاملات کو درست کرلیں تو ہماری تمام معاشرتی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔
- معاملات میں خرابی ہی امت میں زوال کی اہم وجہ ہے۔
- مندرجہ بالا سفارشات پر عمل کرکے ہم ایک امت خیر کے مصداق بن سکتے ہیں۔

مصادر و مراجع

- القرآن الکریم
- آفتاب خان، قرآن حکیم اور علم الجنین، ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور، 1999
- آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ لصاحبھا و مدیرھا محمد منیر الدمشقی، س-ن
- آلوسی، علامہ سید محمود، روح المعانی، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت س۔ن
- الابراشی، عطیہ محمد، پروفیسر، فلسفہ تعلیم و تربیت، مترجم رئیس احمد جعفری، گلوریس پبلی کیشنز نئی دہلی، جولائی2004
- ابراہیم خالد، ڈاکٹر، تربیت اساتذہ، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، دسمبر1997ء
- ابن اثیر۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ترجمہ مولانا عبد الشکور فاروقی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڑ لاہور، صفر1407ھ،
- ابن تیمیہ، امام، مجموع الفتاویٰ، مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز آل سعود، س۔ن
- ابن تیمیہ،، امامالسیاسیۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعیہ، دارالکتب العربیہ، بیروت، لبنان، س-ن
- ابن جماعۃ، ابراہیم بن سید، تذکرہ السامع والمتکلم، دائرہ المعارف العثمانیہ، 1353ھ
- ابن حجر عسقلانی، احمد، حافظ ،الاصابۃ، بیروت، مطبوعہ دارالفکر، 1398ھ، ص:4/337
- ابن حجر عسقلانی، احمد، حافظ، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، س-ن
- ابن حزم، امام، المحلی، مصر، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، 1349ھ،،
- ابن رشد، محمد بن احمد، ابو الولید، المقدمات الممھدات، دار الغرب الاسلامی، 1408ھ،
- ابن رشد، محمد بن احمد، ابو الولید بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، قاہرہ، دار الحدیث، 1425ھ
- ابن سعد، الطبقات الکبری، داراحیاء التراث العربی، 1417ھ/1996ء
- ابن عباس، عبد اللہ، حضرت، تنویز المقیاس من تفسیر ابن عباس، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، س-ن
- ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، ابو محمد المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، دار الفکر1405ھ،
- ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، ابو محمد، الکافیفی فقہ الامام احمد، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1414ھ،
- ابن قیم، امام، زاد المعاد، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر1329ھ
- ابن قیم، امام، اعلام الموقعین عن رب العالمین،
- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابو الفدائی، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1409ھ،
- ابن کثیر علامہ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر، دارالقرآن الکریم، بیروت، 1393ھ

- ابن کثیر علامہ عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، مولانا محمد جوناگڑھی (مترجم) اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ لاہور، طبع اول 2004۔
- ابن کثیر، البدیۃ النھایہ، مکتبہ المعارف، بیروت 1997ء
- ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ﷺ، دار احیاء التراث، بیروت، لبنان 1383ھ /1964ء
- ابن منظور، ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر و دار بیروت، 1375 / 1955
- ابن نجیم، البحر الرائق، کوئٹہ، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، س۔ن،
- ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، المکتبہ الفاروقیہ، ملتان، س-ن
- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ﷺ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1415ھ /1994ء
- ابن ہشام، سیرۃ النبی کامل، ترجمہ سید یٰسین علی حسنی، ادارہ اسلامیات لاہور، ط۔ 3 مئی 1994ء
- ابو البرکات، مدارک التنزیل و حقائق التاویل (تفسیر مدارک)، مولانا شمس الدین (مترجم)، مکتبہ العلم، 18 اردو بازار لاہور، س-ن
- احسان الحق، ڈاکٹر، یہودیت و مسیحیت، مسلم اکادمی، محمد نگر، علامہ اقبال روڈ، لاہور، نومبر 1987
- احمد باشمیل، ترجمہ مولانا اختر فتح پوری، غزوہ حنین، نفیس اکیڈمی، کراچی، اپریل 1988ء
- احمد بن مصطفیٰ، مفتاح السعادۃ، دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1356ھ
- احمد شلبی، الدکتور، التربیۃ والتعلیم فی الفکر الاسلامی، مکتبہ النھضۃ المصریہ القاھرہ، 1978ء
- احمد ہاشمی، سید، جواھر البلاغۃ، دار المعرفۃ البیروت، لبنان 1426ھ /2005ء
- احمد یار، حافظ، مضامین قرآنی، قلمی تحقیقات، ترتیب و تدوین ڈاکٹر جمیلہ شوکت، الائیڈ بک سنٹر، 34 اردو بازار لاہور، 1999
- احمس حسن صبحی، السیرۃ النویہ للنشء، دار الحدیث القاھرہ، 1426ھ /2005ء
- ارشد جاوید، پروفیسر، تعلیمی کامیابی، شرکت پرنٹنگ پریس، اپریل 2009ء
- الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، لاہور، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، س۔ن
- الازھری، عبد الصمد صارم، تاریخ القرآن، ادارہ علمیہ، لاہور، 1962
- اسحاق بن یسار، السیرۃ النبویہ، دار الکتب العلمیہ، 1424ھ /2004ء
- اسماعیل بن کثیر، ابی فداء، السیرۃ النبویہ، مطبع عیسٰی البابی، الکبی القاھرہ 1385ھ /1966ء
- اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، اسلامی اکادمی، س-ن
- اصلاحی، امین احسن، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع جدید، دسمبر 1981 / 1402ھ
- اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور 1993
- اصلاحی، محمد یوسف، آداب زندگی، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 3 کورٹ سٹریٹ لوئر مال روڈ لاہور، اکتوبر، 2005

- مبارکپوری، قاضی اظہر، خیر القرون کی درسگاہیں، ادارہ اسلامیات لاہور-کراچی 1424ھ /2000ء
- الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، 1375ھ /1956ء
- افضل حسین، فن تعلیم وتربیت، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، اگست 1970ء
- امام احمد بن حنبل، المسند، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ
- ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، مطبوعہ دار صادر، 1388
- امجدی، شریف الحق، مفتی، نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، رومی پبلی کیشنز، 1421ھ /2000
- امرتسری ثناء اللہ، مولانا، تفسیر ثنائی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، س-ن
- امیل بدیع یعقوب، الدکتور، موسوعۃ علوم اللغۃ العربیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان 1427ھ /2006ء
- الانباری، عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ، اسرار العربیہ، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان 1418ھ /1997ء
- الاندلسی، قاضی عیاض، کتاب الشفاء، دار الکتب العربی، بیروت، دسمبر 1977ء
- انور قریشی، وقت توبہ ہے، انجمن خدام اسلام پاکستان، لاہور، س-ن
- ایس ایم شاہد، تعلیم وتدریس، علمی پرنٹرز لاہور، 2001ء
- البخاری محمد بن اسماعیل، ابی عبد اللہ، صحیح البخاری، دار السلام للنشر والتوریح الریاض، 1419ھ /1999ء
- البخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، ترجمہ محمد خالد، علمی گرافکس، کراچی 2005ء
- بدوی طبانۃ، معجم البلاغۃ العربیہ، دار المنارۃ للنشر والتوزیع جدہ دار ابن خزم، بیروت۔ لبنان، س-ن
- بستوی، عبد السلام، مولانا، اسلامی خطبات، المکتبہ السلفیہ، 1990
- بعلبکی رومی، بعلبکی منیر، المورد الوسیط، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ط-1 1996
- بلگرامی، مظہر الدین، قاضی، عیون العرفان فی علوم القرآن، شجاعت پبلیکیشنز، لاہور، س-ن
- بھکراہوی، عبد المجید، داعی اور دعوت کا انداز، روشن پرنٹرز، لاہور 1431ھ /2010ء
- البیرونی، ابوریحان، کتاب الہند، سید اصغر علی (مترجم)، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، اکتوبر 1996
- البیضاوی، ناصر الدین، ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد، انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)، موسسۃ العلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان۔ 1990
- البیہقی، الاسماء والصفات، طبع انوار احمدی، الہ آباد، 1313ھ
- البیہقی، احمد بن حسین، ابو بکر، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط1، 1410ھ /1990ء
- پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام، بی 25، گلبرگ، لاہور، 1960
- تحفتہ الاءلمعی شرح سنن الترمذی ا۔ افادات مفتی سعید احمد پالن پوری، کراچی، زمزم پبلشرز، جلد سوم ص۔
- ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، اسلام کا نظام تعلیم، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور 1993ء

- الترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع بیروت، لبنان، 1420ھ/1999ء
- تقی عثمانی، عیسائیت کیا ہے، دارالاشاعت، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، س-ن
- تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، کراچی، 1965
- التوضیح الشرح الجامع الصحیح ج24 ص300-299، وزارۃ الاوقاف، قطر، 1429ھ
- تیسیر القاری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- ثناء اللہ قاضی، تفسیر مظہری، بلوچستان بک ڈپو، مسجد روڈ کوئٹہ، س-ن
- الجاحظ، ابی عثمان، عمرو بن بحر، البیان والتبیین احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان 1983ء
- الجصاص، لجامع لاحکام القرآن، ملحضا، مطبوعہ دارالفکر بیروت 1415ھ
- جامع الاصول، دمشق، دار ابن کثیر، ، 1432ھ
- جبران مسعود، الرائد، دار العلم، للملایین، بیروت، 1964
- جذری، النہایہ، علامہ، مجد الدین محمد، ایران، مطبوعہ تناسل مؤسستہ مطبوعاتی، 1364ھ
- الجرجانی، محمد بن علی، الاشارات والتشبیھات فی علم البلاغۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1423ھ/2002ء
- الجزائری ابی بکر جابر، ایسر التفاسیر لکلام العلی الکبیر، الطبعۃ الثانیہ، 1407ھ تا 1987ء
- الجزیری، عبدالرحمٰن، الفقہ علی الذاہب الاربعہ، منظور احسن عباسی (مترجم)، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف، پنجاب، لاہور، 1971
- الجوزیہ، ابین قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مکتبہ المنار الاسلامیہ الکویت 1399ھ/1989ء
- الجوھری، حماد بن اسماعیل، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، 1419ھ/1999ء
- جیروم، ایس برونر، مترجم معین الدین، تعلیم کا عمل، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، 1982ء
- الحجاوی، موسیٰ بن احمد بن موسیٰ، ابو النجا، الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، دار المعرفت،
- حسن الدین احمد، ڈاکٹر، احسن البیان فی علوم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، طبع اول 1996
- حسین علی، جواہر القرآن، محمود الحسن دیوبندی (مترجم)، کتب خانہ رشیدیہ مارکیٹ، راولپنڈی، س-ن
- جصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مولانا عبد القیوم (مترجم)، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، اشاعت اول 1991
- حقانی، عبد الحق، مولانا، فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، س-ن
- حقانی، مولانا عبد القیوم، شرح شمائل ترمذی، القاسم اکیڈمی، جامعہ نوشہرہ 2004ء
- حلبی، علی ابن برھان الدین، علامہ، ام السیر سیرت حلبیہ، ترجمہ مولانا محمد اسلم قاسمی، شکیل پریس کراچی، 1999ء

- حمید الدین فراہی، اسباق النحو، دارالتذکیر، 2006ء
- خالد رحمان، دینی مدارس۔۔۔ تبدیلی کے رجحانات، پروفائل پرنٹنگ پریس، اسلام آباد، 2008ء
- خالد علوی، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کا منہاج دعوت، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، 2001ء
- الخالدی، رانی ولی اللہ صادق، رسول اکرمؐ کا تعلیمی اسوہ اور پاکستان، صادقیہ پبلی کیشنز لاہور، مئی 2000ء
- الخطیب بغدادی، الفقیہ والمتفقہ، دار ابن الجوزی، 1417ھ /1996ء
- خورشید عالم گوہر، کتاب علوم القرآن روح القرآن، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار، لاہور، اکتوبر 2003
- الدارمی، سنن الدارمی، دارالقلم دمشق، 1417ھ
- ڈاکٹر فرمان فتح پوری، رافع اللغات، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، 2005
- الرازی، فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین بن الحسن ابن علی التیمی البکری الشافعی، مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر، دارالعلمیہ، بیروت۔ 1411ھ
- راغب اصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، المفردات فی غیرب القرآن (محقق: محمد سید کیلانی) نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، س۔ن
- الرافعی، مصطفیٰ صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ، مطبعۃ الاستقامۃ، بالقاہرہ، 1956ء
- رب نواز، پروفیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، نومبر 2001ء
- رحمانی، عبد الروٴف خان، مولانا، العلم والعلماء، ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ 1982ء
- رشید احمد، مفتی، ارشاد القاری، ایجوکیشنل پریس کراچی، 1403ھ
- رضوی، سید محمود احمد، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری، ابو البرکات اکیڈمی لاہور، جولائی 1992ء
- رضوی، غلام رسول، تفہیم البخاری شرح صحیح البخاری، عبد الحمید، السجدہ پرنٹرز س۔ن
- رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلام اور سائنس، اقبال اکادمی، کراچی، 1965
- رفیق خاور، اردو تھیسارس، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1996ء
- الزبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی الوسطی، تاج العروس من جواہر القاموس، دارالفکر، بیروت، لبنان، 1414ھ /1996
- زرقانی، علامہ محمد عبد الباقی، مالکی، شرح الموٴطا، مصر، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ، س۔ن
- زرقانی عبد العظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، عیسی البابی، الحلبی، وشرکاء، س۔ن
- زرکشی بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، دارالفکر، بیروت، لبنان، 2001
- الزمخشری، ابی القاسم جار اللہ محمود بن عمر، تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل دار المعرفۃ، بیروت۔ لبنان، س۔ن
- الزیلعی، فخر الدین، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، قاہرہ، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، 1313ھ،

- السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، دارالاسلام للنشر والتوزیع 1420ھ /1999ء
- السرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ، المبسوط، بیروت، دار المعرفت، 1414ھ،
- سعید ملک، اسلام، مسلمان اور دور حاضر، دارالتذکیر، لاہور، س-ن
- سعید الرحمٰن، ایمان کی چھاؤں میں، صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ، بیکن ہاؤس، گلگشت کالونی، ملتان، 1995
- سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، 38 اردو بازار، لاہور۔ س-ن
- سعیدی، غلام رسول، علامہ، نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، فرید بک سٹال لاہور، ط-4، 1431ھ /2010ء
- السکاکی، یوسف، مصباح الفتاح شرح تلخیص مفتاح العلوم، کتب خانہ امدادیہ دیوبند، س-ن
- سلمان بن داوٗد، مسند ابی داوٗد الطیالسی، دارالمعرفۃ البیروت، 1406ھ
- سلیم اللہ خان، مولانا، کشف الباری عمانی صحیح البخاری، مکتبہ فاروقیہ کراچی 1418ھ /1998ء
- سلیم منصور خالد، قومی تعلیمی پالیسی۔ ایک جائزہ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، 1994ء
- سنن نسائی:، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- سورتی، ابو عبداللہ محمد بن یوسف، قواعد عربی، ناظم آباد مینشن ناظم آباد 1، کراچی، س-ن
- سیالکوٹی، ابوالحسن، فیض الباری، مکتبہ اصحاب حدیث، اگست 2009ء
- سید امیر علی، مترجم محمد ھادی حسین، سپرٹ آف اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1984ء
- سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، پروفیسر میاں منظور احمد (مترجم)، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور، نومبر 1989
- سیوطی جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ادارہ اسلامیات لاہور، 1402ھ /1982ء
- سیوطی، جلال الدین الاتقان فی علوم القرآن، اسماعیل اکیڈمی، لاہور، 1982
- السیوطی، جلال الدین، محلی، جلال الدین، تفسیر کمالین اردو تفسیر جلالین (شارح: محمد نعیم دیوبندی) مکتبہ شرکت علمیہ، بیروت، بوہڑ گیٹ، ملتان، س-ن
- سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات، 190 انار کلی، لاہور، 1989
- الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول التشریع، المکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصر، س-ن
- شامی، ابن عابدین، محمد امین، رد المختار علی الدر المختار، بیروت، دار الفکر، 1412ھ،
- الشامی، محمد بن یوسف، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان 1414ھ /1993ء
- شبلی نعمانی، سید سلمان ندوی، سیرت النبیؐ، دارالاشاعت کراچی، مئی 1985ء
- شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ
- شرح صحیح البخاری للعثیمین، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، 1429ھ
- شمس بریلوی، سرور کونین ﷺ کی فصاحت، مدینہ پبلی کیشنز، کراچی۔ جون 1988ء

- شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، بمصر 1350ھ
- شوکانی، امام، نیل الاوطار، مصر، مطبوعہ مکتبہ الکلیات، الازہر، 1398ھ،
- الشیبانی، احمد بن حنبل، موسوعۃ الحدیثیۃ مسند الامام احمد بن حنبل، موسسۃ الرسالۃ 1414ھ / 1993ء
- شیخ نظام و جماعۃ من علماء الھند، فتاویٰ عالمگیری، بیروت، دار الفکر،
- الشیرازی، ابو اسحاق، المھذب فی فقہ الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، س ن،
- صدیقی، ابو للیث، ڈاکٹر، اردو لغت تاریخی اصول پر، عربی بورڈ کراچی، 1977ء
- صدیقی، بختیار حسین، پروفیسر، مسلمانوں کی تاریخی فکر کا ارتقاء، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور 1983ء
- صدیقی، عتیق الرحمٰن، نقوش سیرت، دار التذکیر، 2008ء
- صدیقی، علی اوسط، اسلامی نظام تعلیم و نظریہ پاکستان، طاہر سنز ناشران و تاجران کتب، کراچی 1993ء
- صدیقی، فائزہ احسان، پروفیسر، تعلیم الفائزون، رب پبلشرز، کراچی 2007ء
- صدیقی، محمد میاں، ڈاکٹر، فرہنگ اصطلاحات قرآن، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، 2003
- صدیقی، مشتاق الرحمٰن، تعلیم و تدریس، مباحث و مسائل، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد جون 1998ء
- ضیاء الحق، ضیاء، طریقہ ہائے تدریس و اعانات تدریس کی تیاری، نقوش پریس، مئی 1988ء
- الطبری، ابن جریر، تاریخ الطبری (السیرۃ النبویہ) دار ابن کثیر، دمشق، بیروت 1428ھ / 2007ء
- الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن المعروف بہ تفسیر الطبری، دار السلام للطباعۃ والنشر والتوزیع والترجمہ، س ن
- الطوان الداحداح، معجم اللغۃ العربیۃ فی جداول ولوحات، مکتبہ، لبنان، ناشران، س۔ن
- الطیالسی، سلمان بن داؤد، مسند ابی داؤد الطیالسی، دار المعرفۃ، البیروت، لبنان س۔ن
- ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، فصاحت نبویؐ، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، جون 1983ء
- عبد الحمید، جامع اللغات، تاجران کتب، بل روڈ، لاہور، 1330ھ
- عبد الحفیظ بلیلاوی، مصباح اللغات، اسلامی اکادمی، ناشران اسلامی کتب، اردو بازار، لاہور
- عبد الحمید صدیقی، ایمان اور زندگی، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، 1976
- عبد الحی ابو سلیم محمد، ایمان کی اہمیت، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، 1963
- عبد الرحمٰن ابن خلدون، العلامہ، مقدمہ ابن خلدون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان 2003ء
- عبد الرزاق بن ہمام، ابو بکر، المصنف، بیروت، المکتب الاسلامی، 1403ھ
- عبد العزیز مغل، سید مودودی کا معلم مطلوب، ایچ وائی پرنٹرز، 1989ء

- عبد الفتاح ابو غدہ، ترجمہ مولانا حبیب حسن، حضورؐ بطور معلم، درخواستی کتب خانہ کراچی 1422ھ
- عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن، ناظم آباد نمبر 1 کراچی، س-ن
- عبد الملک بن هشام، سیرۃ النبیؐ، دار الفکر 1356ھ / 1937ء
- عثمانی، بشیر احمد، مولانا، فضل الباری اردو شرح صحیح البخاری، ادارہ علوم شرعیہ، کراچی، 1393ھ / 1973ء
- عزیزی، عبد الفتاح، مفتاح اللغات، ناشران محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، کراچی محرم 1376ھ
- العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، داراحیاء اتراث العربی، بیروت، لبنان 1328ھ
- العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، مطبع مصطفیٰ احمد مصر، 1358ھ / 1939ء
- العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، دائرہ المعارف العثمانیہ ھند، حیدر آباد دکن 1348ھ
- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار نشر الکتب الاسلامیہ 1401ھ / 1981ء
- علامہ ابن جوزی حنبلی زاد المیسر، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1407ھ
- الماوردی، علامہ ابو الحسن علی بن محمد الشافعی، (الحاوی الکبیر، دار الفکر بیروت
- الکورانی، علامہ احمد بن اسماعیل الحنفی، الکوثر الجاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1429ھ
- علامہ برھان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی، المحیط البرھانی، ادارۃ القرآن، کراچی، 1424ھ
- الجوزی، علامہ عبد الرحمن علی بن محمد الحنبلی، کشف المشکل، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
- الحصکفی، علامہ علاؤ الدین الحنفی، در مختار علی ھامش رد المحتار، مطبوعہ استنبول، 1327ھ
- الزرھونی، علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی، المالکی، الفجر الساع علی الصحیح الجامع ج 11 ص 333، مکتبۃ الرشد، ریاض، 1430ھ
- علوی، ثریا بتول، پروفیسر، استاد ملت کا محافظ، تنظیم اساتذہ پاکستان، جون 2006
- علی جارم و مصطفیٰ امین، البلاغۃ البالغۃ، نقوش پریس لاہور، 1968ء
- عمر بن شبہ بن عبیدہ، ابو زید، تاریخ المدینہ لابن شبہ، جدہ، 1399ھ،
- العمرانی، ابو الحسین یحیٰ بن ابن الخیر، البیان فی مذھب الامام الشافعی، جدہ، دار المنہاج، 1421ھ،
- العینی، بدر الدین، محمود بن احمد، ابو محمد، البنایہ شرح الھدایہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1420ھ
- العینی، محمود بن احمد، بدر الدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار الحدیث ملتان، رجب 1418ھ / 1997ء
- غازی محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل کتب، لاہور، 2007
- غزالہ موسیٰ، ڈاکٹر، تعلیمی کامیابی کے راز، ادارہ تخلیقات، لاہور 2002ء
- غزالی، امام محمد، احیاء العلوم الدین، بیروت، مطبوعہ دار المعرفہ
- غزل کاشمیری، محمد گجر خان، پروفیسر، ڈاکٹر، آنحضرتؐ کی تعلیمی پالیسی، اقراء تدریب الاطفال، لاہور، دسمبر 2004ء

- غلام عابد خان، عہد نبوی کا نظام تعلیم، عوامی کتب خانی، لاہور، جولائی 1978ء
- فرہنگ عامرہ، ٹائمز پریس، کراچی، جون 1954
- الفروع من الکافی، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران
- فضل الٰہی ڈاکٹر، نبی کریمؐ بحثیت معلم، مکتبہ قدوسیہ لاہور، 2005ء
- فضل کریم، پروفیسر، قرآن اور جدید سائنس، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور 2000
- فضل واحد، تعلیم و تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں، پاکستان اکیڈمی برائے ذہنی ترقی، پشاور، اگست 1995ء
- فواد الباقی، معجم المفھرس لالفاظ القرآن الکریم، سہیل اکیڈمی، لاہور 1403ھ / 1983ء
- فواد نغمہ، ملحض قواعد اللغۃ العربیہ، پبلشر انتشارات ھبل المتین، 1382ھ
- فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات (اردو)، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، 1967
- قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، جولائی 2000
- القاسمی، محمد جمال الدین، محاسن التاویل، طبع دار الفکر، س-ن
- قاسمی، وحید الزماں، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، 1422ھ / 2001ء
- قرطبی، ابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع الاحکام القرآن، موسسۃ مناہل العرفان، بیروت، س-ن
- القرطبی، شمس الدین، محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن، دار عالم الکتب الریاض، 1423ھ / 2003ء
- قرطبی، محمد بن احمد، ابو عبد اللہ، الجامع الاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، 1384ھ،
- قریشی، محمد اسحاق، ڈاکٹر حضور اکرمؐ پیغمبر امن و سلامتی، مکتبہ زاویہ 1998ء
- قریشی، محمد شریف، راہنما اساتذہ کا داعیانہ کردار اور حکمت تدریس، اسلامی نظامت تعلیم، پاکستان جولائی 2001ء
- القزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ دار الاسلام للنشر والتوزیع، بیروت لبنان، 1420ھ / 1999ء
- القسطلانی، احمد بن محمد، ابی العباس، ارشاد الساری، شرح صحیح البخاری، دار الفکر للطباعۃ والنشر، 1304ھ
- سعید الخن ،ڈاکٹر مصطفی، قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر، مترجم حافظ حبیب الرحمن، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام س۔ن
- الکاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ،
- کتانی، شیخ عبد الحیٔ، علامہ، نظام الحکومۃ النویہ، التراتیب الاداریہ، حسن جعنا، بیروت، س-ن
- الکشمیری، محمد انور شاہ، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1418ھ
- کیرانوی، رحمت اللہ (مترجم) مولانا اکبر علی، بائبل سے قرآن تک، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1407ھ
- کیلانی، عبد الرحمٰن، مترادفات القرآن، مکتبہ اسلام، لاہور، س-ن
- گوہر رحمٰن، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع جدید 1415ھ

- گیلانی، مناظر احسن، پاک و ھند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ، لاہور 1361ھ / 1942ء
- مالک بن انس، الامام، الموطا، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1406ھ،
- مالک بن انس، الموطا، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1409ھ / 1989ء
- الماوردی، علی بن محمد، ابو الحسن، الحاوی الکبیر فی فقہ مذھب الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1419ھ
- مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، مکتبہ السلفیہ، 1396ھ / 1976ء
- المجلس الاعلی للشئون اسلامیہ، الفتاوی الاسلامیہ، القاہرہ، دار الافتاء المصریہ، ملخصًا مطبوعہ، 1403ھ،
- محبوب احمد خان، حافظ، مثالی استاد، مکتبہ العلم لاہور، 1425ھ / 2005ء
- محمد اکرم ورک، صحابہ کرام کا اسلوب دعوت و تبلیغ، مکتبہ جمال کرم، اپریل 2004ء
- محمد الانطاکی، المنہاج فی قواعد والاعراب، انتشارات ناصر خسرو طہران، ایران، س-ن
- محمد بن سلمان، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد، مطبع الخیریہ الھند، س-ن
- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد 1985ء
- محمد خورشید، پروفیسر، تدریسی حکمت عملی، روحانی آرٹ پریس، اسلام آباد 2001ء
- محمد رشید رضا، تفسیر القرآن الحکیم المنشور بتفسیر المنار، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت - لبنان۔ س-ن
- محمد رشید، ڈاکٹر، پروفیسر، ایجوکیشنل ٹیکنالوجی، فرحان رضا پرنٹرز، اسلام آباد، اپریل 2002ء
- محمد سلیم الحق، طریقہ ہائے تدریس و اعانات تدریس کی تیاری، مطبع یونس پرنٹرز، لاہور س-ن
- محمد سلیم، سید، اسلام کا نظام تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور جولائی 1993ء
- محمد سلیم، سید، مسلمان مثالی اساتذہ اور مثالی طلبہ، ادارہ تعلیم و تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، 1985ء
- محمد شفیع بلوچ، حسن کلام محمدؐ، مثال پبلشرز، مارچ 2006ء
- محمد شفیع، معارف القرآن، فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 1998
- محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور 1983ء
- محمد عاقل، مولانا، الدر المنضود شرح اردو سنن ابی داود،
- محمد علی، بیان القرآن، مطبع آفتاب عالم پریس وار دو پریس، لاہور، 1377ھ
- کاندھلوی، محمد مالک، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ لاہور، س-ن
- کاندھلوی، محمد مالک، مولانا، منازل العرفان فی علوم القرآن، ناشران قرآن مجید لمیٹڈ، لاہور، س-ن
- محمد یٰسین شیخ، قائد اعظم اور قومی تعلیم، غضنفر اکیڈمی کراچی، 1996ء
- محمد، حمید اللہ، ڈاکٹر، نگارشات ڈاکٹر حمید اللہ، بیکن بکس لاہور 2006ء
- المدونۃ الکبریٰ، احیاء التراث العربی، بیروت س۔ن

- المراغی، احمد مصطفیٰ، تفسیر المراغی، دار لکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، 1418ھ / 1998
- المراغی، احمد مصطفیٰ، علوم البلاغۃ البیان والمعانی والبدیع، دار الکتب العلمیہ، بیروت-لبنان
- المراغی، احمد مصطفیٰ، علوم البلاغۃ، دار الکتب العلمیہ، 1422ھ / 2002ء
- مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر، بیروت لبنان، 1414ھ / 1996ء
- مرغینانی، الہدایہ مع فتح القدیر، سکھر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، س-ن،
- المرغینانی، علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل، ابو الحسن، الھدایہ فی شرح ہدایۃ المبتدی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن
- مرغینانی، ہدایہ مع فتح القدیر، سکھر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، س-ن-
- مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح:، دار الکتب العلمیہ
- مصری، شیخ ذکی الدین، الموسوعۃ الاسلامیہ السیرۃ محمدیہ،
- مصطفیٰ امین، البلاغۃ البالغہ، مطبع نقوش پریس لاہور، 1968ء
- مصطفیٰ امین، البلاغۃ الواضحۃ، اسلامی اکادمی، ناشران کتب، لاہور س-ن
- مصنف ابن ابی شیبہ:، المجلس العلمی، بیروت، 1427ھ،
- مصنف ابن ابی شیبہ:، دار الوطن، بیروت، 1418ھ
- مصنف عبد الرزاق: 10820، دار الکتب العلمیہ 1421ھ / ج2ص265، مکتبہ اسلامیہ، بیروت
- معالم التنزیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1320ھ
- معین الدین خٹک، مولانا، معین القاری صحیح البخاری، میٹروپرنٹنگ پریس، لاہور 1435ھ / 2004ء
- مغربی، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن محمد، مواھب الجلیل لشرح مختصر الخلیل، دار عالم الکتب، 1423ھ
- مفتی، محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، مطبوعہ ادارۃ المعارف،
- ملا علی قاری، مرقاۃ ملتان، 1390ھ
- ملا نظام الدین، فتاویٰ عالمگیری، مصر، مطبوعہ کبریٰ المیریہ بولاق م، 1310ھ،
- ممتاز احمد عبد الطیف، اسلام کا تربیتی تعلیمی و تدریسی نظام، فوٹو آفس پریس دہلی، 1997ء
- المنذری، عبد العزیز بن عبد القوی، الترغیب والترھیب، مطبع مصطفیٰ البابی حلبی واولادہ بمصر 1352ھ / 1933
- منصور پوری، محمد سلمان، رحمۃ اللعالمینؐ، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور مئی 1999ء
- منظور نعمانی، مولانا، معارف الحدیث، کتب خانہ دار الاشاعت، کراچی، س-ن
- منیر البعلکی، المورد الوسیط، دار العلم للملایین، بیروت، 2002
- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور 1981
- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، لاہور 1967

- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، دینیات، ملک عبد محمد پرنٹرز، 1990
- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، نصرانیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک بک پبلشرز، لاہور 1988
- مودودی، رسائل و مسائل، لاہور، مطبوعہ اسلامی پبلی کیشنز، بار پنجم، 1975ء
- المورد، قاموس انکیزی-عربی، دار العلم للملایین، بیروت 1967
- میرٹھی، مولانا بدر عالم، ترجمان السنۃ، ادارہ اسلامیات، لاہور، س-ن
- نثار احمد، ڈاکٹر، خطبہ حجۃ الوداع، آصف پرنٹنگ پریس، لاہور 2005ء
- نجاتی، محمد عثمان، القرآن و علم النفس، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور، 1988
- نجم الغنی خان، بحر الفصاحت، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، مارچ 2006ء
- ندوی، ابو الحسن علی سید، مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1993
- ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبیؐ، محمد سعید سنز، کراچی، 1973
- ندوی، شاہ معین الدین، سیر الصحابہ، ادارہ اسلامیات، لاہور 5 صفر 1346ھ
- ندوی، شہاب الدین، قرآن، سائنس اور مسلمان، شکیل پرنٹنگ پریس، کراچی، 1989
- ندوی، عبد الغفار ضیاء، مہمات الصرف والنحو، مکتبہ علمیہ، س-ن
- ندوی، مجیب اللہ، مولانا، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور 1991ء
- ندوی، محمد اسحاق، مولانا، ایمان اور ایمانیات، مجلس الدعوۃ والتحقیق اسلامی، کراچی، 1975
- ندوی، مولانا سراج الدین، رسول خدا ﷺ کا طریقہ تربیت، اسلامک پبلی کیشنز 1998ء
- النسائی، احمد بن شعیب، السنن، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ،
- نور باقی، ہلوک، ڈاکٹر، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، سید محمد فیروز شاہ (مترجم) اشاعت پنجم، انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی، 2000
- نوشیروی، امام خان، ابو یحییٰ، مکالمات نبویؐ، مکتبہ نذیریہ، لاہور س-ن
- النووی، یحیٰ بن شرف، المجموع شرح المھذب، بیروت، دار الفکر، س ن
- نیازی، لیاقت علی خان، ڈاکٹر، پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2002ء
- النیساپوری، محمد بن عبد اللہ، الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 1411ھ/1990ء
- النیساپوری، مسلم بن حجاج بن مسلم، صحیح مسلم، دار الاسلام، للنشر والتوزیع بیروت لبنان، 1420ھ/1999ء
- ہارون یحیٰ، ڈاکٹر، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں عقل والوں کے لیے، ادارہ اسلامیات، مال روڑ، لاہور، 1988
- ہاشمی، سید احمد، جواہر البلاغۃ، دار المعرفۃ البیروت، لبنان 1426ھ/2005ء

- ہاشمی، شفیق الرحمٰن، تعلیم اور تعلیمی نظریات، مکتبہ عالیہ لاہور، س-ن
- ہدایہ اولین، المجتبائے، دہلی س۔ن
- واحدی، ابی الحسین علی بن احمد، اسباب النزول القرآن، پروفیسر عبد الرزاق مغل (مترجم) دارالاشاعت، کراچی، 2005
- وحید الزماں، علامہ، تیسیر الباری ترجمہ وشرح صحیح البخاری، تاج کمپنی لمیٹڈ، س-ن
- وھبۃ الزحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعہ الا منہج، دارالفکر المعاصر، بیروت، 1411ھ
- یاسین شیخ، عہد نبویؐ کا تعلیمی نظام، غضنفر اکیڈمی، کراچی، 1995ء
- یوسف القرضاوی، ترجمہ ارشاد الرحمٰن، رسول اکرمؐ اور تعلیم، دارالتذکیر، لاہور 2009ء
- یوسف القرضاوی، مترجم ابو مسعود اظہر ندوی، تعلیم کی اہمیت سنت نبویؐ کی روشنی میں، دعوت آفسٹ پرنٹرز، 1998ء
- یوسف، حافظ صلاح الدین، تفسیر احسن البیان (اردو)، مولانا محمد جوناگڑھی (مترجم)، مولانا صفی الرحمان مبارکپوری (نظر ثانی) مکتبہ دارالسلام، لاہور، 1998

لغات وانسائیکلوپیڈیاز

- اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، اسلامی اکادمی، س-ن
- الیاس انطون الیاس، قاموس العصری، انگلیزی-عربی، المبطعۃ العصریہ، القاھرہ، 1962
- امیل بدیع یعقوب، الدکتور، موسوعۃ علوم اللغۃ العربیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان 1427ھ/2006ء
- بعلبکی رومی، بعلبکی منیر، المورد الوسیط، دارالعلم للملایین، بیروت، لبنان، ط-1 1996
- الجوھری، حماد بن اسماعیل، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، 1419ھ/1999ء
- رفیق خاور، اردو تھیسارس، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1996ء
- صدیقی، ابو للیث، ڈاکٹر، اردو لغت تاریخی اصول پر، عربی بورڈ کراچی، 1977ء
- عزیزی، عبد الفتاح، مفتاح اللغات، ناشران محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، کراچی محرم 1376ھ
- فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، س-ن
- قاسمی، وحید الزماں، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، 1422ھ/2001ء
- الافریقی، ابن منظور، لسان العرب، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، 1375ھ/1956ء
- مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس، دارالفکر، بیروت لبنان، 1414ھ/1996ء

رسائل وجرائد

ماہنامہ افکار معلم، لاہور

سہ ماہی تعلیمی زاویے، پاکستان فاؤنڈیشن، اسلام آباد

سہ ماہی فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

سہ ماہی منہاج، ادارہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

ششماہی زبان وادب، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ششماہی السیرہ العالمی

English Books

- A. S. Hornby, Oxford Advanced Learner Dictionary, Oxford University Press, 2001

- Al-Motaz, Abdullah Bin Muhammad, The man: a strange creature with diverse qualities.
- Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam, Combine Printers, Lahore.
- Encyclopedia of Britannica, William Entor Publications, Lahore. 1950
- Encyclopedia of Islam, E. T. Brill, 1939
- Encyclopedia of Religion & Ethics Judaism, Edwi Burgy, 1930
- English to English and Urdu Dictionary, Ferozsons (Pvt) Limited, Lahore
- English-Urdu Dictionary, New Delhi, India
- Hirshfeld, H, New Researches into the compositions and Exegies of the Quran, University of London, 1902
- Hughes, Thomas Patrich, Dictionary of Islam, Printer Book House, Anarkali, Lahore, 1965
- J. A. Simpson, The Oxford Dictionary, Oxford University Press, 1989
- Lane, E. W. An Arabic English Lexicon, Fredrick ungar Publications, New York, 1840
- M. Asad, The message of the Quran, Dara-al- Andalus, Gibraltar
- Mohammad Ali, The Religion of Islam, Ahmadiyyah Anjuman Isha’at, Islam, Lahore, 1950
- Pro, Kalimudin Ahmad, English Urdu Dictionary, New Delhi, India 1985
- Rao, Rave Ranga, Methods of Teacher Training, Discovery, Publishing House, N.d.
- Thomas, Mathew, Effective Teaching, Rajendra, Pavindra Printers, New Delhi, 2008

باب اول

فقہ المعاملات

- فصل اول

استفسار کا معنی و مفہوم

- فصل دوم

اہمیت استفسار قرآن و سنت، تاریخ اور نفسیات کی روشنی میں

- فصل سوم

رسول اکرم ﷺ کا اسلوب خطاب و گفتگو

- فصل چہارم

عقل و فہم اور زبانوں کا لحاظ

- فصل پنجم

رسول اکرم ﷺ کے استفساری اسلوب کی حکمتیں

- فصل ششم

اسلوب استفہام کے فوائد

باب دوم

فقہ المناکحات میں صحابہ کرام کے استفسارات اور فقہ اسلام پر ان کے اثرات

- فصل اول

کتاب النکاح, رضاعت

- فصل دوم

کتاب الطلاق، عدت، ایلاء، خلع

باب سوم

احکام تجارت میں صحابہ کرام کے سوالات اور فقہی جزئیات پر ان کے اثرات

- فصل اول

بیوع کے احکام، خرید فروخت کے احکام

- فصل دوم

اجارہ کے احکام

- فصل سوم

شرکت و مضاربت

باب چہارم

مالی لین دین کے احکام میں صحابہ کرام کے استفسارات اور فقہ اسلامی پر اس کے اثرات

- فصل اول

کتاب الفرائض

- فصل دوم

کتاب الوصایا

- فصل سوم

النذور والقسامہ

- فصل چہارم

ولاء وہبہ

- فصل پنجم

شکار وذبائح

باب پنجم

صحابہ کرام کے استفسارات --- عصر حاضر کے مسائل کے حل میں ان سے استفادہ

- فصل اول

فقہ المناکحات میں استفادہ اور عصر حاضر کے مسائل کا حل

- فصل دوم

احکام تجارت میں استفادہ اور عصری مسائل

- فصل سوم

مالی لین دین کے احکام میں استفادہ اور دور جدید کے مسائل کا حل

فصل اول

استفسار و استفہام کا لغوی مفہوم

1- استفسار

سوال کرنا، پوچھنا، دریافت، سوال، تفتیش، تلاش، رجوع، حوالہ۔ استفسر، یستفسر استفسار باب استفعال

استفہام

1- سمجھنے کی خواہش کرنا 2- دریافت کرنا، کسی بات کا پوچھنا، (فہم۔ سمجھانا)

استفہام استخباری یا حقیقی: جس سے صرف دریافت کرنا مقصود ہو جیسے تم کیا کرتے ہو۔

استفہام اقراری: جس سے ثبوت پایا جائے۔ سوال بعنوان نفی ہوتا ہے۔ جیسے کرتے کیوں نہیں۔

استفہام انکاری: جس سے نفی مقصود ہوتی ہے۔

استفہام مجازی: جس میں سوال کی نقیض معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اقراری اور انکاری۔ (1)

2. (i) Question: (Inquiry, Call to account)

سوال کرنا، پوچھنا، جواب طلب کرنا، جرح کرنا، تحقیقات کرنا، سوال جواب کرنا، کسی شخص کے بیان کی صحت میں شک کرنا، معترض ہونا، شک و شبہ کرنا۔

ii) Query: Inquiry

سوال، استفسار، تحقیق، دریافت، طلب بات، پوچھ گچھ، پوچھنا، سوال پیش کرنا، شک و شبہ ظاہر کرنا(2)

3. Question, an Inquiry, an interrogation.

دریافت، استفسار، تفتیش، سوال، تامل، شبہ، امر بحث طلب، مباحثہ، تکرار، موضوع، مسئلہ، مقدمہ، تحقیق طلب مسئلہ۔

اسم الاستفہام:

ھو اسم یستعلم بہ عن شئی او امر۔ (3)

4. Question:

(ا) "ا" سوال، "ب" مسئالۃ، قضیہ "ج" جدل اوخلاف "د" اقتراح یطرح علی التصویت، "ہ" طرح الاقتراح علی التصویت۔

(2) "ا" استفہام، استطلاع "ب" استجواب، "ج" تعذیب۔

(3) یسال، یستفھم

5. Query

1- عبدالمجید، جامع اللغات، تاجران کتب بلر روڈ لاہور، 1330ھ، (1/191)

2 -(English to English and Urdu Dictionary, Printers book house, Anarkali, Lahore, 1965. P730)

3- الیاس مطر، معجم قواعد اللغۃ العربیہ، ولوحآت، مکتبہ لبنان، س۔ن 4/12 جلد اول

(ا) سوال، تساؤل (2) شک (3) علامۃ استفہام (4) یسال، یستفہم (5) یستساء ل (6) یشک فی یُدی شکۃ فی (7) یضع علامۃ استفہام تری من این لنا ان ناتی بالمال(1)

فسر، فسراً، الامر، واضح کرنا، ظاہر کرنا، المغطی ڈھکے ہوئے کو کھول دینا، فسر، فسراًو تفسیرۃ۔

فسرہ، واضح کرنا، ظاہر کرنا۔

تفسر۔ واستفسر۔ فلانا عن الامر واستفسرہُ ہالامر، واضح کرانا، واضح کرنے کو کہنا۔(2)

6- Question

(1) دریافت، پوچھ گچھ، کسی مسئلے سے متعلق استفسار، تحقیقات، کسی مشتبہ یا مشکوک بات پر بحث مباحثہ، اعتراض۔

(2) (کسی شخص سے) دریافت، سوال (کسی بات کے لیے) خاص کر عدالتی تحقیقات کے سلسلے میں اقبال جرم کے لیے کسی شخص کو تکلیف دینا۔

(3) سوال، استفسار، استفہام، تحقیقات، جملہ، سوالیہ، موضوع بحث مسئلہ۔

(4) کسی مسئلے پر سوالیہ اظہار بیان جس پر بحث و تمحیص کی جائے، کوئی موضوع جو کم و بیش مشکل یا غیر متعین ہو۔ خاص کر کسی جلسے میں یا اسمبلی میں (خصوصاً پارلیمنٹ میں) زیر بحث ہو۔

(5) دو جماعتوں میں وہ مسئلہ، قضیہ یا موضوع جو زیر بحث ہو۔

(6) مقدمہ جس کے متعلق بحث کرنی مقصود ہو۔

(7) کوئی دریافت طلب بات-(3)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے "رافع اللغات" میں اور دیگر اردو، انگریزی اور عربی لغات میں استفسار واستفہام کا کم و بیش مذکورہ معنی و مفہوم ہی بیان کیا گیا ہے۔ انگریزی لغات میں استفسار و استفہام کے لیے" Question "اور "Query" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں

استفہام و استفسار کا اصطلاحی مفہوم

سید احمد ہاشمی:

الاستفہام ھو طلب العلم شئی لم یکن معلوما من قبل۔(4)

کسی نامعلوم شے یا حالت کے متعلق واقفیت حاصل کرنا۔"(5)

احمد مصطفیٰ المراغی کے مطابق:

"ھو طلب فھم شئی لم یتقدم علم بہ۔(1)

---

[1]- المورد، قاموس انگلیزی۔عربی، دار العلم للملایین، بیروت 1967، ص: 749

[2]- مصباح اللغات، اسلامی اکادمی لاہور، ناشران اسلامی کُتب اردو بازار، س۔ن ص:633

[3] –English-Urdu Dictionary, New Delhi, India, P: 828

[4]- سید احمد ہاشمی، جواہر البلاغۃ، قراہ وقدم لہ الدکتور یحٰی مراد موسسہ المختار للنشر والتوازیع، القاہرہ، 65 شارع النزھۃ مصر الجدیدۃ، ص 77

[5]- سورتی ابو عبداللہ محمد بن یوسف، قواعد عربی، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد 1 کراچی، س-ن، ص 134۔

فواد نغمہ:

استفہام کو کچھ اس انداز سے واضح کرتے ہیں۔

"اسلوب یستعمل للاستفسار عن شئی ماء وکل استفہام یطلب جوابا۔(2)

علامہ جلال الدین سیوطی رقمطراز ہیں:

استفہام طلب فہم کو کہتے ہیں اور واستخبار کے معنی میں آتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ استخبار وہ ہوتا ہے جو کہ بیشتر پہلی مرتبہ بیان ہو چکا ہو اور پوری طرح سمجھ میں نہ آیا ہو لہٰذا جبکہ تم اسے دریافت کرو گے تو یہ استفسار دوم استفہام کے نام سے موسوم ہو گا۔([3]

الدکتور امیل بدیع یعقوب کے مطابق

ھو طلب معرفۃ اسم الشئی، او حقیقۃ، او عددہ، او صفۃ لاحقۃ بہ۔(4)

ان مختلف تعریفات سے استفہام کا جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ یہی کہ کسی شے، حالت، عدد یا حقیقت کے متعلق واقفیت حاصل کرنا ہے۔اس میں طلب فہم کا پہلو ہوتا ہے۔

صاحب مھمات الصرف والنحو لکھتے ہیں:

کسی سے کچھ پوچھنے کے لیے جو لفظ بولا جاتا ہے اس کو (کلمہ استفہام) کہتے ہیں۔

خلاصہ بحث

الغرض مختلف لغات اور صرف و نحو کے قواعد پر مبنی کتب کے مطالعے کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ استفسار کا بنیادی مفہوم ہے۔دریافت کرنا، کھوج لگانا، تفتیش کرنا، کسی چیز کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا، علم حاصل کرنا، کسی سے کسی چیز کا فہم حاصل کرنا استفسار کہلاتا ہے۔

جبکہ استفہام کا بنیادی مطلب سوال کرنا، پوچھنا، سوالیہ انداز اپنانا استفہام کہلاتا ہے۔ایسا سوالیہ انداز اپنانا جس میں فہم، سمجھ بوجھ کا تاثر پایا جائے۔

استفسار کسی کا دوسرے سے دریافت کرنا اور اپنے علم میں اضافہ کرنا خود کھوج لگانا کے معنی میں آتا ہے۔جبکہ استفہام نہ صرف اپنے علم میں اضافہ کرنا بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کرنا۔

استفہام اور استفسار میں بہت باریک فرق ہے ایسی باریکی جس کو سمجھنے کے لیے انسانی عقل درکار ہے استفسار میں سختی کا پہلو نمایاں ہے کہ سختی سے کسی سے کچھ دریافت کرنا جبکہ استفہام میں سوالیہ لیکن نرمی کا انداز نمایاں ہے۔

---

[1]- احمد مصطفیٰ المراغی، علوم البلاغۃ، البیان والمعانی والبدیع۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، ص 63

[2]- فواد نغمہ، ملخص قواعد اللغۃ العربیہ پبلشر انتشارات، حبل المتین، 1382ھ 188/1

[3]- سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، اسماعیل اکیڈمی، لاہور، س-ن 196/2

[4]- الدکتور امیل بدیع یعقوب، موسوعۃ الصرف والنحو والاعراب، مکتبہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ، ص 51

فصل دوم

اہمیت استفسار (قرآن وحدیث کی روشنی میں)

جیسے ہی انسان اس دار فانی میں آکر سمجھ بوجھ کی پہلی منزل پر قدم رکھتا ہے۔ آس پاس نظر ڈال کر قریب ترین ماحول، آسمان کی بلندیوں، آفاق کی وسعتوں اور کائنات کے مظاہر کا جائزہ لیتا ہے اس کے اندر معصوم سوالات جنم لیتے ہیں یہ سوالات کیوں؟ کہاں؟ اور کب شروع ہوتے ہیں۔ یہ سوالیہ الفاظ علم و عرفان کا خزانہ ہیں یہ سوال نور علم اور معرفت کی بے شمار کرنیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ سوال جانچنے پرکھنے اور حساب لینے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہل صلاحیت کے لئے کچھ سوال ہی معیار اور پیمانہ بنتے ہیں۔ سوال کے صحیح جواب ہی سے علم و معلومات اور ذہنی وفکری استعداد کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے امتحان کے لئے سوال ہی کا طریقہ مروج ہے۔ متعلم کے سامنے اس کے نصاب میں سے کچھ سوال رکھے جاتے ہیں ان کے صحیح جواب پر ہی کامیابی اور ترقی کا دارومدار ہے۔

سوال کی اس اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہم کتاب اللہ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں تو وہاں افہام و تفہیم کے سوال کے اسلوب کو کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ فہم توجہ، دلچسپی اور تجسس کو بھڑکانے کا ایک خوبصورت ذریعہ ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوال کی نفسیاتی اہمیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے اور اس کو حقائق کے ادراک اور تعلیم و تفہیم میں بطور وسیلہ سینکڑوں مقامات پر مختلف صورتوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مگر افسوس کہ دور جدید میں تعلیم و تربیت کے جو اصول و طرق استعمال کئے جاتے ہیں ان کی اختراع کا سہرا مغربی مفکرین کے سر باندھ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر طریقے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال کئے لیکن افسوس کہ ہم ان پر غور نہیں کرتے اور طلبہ کے ذہن کو خوامخواہ مغربی مفکرین کی طرف منتقل کرتے ہیں اگر ہم یہ چیزیں "الحکمۃ ضالۃ مومن" کے تحت قبول کریں اور اسے اپنی گمشدہ متاع سمجھ کر حاصل کریں تو درست ہے۔ مگر ہم تو ان چیزوں کو نہایت عاجزانہ طور پر حاصل کرتے ہیں اور بڑی احسان مندی کے ساتھ یہ سرمایہ آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے ہیں حالانکہ جن چیزوں کوں مغربی مفکرین نے صدیوں کی تحقیق و جستجو کے بعد دریافت کیا ان میں سے اکثر ہمارے ذخیرہ علمی میں پہلے سے موجود ہے لیکن ہم انہیں حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

آج تعلیم و تدریس میں سوالات کو غیر معمولی اہمیت حاسل ہے۔ اس اسلوب کو سب سے پہلے خالق کائنات نے خود استعمال کیا اور اپنے رب ذوالجلال کی پیروی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارواح کی تخلیق کے ساتھ ہی سوال جواب کا آغاز فرمایا۔ ارشاد ہوا۔

اَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ (1)

روحوں نے جواب دیا:

قَالُوْا بَلٰى(2)

---

[1]-الاعراف 7: 172

[2]-ایضاً

سوال و جواب کے اس ابتدائی منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا آگے بڑھیئے۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ (1)

ملائکہ تعجب سے سوال کرتے ہیں کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں قتل و غارت گری کا فساد برپا کرے گا۔(2)

جب سیدنا آدم علیہ السلام کو خلافت سے نواز کر علم الاسماء سے ممتاز فرمایا جاتا ہے تو بحکم خدا آپ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں مجھے ان اسماء کی بابت بتایئے یہ کیا ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں ہمارے پاس اس کا جواب نہیں ''لَا عِلْمَ لَنَا''۔(3)

لاعلمی کے اعتراف پر حضرت آدم علیہ السلام جواب عنایت فرماتے ہیں۔ فرشتے اور انسان کی سوالاً جواباً یہ گفتگو اس بات پر غمازی کرتی ہے کہ علوم و فنون کی تحصیل میں سوال و جواب کو بنیادی حیثیت حاصل رہے گی۔

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص ہمارے سامنے نمودار ہوا جس کا لباس نہایت سفید، بال خوب کالے اور سفر کے آثار بالکل ظاہر نہ تھے۔ صحابہ میں سے اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے اور اپنے ہاتھ زانو پر رکھے پھر سوال کیا۔

وقال یا محمد اخبرنی عن الا سلام؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا اس نے تصدیق کرتے ہوئے پھر سوال کیا ''وقال اخبرنی عن الایمان'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا۔ سائل پھر عرض گزار ہوا ''وقال اخبرنی عن الساعۃ؟''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قال ما المسئول عنھا باعلم من السائل

تو اس پر پھر سوال پیش کیا

قال فاخبر نی عن امار اتھا

جواباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی چند علامتیں بیان کیں۔ ثم انطلق۔ پھر وہ سائل چلا گیا۔

سیدنا فاروق اعظم بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے مجھے مخاطب فرمایا۔

ال یا عمر اندری من السائل۔

میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔

قال فانہ جبریل اتا کم یعلمکم دینکم(4)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکالمہ اسلامی تربیت کے اسالیب میں سے ایک اسلوب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل

---

[1]- البقرہ2 :30

[2]- ایضاً

[3]- البقرہ2 :32

[4]- محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبیؐ عن الایمان والاسلام والاحسان۔ رقم الحدیث 50 ص 6

علیہ السلام کو بھیجا تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے سوال کرے اور ان کی تصدیق کریں۔ اور صحابہ اسے شوق سے سنیں تا کہ معلمین اور مربی تعلیم وتربیت کی غرض سے اپنی زندگی میں اسلوب کی پیروی کریں۔(1)

تصور کیجئے وہ کیسی پر کیف، روح پرور اور ایمان افرز محفل ہوگی جہاں معلم کتاب وحکمت جلوہ افروز ہیں۔ سید المائلہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک سائل کی صورت میں حاضر ہیں۔ سوال وجواب کی وہ پر کیف نشست صحابہ کرام کے لئے کتنی معنی خیز ہوگی، جہاں تعلیم وتعلم کے لئے سوال وجواب کی بنیاد فراہم کی جارہی ہے۔ سوال کو تو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسئلوا أَهَلَ الذَّكْرِ اِن كُنْتُمُ لَا تَعْلَمُونَ (2)

سوال کا طریقہ جتنا قدیم ہے اتنا ہی مفید بھی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو ان کا دین سکھانے کے لےے سوال وجواب کا اسلوب اختیار فرمایا۔ پہلے پہل سوال کے اس طریقہ کی ترویج کرنے والوں میں حضرت علی، عبداللہ بن عباس اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد میں، حسن بصری، ابن سیرین، ابرہیم نخعی کے نام شامل ہیں ۔(3)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ اثر منقول ہے۔

العلم خزائن و مفاتیحہ السؤال فاسئلو ابرحکم اللہ فان یو جرفیہ اربعۃ السائل، والمعلم، المستمع والمحب الھم۔

یعنی علم خزانے ہیں ان کی کنجی سوال ہیں تو سوال کیا کرو اس لئے کہ اس میں چار افراد کے لئے اجر ہے۔ سائل، معلم، سامعین اور ان کے محبین اور اللہ تم سب پر رحم کرے۔(4)

اس طریقہ تدریس کو امام ابوحنیفہ نے فروغ دیا۔ ان کے تلامذہ مسائل کو سوال کی شکل میں ان کے سامنے پیش کرتے اور ان سوالوں کا جواب دیتے۔(5)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

وانما شفاء الغی السوال (6)

جہالت کی شفاء سوال میں ہے۔

سوال وجواب کا یہ سلسلہ یہیں پر منتھی نہیں ہوتا بلکہ بعد از وصال قبر میں جاتے ہی سوال وجواب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ بات صرف مسلمان سے متعلق نہیں بلکہ مسلم وغیر مسلم، بچے بوڑھے، نوجوان، ہر انسان سے وابستہ ہے۔

حضرت براَبن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں۔ من ربک؟ مسلمان کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ پھر سوال کرتے ہیں مادینک؟

1- الخلاوی، عبدالرحمٰن، اصوال التقویۃ الاسلامیہ واسالیبھا، ص206

2- الانبیاَ 21 :7

3- ممتاز احمد عبداللطیف، اسلام کا تربیتی، تعلیمی وتدریسی نظام، ص517

4- الخطیب بغدادی، الفقیہ والمتفقہ، ج2، ص64

5- ممتاز احمد عبداللطیف، اسلام کا تربیتی، تعلیمی وتدریسی نظام، ص517

6- سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب المسالۃ فی القبر وعذاب القبر، رقم الحدیث 336، ص1248

تیرا دین کیا ہے۔فیقول دینی الا سلام۔ مسلمان کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔

فیقو لان ماھزا لرجل الذی بعث فیکم؟

فیقول ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم------ الیٰ آخرہ(1)

جس طرح عالم ارواح میں ہر روح، اس مرحلے سے گزری پھر عالم دنیا میں ہر ایک کو اس سے سابقہ رہا نیز عالم بررخ (قبر) میں جاتے ہی سوال وجواب کی حقیقت دکھائی دی اسی طرح عالم عقبی میں بھی سوال وجواب کا ہی طرح استقبال کرنا پڑے گا جب جلالت خداوند اپنے جوبن پر ہو گی اللہ تعالیٰ کمال جلال کے ساتھ سوال فرمائے گا۔

لمن الملک الیوم(2)

پھر خود ہی اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

للہ الواحد القھار (3)

روز محشر جب تمام لوگ پریشان ہوں گے تو باری باری تمام انبیأعلیہ السلام سے سوال کریں گے۔ بالا آخر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے۔اسالھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں سوال کریں گے۔

اللہ تعالیٰ جواب ارشاد فرمائے گا۔

یا محمد ارفع راسک وقل تسمع و سنل تعطہ و شقع نشقع(4)

گویا شروع سے آخر تک سوال وجواب کی اہمیت مسلمہ ہے اور اس اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سوالات کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانیت کی تاریخ ہے جب سے انسان نے بات چیت کرنا سیکھا اس کے ساتھ ہی سوالات نے جنم لیا۔ تدریس میں سوالات کا استعمال تدریس کے ساتھ ہوا اور جب سے تدریس کا آغاز باقاعدہ کمرہ جماعت میں ہوا سوالات کی اہمیت اور واضح ہو گئی۔ سقراط سے پہلے فلسفی سوالات کا استعمال کثرت سے کرتے تھے لیکن بیسویں صدی میں سوالات کرنے کے فن پر بہت سی تحقیقات ہوئیں۔ بیسوی صدی میں کی جانے والی پہلی تحقیق سٹیونز(Stevens) 1912ء میں مکمل کی اس نے رپورٹ پیش کی کہ اس کے منتخب نمونہ میں استاد روزانہ 395 سوالات کرتا ہے اس قسم کی تحقیقات کورے(Corey, 1940) فلائیڈ(Floyd, 1960)فلینڈرز(Flunders, 1970)اور ریگ(Wragg, 1977)نے بھی کی اور عام طور پر یہ بات سامنے آئی کہ معلمین کمرہ جماعت میں 30 فیصد وقت سوالات کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ اساتذہ ایک گھنٹہ میں 100 سوالات کر سکتے ہیں لیکن اس کا انحصار مضمون طلبہ کی عمر اور معلم کی اہلیت اور تجربہ پر ہے۔(5)

تعلیم و تدریس میں سوالات کرنے کا فن ایک اہم ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ تھیور-ایف- سڑک کے مطابق اچھے سوالات سبق آموز نوعیت کے ہوتے ہیں اور ہر قسم کے تعلم میں نمایاں حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ پڑھانے اور تجربہ کرنے میں سوالات

---

[1] - سنن ابی دائود، کتاب السنۃ، باب المسالۃ فی القبر وعذاب القبر، رقم الحدیث 4753، ص 1572

[2] - المومن 40 :16

[3] - ایضاً

[4] - جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامہ، باب ماجاء فی الشفاعۃ، رقم الحدیث 2436، ص1896

[5] - محمد ابراہیم خالد، ڈاکٹر، تربیت اساتذہ، ص 306

ناگزیر ہوتے ہیں۔

"Theodor Struck" has beautifully pointed that, if used in right way, at the proper time, questions lead to new realms of understanding, and they will serve as mean of organizing or correcting the result of educative experiences.(1)

گویا ان کا استعمال اگر صحیح طریقے سے کیا جائے اور ٹھیک وقت پر کیا جائے تو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اور ہمارے علم کو منظم کرتے ہیں اور سبق آموز نتائج دیتے ہیں۔

سالمن (Salmon) کے مطابق:

بڑے سوالا کرنے والا بڑا استاد ہوتا ہے ممکن ہے کہ وہ اچھا لیکچر دینے والا ہو۔

رابرن (Ryburn) کے مطابق:

یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ کسی خاص سبق کو پڑھاتے ہوئے یا کچھ بھی تدریس کرتے ہوئے کامیابی کا انحصار اس کے اچھے سوالات کرنے کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے۔(2)

سقراطی طریقہ: سقراط دوران تدریس سوال و جواب کا طریقہ استعمال کرتا تھا اس لئے یہ سقراطی طریقہ بھی کہلاتا ہے۔(3)

سقراط نے تین اقدامات تجویز کئے۔

1. The prepare questions and arrange them in a sequence.
2. To present the questions in appropriate way so that curiosity may be created among the learners.
3. To ask new question by liking with the learner's responses.(4)

۱۔ سوالات تیار کرنا اور انہیں منطقی ترتیب دینا۔ ۲۔ سوالات کر کے طلبہ میں تجسس پیدا کرنا۔

۳۔ طلبہ کے رد عمل پر نئے سوالات تیار کرنا۔

سقراط صرف سوالات کے ذریعے اپنا مفہوم واضح کرتا اور دوسرے کا مفہوم اگلواتا تھا۔ اس طرح وہ شاگردوں میں بحث و استفتاء کا مادہ پیدا کرتا تاکہ وہ حقیقت تک پہنچ سکے۔(5)

تدریس میں سوال و جواب کی اہمیت

حضور اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم کا طرز تعلیم عموماً سوال و جواب کی شکل میں ہوتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے معاذ تو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟

---

[1]– Thomas, Mathew, Effective Teaching, p 122

[2]– محمد رشید، پروفیسر، ڈاکٹر، ایجوکیشنل ٹیکنالوجی، ص 151

[3]– مقصود احمد، پروفیسر، تدریس کے طریقے، (ماہنامہ) افکار معلم، فروری 2006ء، جلد ۱۹ شمارہ 20، ص 46

[4]– Rave Range Rao, Methods of Teacher Training Discovery Publishing House, P 297

[5]– الابراشی، عطیہ محمد، پروفیسر، مترجم رئیس احمد جعفری ص 206

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ بہتر جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے جو شخص اللہ کے ساتھ شریک نہ کرے اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہ دے۔([1])

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے لگے تو تعلیم بذریعہ سوال وجواب فرمائی۔(2)

طریقہ سوال وجواب تدریس میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ پیش آمدہ مسائل کے بارے میں صحابہ کرام خود بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کیا کرتے تھے اور بعد میں بھی اس روایت کو قائم رکھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرعی مسائل پر غور وفکر کیا کرتے تھے جب کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کرتے تھے۔ اور قصر کا حکم دے دیا گیا لیکن جب راستے مامون ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ اب فرمیں یہ حکم کیوں؟

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خدا کا انعام ہے۔

مسائل دریافتکرنے میں مطلقاً نہیں وبیش نہیں کرتے تھے اور جب تک تشفی نہیں ہو جاتی بار بار ایک ہی مسئلہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔

کلالہ کے مسئلہ کو جو نہایت وقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا۔(3)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا۔

اتی لک هذا العلم؟

فرمایا:

بقلب عقول و لسان سقول(4)

سیدنا ابوذر غفاری ہر شے کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کرتے تے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کرتا تھا، حتیٰ کہ ایک کنگری کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال کرتا تھا۔([5])

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ جو خود علم وعمل سے مجمع البحرین تھے۔ فرماتے تھے۔

وعسی علماً عجز عنہ، وکان شجحاً علی دینہ حریضاً علی العلم، یکفر السوال ، و

---

[1] -البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب اسم الفرس والحمار، رقم الحدیث 2856، ص 472

[2] - الترمذی، ابی عیسی محمد بن عیسی، جامع الترمذی، کتاب الاحکام باب ماجائ فی القاضی کیف یقضی۔۔ رقم الحدیث 1327، ص 321

[3] - ندوی، شاہ معین الدین، سیر الصحابہ، ج 1، ص 154

[4] - الجاحظ، ابی عثمان، عمرو بن بحر، البیان والتبیین، ص 108

[5] - محمود احمد ظفر، حکیم، شیخ الاسلام سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ص 261

عجز عن كشف ماعنده من العلم-(1)

علم کو انہوں نے ایسے جمع کیا کہ دوسرے اس سے عاجز تھے۔ اپنے دین کو نہایت سنبھال کر کھتے تھے۔ علم حصول میں بڑے حریص تھے۔ کثرت سے سوال کرتے اور جو کچھ انہیں علم حاصل کرتا تھا اس کو ظاہر کرنے سے عاجز تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلام نبوی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا جو حصہ محفوظ شکل میں ہم تک پہنچا ہے اس میں ان سوالات کے جوابات بھی شامل ہیں جو بعد میں ضبط تحریر میں لائے گئے۔

کلام نبوی کے تنوع، حفاظت اور ہم تک پہنچنے کے متعلق استاد محمود العاد فرماتے ہیں:

"وكلامہ المحفو ظ امام معاهذات ورسائل كتبت فی جیها واما خطب وادعیہ وو صایا و اجوبۃ عن الا سنالہ كتبت بعد جینها و روغبت الفقۃ فی المضاماة بین روایا تها جها المستطاع" یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام محفوظ جو ہم تک پہنچا ہے وہ تو وہ معاہدے اور مکتوبات ہیں جو اسی وقت ضبط تحریر میں آگئے تھے اور یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات، دعائیں، وصیتیں اور سوالات کے جوابات ہیں جو بعد میں ضبط تحریر میں لائے گئے اور حتی الامکان ان کی روایات میں باریکی اور صحت کا لحاظ رکھا گیا۔(2)

علمی مذاکرے اور مباحثے صحابہ کرام اور صحابیات میں نہایت پسندیدہ سمجھے جاتے تھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درس سے فارغ ہوتے تھے تو آپس میں مذاکرہ ضرور کرتے تھے کبھی کبھی ہم لوگ بچاس بچاس، ساٹھ ساٹھ ہوتے تھا اور ہر شخص باری باری دہراتا تھا اس سے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی کہ جو پڑھا ہے گویا دل پر لکھا ہے۔(3)

مختلف ادوار میں طریقہ سوال وجواب کا استعمال

خلافت راشدہ

خلافت راشدہ میں فقہ کی تدریس کے لئے بات چیت یا گفتگو کا طریقہ استعمال ہوتا ہے۔ مستند علماء وفقہاء مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے اور شائقین علم ان کے گرد جمع ہو جاتے یہ مختلف فقہی مسائل دریافت کرتے اور جواب دیئے جاتے فقہی مسائل کی تعلیم دینے والوں میں حضرت معاذ بن جبل، ابو درداء، عبادہ بن صامت، عبدالرحمٰن بن غنم، عمران بن حصین اور عبداللہ بن مغفل رضوان اللہ کے نام شامل ہیں۔ یہ حضرات اپنے زمانہ کے بڑے عالم تھے۔(4)

بنو امیہ کا دور

اس دور کے اساتذہ مختلف انداز اختیار کر کے سبق کو طالب علم کے ذہن کے قریب لاتے تھے۔ حضرت سعید بن المسیب سید

1-طبقات ابن سعد، ج 4، ص 232

2- ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، فصاحت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص284

3 - کتانی، شیخ عبدالحئی، علامہ، التراتیب الاداریہ، ج۲۔ ص372

4 - صدیقی، علی اوسط، اسلامی نظام تعلیم و نظریہ پاکستان، ص129

التابعین کہلاتے ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ سوالات کرتے تھے ایک دن انہوں نے اپنے شاگردوں سے سوال کیا۔ وہ کون سی نماز ہے جس کی سب رکعتوں میں انسان بیٹھتا ہے؟ شاگرد جواب نہ دے سکے تو پھر خود فرمایا۔ وہ مغرب کی نماز ہے جب پہلی رکعت چھوٹ جائے اور تم دوسری رکعت میں شریک ہو تو پھر تم کو ہر رکعت میں بیٹھنا ہو گا۔(1)

عہد بنو امیہ (دمشق) میں صحابہ کرام اور صاحبان علم کے حلق درس میں گفتگو کا طریقہ اور پھر مباحثی طریقہ کام میں لایا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے حلقہ درس میں سوال وجواب کا طریقہ استعمال ہوتا تھا لوگ ان سے سوالات پوچھتے اور وہ ان کا جواب دیتے تھے اس دور میں یہ طریقہ زیادہ تر حدیث کی تعلیم میں استعمال ہوتا تھا۔ عہد بنو امیہ (اسپین) میں حاجب المنصور علماء وفضلاء کے مذاکرے کے ساتھ ساتھ مباحثے کا انتظام بھی کیا جاتا۔(2)

عہد سلاطین دہلی

برصغیر پاک وہند میں سلاطین دہلی کے عہد میں اس طریقہ کا استعمال کامیابی سے کیا جاتا تھا اکثر مشہور اساتذہ کے درس مین ان کے ہم عصر علماء اور اساتذہ بھی شریک ہوتے اس لئے بحث ومباحثہ کا معیار کافی بلند ہوتا تھا۔ اس طریقہ کی مدد سے طلبہ اور شائقین علم کی معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوتا تھا اور وہ زیر بحث عنوان کے تمام پہلوؤ کو وضاحت کے ساتھ سمجھ لیتے تھے اور عبور حاصل کر لیتے۔(3)

پرانے درس کی یہ ایک اہم خوبی تھی کہ وہ گونگا درس نہ ہوتا تھا بلکہ استاد اور شاگرد کے درمیان بحث ومباحثہ یعنی سوال و جواب کا طریقہ رائج تھا۔

طلبہ کی تیاری کا اندازہ "طریقہ بحث" سے ہوتا تھا۔ یعنی سوال وجواب جو اساتذہ اور شاگردوں کے درمیان ہوتے اس سے معلوم ہو جاتا کہ کون سے طالب علم تیار ہو کر آئے ہیں اور کون سے بغیر تیاری کے آکر بیٹھ گئے ہیں۔ طالب علم اگر چند دن بھی چپ رہتا تو فوراً اساتذہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ بحث وتحقیق کے اس طریقہ سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ استادوں کو اپنے شاگردوں کی قابلیتوں کا پتہ چلتا رہتا تھا۔ سوال میں گہرائی، شکوک وشبہات میں قوت جتنی بڑھتی جاتی تھی سمجھا جاتا تھا کہ اس حد تک علم میں وہ ترقی کر رہا ہے۔(4)

اساتذہ درس کے دوران طلبہ سے آزمائشی سوالات کرتے تھے اگر جواب مشکل ہوتا تو طلبہ کو ایک ہفتہ کی مہلت دے دی جاتی تھی کہ اس دوران میں تیار ہو کر اس سوال کو حل کریں۔(5)

---

[1]-(i) محمد سلیم، سید۔ اسلام کا نظام تعلیم، ص 141
(ii) مالک بن انس، الموطا، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، باب العمل فی جامع الصلاۃ، رقم الحدیث 86، ص 106

[2]-صدیقی، علی اوسط، اسلامی نظام تعلیم اور نظریہ پاکستان، ص 142، 181

[3] -ایضاً، ص 222

[4] -گیلانی، مناظر احسن، (سید)، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ج 2، ص 331

[5] -ابن جماعہ، ابراہیم بن سید، تذکرۃ السامع والمتکلم، ص 158

کبھی دوسرے طریقوں سے طلبہ کی استعداد کا امتحان لیا جاتا تھا۔

ابن ابی حناجہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مشہور محدث محمد بن مصعب کے ہاں حدیث سننے کے لئے پہنچے شیخ نے مکان سے بر آمد ہو کر کہا ابھی زبان پر ایک شعر آگیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی یہ بتادے کہ یہ کس کا شعر ہے تو میں تین حدیثیں سناؤں گا اس کے بعد آپ نے وہ شعر پڑھا۔ ایک عراقی طالب علم نے آگے بڑھ کر اس شاعر کا نام بتادیا شیخ نے س کی تصدیق کی اور پوچھا اس کے آگے کونسا شعر ہے۔ شیخ سن کر بہت خوش ہوئے اور شعر وادب میں امتحان لینے کے بعد حسب وعدہ چھ حدیثیں سنائیں۔ (1)

اگر صحیح جواب سے خوش ہوتی اور طالب علم کی کوئی ادا پسند آجاتی تو اساتذہ طالب علموں کو انعام بھی دیتے تھے۔ ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ محمد کے پاس امام شافعی اپنے طالب علمی کے زمانہ میں حاضر تھے امام محمد نے ان سے کوئی سوال کیا۔ امام شافعی نے اس کا جواب دیا اور جب امام محمد نے جواب کی تصدیق فرمائی تو امام شافعی نے اسے لکھ لیا۔

امام محمد کو امام شافعی کا یہ شوق علم پسند آیا اور خوش ہو کر (۱۰۰) سو درہم عطا کئے اور فرمایا کہ تم پابندی سے آیا کرو۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے ایک اونٹ کے بوجھ کی مقدار میں لکھا ہے۔ (2)

علامہ ابن خلدون کی رائے

بحث اور مناظرہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ابن خلدون لکھتے ہیں کہ کسی علم میں ملکہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے طلبہ کو بحث ومناظرے کا عادی بنایا جائے۔ مسائل علمیہ پر تحقیقی بحثیں ہوں مختلف مضامین پر گفتگو چھڑے اور طلبہ اس سرگرمی میں حصہ لیں۔ اس طریقہ تعلیم اور اسلوب سے درس میں بہت جلد ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (3)

ساتویں آٹھویں صدی میں اسلام کے مغربی ممالک (اندلس مراکش) وغیرہ کے تعلیمی انحطاط کا تذکرہ رکتے ہوئے ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے۔

فتجد طالب العلم منهم بعد ذهاب اكثير من اعمارهم فی ملازمة المجالس العلميه سكوتا لايفا وضون و عنايتهم بالحفظ اكثر من الحاجة فلايحصلون على طائل من ملكه التصرف فی العلم و التعليم-(4)

یعنی تم (اس ملک) کے طالب علموں کو پاؤ گے کہ ان کی عمر کا بیشتر حصہ مجلسوں (یعنی تعلیمی مجلسوں) میں صرف سکوت کے ساتھ گزر گیا اس طور پر کہ وہ ان مجلسوں میں کچھ نہیں بولتے۔ مفاوضہ یعنی سوال وجواب نہیں کرتے ان کی توجہ زیادہ تر غیر ضروری طور پر یاد کرنے اور حفظ کرنے پر ہوتی ہے۔ اس سے کوئی نفع ان کو حاصل نہیں ہوتا یعنی علم اور تعلیم میں خود سوچنے سمجھنے اور تصرف کی قابلیت اور ملکہ ان میں پیدا نہیں ہوتا۔

---

[1] -یوسف بن عبدالبر، ابی عمر، جامع بیان العلم وفضلہ، ص 222

[2] -احمد بن مصطفیٰ، مفتاح السعادۃ، ج 2، ص 88

[3] -صدیقی، بختیار حسین، پروفیسر- مسلمانوں کی تاریخی فکر کا ارتقاء، ص 88

[4] -عبدالرحمٰن بن خلدون، العلامہ، مقدمہ ابن خلدون، ج 1، ص 462

ان بنیاد پر ابن خلدون نے اپنی رائے قلمبندی کی ہے کہ

''وایسر الطرق ھذہ المکۃ فتق اللسان بالمحاوہ والمناظرہ فی المسائل العلمیہ فھوالذی یقرب شانھاو یحصل مرامھا۔''(1)

اس ملکہ اور قابلیت کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ زبان سوال وجواب اور مناظرہ کے لئے علمی مسائل میں کھولی جائے اور یہی چیز اس ملکہ اور قابلیت سے انسان کو قریب کرتی ہے اور جو مقصد ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے۔

مولانا مودودیؒ کی خوبی

ایک معلم باکمال دوران تعلم سوال جواب کا طریقہ اپناتا ہے۔ خود مولانا اس طریقہ پر کاربند رہے۔ چاہے وہ ذیلدار پارک ہو، اساتذہ کی انجمن ہو، طلبہ سے مخاطب ہوں یا سیاست دانوں اور وکلاء سے ہم کلام ہوں اس اسلوب کو اپنا کر سامع اور ناظر کے دل موہ لیا کرتے تھے۔

سید ابوالاعلیٰ مودوریؒ کی اس خوبی کو نعیم صدیقی'' اپنے الفاظ میں یوں لکھتے ہیں:

ان کی تقریر کا انداز معلمانہ ہوتا تھا جیسے جلسہ گاہ کلاس روم ہو اور پروفیسر یا ٹیچر اپنے عزیز طلبہ کو کوئی مضمون سمجھا رہا ہو۔(2)

جدید طریقہ تدریس میں سوال وجواب کی اہمیت

طریقہ سوال وجواب جدید طریقہ تدریس میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ تدریس میں یہ سب سے اہم تکنیک ہے۔ یہ سوال و جواب ہی ہیں جس کی بدولت استاد اور شاگرد کا رابطہ مسلسل رہتا ہے۔ اور استاد اپنے طالب علموں سے اس کے ذریعے آگاہ رہتا ہے۔ جو اساتذہ مسلسل بولے جاتے ہیں نہ خود سوال کرتے ہیں نہ طلبہ کو سوال کرنے دیتے ہیں ان کی تدریس سے طلبہ کو بہت کم فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسے اسباق میں بچے بہت کم دلچسپی لیتے ہیں۔ تدریس میں سوالات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ کسی سبق کی کامیابی اور عمومی تعلیم کے مقاصد سوالات اور سوالات پوچھنے کی صلاحیت پر انحصار کرتے ہیں۔ سوالات بچوں کو متحرک کرتے ہیں اور اگر ان کا ستعمال مہارت سے کیا جائے تو اس سے سیکھنے کا عمل اور مؤثر ہو جاتا ہے۔ سوالات پوچھنا تعلیمی عمل میں کامیابی کی علامات ہے۔(3)

ذہنی نشو ونما کی بنیاد تجسس و تحقیق پر ہے۔ حیرانی شک وشبہ اور الجھن ذہنی سرگرمی کے عوامل ہیں اور یہ عوامل ایسے ہیں جو اسنان کو سوال پوچھنے پر مجبور کرتے ہیں اور وہ غور وفکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ ذہنی سرگرمی کی بلند ترین قسم ہے۔ اس ذہنی سرگرمی کی طرف پہلا قدم سوال ہوا کرتا ہے گویا معلوم ہوتا ہے کہ سوال اور غور وفکر کا آپس میں گہرا تعلق ہی نہیں بلکہ چولی دامن کا

---

[1] ۔ایضاً، ص 245

[2] ۔عبدالعزیز مغل۔ سید مودوری کا معلم مطلوب، ص 142

[3] ۔شائلہ محبوب، پڑھانے کی مہارتیں، (سہ ماہی) تعلیمی زاویے، جولائی 2010، ج 21، ش 3، ص 56

ساتھ ہے۔(1)

جدید طریقہ ہائے تدریس اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بچے صرف وہی چیز سیکھتے ہیں جن کی انہیں ضرورتی ہوتی ہے اور ان کی ضرورت سوالات کی مرہون منت ہے۔ اور یہ ایک ایسا ذریعہ ہے کہ استاد بچوں کو فکری قوتوں کو بیدار کر کے مناسب راہوں پر گامزن کر سکتا ہے۔ جدید تعلیم نے سوالات پوچھنے کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

ایک ماہر تعلیم سوال کی اہمیت بیان کرتے ہیں کہ تعلیم و تدریس کی تاثیر ہ ماپنے کے لیے زیادہ تر یہ دیکھنا چاہیے کہ کس قسم کے سوال پوچھے گئے ہیں اور انہیں کس طور پر مرتب کیا گیا ہے۔

ابتدائی یا ثانوی مدرسے استاد اس وقت تک کامیابی کی امید نہیں رکھ سکتا جب تک وہ سوالات پوچھنے کے فن پر پوری طرح قدرت حاصل نہ کرے۔

مشہور ماہر تعلیم "Parker" کے اس بیان سے بھی سوال کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ:

عادتی مہارت کے علاوہ سوال ہی تمام تعلیمی سرگرمی کی بنیاد ہے۔(2)

اسی طرح "Thing" کے مطابق:

تدریس کا مفہوم ہی مہارتی سوالات کرنا ہے۔(3)

نفسیاتی نقطہ نظر سے سوال کی اہمیت

کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ سوال کریں، مانگیں ایک طالب علم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ کلاس روم میں استاد سے سوال کرے تاکہ سبق کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ:

سوال کرنے کے مسلز (MUSELS) کو مضبوط کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے کہ پہلے چھوٹے قدم اُٹھائی۔ ہر روز کچھ سوال کریں کچھ مانگیں اس طرح قدم بہ قدم اپنے آپ کو مضبوط کرتے جائیں۔ ہر روز کوئی پہلے سے بڑی چیز کا سوال کریں۔ سوال کرتے ہوئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ سوال اس طرح کریں کہ آپ کو ملنے کی پوری توقع ہو۔

۲۔ ایسے افراد سے مانگیں جو دے سکتا ہے۔

۳۔ سوال واضح اور مخصوص ہوں۔

۴۔ باربار سوال کریں۔(4)

---

[1] -ضیاء الحق، طریقہ ہائے تدریس، ص168

[2] - محمد خورشید، پرفیسر، تدریسی حکمت عملی، ص134

[3] -ایضاً

[4] -ارشد جاوید، پروفیسر، تعلیمی کامیابی، ص199

فصل سوم

اسلوب استدلال و استفسار

خالق کائنات نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فرمایا۔ خالق کائنات نے خود فریضہ معلّمی دیتے ہوئے آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھایا۔

و علم آدم الاسماءکلھا (1)

اس کے بعد خالق کائنات نے اپنی مخلوق کے ہر ہر فرد، مرد و عورت کے لیے تعلیم وتربیت کا ایک ایسا اعلیٰ وارفع سلسلہ جاری فرمایا جو اپنے دامن میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائؑ و رسل لیے ہوئے ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ ہر نبی کا بنیادی منصب معلم ہی کا رہا ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اپنے اسی منصب کا اظہار انما بعثت معلما(2) کہہ کر کیا۔

اور اس سلسلہ کی آخری کڑی کو خود خالق کائنات نے بھی معلم کتاب و حکمت فرمایا۔

ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ (3)

آپ ﷺ نے انسانیت کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک خاص حکمت سے کام لیا۔ یہ حکمت عملی بے حد موثر ثابت ہوئی کہ 'نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر' اسلامی تعلیمات مقبول عام ہو گئیں۔

آپ ﷺ کی حکمت عملی کے موثر ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے معاشرے میں تعلیم وتربیت کا کام سرانجام دیا جہاں تعلیم کا رواج نہ تھا، پورا معاشرہ جاہل تھا اور لوگ اس (جہالت) پر فخر کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے جو طریقہ تدریس اختیار کیا اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ پرلے درجے کے جاہل عالم بن گئے پھر انھوں نے آپ ﷺ کی میراث کا حق اس طرح ادا کیا کہ عرب و عجم کے کونے کونے میں پھیل گئے اور علم کی شمعیں روشن کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو معلم کامل کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ (4)

رسول اکرم ﷺ ساری انسانیت کے معلم و مربی ہیں۔ لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ ﷺ نے حکیمانہ طریقے اختیار فرمائے۔ آپ ﷺ کا انداز تکلم ایسا واضح اور دل نشین تھا کہ سننے والوں کو بات سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ آپ ﷺ سامعین اور حاضرین محفل سے ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات کرتے۔ آپ ﷺ کی گفتگو سادہ، آسان اور عام فہم ہوتی۔ (5)

رسول اکرم ﷺ تو اس بات کے شدید خواہش مند ہوا کرتے تھے کہ جو کچھ آپ ﷺ کے دل میں ہے اس کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں اور اس کا وہی مفہوم سمجھا جائے جو آپ ﷺ چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سامع کو بات سمجھا کر

---

[1]-(البقرہ2:31)

[2]-الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن الدارمی، باب فی فصل العلم والعالم، رقم الحدیث، 355، ص105

[3]-البقرہ2:129

[4]-مہر سعید اختر، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی حکمت تعلیم وتربیت، ماہنامہ افکار معلم (مارچ2005) ص17

[5]-منصوری، شبیر احمد، ڈاکٹر، پروفیسر، سوال اور مکالمہ تعلیم کا نبوی منہاج، (ماہنامہ) افکار معلم، مئی 2001، ص13

چھوڑتے تھے۔ مفہوم تک پہنچانے اور بہترین مفہوم پیش کرنے اور موقع کی مناسبت سے بات کرنے میں رسول اللہ ﷺ اسلوب بیان کی جس چوٹی پر فائز تھے اس بھی آپ ﷺ کو اس ضمن میں مدد فراہم کی (1)۔

آپ ﷺ میں معلم کامل کی تمام صفات موجود تھیں اور آپ ﷺ نے معلم کامل ہونے کی حیثیت سے تعلیم وتربیت کے وہ تمام طریقے اور اسالیب استعمال فرمائے کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی ان سے مستفید ہو رہی ہے اور ان سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ کامیاب معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے متعلقہ فن اور موضوع میں ماہر با کمال ہو۔ آپ ﷺ علم کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ و علمک مال تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما0 (2)

رسول اکرم ﷺ کے فصیح وبلیغ اسالیب کلام میں سے ایک اہم اسلوب استفہامی اسلوب بیان ہے۔ جو ہماری اس بات تک رسائی کرتا ہے کہ گفتگو کو کس طرح سہل اور دلنشین بنایا جائے۔ معانی کا انکشاف کیا جائے اور مراد کو فہم کے قریب کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے طریقہ تدریس کے دوران اس اسلوب کو کثرت سے استعمال کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا وافر حصہ اس طریقہ تدریس کی بدولت ہم تک پہنچا ہے۔ اس طریقہ تعلیم کی اہمیت وافادیت تعلیم و تعلم سے واسطہ رکھنے والے لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور یہ موجودہ دور میں بھی خصوصاً معلومات مواد ذہن نشین کرانے کے لیے دوسرے طریقوں سے بدرجہا موثر ہے۔ تعلیم وارشاد کے لیے آپ ﷺ اس طریقہ تدریس کی افادیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ بہت سی معلومات آپ ﷺ اس طریقہ سے ذہن نشین کرواتے تھے۔ (3)

جو کچھ بتانا ہوتا اسے سوال کی شکل میں رکھتے پھر صحیح جواب ارشاد فرماتے۔ دوسروں کو بھی آزادی سے سوال پوچھنے کا موقع دیتے البتہ لغو اور لایعنی سوالوں کے لیے یا تو مناسب انداز میں منع فرمادیتے یا صرف نظر کر جاتے۔ غیر متعلق سوال ہوتا تو بات ختم کرنے کے بعد علیحدہ سے جواب ارشاد فرمادیتے۔ (4)

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ مسجد میں ہی رہتے تھے البتہ مصلیٰ سے اٹھ کر اس مقام پر آکر بیٹھ جاتے جہاں (اسطوانہ) ستون توبہ واقع ہے۔ یہ جگہ منبر شریف اور حجرہ مبارک کے درمیان میں چوتھا ستون ہے۔ آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے۔ ہم میں سے کوئی شخص قرآن سے متعلق سوال کرتا تھا کوئی فرائض (وراثت) کے مسائل دریافت کرتا تھا، کوئی خواب کی تعبیر دریافت کرتا۔ (5)

یہ ایک آزادانہ طریقہ تعلیم تھا۔ دین سے متعلق ہر قسم کی بات وہاں دریافت کی جاتی۔ آپ ﷺ مسائل کو سمجھاتے اور اس کی تشفی فرماتے تھے۔ اس درس میں شرکت کی نیت سے صحابہ کرام کی اکثریت مسجد نبوی میں نماز ادا کرتی تھی۔ مجبوری کی وجہ سے جو صحابہ کرام درس میں شریک نہ ہو پاتے وہ حاضر ہونے والے صحابہ کرام سے مسائل پوچھ لیتے تھے۔ بعض صحابہ کرام نے آپس میں

---

[1] -یوسف القرضاوی، علامہ، ترجمہ ارشاد الرحمٰن، رسول اللہ ﷺ اور تعلیم، ص 250

[2] -النساء 13:4

[3] -غلام عابد خان، عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، ص 105

[4] -الخالدی، رانا ولی اللہ صادق، رسول اکرم ﷺ کا تعلیمی اسوہ اور پاکستان، ص 75

[5] -محمد بن سلمان، جمع الفوائد، باب آداب العلم السوال والقیاس، ج 1، ص 24

اتفاق کر لیا تھا کہ ایک روز ایک صحابی جاتے اور دوسرے روز دوسرے صحابی اور ایک دوسرے کو باخبر کرتے، اس طریقہ سے ان کا ناغہ نہیں ہوتا تھا۔(1)

جدید طریقہ ہائے تدریس میں سوالات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور اسے سبق کو آگے بڑھانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سوالات شاگردوں کی طرف سے بھی ہوتے ہیں اور اساتذہ کی طرف سے بھی۔ حضور اکرم ﷺ ہمیشہ سوالات کے ذریعے تعلیم و تعلم کا سلسلہ آگے بڑھاتے اور اس طریقہ کو آپ ﷺ نے کثرت سے استعمال کیا۔(2)

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"العلم خزانة مفتاحيها السئوال" (3)

آپ ﷺ کی تعلیم کے دوران عموماً تین قسم کے سوالات کا استعمال ہوتا تھا۔

1۔ حضور ﷺ کی تعلیم، صحابہ کرام کے وضاحتی سوالات اور آپ ﷺ کی تشریح۔

2۔ حضور ﷺ کے سوالات اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے جوابات اور حضور ﷺ کی تشریح۔

3۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے سوالات اور حضور ﷺ کے جوابات۔

حضور ﷺ کی تعلیم اور صحابہ کرام کے سوالات

بعض اوقات جب آپ ﷺ تعلیم دے رہے ہوتے تو دوران تعلیم صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین وضاحت کے لیے سوالات کرتے اور آپ ﷺ ان سوالات کے جوابات مرحمت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے مجلس میں تین مرتبہ فرمایا: واللہ لا یومن۔

صحابہ نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ یارسول اللہ ﷺ ۔آپ ﷺ نے بتایا کہ جس آدمی کے شر و فساد سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ (4)

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اُس کے جس نے میرا انکار کیا۔

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابیٰ

قیل من ابیٰ یا رسول اللہ؟

قال من اطاعنی فقد دخل الجنة و من عصانی فقد ابیٰ۔ (5)

حضور ﷺ کے سوالات اور صحابہ کرام کے جوابات

بعض اوقات حضور ﷺ حاضرین مجلس سے خود سوال فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کے سوال پر عام طور پر اللہ و رسولہ اعلم کہتے تھے۔ پھر آپ ﷺ خود ہی انہیں جواب دے کر ان کو تعلیم دیتے تھے۔(1)

---

[1]۔سید محمد سلیم، پروفیسر، اسلام کا نظام تعلیم، ص33

[2]۔ہاشمی، شفیق الرحمٰن، تعلیم اور تعلیمی نظریات، ص122

[3]۔احمد شبلی، الدکتور، التربیت التعلیم فی الفکر الاسلامی، ص358

[4]۔البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ، رقم الحدیث، 6016، ص1052

[5]۔ صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالسنة، باب الاقتداء بسنن رسول ﷺ ، رقم الحدیث 7280، ص 1252

"عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ زنا، شراب اور چوری کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو۔ ہم نے کہا اللہ رسولہ اعلم۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب فواحش ہیں اور ان میں عقوبت ہے۔ پھر کہا کہ کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، والدین کی نافرمانی اوران سے بے تعلّقی ، پھر سنبھل کر فرمایا اور جھوٹ بولنا۔"(2)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم میں سے کس کو اپنے ذاتی مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پسند ہے؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سب کو اپنا مال محبوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنا مال آگے بڑھایا (صدقہ و خیرات کیا) وہ اس کا مال ہے اور جو مال چھوڑا وہ وارث کا مال ہے۔ (3)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا:

"قال رسول اللہ ﷺ ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وانھا مثل المسلم فحد ثرنی ماھیَ فوقع الناس فی شجر البوادی۔
قال عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رفع فی نفسی انھا النخلۃ، فاستحیت
ثم قالوا: حدثنا ماھی یا رسول اللہ ﷺ ھی النخلۃ۔ (4)

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے سوالات اور آپ ﷺ کے جوابات

حاضرین مجلس رسول اکرم ﷺ سے دینی امور کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ ان کے جوابات دیتے تھے۔ حضرت مقداد بن اسود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے ایک بات آپ ﷺ سے سنی ہے جس میں تردد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اذاشک احدکم فی الامر فلیسئلنی عنہ۔(5)

جب تم میں سے کوئی کسی بات پر شک کرے تو مجھ سے پوچھ لے۔

اس کے بعد مقداد بن اسود نے اپنا شک بیان کیا اور آپ نے تسلی بخش جواب دیا۔

ایک مرتبہ ابوذر غفاری نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ پھر ابوذر نے پوچھا کہ کیسا غلام آزاد کرنا بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اپنے آقا کے نزدیک محبوب اور گراں قیمت ہو۔ ابوذر نے کہا اگر میں ان میں سے کسی عمل کی استطاعت نہ رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم کسی بے کس کی مدد کرو یا کسی نوآموز

---

[1]-اطہر مبارکپوری، قاضی، خیرالقرون کی درسگاہیں، ص 68

[2]-البخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد باب عقوبۃعقوق الوالدین، رقم30، ص25۔

[3]- صحیح البخاری، کتاب الفرقان، باب ماقدم من مالہ فھولہ، رقم الحدیث2442، ص 1118

[4]- صحیح البخاری، کتاب العلم، باب قول الحدیث حدثنا و اخبرنا و انبانا، رقم الحدیث 61، ص 24

[5] -جمع الفوائد، آداب العلم والسؤال والقیاس والفتیا والکتابۃ، ج1، ص24

کا کام کرو۔ ابوذر نے کہا اگر یہ بھی نہ کر سکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھو یہ ایسا صدقہ ہے جو تم خود اپنے اوپر کرو گے۔(1)

حضرت سفیان بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجیے جو اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ اور پھر اس کے بارے میں آپ کے علاوہ کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ امنت باللہ کہو ثم استقم پھر اس عقیدہ پر جم جاوء۔(2)

سوالات پوچھنے کی اجازت (احادیث نبوی ﷺ سے جواز

تدریس میں طلبا کو فراہم کی جانے والی سہولتوں میں سے ایک اہم مسئلہ سوالات کا ہے۔ حقیقتاً دوران تدریس اکثر ایسے مواقع آتے ہیں جب طلبہ مسئلہ کو واضح طور پر نہیں سمجھ پاتے اور کئی طلبہ کے ذہن میں سبق یا موضوع سے متعلق سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس سے متعلق معلم سے مزید استفسار کریں۔

بعض طلبہ میں یہ خواہش مزید جاننے کی جستجو کے باعث بھی ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں معلم سے سوال پوچھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ دوران تدریس معلم سے سوال پوچھنا یا وضاحت کے لیے معلم کی توجہ کسی خاص نکتہ کی طرف مبذول کروانا درس و تدریس میں رخنہ اندازی نہیں ہے۔

بعض ماہرین کے نزدیک سوال کرنا معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور ابتدائی عہد کے معلّمین کی تدریس سے کئی مثالیں ملتی ہیں جس کی روشنی میں کسی ایک نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔(3)

جس طرح نبی اکرم ﷺ سوال کر کے مخاطبین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرواتے اور پھر کوئی حقیقت ان کے ذہن نشین کر دیتے اسی طرح آپ ﷺ اپنے مخاطبین، احباب اور رفقائ کو بھی سوالات کرنے کا موقع فراہم کرتے تھے تا کہ ان کے ذہنوں میں ابھرنے والے شکوک و شبہات دور کیے جا سکیں۔ اگر وہ کسی مسئلے میں رہنمائی چاہیں تو وہ مدد بھی دی جا سکے۔ آپ ﷺ کبھی سوالات کرنے کی اجازت دیتے اور کبھی سوالات پر آمادہ کرتے اور کبھی سوالات کرنے والے کی ہمت افزائی کرتے۔ اس طرح گفتگو کرنے والے کو پوری طرح مطمئن کر دیتے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی منصب یا ذمہ داری پر فائز لوگ ایسے مواقع پر کنارہ کشی کی کوشش کرتے ہیں جہاں انھیں جواب دہی سے دوچار ہونا پڑے۔ مگر اللہ کے رسول ﷺ اپنے عظیم انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنے احباب و رفقائ کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا جواب دینا ضروری سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ سوال کرنے کا کس قدر موقع دیتے تھے اس کا اندازہ اس گفتگو سے ہوتا ہے جو عمرو بن عبسہ نے حضور ﷺ سے کی۔

عمرو بن عبسہ: شروع میں کون لوگ آپ کے ساتھ تھے؟

رسول اکرم ﷺ: ایک مرد آزاد اور ایک غلام (حضرت ابو بکر صدیق۔ حضرت بلال)

عمرو بن عبسہ: اسلام کیا ہے؟

---

[1] - صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ایالرقاب افضل، رقم الحدیث، 2518، ص207) (مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال، رقم الحدیث 250، ص52

[2] - صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، رقم الحدیث، 159، ص39

[3] - یاسین شیخ، عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم ص45

رسول اکرم ﷺ: پاکیزہ گفتار اور بھوکوں کو کھانا کھلانا۔

عمرو بن عبسہ: ایمان کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ: صبر و سخاوت۔

عمرو بن عبسہ: کون سا اسلام افضل ہے؟

رسول اکرم ﷺ: جس ایمان کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پائے جائیں۔

عمرو بن عبسہ: کس قسم کی نماز افضل ہے؟

رسول اکرم ﷺ: جس نماز میں دیر تک قیام کیا جائے۔

عمرو بن عبسہ: کیسی ہجرت افضل ہے؟

رسول اکرم ﷺ: یہ کہ تم ان چیزوں سے بچو جو تمھارے رب کی ناپسندیدہ ہیں۔

رسول اکرم ﷺ: جس کا گھوڑا میدان جنگ میں مارا جائے خود بھی شہید ہو۔

عمر بن عبسہ: کون سا وقت (نفل نماز کا) سب سے افضل ہے؟

رسول اکرم ﷺ: رات کا پچھلا پہر۔(1)

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو مفید اور ضروری سوالات پوچھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضور ﷺ بوقت ضرورت سائل کو اعادہ سوال سے بھی نہ روکتے تھے۔([2])آپ ﷺ میں یہ خوبی بھی موجود تھی کہ طلبائ کے لازمی استفسار یا وضاحت کا برا نہ مانتے تھے۔ بعض مواقع پر آپ ﷺ سامعین کا خیال کرتے ہوئے خود ہی بات کو دو تین مرتبہ دہرا دیتے۔ اس فعل کی تعلیمی افادیت بھی بہت زیادہ ہے۔ موجودہ تعلیمی نفسیات میں اس طریقہ کو اب شامل کیا گیا ہے مگر نبی اکرم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے یہ طریقہ رائج کیا۔[3]

سوال کرنا طالب علم کا حق ہے: نبی کریم ﷺ کے اس طریقہ تعلیم سے طالب علم کا یہ استحقاق بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی بات نہ سن سکیں یا اچھی طرح نہ سمجھ سکیں تو اساتذہ سے بار بار دہرانے کی درخواست کر سکتے ہیں۔ سوال کرنا ان کا بنیادی حق ہے۔(4)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں ایک شخص کو جو زخمی تھا غسل کی حاجت ہوئی، لوگوں نے غسل کروا دیا۔ وہ ٹھٹھر کر مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو ناراض ہوئے اور فرمایا "اسے مار ڈالا، خدا انھیں مارے، کیا جہل کا علاج سوال نہ تھا۔([5])" اس واقعہ سے آپ ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سوال نہ پوچھا جائے تو غلطی اور گمراہی کا امکان رہتا ہے اس لیے سوال پوچھنا ہی بہتر ہے تاکہ اپنی اصلاح ہو سکے۔

---

[1]- ندوی، مولانا، سراج الدین، رسول خدا کا طریقہ تربیت، ص 51

[2]- فضل الٰہی، ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ بحثیت معلم، ص 242

[3]- یٰسین شیخ، عہد نبوی کا تعلیمی نظام، ص 96

[4] -احمد شبلی، الدکتور، التربیۃ التعلیم فی الفکر الاسلامی، ص 385

[5] - السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب المجذور یتیمم، رقم الحدیث 337، ص 61

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے:
علم تلاش سے بڑھتا اور سوال سے حاصل ہوتا ہے۔(1)
حضور ﷺ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس جو کئی مضامین کا درس دیا کرتے تھے وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ دوران تدریس سوالات پوچھے جائیں۔ انھوں نے مختلف مضامین کی تدریس کے لیے مختلف دن مقرر کر رکھے تھے۔
ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ انھوں نے اتنا علم کیسے حاصل کیا تو انھوں نے جواب دیا:
بلسان مسئول و بقلب عقول(2)
پوچھنے والی زبان اور سمجھنے والے دل سے۔
حضور اکرم ﷺ اور مقتدر معلّمین کے حوالوں سے دوران تدریس سوالات پوچھنے کی تائید ہوتی ہے۔ اس عمل کو بداخلاقی یا گستاخی نہیں سمجھا جاتا بلکہ سوال کی ضرورت ہو اور سوال نہ کیا جائے تو اسے جہل کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جو اساتذہ ایسے مواقع پر طالب علم کے سوالات یا استفسارات کو بداخلاقی یا گستاخی تصور کرتے ہیں انھیں جاننا چاہیے کہ معلوم کرنے سے زیادہ سہل اور آسان کوئی طریقہ نہیں۔ پوچھنے کی اجازت تو خود اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہے۔
فاسألو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ (3)

حصول علم میں حجاب کی ممانعت: علم کے معاملے میں حجاب نہیں کرنا چاہیے بلکہ جہاں کہیں مشکل درپیش ہو معلم سے سوال کیا جائے تاکہ وہ اس کی وضاحت کر دے اور بات آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ غرض سوال کرنے سے نہ تو اساتذہ کی توہین ہوتی ہے اور نہ متعلّم کی۔
یہ عالم اور استاد کی عزت کی بات نہیں کہ شرم کی وجہ سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت نہ کیا جائے۔ یہ وہ قابل تعریف شرعی حیا نہیں جسے ایمان کا جز بتایا گیا بلکہ یہ ایک طرح کی کمزوری ہے۔([4])
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے:
"خوف کا نتیجہ ناکامی اور شرم کا نتیجہ محرومی ہے۔"
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے:
"جو کوئی علم میں شرماتا ہے اس کا علم حقیر رہتا ہے۔"
عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے:
"بہت کچھ مجھے علم حاصل ہے لیکن جن باتوں کے سوال سے میں شرمایا تھا ان سے بڑھاپے میں بھی جاہل ہوں۔[5]"
مجاہد کا قول ہے:

---

[1] - یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ، ج1، ص374
[2] - سید امیر علی، مترجم محمد ھادی حسین، سپرٹ آف اسلام، ص464
[3] - النحل، 43:16
[4] - یوسف القرضاوی، علامہ، تعلیم کی اہمیت سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں، ص128
[5] - یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلوم و فضلہ، ج1، ص382

لا يتعلم العلم مستح۔[1]

انصاری عورتوں کے سوالات: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ "خدا کی رحمت ہو انصاری عورتوں پر، شرم انھیں اپنا دین سیکھنے سے باز نہ رکھ سکی۔" ([2])

نبی کریم ﷺ سراپا حیا تھے آپ ﷺ پردہ نشین عورتوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ ([3]) لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ مردوں اور عورتوں کو ضروری دینی معاملات کی تعلیم دیتے تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ "ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (اسحاق کی دادی) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ سے عرض کیا۔ (اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ ﷺ کے پاس تھیں۔) یا رسول اللہ ﷺ عورت خواب میں وہی کچھ دیکھتی ہے جو آدمی دیکھتا ہے اور وہی چیز اپنے ہاں پاتی ہے جو مرد پاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا 'اے ام سلیم تم نے عورتوں کو رسوا کر دیا تمھارا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو جائے۔'

آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! بلکہ تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو جائے۔

اے ام سلیم، ہاں جب عورت ایسا دیکھے تو اسے غسل کرنا چاہیے۔" (4)

اس حدیث شریف میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ام سلیم کے سوال کو ناپسند نہیں فرمایا بلکہ خواتین کی حاجت کے پیش نظر اس کا جواب دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس پر ہی اکتفا نہ فرمایا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان پر اعتراض کی بنا پر انھیں کا احتساب فرمایا۔ (5)

اگر کسی معاملے میں حیا غالب آ ہی جائے تو کسی اور کے ذریعے سے مسئلہ دریافت کر لینا چاہیے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مقداد اور حضرت عمار کے ذریعے مذی کے بارے میں مسئلہ دریافت فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ (6)

اچھے سوال پر سائل کی تعریف: آپ ﷺ نہ صرف صحابہ کرام کو سوالات کرنے کی اجازت دیتے بلکہ اچھا سوال کرنے پر سائل کی تعریف بھی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اچھے سوال کو پسند فرماتے تھے۔

امام داؤد طیالسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت نقل کی ہے۔

قلت یا رسول اللہ اخبرتی بعمل یدخلی الجنہ۔

---

[1]۔ یحییٰ حسن، آداب العالم والمتعلم، ص 342

[2]۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الحیائ فی العلم، رقم الحدیث 130، ص 28

[3]۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث 3562، ص 598

[4]۔ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب مالا یستحیا من الحق اللتفقہ فی الدین، رقم الحدیث 6121، ص 1027، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب الغسل علی امراۃ بخروج المنی منھا، رقم الحدیث 709، ص 140

[5]۔ فضل الٰہی، ڈاکٹر، نبی اکرم ﷺ بحثیت معلم، ص 239

[6]۔ یوسف قرضاوی، تعلیم کی اہمیت سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں، ص 128

قال بسخ بسخ لقد سالت عن عظیم اللہ یسیر علی ما یسرہ اللہ۔ صل الصلاۃ المکتوبۃ و ادا الزکاۃ المفروضہ"(1)

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جنت میں داخل کرنے والا عمل بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ شاباش، شاباش، بے شک تو نے عظیم چیز کے بارے میں سوال کیا اور بلا شبہ اس شخص کے لیے آسان عمل ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے۔ فرض نماز پڑھو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو۔

اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ کے عمدہ سوال کو سراہا اور ان کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

آفرین، آفرین بلا شبہ تو نے عظیم چیز کے متعلق سوال کیا۔ (2)

صحابہ کرام کا حسن ادب اور سوال کا انداز: صحابہ کرام کی عمومی روش یہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ کا خطاب اور گفتگو سنتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے۔ بنی اسرائیل کی طرح لایعنی سوالات نہ کرتے اور کثرت سوالات سے بھی گریز کرتے۔

دربار رسالت میں باادب رہتے اور بڑھ چڑھ کر بات کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ رسول اکرم ﷺ جب صحابہ کرام سے کوئی سوال کرتے تو اکثر ان کا جواب ہوتا "اللہ ورسولہ اعلم" خیال آرائی کی بجائے ان کی توجہ نبی اکرم ﷺ کی طرف رہتی تاکہ ان سے استفادہ کر سکیں اور جو بات آپ ﷺ فرمانا چاہتے ہیں اس کو سمجھ لیں۔

صحابہ کرام حسن ادب کی وجہ سے کثرت سوالات سے گریز کرتے تھے البتہ وہ اس بات کے شدید متمنی رہتے کہ کوئی بدو آکر آپ ﷺ سے سے دین کے متعلق سوالات کرے اور وہ جواب سنیں۔ (3)

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں موجود تھا، دیکھا کہ اطراف وجوانب سے سے بہت سے اعرابی اور بدوی آئے۔ تمام حاضرین مجلس ان کو دیکھ کر خاموش ہو گئے اور وہی لوگ بات کرتے رہے۔ انھوں نے کہا "یارسول اللہ! فلاں فلاں باتوں میں کیا حرج ہے حالانکہ ان میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے بندو! ظلم اور زیادتی سے کسی کا مال لینے میں حرج اور گناہ ہے۔"

پھر انھوں نے پوچھا کہ "کیا ہم علاج کر سکتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں دوا سے علاج کرو۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے ایک مرض کے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔" انھوں نے کہا کہ "وہ کون سا مرض ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "بڑھاپا۔" پھر انھوں نے سوال کیا کہ "یارسول اللہ انسان کو سب سے بہتر کیا چیز دی گئی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "حسن خلق۔" (4)

لہٰذا سوال کرنے میں حسن ادب کا تقاضا یہ کہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا جائے۔ مناسب وقت میں سوال کیا جائے اور جب استاد بات کر رہا ہو تو درمیان میں بات نہ کاٹی جائے اور اپنے طالب علم ساتھی کی بات بھی قطع نہ کی جائے جبکہ وہ سوال کر رہا ہو۔ (5)

---

[1]- سلمان بن داود، مسند ابی داود الطیالسی، احادیث معاذ بن جبل، رقم الحدیث، 560، ص76

[2]- الجوہری، اسماعیل بن حماد، النصاح، باب ج1، ص366

[3]- اطہر مبارکپوری، قاضی، خیر القرون کی درسگاہیں، ص69

[4]- محمد بن اسماعیل البخاری، الادب المفرد، باب حسن الخلق اذا فقھوا، رقم الحدیث، 291، ص109

[5]- احمد شلبی، الدکتور، التربیۃ والتعلیم فی الفکر الاسلامی، ص385

غیر ضروری سوالات کی ممانعت: رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دینی باتوں میں سوال کی عام اجازت تھی۔ اور آپ ﷺ ان کا جواب بھی دیا کرتے تھے۔ عمدہ سوال کی تعریف بھی فرماتے اور بعض اوقات سائل کو اس کے سوال سے بڑھ کر جواب بھی عنایت فرماتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ فضول اور بے کار سوالات کرنے والے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ ایسے سوالات پر بھی خفا ہوتے جو امت کے لیے مشقت کا سبب بنتے۔

ناپسندیدہ چیزوں کے متعلق سوال کرنے پر اظہار ناراضگی

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے ناپسندیدہ باتوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ جب آپ ﷺ سے (اسی قسم کے) بہت سے سوالات کیے گئے تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور پھر لوگوں سے فرمایا۔ مجھ سے جو چاہو پوچھو۔ ایک آدمی نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا تمھارا باپ خذافہ ہے۔

ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔ تیرا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔

جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرے کی کیفیت دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کے روبرو توبہ کرتے ہیں۔ (1)

ایک دوسری روایت میں ہے:

قبرک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی رکتبہ فقال: رضینا باللہ رباً و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیاً۔(2)

امام بخاری نے ان دونوں احادیث کو ایک ہی باب میں ذکر کیا اور باب کا عنوان "باب العضب فی اموعظۃ والتعلیم ازارای مایکرہ" رکھا ہے۔

حافظ ابن حجر اس باب کے عنوان کی شرح کرے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"واعظ کو غصے والے شخص کی صورت میں ہونا چاہیے کیونکہ اس کے مقام کا تقاضا ہے کہ وہ ڈرانے والا ہونے کی بنا پر (ناپسندیدہ سوالات پر) بیزاری کا اظہار کرے اور ایسے ہی معلم کو بھی شاگردوں کی کوتاہ فہمی پر تنقید کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ اس طرح سے اس بات کی قبولیت کے امکان زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ (3)

باعث مشقت بننے والے سوالات کی ممانعت: نبی کریمؐ نے ایسے سوالات کرنے سے منع فرمایا جو امت کے لیے باعث مشقت ہوں۔ حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ

1۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العضب فی الموعظۃ والتعلیم، رقم الحدیث، 92، ص 21) (صحیح البخاری، کتاب الفضائل، باب توقیرہ ﷺ وترک اکثاز سفر الہ، رقم الحدیث 6125، ص1038

2۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، بات من برک علی رکتبہ عنہ الامام، رقم الحدیث 93، ص 21

3۔ العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، ج1، ص 252

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "اے لوگو، اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر حج کو فرض کیا ہے۔ لہٰذا تم حج کرو۔"
ایک شخص نے عرض کیا "ہر سال؟ یا رسول اللہ ﷺ ۔
آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ اس بات کو دہرایا۔
اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر میں کہہ دیتا ہاں تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔"
پھر آپؐ نے فرمایا، "مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمھیں چھوڑ دوں، یقیناً تم سے پہلے لوگ بکثرت سوال اور اپنے انبیائؑ سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ پس جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس پر عمل کرو اور جب میں کسی چیز سے روکوں تو اس سے رک جائو۔(1)
حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ
کثرت سوال اور ان کی گہرائی میں جانے کی ممانعت پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

و استدلال بہ علی النھی عن کثرۃ المسائل التعمق فی ذلک۔(2)
بغوی نے شرح السنہ میں بیان کیا ہے کہ سوالات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم جو دین کے ضروری معاملات کے بارے میں تعلیمی مقصد کے پیش نظر ہوں۔ دوسری قسم کے سوالات وہ ہیں جو کہ تکلف و تصنع سے کیے گئے ہیں اور مشقت میں ڈالنے کی خاطر ہوں۔ اس حدیث کا مقصود اسی قسم کے سوالات ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)
خطبات نبویؐ میں اسلوب استفہام کا استعمال: انبیاء کرام کا مقصد عوام و خواص دونوں کی تعلیم و تربیت کرنا ہوتا ہے لیکن چونکہ عوام کے مقابلے میں خواص کی تعداد کم ہوتی ہے اس لیے انبیاء کا لوگوں سے خطاب کرنا اس انداز سے ہوتا ہے کہ وہ کم سے کم فہم رکھنے والوں کے ذہن میں بھی آ سکے۔ انبیائؑ کرام لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کرتے ہیں جو پیدائشی طور پر انسان میں پائی جاتی ہے۔ مراقبہ، مجاہدہ وغیرہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ انبیاء کے خطاب کا موضوع نہیں ہوتا(3)
رسول اکرمؐ اپنے خطبات میں اس بات کا بھرپور خیال رکھتے تھے۔ پھر جب رسول اکرمؐ کے اولین مخاطب عرب تھے تو انہیں ہدایت و تلقین کے لیے ایسے پیرایہ بیان کی ضرورت تھی جو علم و معانی میں بے مثل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلوب و الفاظ کے اعتبار سے بھی سب سے ممتاز ہو۔(4)
رسول اکرمؐ اپنے خطبات کے دوران ابلاغ و تفہیم کی خاطر اور بات واضح کرنے اور سمجھانے کے لیے سوال و جواب کا اسلوب بھی اختیار فرماتے تھے۔
اسلوب خطبہ کے بارے میں ابن ابی شیبہ روایت بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر پر آتے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے السلام و علیکم کہتے۔ حمد باری تعالیٰ سے خطبے کا آغاز کرتے اور پھر قرآن کریم کی کوئی سورت تلاوت فرماتے، پھر اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، رقم الحدیث 3357، ص 564
2۔ العسقلانی، ابن حجر، کتاب الاعتصام، بالکتاب والسنہ، باب الاقتدا بسنن رسولؐ، ج 13، ص 263
3۔ محمد سعود، حضور ﷺ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بطور معلم و محرک، (سہ ماہی) فکر و نظر، مارچ 1976، شمارہ 9، ص 186
4۔ عزیز الرحمٰن، سید، خطبات نبویؐ، ربیع الاول 1427ھ، ص 156

وضاحت فرماتے۔(1) جب کلام کو خاص طور پر موثر بنانا ہوتا تو آپؐ خطبہ کو سوال و جواب کی صورت میں ارشاد فرماتے۔ غزوہ میں آپؐ نے انصار کے سامنے جو خطبہ ارشار فرمایا وہ اول سے آخر تک سوال و جواب ہے۔ اسی طرح خطبہ حجۃالوداع میں بھی یہ اسلوب نمایاں ہے۔(2)

خطبہ (غزوہ) حنین: غزوہ حنین میں فتح کے بعد جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس میں ثقیف کے چھ ہزار بچے اور عورتیں، 24 ہزار اونٹ، 40 ہزار بکریاں اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی تھی۔(3) کل اموال و غنائم کے پانچ حصے کیے گئے، چار حصے فوجیوں کے لیے مختص کیے گئے اور ایک حصہ خمس کے طور پر رکھا گیا۔ اس فتح میں تقسیم غنائم کے پرانے قاعدے میں ترمیم کر دی گئی۔ جس کی رو سے سوار کو 2 حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملتا تھا۔ اب سواروں کو تین گنا حصہ دیا گیا۔ اس طرح ہر سوار کو بارہ اونٹ اور 120 بکریاں ملیں۔(4)

مکہ کے وہ اشراف جنھیں اسلام قبول کیے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا انھیں مولفۃالقلوب کے طور پر نہایت فیاضانہ طریقے سے نوازا گیا تھا۔ ابوسفیان کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ملی۔ حکیم بن حزام کو دو سو اونٹ ملے اسی طرح نضیر بن حارث، صفوان بن امیہ، قیس بن عدی، سہیل بن عمرو، حوایطب بن عبدالعزی وغیرہ کو سو سو اونٹ ملے۔(5)

سیرۃ ابن اسحاق میں ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے لیے بھی 100 اونٹوں کا ذکر ہے۔ (6)

اہل مکہ اور نو مسلموں کو نہایت فیاضی سے نوازنے کی وجہ سے انصار میں احساس محرومی پیدا ہو گیا اور ان میں سے بعض نے اس تقسیم کو غیر منصفانہ قرار دے دیا۔

---

[1]- صدیقی، عتیق الرحمٰن، نقوش سیرت، ص 144

[2]- شبلی نعمانی، سید سلمان ندوی، سیرت النبیؐ، ج 2، ص 145

[3]- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 2، ص 326

[4]- نعیم احمد، ڈاکٹر، ایام حبیب ﷺ، ص 744

[5]- احمد باشمیل، غزوہ حنین، ص 273، 274

[6]- ابن اسحٰق، السیرۃالنبویہ، ج 2، ص 584

حنین کے غنائم میں سے انصار کے پیادہ سپاہیوں کا حصہ چار اونٹوں سے زیادہ نہ تھا۔ جبکہ عینیہ بن حصن، صفوان بن امیہ اور اقرع بن حابس جیسے آدمیوں نے 100 اونٹ حاصل کیے اور انھیں اسلام کی مدد میں کوئی سبقت حاصل نہ تھی۔ اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں انصار نے رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں جو بات کہی وہ یہ تھی[1]

یغفر اللہ لرسول ﷺ یعطی قریشاً و یشرکنا وسیوقنا تقطر من الدمائھم۔[2]

(اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو معاف فرمائے وہ قریش کو غنائم دے رہے ہیں اور ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔)

خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو انصار کی ناراضگی کے بارے میں بتایا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا "اے سعد اس بارے میں تیری پوزیشن کیا ہے؟" انھوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ما انا الامن قومی" [3]

یہ سن کر آپؐ نے حضرت سعد بن عبادہ کو حکم دیا کہ وہ تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کریں نیز آپؐ نے حضرت سعد کو یہ حکم بھی دیا کہ اس مجلس میں انصار کے سوا کوئی شخص موجود نہ ہو۔ جب انصار جمع ہوگئے تو آپؐ اجتماع انصار کے پاس تشریف لائے۔ اس حالت میں کہ ناراضگی آپؐ کے چہرے سے ہویدا تھی۔ حمد و ثناء کے بعد آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اے گروہ انصار! مجھے تمھاری جانب سے اس ناراضگی کا علم ہو گیا ہے جو تمھارے دلوں میں موجود ہے۔[4]

پھر فرمایا

الم انا کم ضالا فھدا کم اللہ وعالۃ فاِغنا کم اللہ و اعصاء فالف اللہ بین قلوبکم۔

انصار نے کہا:

بلی اللہ و رسول امن و افضل۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

الا تجیبوننی یا معشر الالنصار؟

---

[1] ۔احمد بن ہاشمیل، ترجمہ مولانا اختر فتح پوری، غزوہ حنین، ص282

[2] ۔ابن کثیر، السیرۃالنبویہ، ج3، ص674

[3] ۔اسحاق بن یسار، السیرۃالنبویہ، ج2، ص587

[4] ۔احمد ہاشمیل، مترجم مولانا اختر فتح پوری، غزوہ حنین، ص284

انصار نے جواب دیا:

بماذا نجیبک یا رسول اللہ؟ للہ ولرسولہ المن و افضل۔(1)

آپؐ نے فرمایا:

واللہ لو شئتم لقلم فصدقتم و صدقتم: جئتنا طریداً فاویناک و عائلاً فاتیناک و خائفاً فامناک، و مخدولاً فنصرناک۔ (2)

پھر فرمایا: اے انصار تم اپنے دلوں میں کچھ ناراضگی پاتے ہو اور بعض روایات میں ہے کہ تم اپنے دلوں میں دنیا کی آفت پاتے ہو۔ میں نے ان لوگوں سے دوستی کی ہے جو مسلمان ہوئے ہیں اور جو کچھ اسلام نے تمھیں دیا ہے میں نے تمھیں اس کے سپرد کیا۔(3)

افلا ترضون یا معشر الانصار ان یذھب الناس الی رحالھم بالشاءوالبعیر و تدھبون برسول اللہ الی رحالکم؟ (4)

اے گروہ انصار کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے گھروں کو واپس جاوء

اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک آدمی ہوتا اور اگر لوگ ایک گھاٹی میں چلیں اور انصار ایک میں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔ اے اللہ انصار پر، ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں پر رحم فرما۔ پس انصار روپڑے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور وہ پکار اٹھے یا رسول اللہ ﷺ ہم اس تقسیم پر راضی ہیں۔(5)

خطبہ حجۃ الوداع میں اسلوب استفہام کا استعمال: حجۃ الوداع کے موقع پر یوم نحر میں حضورؐ نے ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ جسے احادیث نے متواتر بیان کیا ہے۔ آپؐ نے اسے ہر لحاظ سے حد کمال تک پہنچایا۔ آپؐ نے پیغام خداوندی کو بندگانِ خدا تک

---

[1]-اسحاق بن یسار، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص577

[2]-ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج3، ص678

[3]-احمد ہاشمیل، ترجمہ، مولانا اختر مبارکپوری، غزوہ حنین، ص285

[4]-عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبیؐ، ج4، ص148

[5]-عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبیؐ، ج4، ص148)

2-ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج3، ص679

پہنچانے کے لیے تبلیغ و ترسیل کا ہر وہ معروف اور احسن طریقہ کار استعمال فرمایا جو تبین کلام اور ابلاغ پیغام ربانی میں ہر سامع و ناظر اور ہر مخاطب حاضر اور غائب کے دل پر دستک دے سکے تاکہ اس کے ذہن میں شک و ریب کا کوئی کانٹا اور ابہام واشکال کا کوئی رخنہ باقی نہ رہنے پائے۔ داعی اعظمؐ نے فرد اور اجتماع سے رابطے کی تمام صورتوں کو اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ نطق و بیان، خطبہ و تقریر وعظ و تلقین، حکمت و موعظت، مذاکرہ، وصیت، تعلیم و تدریس، تشریح و تسہیل، رمز و اشارہ و تفسیر و کنائے کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے اسوہء رحمۃ للعالمینی میں بحد کمال نہ دیکھا جا سکے۔[1]

خطبہ حجۃالوداع جسے عالمی منشور کی حیثیت حاصل ہے۔ آپؐ نے اس خطبہ میں چونکہ اہم باتوں کی تعلیم فرمانا تھی لہٰذا حاضرین کی توجہ کے حصول کے لیے آپؐ نے اسلوب استفہام کو اختیار فرمایا۔

امام بخاری ابو بکرہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے یوم النحر کو ہم سے خطاب کیا اور فرمایا:

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ آج کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ پس آپؐ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم خیال کیا۔ آپؐ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا یہ ہوم النحر نہیں؟ ہم نے کہا بے شک یہ یوم النحر ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ پس آپؐ خاموش ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپؐ اسے کسی اور نام سے موسوم کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا یہ یہ ذی الحجۃ نہیں؟ ہم نے کہا بے شک یہ ذی الحجۃ ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ خاموش ہو گئے، حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپؐ اسے کسی اور نام سے موسوم کریں گے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ شہر حرام نہیں؟ ہم نے کہا بے شک یہ شہر حرام ہی ہے۔

آپؐ نے فرمایا تمھارے خون اور تمھارے مال تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح اس ماہ میں اس شہر میں اس دن کی حرمت ہے۔ اور یہ حرمت تمھارے رب سے ملنے کے دن تک قائم رہے گی۔ آگاہ رہو میں نے یہ پیغام پہنچا دیا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔

آپؐ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہ اور حاضر آدمی تک پہنچا دے۔ بہت سے آدمی جن تک بات پہنچائی جاتی ہے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ پس میرے بعد پلٹ کر کفار نہ ہو جانا جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔(2)

---

[1]- نثار احمد، ڈاکٹر، خطبہ حجۃالوداع، ص130

[2]- (1) البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجۃالوداع، رقم الحدیث، 4406، ص747)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے یوم النحر کو لوگوں سے خطاب فرمایا اور پوچھا۔ اے لوگو یہ کونسا دن ہے؟ انھوں نے جواب دیا حرمت والا دن ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا حرمت والا مہینہ۔ آپؐ نے فرمایا تمھارے خون۔ تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس ماہ میں اس شہر میں تمھارے اس دن کی حرمت ہے۔(1)

راوی بیان کرتا ہے کہ آپؐ نے اس بات کو کئی بار دہرایا۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ آپؐ کی امت کو وصیت ہے۔ پس جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود کو یہ وصیت پہنچادے جہ میرے بعد کفار نہ بن جانا تم ایک دوسرے کو قتل کروگے۔

اور ترمذی نے اسے الفلاس سے بحوالہ یحی القطان روایت کیا اور اس حسن صحیح کہا ہے۔(2)

خطبہ کے آخر میں آپؐ نے فرمایا۔

(یعنی (روز قیامت) تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو آپ کیا جواب دیں گے؟)

قالو نشهد انک قد بلغت و ادیت و نصحت

سب نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیے۔

آپؐ نے نبوت و رسالت کا حق ادا کر دیا۔ اور کھرے کھوٹے کے متعلق بھی اچھی طرح بتا دیا۔

آپؐ نے آسمان کی طرف اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا

اللھم اشھد اے اللہ گواہ رہ۔ اللھم اشھد اے اللہ گواہ رہ۔ اللھم اشھد اے اللہ گواہ رہ۔(3)

دوران خطاب سوالوں کے جوابات

---

(2) -(ابن کثیر، عماد الدین، ابدایہ والنھایا، ج5، ص195)

(3) -(ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج4، ص388) (4)-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص343

(5) مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم، ص619

[1]-البخاری محمد بن اسماعیل صحیح البخاری، کتاب الحج، باب خطبۃ ایام منی، رقم الحدیث، 1739، ص281

[2]-ابن کثیر، الھدایہ والنھایہ، ج5، ص194

[3]-احمص حسن صحی البرۃ التوبۃ اللنش، ص494 (منصور پوری، محمد سلیمان، رحمۃ اللعالمین، ج1، ص229

رسول اکرمؐ دوران خطاب لوگوں کے سوالوں کے جوابات بھی دیتے تھے اور سائل کو مطمئن فرمادیتے اور پھر اپنے سلسلہ گفتگو کو جاری فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی اکرمؐ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے اس کے سوال کو نظر انداز کیا۔ حاضرین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ شخص پھر بولا اور اپنا سوال دہرایا، جب تیسری بار بھی اس شخص نے اپنا سوال پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا:

و یحک ماذا اعدت لھا؟

افسوس ہے تجھ پر تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟

وہ بولا۔ حب اللہ و رسولہ۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

انک مع من احببت(1)

تم ان ہی کے ساتھ ہو گے جنھیں تم محبت کرتے ہو۔

مسلم، نسائی اور بخاری نے روایت نقل کی ہے کہ ایک دیہاتی نے دوران خطبہ روک کر آپؐ سے سوالات کیے۔ یہ آداب محفل کے خلاف تھا مگر آپؐ خطبہ دینے والی کرسی سے نیچے آئے، اس کے سوالات کے جواب دیے اور پھر اپنا خطبہ مکمل کیا۔(2)

---

[1]۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب حدیث التعلیم فی الخطبہ، رقم الحدیث، 2025، ص 351

[2]۔ النسائی، حمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب الجلوس علی الکرسی، رقم الحدیث 5379، ص 728

فصل چہارم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلوب خطاب و گفتگو

اسلوب توقف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچیدہ اور سمجھ میں نہ آنے والی گفتگو سے ہمیشہ پرہیز فرمایا۔ آپ کی گفتگو انتہائی سادہ مختصر، واضح اور سہل ہوتی تھی کہ مخاطب کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو میں انتہائی درجہ کا ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ:

وکان فی کلامۃ ترتیل و ترسیل(1)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو میں ترتیل اور ٹھہراؤ ہوتا ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس انداز میں گفتگو فرماتے تھے کہ سننے والا اسے بہ سہولت حفظ کر لیتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واسلم کی جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں اس کا ایک سبب صحابہ کرام کے بے مثال ذوق وشوق اور قوت حفظ کے علاوہ یہ بھی ہے۔ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

ماکان رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم یسرد سرد کم ھذا، ولکنہ کان یتکلم یکلامہ بینہ فصل، یحفظہ من جلس الیہ(2)

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل صاف صاف کلام کرتے تھے جو واضح اور دوسرے سے ممتاز ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھنے والا اچھی طرح اسے ذہن نشین کر لیتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

کان فی کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترتیل اوتر سیل

ملا علی قاری اس حدیث ک کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

اس سے مراد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حروف کو ادا کرتے وقت جلدی نہ کرتے بلکہ ان کے درمیان توقف فرماتے اور بات کو عمدگی سے بیان کرتے، یہاں تک کہ حروف کے مخارج اور صفات نکھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں جلد بازی کی نفی اور ٹھہراؤ کو ثابت کرنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گفتگو فرماتے ہیں تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر اگفتگو فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو میں اس قدر ٹھہراؤ اور وضاحت ہوتی کہ ہر سننے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سے پوری طرح مستفید ہوتا۔

اور دوسری روایت میں آتا ہے۔

---

[1]۔السجستانی، سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الھدی فی الکلام، رقم الحدیث 4838، ص284

[2]۔الترمذی، ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، کتاب المناقب، باقول عائشہ کان یتکلم بکلام بینہ فصل بکلام بین، رقم الحدیث 3639، ص830

ویتکلم بجوامع الکلم، کلامہ فصل ، لافضول ولا تقصیر(1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع الفاظ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا بلکہ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپ کے جملے گننا چاہتا تو گن سکتا تھا ایک اور روایت میں آتا ہے۔

کان کلام رسول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کلاماً فصلاً یفہمہ کل من سمعہ(2)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام اس نوعیت کا تھا کہ اگر کوئی سننے والا اسے یاد کرنا چاہتا تو یاد کر سکتا تھا۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے۔

انما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحدث حدیثاً لو عدہ العادہ لا حصاہ(3)

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ چاہتا تو گن سکتا تھا۔

اسلوب تکرار: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں تکرار کے اسلوب کو بہت اہمیت حاصل تھی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں ابھی تحریر وکتاب میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی لوگوں کی اکثریت محض حافظے پر اعتماد کرتی تھی اس لئے تکرار کی اہمیت اور بھی بڑھی گئی تھی۔(4)

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا کہ اہم بات بار بار دہراتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات تین دفعہ دہراتے تھے تاکہ مخاطب وہ بات اچھی طرح سمجھ جائے اور ذہن میں بٹھالے اور یاد کرلے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے۔ لیکن اس کے باوجود بات کو سمجھانے کی غرض سے اسے دہراتے بھی تھے۔ تاکہ بات کو سمجھنے میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور اچھی طرح ذہن نشین بھی ہو جائے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ(5)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بات کہتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ (مخاطب) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی طرح سمجھ لیتا۔

مثلاً ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لایومن ، واللہ لا یومن ، واللہ لایومن ، قیل و من یارسول اللہ؟ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ(6)

---

[1] حقانی، مولانا عبدالقیوم، شرح شمائل ترمذی، باب کیف کان، کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم الحدیث-218، ج2، ص76

[2] السجستانی، سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، بالھدی فی الکلام، رقم الحدیث 4839، ص284

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، احامع الصحیح، کتاب امناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رقم الحدیث 3567

[4] رب نواز، پروفیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ص96

[5] البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب العلم، باب من اعاد الحدیث ثلاثا، رقم الحدیث 95، ص22

[6] -البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب، ائم من کا یا من جارہ بوائقع، رقم الحدیث 6016، ص1052

خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں

پوچھا گیا وہ کون اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فرمایا وہ شخص جس کے ظلم سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔

حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ:

كان رسو ل الله صلى الله عليه وآله وسلم بعيد الكلمة ثلاثة لتعقل عنه(1)

حضور اکرم صیل اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بات تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔

آپ صلی اللہ علی وآلہ وسلم یہ طریقہ اس وقت اختیار فرماتے جب کسی بات پر زور دینا ہوتا یا کسی اہم بات کی تعلیم دینا ہوتی۔ اسی طرح اگر مخاطب کم فہم ہوتا تو آپ صلی اللہ علی وآلہ وسلم بات کو بار بار دہراتے تھے۔ تاکہ بات اچھی طرح سمجھ آجائے۔ اس طرح اگر کوئی صحابی آپ صلی اللہ علی وآلہ وسلم سے فرمائش کرتا کہ بات کو دہرائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا اعادہ فرماتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علی وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو سعید جو اس بات پر راضی ہو گیا کہ اللہ اس کا رب، وسلام اس کا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نبی ہیں اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ نے اس بات پر خوش ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے یہ بات دوبارہ فرمادیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اعادہ فرمایا۔

تکرار کی اہمیت کا اندازہ حضرت عبادؓ کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفہ میں کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ تو ربیعہ بن امیہ خلف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملوں کو سنانے کے لئے دہراتے جاتے تھے۔

تدریس میں تکرار کی اہمیت: تعلیم و تدریس میں تکرار کو نفسیات کے ماہرین نے خاص اہمیت دی ہے۔ جماعت کے اندر چونکہ تمام طلبہ یکساں، قابلیت، صلاحیت اور دلچسپیوں کے حامل نہیں ہوتے اس لئے تکرار کا پہلو خاص اہمیت رکھتا ہے اس اصول کے طمابق کسی بات کو بار بار دہرایا جاتا ہے کسی چیز کو بار بار دہرانے سے اس چیز کا نقش ذہن میں قائم ہو جاتا ہے۔ (2)

یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ ایک ہی چیز اس کے سامنے بار بار لائی جائے یاد لائی جائے تو اس کا شعور زیادہ دیر تک اسے نظر انداز نہ کر سکے گا بار بار دہرانے سے یہ نقش گہرا ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پختہ ہو جاتا ہے۔ (3)

بار بار کی دہرائی کئی طرح سے مفید ہوتی ہے۔

۱۔ انسانی توجہ مرکوز رہتی ہے۔

۲۔ یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

---

[1] ۔الترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الترمذی، باب المناقب، رقم الحدیث 3640

[2] ۔محمد ابراہیم خالد، ڈاکٹر تربیت اساتذہ، ص 179

[3] ۔ایضاً

۳۔ تعلم کو پائیدار بنایا جا سکتا ہے۔

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ جب پہلی دفعہ آواز ہمارے کانوں میں پڑتی ہے تو اس کی لہروں کا عکس ہمارے دماغ کے پردے پر پڑتا ہے جب دوسری مرتبہ آواز پڑتی ہے تو وہ نقش گہرا ہو جاتا ہے اور اگر بار بار یہ عمل دہرایا جائے تو بات پختہ ہو جاتی ہے۔(1)

اسی وجہ سے تکرار کی اس عادت کو بڑے بڑے لوگوں نے اپنایا۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی کا معمول تھا کہ اپنے اساتذہ سے جو کچھ حاصل کرتے روز گھر جا کر بلاناغہ سو بار تکرار کرتے۔ آپ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس اور مشہور کتاب، مہذب، کے مصنف ہیں جس پر چودہ برس کا زمانہ آپ نے صرف کیا۔(2)

آج بھی اساتذہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر متعلمین کو اپنی تدریس کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں۔ اس طرح قدیم درس کی ایک خوبی اعادہ بھی تھی جس کا نام اب تکرار پڑ گیا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب 'الغزالی' میں درس قدیم کے اس طریقہ عمل کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

اس زمانہ میں نامور علماء کے ہاں یہ معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تو شاگردوں میں جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔

یہ منصب جس کو حاصل ہوتا اس کو 'معید' کہتے تھے۔ آج بھی جامعات عرب میں معید کا منصب پایا جاتا ہے۔

بدرالدین ابن جماعہ لکھتے ہیں کہ:

استاد کو چاہئے کہ وہ سبق کے اختتام پر اعادہ کرے اور اعادہ سے پہلے یہ مت پوچھے کہ هل فهمت

کیونکہ بعض طالب علم شرم اور خجالت کی وجہ سے نہ بھی سمجھ آئے تو 'نعم' کہہ دیتے ہیں جس سے جھوٹ واقع ہوتا ہے۔(3)

آپ صلی اللہ علی وآلہ وسلم کسی بات کو تین مرتبہ دہراتے تھے کہ سننے میں کسی غلطی کا احتمال نہ رہے یا بالکل اسی طرح اساتذہ کے لئے بھی طالب علموں کی سہولت کے لئے لیکچر ادہراتا مستحسن فعل ہے۔ اس فعل کی تعلیمی افادیت بھی بہت زیادہ ہے۔ تکرار اور اعادہ کو موجودہ تعلیمی نفسیات نے اس دور میں شامل کیا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علی وآلہ وسلم چودہ سو سال پہلے ہی اس اصول کو رائج فرما چکے ہیں۔

اعمال اور افعال کی تکرار سے پختہ عادات جنم لیتی ہیں۔ تعمیر سیر وکردار ہوتی ہے اور شخصیت پروان چڑھتی ہے۔ قرآن نے عمل تربیت اور تدریس کے دریس کے دوران تکرار کو اہمیت دی ہے۔

'اقیمو الصلوٰۃ' کے حکم کی تکرار اس کا بین ثبوت ہے۔(4)

---

[1] ۔مہر سعید اختر، ڈاکٹر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت تعلیم وتربیت، (ماہنامہ) افکار معلم مارچ 2005ء، ج 18، ش 3، ص 24

[2] ۔رحمانی، عبدالرؤف خان۔ مولانا، العلم والعماء، ص 28

[3] ۔ابن جماعہ، بدرالدین، تذکرۃ السامع والمتکلم، ص 53

[4] محبوب احمد خان، حافظ، مثالی استاد، ص 68

فصل پنجم

عقل و فہم اور زبانوں کا لحاظ

تعلیم و تدریس کا ایک اہم اصول یہ یکہ ہے مخاطب اور ذہنی سطح کے مطابق اس سے گفتگو کی جائے ایسی گفتگو جو طلبہ کی ذہنی سطح سے بلند ہو نہ صرف بوریت پیدا کرتی ہے۔ بلکہ تعلیم کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطبین مختلف ذہن سطحوں کے حامل تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ان کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھ کر گفتگو فرمائی اور اپنے ساتھیوں کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ مخاطب کی عقلی سطح کو سامنے رکھ کر بات کیا کریں۔ کنز العمال میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتحدثو امتی من احادیثی الا بماتحملہ عقرلھم(1)

(یعنی میری امت کو میری باتیں نہ بتاؤ مگر یہ کہ وہ ان کی عقلوں کے مطابق ہوں)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و فہم کی قوت نہایت ہی بلند پرواز تھی اور یہی وہ حقیقیں ہیں جنھیں ثابت کرنے کے لئے ہمیں کسی تحقیق کی احتیاج نہیں۔

حضرت دھب بن منبہ نے بیان کیا ہے میں نے اکہتر (احدو سبعین) کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور تمام کتب میں یہی لکھا پایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ عقل مند اور صائب الرائے تھے۔(2)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مختلف ذہنی سطحوں کے لوگ ہوتے تھے ان میں قبائل کے سردار اور رئیس بھی ہوتے تھے جن میں قائدانہ صلاحیتیں ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ عام انسان، بدوی اور دیہاتی بھی ہوتے تھے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں جہاں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضوان اللہ اجمعین جیسے ذہین فطین لوگ موجود ہوتے وہاں حضرت بلالؓ اور حضرت صہیب جیسے غلام بھی موجود تھے۔ اتنی متنوع کلاس شاید ہی کہیں ہو ان سب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو ہوتی تھی اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق ہوتی تھی۔ معلمین کے لئے اس میں بڑا نمونہ موجود ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ وآلہ وسلم کے متعلمین کا طریقہ تفسیاتی نقطہ نگاہ سے نہایت عمدہ اور موثر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے جو باتیں اہم اور ضروری ہوتی تھیں انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ ایک کند ذہن انسان بھی انہیں اچھی طرح سمجھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور عقل و مزاج کے مطابق تعلیم دیتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار معلموں کو یہ تعلیم دیتے کہ لوگوں سے ان کے ذہنوں کے مطابق گفتگو کیا کرو۔

حدثوا الناس بما یعرفون

---

[1] ۔رب نواز، پر فیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ص 80

[2] ۔ قاضی عیاض، کتاب الشفاء، ج ا، ص 92

"تم لوگوں سے ان کی عقلوں (ذہنیت) کے مطابق گفتگو کیا کرو۔" (1)

اسی اصول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آسان زبان میں مختصر گفتگو فرماتے تھے اور غیر متعلقہ باتوں کو درمیان میں نہیں لاتے تھے البتہ سمجھانے کی ضرورت ہوتی تو ان کو بار بار دہراتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں اکثر جاہل اور بدو لوگ آیا کرتے تھے وہ اکثر آداب محفل کا خیال کیے بغیر ناشائستہ طور پر گفتگو کیا کرتے تھے اور بے ڈھنگے سوالات کرتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سوالات کو نہایت صبر و تحمل اور تحمل اور ٹھنڈے دل سے سنتے تھے اور ان کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق تسلی بخش جوابات دیتے جس سے وہ مطمئن ہو جاتے۔(2)

ہر شخص کی ذہنی سطح اور مدارج عقلی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کی ذہنی سطح اور اس کے مدارج عقلی کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ حضری اور شہری لوگوں سے ان کے معیار و انداز کے مطابق گفتگو فرماتے اور بدوی سے اس کی ذہنیت کے مطابق بات کرتے اس کی بہترین مثال ابو ھریرہؓ کی اس روایت سے ملے گی جس میں بنی فزارہ کے ایک شخص کا ذکر کیا ہے جو بدوی تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جو سیاہ رنگ کا ہے۔ میں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ ہم میاں بیوی میں سے کوئی بھی سیاہ رنگ کا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سمجھ اور پیشہ کے مطابق جواب مرحمت فرمایا۔ اس سے پوچھا:

هل لک من ابل؟ کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں۔

اس شخص نے جواب دیا ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا کہ وہ کس رنگ کے ہیں؟

اس نے کہا سرخ رنگ کے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سوال کیا کہ کیا ان میں کوئی اونٹ خاکستری رنگ یا کم سیاہ رنگ کا بھی ہے؟

اس نے کہا ہاں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب تم ہی بتاؤ کہ سرخ رنگ کے اونٹوں میں یہ سیاہی کیسے آگھسی۔

اس شخص نے اس کے جواب میں کہا ممکن ہے کہ اس کے نسب میں کوئی اونٹ خاکستری یا سیاہ رنگ کا ہو اور اس کی جھلک ہو جب بات یہاں تک پہنچ چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر اس شبے کو دور کر دیا۔

وهذا عسىٰ ان یکون نزعة عرق(3)

کہ یہاں بھی معاملہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ نسب کا کرشمہ ہو اور اس میں تمہاری بیوی کا کوئی قصور نہ ہو۔

قبائل کی لغات اور لہجات سے واقفیت

---

1 -البخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب العلم، باب من خص بالعلم رقم الحدیث 127، ص 27

2 -محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر، ج 4 شمارہ 130، ص 136

3 -البخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفی الولد، رقم الحدیث 3505، ص 948

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسامع کے لب ولہجہ کا بھی لحاظ رکھتے اور یہ بھی دیکھتے کہ اس کا تعلق کس قبیلے سے ہے اور اس کے قبیلے میں کس نوعیت کی زبان رائج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب کی تمام (مختلف) زبانیں سکھادیں تھیں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قوم سے ان ہی کی زبان میں گفتگو فرماتے۔(1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اکثر مختلف قبائل کے وفود آتے تھے۔ ان مختلف وفود کا روز مرہ اور ان کے محاورات ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک مخصوص انداز اور مخصوص روز مرہ اور محاوات تھے اگرچہ ان کے مابین بہت سے عربی الفاظ مشترک تھے لیکن اس اشتراک کے باوصف اکثر وبیشتر الفاظ مخصوص یا انفرادی نوعیت کے بھی ہوتے تھے۔ بعض الفاظ کی تراش خراش اور ان کے مشتقات ان ہی کے ساتھ مخصوص تھے اور اس وصف میں کوئی دوسرا قبیلہ اس کا شریک وسہیم نہیں تھا۔ ایسی صورت میں سرزمین عرب کا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ان تمام قبائل کی زبان پر عبور رکھتا ہے۔ مگر اللہ رب العزت نے یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص فرمادیا تھا۔ کیونکہ اس کے علم میں تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب عرب کے یہ قبائل منتشرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ان ہی کی زبان میں گفتگو فرمائیں گے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام قبائل کی زبان سے درجہ کمال آگاہ فرمادیا اور زبان دانی کے تمام کمالات سے بہرہ ور فرمادیا۔ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری رسول زبان دانی اور زبان دانی کے تمام کمالات سے بہرہ در فرمادیا۔ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ کا آخری رسول زبان دانی اور زبان فہمی میں اظہار عجز فرمائے۔ چنانچہ جب بھی کسی قبیلہ کا کوئی وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے اپنی مقامی زبان میں اظہار مدعا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر تامل یا غور وفکر کرکے اسی اسی وفد کی زبان میں جواب مرحمت فرمایا۔ اور ان ہی کی مروجہ لغات اور محاورات زبان وحی ترجمان سے ادا ہوتے(2)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ فصاحت اور زبان دانی جس کے آگے فصحائے عرب گنگ تھے توفیقی تھی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور الہام ربانی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ زبان وبیان کی بلندیاں عطا ہوئیں اور علم وحکمت کے خزانے عطا ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ أَنزَلَ اللهُ عَلَيْکَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَكُنُ تَعْلَمُ ۔۔۔فَضْلُ اللهِ عَلَيْکَ عَظِيْمًا(3)

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری اور آپ کو سکھادیا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا افضل ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ سب کچھ سکھادیا جس سے آپ ابھی تک نہ واقف تھے آپ کو علم و حکمت اور زبان وبیان کی خوبیان سے سرور فرمایا۔ امام رافعی اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''تمام عرب میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ایسی تھی جو عرب کے ایک ایک قبیلہ کی لغات ان کی

---

1 - محمد شفیع بلوچ، حسن کلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص36
2- شمس بریلوی، سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت، ص207
3- النساء 4 :113

زبان اور ان کے لب ولہجہ پر اس قدر عبور رکھتی تھی گویا اللہ تعالیٰ نے آپ پر مختلف زبانوں کے مختلف اسالیب منکشف کر دیئے تھے اور ہر زبان کی تمام حقیقتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لاکر رکھ دی تھیں۔ چنانچہ جب کوئی قبیلہ حاضر خدمت ہوتا تو آپ اسی قبیلہ کے مخصوص طرز اور اسی کی مخصوص زبان اور اسی کے مخصوص لب ولہجہ میں گفتگو فرماتے۔''

ظاہر ہے زبان پر ایسی دسترس اور ایسا ملکہ اور مختلف قبائل کے روزمرہ اور ان کے محاورات پر ایسی کامل دسترس (عبور) اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب ایک زباندان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ہر قبیلہ کے مخصوص الفاظ انداز بیان اور زبان سے واقفیت کے لئے ان میں صرف کر دے اور اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کوشش نہ کرنا پڑی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ جو کمال زبان دانی حاصل تھا یہ توفیقی تھا اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تھا۔

ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عرب کی مقامی بولیاں اور لہجے سمجھ لیتے ہیں اور ہر قبیلے سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ علم وادب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح حاصل ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

''ادبنی ربی فاحسن تادیسی''(1)

میرے رب نے مجھے سلیقہ اور ادب سکھایا ہے اور میری خوب خوب تربیت فرمائی۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اہم خوبی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے تمام قبائل میں رائج لغات اور ان کے لہجوں پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان سے گفتگو کرتے یا تحریر وغیرہ کا مرحلہ آتا تو ان کے ہاں رائج لہجوں اور لغات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔(2) جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں زور بھی پیدا ہوتا تھا۔ اور اس کی حدود بھی وسیع ہوتی تھیں۔ خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل مقصد ابلاغ اور تبلیغ دین میں یہ خصوصیت کافی معاوت ثابت ہوئی کیونکہ اس طرح بات زیادہ موثر انداز میں اور سرعت کے ساتھ مخاطب پہنچائی جاسکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب میں تنہا یہ خصوصیات حاصل تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل عرب میں اس خصوصیات کے ساتھ ممتاز تھے۔ حالانکہ عرب خاص کر قریش مکہ کثرت سے تجارتی سفر کرتے تھے پھر موسم حج میں عرب کے وفود مکہ آتے تھے اس طرح ان کا باقی دنیائے عرب سے برابر رابطہ تھا مگر وہ اس خصوصیات کے حامل نہ تھے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔

''نحن بتواب واحد و تراک تکلم وفود العرب بما لا نفھم اکثرہ''(3)

ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آپ وفود عرب سے ایسے لہجے میں گفتگو فرماتے ہیں جس کا اکثر حصہ ہم سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خصوصیات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل عرب کے ساتھ ان کے مختلف لہجوں اور

---

[1] الرافعی، مصطفیٰ صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ، ص326

[2] الاندلسی، قاضی عیاض، کتاب الشفاء، ج1، ص167

[3] الرافعی، مصطفیٰ صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ، ص326

لغات میں ہونی والی گفتگو کی بہت سی مثالیں کتب، سیرت، حدیث اور ادب میں موجود ہیں۔

مثال کے طور پر قبیلہ بنو سعد کی بول چال میں عین کو نون سے بدل دیا جاتا ہے اور اعطیٰ کی جگہ انطیٰ کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ اس قبیلے کے ایک فرد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اسی کی زبان میں کلام فرمایا اور اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

ماا غناک اللہ فلا تسال الناس شیئا، فان الید العلیا ھی المنطیۃ و وان لید السفلی ھی المطاۃ۔(1)

جب اللہ تمہیں مالدار کر دے تو لوگوں سے کچھ نہ مانگنا کیونکہ اوپر والا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہوتا ہے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 'معطیہ' کی جگہ 'منطیۃ' اور 'معطاۃ' کی جگہ 'منطاۃ' فرمایا۔

ایک مرتبہ قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص لقیط بن عامری حاضر خدمت ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کے لہجے میں فرمایا: 'سل عنک'(2) جو چاہو پوچھو۔

یہاں اگر معرف معنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مفہوم یہ بنتا ہے کہ آپنے آپ سے پوچھو حالانکہ یہ جملہ یہاں 'سل ماشئت' کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح ایک بار بلاد یمن کا ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا لغت حمیر میں حرف تعریف لام کی جگہ الف میم تھا اور وہ ال کی جگہ ام بولا کرتے تھے۔ چنانچہ اس اپنے لہجے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں سوال کیا۔

امن امیر مصیام فی امسقر۔

کیا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی کا کام ہے۔

یہاں درست اور عربوں میں رائج اسلوب کے مطابق جملہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

امن البر الصیام فی السفر۔(3)

ایک بار بنی سلیم کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینالک اللہ الرجان اھلہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اذاکان مفلحا۔(4)

یہاں ینالک ، یماطل کے معنی ہیں اور مفلحا، مفلسا کے معنی ہیں۔ پھر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم موع محل اور مخاطب کی رعایت سے عربی اور اس کے مختلف لہجوں کے علاوہ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی گفتگو کے دوران استعمال فرماتے تھے۔

غزہ خندق کے موقع پر جب مسلمان بھوک سے بے حال تھے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاں موجود بکری کا

---

[1] النیسابوری، محمد بن عمالہ، الحاکم، المسترک علی الصحیحین، کتاب الرفاق، رقم الحدیث 7920، ج4 ص 363

[2] الاندلسی، قاضی عیاض، کتاب الشفاء، ج1، ص 101

[3] الشیانی ابی عبداللہ، احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث 23167، ص 604

[4] مصری، شیخ ذکی الدین، الموسوعۃ الاسلاب البرۃ محمدیہ، ج4، ص 56

ایک بچہ ذبح کیا اور روٹی پکوا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی اور عرض کیا۔

یارسو ل اللہ زبحیت بھیمۃ لنا، وطحنت صاعاً من شعیر ، فتعال انت و نفر۔(1)

اے اللہ کے رسول ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جو کی روٹی تیار کی ہے سو آپ اور چند حضرات تشریف لے آئیں۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے اعلان فرمایا:

یا اھل خندق ان جابر ؔقد صنع سور الحی ھلابکم۔(2)

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 'سور' کا لفظ استعمال فرمایا۔

یہ طبری کے بقول فارسی میں اس طعام کو کہتے ہیں جس پر لوگوں کی دعوت کی جائے اور ایک قول کے مطابق یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔(3)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی جب چھوٹی تھیں ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں انہوں نے زردہ قمیض پہنی ہوئی تھی انہیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سنہ سنہ اچھا اچھا ہے دوسری روایت میں سناہ سناہ ہے۔(4)

یہ حبشی زبان میں حسن کے معنی میں ہے۔(5)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو غیر ملکہ زبان سیکھنے کی ترغیب دی۔ حضرت زیدؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترغیب دلانے پر عبرانی زبان سیکھی۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ خارجہ بن زید بن ثابت اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ان کے لئے یہود کی کتاب سے کچھ باتیں سیکھوں اور فرمایا:

''واللہ انی ما امن یھود علی کتابی''

روای کہتا ہے کہ مہینے کا نصف ہی گزرا تھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سریانی زبان پر عبور حاصل کر لیا۔ میں نے جب یہودیوں کی کتاب کی تعلیم پوری کر لی تو اس کے بعد جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہود کے ساتھ خط و کتابت کرتے تو میں آپ کی طرف سے یہودیوں کے نام خط لکھ دیتا اور یہود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط بھیجتے تو میں پڑھ کر سنا دیتا۔

حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دعوت تبلیغ کے میدان میں ضرورت اور کام میں آنے والی زبانوں پر عبور حاصل کرنا بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کا ایک پہلو ہے۔

---

[1] ۔البخاری محمد بن اسماعیل الصحیح البخری، کتاب الجھاد باب من تکلم بالقارسیہ والرطانۃ، رقم الحدیث 3070، س 247

[2] ۔ایضاً

[3] ۔الشانی، محمد بن یوسف، سیال الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ص133

[4] ۔ سنن ابی داؤد، کتاب القیاس، باب فی ماینفی الحن الیس تو یا حدیدا۔ رقم الحدیث 4024، ص568

[5] ۔ البخاری محمد بن اسماعیل، الصیح البخاری، کتاب الجھاد با من تکلم ، بالقارسیۃ والرطانۃ، رقم الحدیث 3071، ص247

آج نظام تعلیم یہ متنازع مسئلہ ہے کہ تعلیم کس زبان میں ہونی چاہئے؟ یہ درست ہے کہ دوسری زبانیں سیکھنا بہت مفید ہے اور بعض علوم کو ان زبانوں میں حاصل کرنا بھی مناسب ہے لیکن بنیادی تعلیم اس زبان میں ہونی چاہئے۔ جس کو مخاطب زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ عرب اگرچہ عربی زبان ہی بولتے تھے لیکن ان کے مختلف قبائل اور علاقوں میں لہجوں (Dialects) کا فرق پایا جاتا تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف قبائل کے افراد کو ان ہی کی زبان اور لب ولہجہ میں تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اس سے مخاطب میں اپنائیت پیدا ہو جاتی ہے۔(1) قائداعظم محمد علی جناح خود انگریزی زبان کے ماہر تھے۔ مگر انہوں نے اردو زبان کو پاکستان میں ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا کیونکہ بچہ اپنی زبان کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ انہوں نے انگریزی زبان کی مخالفت نہیں کی بلکہ زبان کی اہمیت اور آسانی کو ملحوظ خاطر رکھا۔(2)

صحابہ کرام کو غیر ملکی زبان سیکھنے کی ترغیب

ہمیں اس شبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربی کے علاوہ باقی تمام زبانوں کے سیکھنے پر پابندی لگا رکھی تھی حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کو زبان کو ایک علمی یا نصابی زبان کے طور پر استعمال کرنا ایک قومی ضرورت تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علمی تعصب سے بہت بالاتر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو خود غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی۔(3) ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اکثر مسلمانوں کو یہودیوں سے سابقہ پڑتا تھا ان کی زبان عبر زبانیں جانتے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اکثر مسلمانوں کو یہودیوں سے سابقہ پڑتا تھا ان کی زبان عبرانی تھی ان سے معاملات کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبان سیکھی جائے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی زبانوں کے عالم تھے جن میں فارسی حبشی اور یونانی شامل تھیں۔(4)

اجنبی زبانوں کی تدریس کا اہتمام

ہجرت مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فروغ تعلیم اور نظام تعلیم کی تشکیل کے لئے بے شمار اقدامات کیے فروغ تعلیم کے لئے اجنبی زبانوں کی تدریس کا اہتمام بھی کیا۔(5)

اس کے علاوہ محرم ۷ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی دن میں چھ پیغامبر مختلف بادشاہوں کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے جو قاصد جس قوم کی طرف ارسال کیا گیا وہ اس قوم کی زبان کا ماہر تھا۔(6)

---

[1] ۔ نیازی، لیاقت علی خان، ڈاکٹر پاکستان کے لئے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں، ص79

[2] ۔ محمد یٰسین، شیخ، قائداعظم اور قومی تعلیم، ص142

[3] ۔ غزل کاشمیری، محمد گجر خان، پروفیسر، ڈاکٹر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمی پالیسی، ص170

[4] ۔ صدیقی، علی اوسط، پروفیسر، اسلامی نظام تعلیم و نظریہ پاکستان، ص105

[5] ۔ صدیقی، فائزہ احسان، پروفیسر، تعلیم الفائزہ، ص18

[6] ۔ الکتانی، عبدالحہ، علامہ، التواتیب الادریہ، ج۱، ص195

اس طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر کئی زبانوں کے عالم تھے ان کے متعلق روایت ہے کہ ان کے پاس مختلف زبانیں بولنے والے بہت سے غلام تھے وہ غلام سے ان کی مادری زبان میں بات کرتے تھے۔(1)

صحابہ کرام میں عبد اللہ بن سلام و سلمان فارسی، کعب الاحبار، ابو ھریرہ اور دھب بن منبہ رضوان اللہ اجمعین عربی کے ساتھ ساتھ عبرانی زبان کے بھی ماہر تھے۔(2)

اس کے علاوہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سریانی اور عبرانی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔(3)

دعوت دین میں غیر ملکی زبان کی اہمیت

قرآن کریم نے مبلغ اور داعی کے لئے دعوت کے جو اصول و قواعد بتائے ہیں اور داعی اسلام خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں ان اصولوں کی حقانیت کا ثبوت فراہم کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ ان اصولوں میں ایک اہم اصول داعی کی زبان اور اس کا اسلوب بیان ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مبلغ اور داعی کی حیثیت سے گفتگو کا بے نظیر اسوہ چھوڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داعیانہ زبان اور مبلغانہ کلام کے مطالعۂ سے ظاہر ہوتا ہے۔

"ہوا المسک ماکررتہ یتضوع"(4)

"اس کی حیثیت کستوری کی سی ہے جتنا ملوگے اتنی خوشبو زیادہ ہوگی۔"

وسالہ العباس: فیما الجمال یارسول اللہ فقال فی اللسان۔(5)

حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن وجمال کا دارو مدار کس چیز پر ہے فرمایا زبان پر۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب کی مختلف زبانوں کا علم ودیعت کیا گیا تھا ہر علاقے کی بولی اور محاورے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان کی مادری زبان میں اس طرح گفتگو فرماتے کہ وہ عش عش کرنے لگ جاتے اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا مطلب دریافت کرنے لگتے۔ جس بھی سلیم الطبع شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں ذرا تدبیر کیا وہ فوراً جان جاتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس انداز سے قریش، انصار، اہل حجاز اور اہل نجد سے گفتگو فرماتے تھے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی المشعار الھمدانی، طھفۃ النھدی، قطن بن حارثۃ العلیمی، اثعث بن قیس اور وائل بن حجر الکندی وغیرہ سے اس طرح گفتگو فرماتے جیسا کہ قریش مکہ اہل مدینہ اور اہل حجاز کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ لوگ حضرت موت اور ملوگ یمن (یمن کے مردوں) میں سے تھے۔(6) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو دوسروں کی زبانیں سیکھی جائیں۔ خاص طور پر

---

1 - ایضاً، ج2، ص395

2 - صدیقی، علی اوسط، اسلامی نظام تعلیم اور نظریہ پاکستان، ص105

3 - الکتانی، عبدالحہ، علامہ، التراتیب الاداریہ، ج2، ص247

4 - خالد علوی، ڈاکٹر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہاج دعوت، ص49

5 - الجاحظ، ابی عثمان، عمرو بن بحر، البیان والتبیین، ج۱، ص195

6 - قاضی عیاض، کتاب الشفاء، ج۱، ص96

جب دوسروں کے پاس کوئی قابل استفادہ علم و حکمت ہو جب تک آپ دوسروں کی زبانیں نہیں سیکھیں گے تو ان کے علوم کے فائدہ اٹھائیں گے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو نے سریانی زبان کی تعلیم بھی پائی دو پا بائبل کا ترجمہ سریانی زبان میں پڑھ لیتے تھے اور ایک دن قرآن کی تلاوت کرتے اور ایک دن توراۃ کی تلاوت کرتے۔(1)

حضرت عبد اللہ بن عمرہ کے سریانی زبان جاننے کے بارے میں خالد احسن گیلانی مزید لکھتے ہیں کہ

ایک سے زائد آدمیوں نے ابن سعد وغیرہ سے روایت نقل کی ہے کہ عبد اللہ عمر سریانی زبان جاننے تھے اور اس زبان کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

ان حجر نے 'الاصابہ' میں ان کے ایک خواب کا ذکر کیا ہے انہوں نے دیکھا کہ میرے ایک ہاتھ میں شہد ہے اور دوسرے میں گھی ہے کبھی میں اس ہاتھ کو چاٹتا ہوں اور کبھی دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا:

لقرائ کتابین النور والقرآن(2)

(کہ تم دو کتابیں تورسالت اور قرآن پڑھو گے)

روای نے اس کے بعد بیان کیا ہے کہ وہ دو کتابیں توراۃ اور قرآن پڑھا کرتے تھے۔

گزشتہ دور میں مسلمان خلفاء نے ابھی اس کا اہتمام کیا تھا۔ مامون الرشید نے بیت الحکمۃ قائم کیا جہاں یونانی، البریانی اور حبشی زبانوں کی کتابیں کا ترجمہ عربی میں کیا جاتا تھا۔(3)

مولانا نے اپنے شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ترجم خلافت میں اونٹوں پہ لد کر

چلے جاتے تھے مصر و یونان کے دفتر

جس طرح ستر وسیلہ ظفر ہوتا ہے زبان بھی وسیلہ ظفر ہوتی ہے جتنی زیادہ زبانیں سیکھ لیں اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے۔(4) ابو ذریحان البیرونی البیرونی صف زبان تھا دو فارسی عربی، ترکی اور خوارزمی جرنجان عبرانی، سریانی، یونانی کے علاوہ سنکرت زبان بھی جانتا تھا۔

امام ابن حزم اندلسی اور امام ابن تیمیہ توراۃ کا درس غیر مسلموں کو دیا کرتے تھے ہندوستان میں شاہ عبد الحق محدث دہلوعی عبرانی زبان جانتے تھے۔(5)

مختلف زبانوں کو سیکھنے کا مسلمانوں میں جو مذاق تھا اس کا اندازہ آپ کو اس واقعہ سے ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر نے الدر اکامنہ میں اٹھویں صدی کے ایک بغدادی عالم زین الدین العابر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ تاتاری نو مسلم بادشاہ خزان خان جب آپ

---

[1] ۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص 352

[2] ۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ،، ج 2، ص 352

[3] ۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، مسلمان مثالی اساتذہ اور مثالی طلبہ ص 199

[4] ۔ غزالہ موسیٰ، ڈاکٹر، تعلیمی کامیابی کے راز، ص 64

[5] ۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، مسلمان مثالی اساتذہ اور مثالی طلبہ، ص 199

کے مدرسہ میں آیا اور آپ سے ملا تو آپ نے اس نو مسلم بادشاہ کو بہت دعائیں دیں یہ دعائیں کس زبان میں تھیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

باالمغلی ثم بالترکی ثم بالفارسی ، ثم بالرومی، ثم بالعربی(1)

جس سے معلوم ہوا ان پانچ زبانوں پر ان کو قدرت حاصل تھی۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے :

"مولانا عنایت رسول چریاکوتی کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد عبرانی سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ عبرانی زبان میں مولانا کو جو دسترس حاصل تھی اس کا اندازہ ان کی کتاب 'بشری' اور اس رسالہ سے ہو سکتا ہے جو حضرت ہاجرہ ام اسماعیل کے متعلق عبرانی حوالوں سے آپ نے مرتب فرمایا ہے۔"

سر سید احمد خان نے اپنی کتاب 'خطبات احمدیہ' کا جز بنا کر اسے شائع کیا ہے۔(2)

مدراس میں غیر ملکی زبان سیکھنے کا رجحان

کئی مدارس طلبہ مین زبان کی مہارت کو اپنا بنیادی وصف قرار دیتے ہیں۔ کئی مدارس نے لینگو یج کورس کے انعقاد کو اپنے منصوبے کا حصہ بنایا ہے۔

مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بڑی بڑی دینی جامعات نے غیر ملکی زبان دانی کی طرف توجہ دیتے ہوئے اس کے لئے اساتذہ اور دیگر ضروری تدریسی معاونات کی فراہمی کو یقینی بنانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے اور کسی حد اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

جامعہ اشرف المدارس کراچی کی لینگو یج لیب کو دیکھنے کے بعد یہ احساس بالکل نہیں ہوتا کہ یہ کسی مدرسہ کی لیب ہے یا یونیورسٹی کی یہ لیب مکمل طور پر ساؤنڈ پروف اور ائیر کنڈیشنڈ بنائی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کراچی اور جامعہ الرشید میں بھی لینگو یج لیب بنائی گئی ہے۔ جن بڑی جامعات میں لینگو یج لیب موجود نہیں وہاں بھی دستیاب وسائل میں غیر ملکی زبانوں کو سکھانے کا عمل جاری ہے۔

ثابت ہوا کہ کو درسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ کرام عربی کے علاوہ دوسری زبان سیکھتے تھے۔ اور معلم کائنات نے حضرت زید کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح حضرت سلمان فارسیؓ باہر سے آئے ہوئے وفود کی ترجمانی کیا کرتے تھے۔ اگر ایسی نہ ہوتی تو تبلیغ اسلام کی راہ میں نہ صرف رکاوٹوں کی خلیج حائل ہوتی بلکہ ہم اور آپ اسلام سے فیض یاب نہ ہوتے۔

اس زمانے میں تبلیغ دین کے لئے اور اشاعت اسلام کی خاطر دوسری زبانیں سیکھی جاتی تھیں۔ لیکن آج مسئلہ حض اشاعت اسلام کا نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربی اور اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں اسلام کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت نے اسلام کے خلاف اپنی تجوریاں کھول رکھی ہیں اور انگریزی لٹریچر کے ذریعے ہمارے خلاف غلط بیانیوں کا ایک طوفان کھڑا کر رکھا ہے۔ لیکن ہماری سادہ لوحی تو دیکھیں کہ ہم ان زبانوں کو نہ سیکھنے کا فتویٰ داغ رہے ہیں کیونکہ ان سے دہریت اور لادینیت کے جراثیم پرورش

---

[1] ۔العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، الدرر الکامنہ، ج 3، ص 22

[2] ۔گیلانی، مناظر احسن، برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ج 2، ص 38

پاتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ دوسری زبانوں سے واقفیت حاصل کیے بغیر تبلیغ دین، اشاعت اسلام اور دفاع عن الحق کا فریضہ انجام دے سکیں۔

اپنے ماضی پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا جب تک ہمارے اسلاف نے اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے تمام علوم حاصل کیے اور کسی کے محتاج نہ رہے۔ اس وقت تک وہ ترقی و برتری کے قطب مینار نصب کرتے رہے۔ اور جب انہوں نے دوسرے علوم سے غفلت برتی اور فنون جدیدہ سے لاپرواہ رہے تو عروج و ترقی ان کا مقدر بن گئی جو علوم عصریہ میں آ گئے تھے تاریخ کی اس تلخ حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم "واعدو لهم من ا ستطعنم" کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان نہ صرف آلات حرب تیار کریں بلکہ ہر قسم کی استعداد و صلاحیت کے مالک ہوں۔([1])

دور جدید میں غیر ملکی زبان کی اہمیت

دور جدید میں غیر ملکہ زبان کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ عالم اسلام اور دوسری اقوام سے رابطے کے لئے ہمیں ان کی زبان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے ہمیں مختلف اقوام اور علاقوں کی زبان سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم پاکستانی لوگ افریقی، ایشائی، یورپی ممالک سے رابطہ کے لئے وہاں کی زمین جاننے کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

انگریزی زبان سیکھ کر ہم بین الاقوامی رابطہ کی ضرورت کو کسی حد تک پورا کر لیتے ہیں لیکن آج بھی دنیا کی بیشتر اقوام اور افراد ان کی زبان سے نابلد ہیں۔ ان سے رابطہ کرنے میں از حد مشکلات پیش آتی ہے ں۔ عربی، فارسی، فرانسیسی، چینی، اطالوی، کوریانی، جاپانی ،زبان والے علاقوں میں ہمیں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سعودی عرب، عراق، شام وغیرہ میں مذہبی زیارات کے لئے جائیں یا جرمنی، فرانس میں اعلیٰ تعلیمی کے لئے چین، جاپان میں بسلسلہ کاروبار دورہ ہو، ان کی زبان جانے بغیر آپ وہاں آسانی محسوس نہیں کریں گے۔

ہمارے اکثر لوگ بسلسلہ زیارات اور مذہبی فرائض کی بجا آوری کے لئے سعودی جاتے ہیں۔ وہاں روز مرہ امور کی انجام دہی کے سلسلے میں عربی زبان اور مذہبی اہمیت کے مقامات کی زیارت کے دوران ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے عربی زبان سے نآشنا لوگ خاموش کھڑے رہتے ہیں۔ اس وقت شدید خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم عربی زبان جانتے ہوتے۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم علماء کرام اور ماہرین لسانیات اس پر توجہ دیں۔ ہم اپنے ملک میں غیر ملکی زبان سیکھنے کا رواج عام کریں۔ اس ضمن میں خصوصی اداروں کا قیام عمل میں لائیں۔ مختلف زبانوں کے ماہرین فراہم ہوں، نصاب تعلیم ہو، تاکہ زبانوں کی تدریس کی جائے۔

تجاویز:

---

[1] عبدالوکیل، ابو علی، اسلام، سائنس اور مسلمان، ص 115- 116

۱۔ دنیا کی اہم زبانوں کی تدریس کے لئے ۳۰۔۴۰ گھنٹوں پر مشتمل فنکشنل کورس مرتب کیے جائیں۔ اس کے لئے روزمرہ گفتگو کے لئے کارآمد جملے سکھائیں جائیں۔

۲۔ یونیورسٹیاں اور کالج غیر ملک کی زبانوں کی تدریس کو مزید مؤثر بنائیں۔ ان کورسز کی تدریس کے لئے اساتذہ، سمعی وبصری معاونات کی فراہمی کے انتظامات ہوں۔

۳۔ اس سلسلے میں اساتذہ کی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

۴۔ بیرون ملک میں بسلسلہ تعلیم، کاروبار اور مذہبی دوروں پر جانے والوں کے لئے کورس کی تکمیل لازمی قرار دی جائے۔

۵۔ اخبارات، ریڈیوں، ٹیلی ویژن پر اس کی افادیت بتائی جائے۔

۶۔ زبانیں سیکھنے والوں کو امتحانی سرٹیفیکیٹ جاری کیا جائے۔

فصل ششم

رسول اکرمؐ کے استفساری اسلوب کی حکمتیں

آمادگی

آمادگی کا مطلب یہ ہے کہ طلبہ کو تدریس شروع کرنے سے پہلے موادِ تدریس کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ وہ اسے سننے اور سمجھنے پر آمادہ ہو جائیں اسی صورت میں تدریس زیادہ موثر ہوتی ہے۔(1)

طریقہ تعلیم میں آمادگی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن نے مخاطب میں آمادگی پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات اپنی گفتگو کا آغاز سوال سے کیا ہے اور پھر جواب کی صورت میں مدعا بیان کیا ہے۔ اس طرح سامعین کو متوجہ کرنے کے لیے بہترین موقع پیدا ہو گیا ہے۔ سورۃ معارج میں آخرت اور احوال آخرت کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ اتنے اہم مضامین کے لیے آمادگی اور توجہ کی اشد ضرورت تھی جس کی بنیاد پر قرآن نے سوال سے آغاز کیا ہے اور انداز یہ اختیار کیا ہے کہ لوگ سوال سے زیادہ جواب کی طرف متوجہ ہوں۔(2)

سال سائل بعذاب واقع(3)

اس کے بعد طویل جواب دیا گیا ہے۔ جس کے سننے کے لیے مخاطبین میں دلچسپی پیدا ہونا فطری عمل ہے۔ قرآن نے بہت سے مواقع پر یہ طریقہ استعمال کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

الحاقۃ0 ما الحاقۃ0 وما ادراک ما الحاقۃ0 (4)

گویا جب سامع پوری طرح متوجہ ہو گیا تو پھر جواب دیا گیا۔ نبی اکرمؐ بھی سوال کے ذریعے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو آمادہ و متوجہ کرتے تھے۔

---

[1]- محمد شریف قریشی، راہنما اساتذہ کا داعیانہ کردار اور حکمت تدریس، ص 36

[2]-رب نواز، پروفیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ص 28

[3]-المعارج 70: 1

[4]-الحاقۃ 69: 1 -3

مثلاً آپؐ فرماتے تھے کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں؟۔۔۔ مفلس کون ہے؟۔۔۔ آگاہ رہو؟۔۔۔ عقل والا کون ہے؟۔۔۔ وغیرہ

مثلاً ایک روز آپؐ نے صحابہ کرام سے پوچھا۔

ما تعدون الصرعۃ فیکم

قالوالذی لا تصرعۃ الرجال۔

قال لیس ذلک ولکن الذی یملک نفسہ عندالغضب ([1])

تم پہلوان کس کو کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کو دوسرے آدمی پچھاڑ نہ سکیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھتا ہو۔

جذبہء تجسّس: سوالات کرنے کا ایک مقصد طلبہ میں جذبہ تجسّس کو ابھارنا بھی ہے۔ کسی بھی کام میں کامیابی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آمادگی و تجسّس پایا جائے۔ اگر کسی کام کو کرنے والا اس کے کرنے پر آمادہ نہیں تو وہ کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسری اہم چیز تجسّس ہے۔ کوئی بھی کام کرنا مقصود ہو تو انھیں دو چیزوں کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کام کے پیچھے تجسّس کا جذبہ نہ ہو تو اس کی دلچسپی برقرار نہیں رہتی اور کامیابی کی بجائے ناکامی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ البتہ اگر تجسّس کا جذبہ کارفرما ہو تو کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوالات کے ذریعے طلبہ میں تجسّس کا جذبہ پیدا کرے۔ آپؐ کوئی بات کہہ کر یا سوال کر کے لوگوں کا جذبہ تجسّس ابھار دیتے اور جب لوگ اچھی طرح متوجہ ہو جاتے تو پھر کوئی بات پیش فرماتے۔[2]
تجسّس کے لیے منبر پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ فرمایا۔

ہلاک ہوا، ہلاک ہوا، ہلاک ہوا۔

اسی طرح ایک مرتبہ صحابہ کی موجودگی میں فرمایا۔

واللہ لا یومن۔

واللہ لا یومن۔

واللہ لا یومن۔

---

[1]۔ نیشاپوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب فضل من یملک نفسہ عندالغضب، رقم الحدیث 6641، ص 1078

[2]۔ محبوب احمد خان، حافظ، مثالی استاد، ص 98

رسول اللہ ﷺ نے قسم کے صیغے اور تکرار کے ساتھ یہ جملہ ادا فرمایا اور ضمیر بھی غائب کی استعمال کی۔ جس سے ایک منفی صورتحال سامنے آرہی تھی جس کا فاعل معلوم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے جب تکرار کے ساتھ یہ جملہ زبان رسالت سے سنا تو دریافت کیا۔

یارسول اللہ ﷺ وہ آدمی تو ناکام و نامراد ہو گیا۔ لیکن یہ ہے کون؟

آپؐ نے فرمایا:

من لا یامن جارہ بوائقہ۔ (1)

وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کی ایذارسانیوں سے محفوظ نہ ہو۔

اگر یہ جملہ معمول کے انداز میں بیان کر دیا جاتا تو وہ تجسّس اور تاثیر پیدا نہ ہوتی جو رسول اکرمؐ کے اختیار کیے گئے انداز سے پیدا ہوئی۔ (2) حضورؐ نے ہمارے سامنے وہ طریقہ تعلیم پیش کیا ہے کہ جس کو اپنا کر ہم اپنے لیے مشعل راہ بنا سکتے ہیں۔ طلبہ میں آمادگی و تجسّس پیدا کرنا استاد کا اولین فرض ہے۔

دلچسپی پیدا کرنا: دوران تدریس سوالات بچوں میں دلچسپی پیدا کرتے ہیں اور کئی طلبہ انفرادی طور پر تحقیق و جستجو کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔ سوالات ہی بددل طلبہ کو سبق میں دلچسپی لینے پر مجبور کرتے ہیں جس سے تعلیمی میدان میں وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔ (3)

آپؐ تعلیم کے دوران کسی ہلکی پھلکی بات سے دلچسپی کو زندہ رکھتے۔ (4) صحابہ کرام سے اس انداز میں سوال کرتے کہ ان کی دلچسپی برقرار رہے اور توجہ کا ارتکاز نہ ٹوٹے۔

---

[1]-بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری شریف، کتاب الادب، باب اثم لا یامن جارہ بوائقہ، رقم الحدیث 954، ج3، ص 411

[2]-یوسف القرضاوی، علامہ، مترجم، ارشاد الرحمٰن، رسولؐ اور تعلیم، ص250

[3]-ضیاء الحق ضیاء، طریقہ ہائے تدریس و اعانات تدریس کی تیاری، ص 145

[4]-لیاقت علی خان نیازی، ڈاکٹر، پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں، ص 78

شوق ور غبت دلانا: بسا اوقات سوالات اور مکالماتی انداز سے آپؐ کا مقصود لوگوں کو شوق دلانا اور رغبت پیدا کرنا ہوتا۔ معروف مفسر قرآن اپنی تفسیر ابن کثیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اکرمؐ نے حاضرین مجلس سے دریافت فرمایا۔ خلق خدا میں ایمان کے اعتبار سے تمھارے نزدیک حیران کن کون ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا فرشتے۔ آپؐ نے فرمایا، بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے انھیں تو اپنے رب کی حضوری حاصل ہے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر وہ لوگ انبیائؑ ہو سکتے ہیں۔ آپؐ نے عرض کیا وہ لوگ ایمان کیوں نہ لاتے جبکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا تو پھر ایسے لوگ ہم ہی ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تمھارا معاملہ بھی ایسا نہیں۔ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: میرے نزدیک مخلوق میں ایمان کے اعتبار سے عجیب ترین قوم وہ ہے جو تمھارے بعد آئیں گے۔ وہ صرف کتاب ہی کو پائیں گے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر ایمان لائیں گے۔ (1)

رسول اکرمؐ صحابہ کے سامنے جو کچھ بیان کرنا چاہتے تھے آپؐ نے اسے سوال کر کے بات چیت کے ذریعے جواب حاصل کرنے کی مفید کوشش کر کے بعد میں بیان کیا۔ اور جب آپؐ نے مطلوبہ حقیقیت کو بیان کیا تو وہاں موجود لوگوں کے دل اس حقیقت کو جاننے کے لیے شوق سے بھر چکے تھے۔

غور و فکر کی عادت ڈالنا: اس طریقہ کار کا مقصد علمی مسائل میں غور و خوض اور تفکر و تقف کی عادت ڈالنا بھی تھا۔ آپؐ کے اس تعلیمی انداز سے دل و دماغ کے عقدے کھلتے اور وسعت نظر پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں ہیں اور وہ مومن کی مانند ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ لوگوں کی توجہ صحراؤں کی طرف چلی گئی۔ لیکن میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور ہے۔ پھر لوگوں نے کہہ دیا۔ یا رسول اللہ ﷺ بتا دیجیے یہ کون سا درخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کھجور۔ (2)

رسول کریمؐ نے اس حقیقت کو لوگوں کے سامنے سیدھے انداز میں بیان نہیں کیا کہ مسلمان کھجور کی مانند ہوتا ہے بلکہ آپؐ نے لوگوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنا چاہا۔ اس طریقہ کار سے صحابہ کرام کے لیے علمی بحث میں شرکت کا موقع فراہم کیا۔ اپنے ماحول کے

[1]- ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج1، ص42
[2]- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج1، ص152

موجودات کے بارے میں توجہ اور غور و فکر کی عادت ڈالنا چاہیے۔ مزید برآں صاحب ایمان شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کی برکت سے تروتازہ رہتا ہے افسردہ اور مایوس نہیں ہوتا اور تعلق باللہ کی وجہ سے اس کی زندگی میں پت جھڑ جیسا موسم پیدا نہیں ہوتا۔ ایک سچے طالب علم کو غور و فکر اور استدلال کی قوت سے کام لیتے رہنا چاہیے۔ نبی کریمؐ نے تفکر وتدبر کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا۔

جائزہ تدریس: استاد اپنی تدریس اور بچوں کی کارکردگی کا جائزہ بذریعہ سوالات لیتا ہے اور جانچتا ہے کہ کس حد تک بچوں نے سیکھا ہے اور وہ کسی حد تک نئی معلومات دینے میں کامیاب رہا ہے۔(1)

نبی کریمؐ صحابہ کرام سے بسااوقات تعلیمی جانچ کے لیے سوالات کیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ""باب طرح الامام المسالۃ علی اصحابہ لیختبر ما عندھم من العلم" (امام کا اپنے ساتھیوں کی علمی جانچ کے لیے سوال پوچھنے کا باب) کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے۔

طلبہ کو شریک درس کرنا: سوالات کے ذریعے طلبہ کو تدریس میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ استاد اس طریقہ میں دوران تدریس طلبائ کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ دوران تدریس یا آخر میں طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ سوالات کریں۔ نیز گروہی بحث اور دیگر ذرائع سے طلبہ کی دلچسپی کو تحریک دے کر ان کی شرکت یقینی بناتا ہے۔ اپنی تدریس کا تعلق طلبہ کی عملی زندگی سے جوڑتا ہے۔ تاکہ ابلاغ میں کوئی ابہام نہ رہے، سوالات دوران تدریس اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے ضروری ہیں۔(2)

کلاس میں صرف استاد ہی نہ بولتا رہے بلکہ شاگردوں کو بھی تدریس میں شامل کرنے کی حوصلہ افزائی کرے۔ وہ جماعت میں سوال و جواب اور بحث کی فضاء پیدا کر کے بھرپور تدریسی ماحول پیدا کرے۔ استاد کا طلبہ سے سوال پوچھنا، طلبہ کا دوسرے طلباء سے سوال

---

[1] ۔ضیاء الحق ضیاء، طریقہ ہائے تدریس، ص144
[2] ۔محمد اسلام صدیق، تدریس اور ابلاغی مہارتیں، ص146

پوچھنا۔ طلبہ کا استاد سے سوال پوچھنا کمرہ جماعت میں ایسا ماحول پیدا کر دیتا ہے کہ سارے طلبہ خود کو تدریس میں شریک سمجھتے ہیں۔

(1)

اس طرح سے جب طلبہ کمرہ جماعت میں گرم جوشی سے بحث میں حصہ لیں گے اور اپنے خیالات کا اظہار کریں گے تو ابلاغ کا عمل موثر ہو گا اور تدریس پختہ ہو گی اور اس طرح شراکتی ماحول پیدا ہو گا۔

آپؐ اس انداز سے صحابہ سے سوال پوچھتے کہ انھیں علمی بحث میں شرکت کا موقع فراہم کرتے۔

متوجہ کرنا: سوالات کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرنا رسول اکرمؐ کی تعلیمی پالیسی کا حصہ تھا۔ (2) آپؐ سوالات کے ذریعے صحابہ کرام کو متوجہ کرتے اور جب وہ متوجہ ہو جاتے تو پھر ان کے سامنے کوئی بات رکھتے۔

سوال اگر عقلمندی سے کیا جائے تو سوال توجہ مبذول کرتے وقت بڑا پر اثر ثابت ہوتا ہے۔ بڑھتی ہوئی بیزاری والی جماعت میں تحریک ذہنی دلانے والا سوال کبھی کبھی انتہائی شوق پیدا کر دیتا ہے۔ کسی طالب علم سے اس وقت سوال کرنا چاہیے جب وہ ذہنی طور پر بھٹکا ہوا ہو یا سبق کے علاوہ دوسری چیزوں پر توجہ کر رہا ہو۔ اس دوران سوال کر کے طالب علم کو ان مسائل کی طرف واپس لایا جا سکتا ہے جو جماعت کے سامنے ہوں اور زیر تدریس ہوں۔ (3)

تنبیہ کرنا: کلاس میں کسی طالب علم کو براہ راست اس کی غلطی پر جھڑکنا، ٹوکنا یا تنبیہ کرنا طالب علم کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا اور اس کی شخصیت کو مجروح کر دیتا ہے۔ (4)

حقیقت تک پہنچنے کے لیے فکر و انتباہ اور بحث کو بھی سوال و جواب کی اساس و بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ معلم انسانیت نے کسی طالب علم کا نام لے کر اسے کبھی نہیں ٹوکا۔ کبھی آپؐ نے کسی خاص فرد کو تنبیہ نہیں کی۔ آپؐ کسی کی غلطی کی نشاندہی فرماتے تو عمومی انداز اور سوالیہ طریقہ اختیار فرماتے۔ (1)

---

[1] - شمیم حیدر، ڈاکٹر، اسلام کا نظام تعلیم، ص 67

[2] - سلیم منصور خالد، قومی تعلیمی پالیسی، ایک جائزہ، ص 179

[3] - ایس ایم شاہد، تعلیم و تدریس، ص 446

[4] - رب نواز، پروفیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ص 107

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

كان النبیؐ اذ بلغہ عن رجل لم يقل، قال فلان، ولكن يقول مابال اقوام يفعلون كذا و كذا۔(2)

یعنی اگر نبی اکرمؐ کے پاس کبھی کوئی شکایت موصول ہوتی تو آپؐ یہ نہیں فرماتے کہ فلاں شخص نے ایسا اور ایسا کیا بلکہ آپؐ فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کرتے ہیں۔

یکسوئی پیدا کرنا: کمرہ جماعت میں طلباء کی تعداد زیادہ ہو تو ان میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے سوالات بہترین تکنیک ہے۔ استاد سوالات کے ذریعے طلبہ کی توجہ ایک نقطے پر مرکوز کر سکتا ہے۔ اس کی بہترین مثال خطبہ حجۃالوداع ہے۔ آپؐ نے آغاز خطبہ میں دن، شہر، اور مہینہ کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس سے مقصد یکسوئی پیدا کرنا تھا تاکہ لوگ یکسو ہو کر آپ کی بات سنیں کیونکہ اس کے بعد آپ اہم احکام بیان فرمانے والے تھے۔ اور اہم بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے توجہ کا یکسو ہونا ضروری ہے۔ مزید برآں کلاس میں کوئی طالب علم اگر ذہنی طور پر بھٹکا ہوا ہو تو ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کے لیے اس وقت اس سے سوال کیا جائے اور اسے ان مسائل کی طرف واپس لایا جائے جو اس وقت کلاس کے سامنے ہوں۔(3)

نئی چیز متعارف کرانا: اگر کوئی نئی چیز یا نیا سبق متعارف کروانا ہو تو سوالیہ انداز موثر ثابت ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ انداز استعمال کیا گیا۔ آپؐ نے بھی جب کوئی انوکھی یا مشکل چیز متعارف کروانا ہوتی تو سوالیہ انداز اختیار کرتے۔(4)

مثلاً تم جانتے ہو مسلمان کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ارتباط: طلبہ کل جو سبق پڑھ چکے ہیں اور آج جو سبق پڑھنا ہے ان دونوں میں بہترین ربط سوال و جواب ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ ([1]) استاد بچوں سے سابقہ معلومات سے بذریعہ سوالات فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ان کی نئی معلومات کو نئے سبق کے ساتھ مربوط کرتا ہے

---

[1]-الابراشی، عطیہ محمد، پروفیسر، فلسفہ تعلیم وتربیت، ص230

[2]-السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، فی حسن العشرہ، رقم الحدیث 1361، ج3، ص576

[3]-(ایس ایم شاہد، تعلیم وتدریس، ص447)

[4]_فضل واحد، تعلیم وتربیت قرآن وحدیث کی روشنی میں، ص38

اور اس طرح معلومات کی راہ کھلتی جاتی ہے۔(2)علاوہ ازیں سابقہ معلومات کی بناپر سبق کو عمدہ طریقے سے مرتب کیا جاسکتا ہے۔ اس سے نئے اور پرانے سبق کے درمیان ربط پیدا ہوتا ہے جس سے نئے سبق کو جلد سیکھ لینے میں مدد ملتی ہے اور وہ جدید ریسرچ سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔اس طریقے سے معلوم اور نا معلوم اشیا میں جو اختلافات اور مشابہت پائی جاتی ہے وہ بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ گزشتہ سے پیوستہ کا یہ اصول سوالات کے ذریعے دور جدید کی دریافت سمجھا جاتا ہے۔اسوہء رسولؐ کی صورت میں آج سے چودہ سو سال قبل اپنی افادیت کے ساتھ کارفرما رہا ہے۔(3)

سبق کو آگے بڑھانا: سوالات کے ذریعے اسباق کو آگے بڑھانے میں مدد لی جاتی ہے۔دورِ جدید میں سوالات کو آگے بڑھانے کا بہترین اور موثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سوالات شاگردوں کی طرف سے بھی ہوتے ہیں اور استادوں کی طرف سے بھی۔ حضورؐ ہمیشہ سوالات کے ذریعے تعلیم و تعلم کا سلسلہ آگے بڑھاتے تھے اور اس طریقہ کو آپؐ نے کثرت سے استعمال کیا۔(4)

اعادہ: سوالات کا ایک مقصد اسباق کا اعادہ کروانا بھی ہوتا ہے۔اعادہ کے معنی لوٹانا یا دوبارہ کرنا ہے۔تدریس میں اس کا استعمال دو طرح کیا جاتا ہے۔ایک تو تکرار کی صورت میں جب کہ دوسری صورت سوالات کی ہے۔استاد مواد کا ایک حصہ پڑھاتا ہے پھر سوالات کے ذریعے اس بات کا یقین کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آیا طلبہ نے مواد کو درست طور پر ذہن نشین کر لیا ہے یا نہیں۔اور اس مقصد کے لیے طلبہ سے سوالات پوچھتا ہے۔ موجودہ دور میں اعادہ کی یہ صورت باقاعدہ جماعت میں استعمال کی جاتی ہے۔ (5)

مطالعہ انفرادیت ہر طالب علم کے اندر کچھ صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو مستقبل کی بہترین ضامن ہوتی ہیں۔ایک استاد بذریعہ سوالات وجوابات ہی ان پوشیدہ صلاحیتوں کو جان سکتا ہے اور ہر طالب علم کے فطری میلانات کا پتہ لگا سکتا ہے۔جو اس کے مستقبل

---

[1]-الابراشی، عطیہ محمد، فلسفہ تعلیم وتربیت، ص230

[2]-ضیاء الحق ضیا، طریقہ ہائے تدریس، (ص144

[3]-افضل حسین، تعلیم وتربیت، ص395

[4]-ہاشمی، شفیق الرحمٰن، تعلیم اور تعلیمی نظریات، ص142

[5]- محمد شریف قریشی، راہنما اساتذہ کا داعیانہ کردار اور حکمت تدریس، ص39

کی تعمیر و ترقی میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور پھر اسی قسم کی معلومات کو استاد بڑی کامیابی کے ساتھ مقصد کے حصول کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔(1)

علاوہ ازیں دوران تدریس اسلوب استفہام کے استعمال سے مندرجہ ذیل مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

- سوالات کے ذریعے طلبہ کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔
- سوالات کے ذریعے طلباء کی کمزوریوں کی شناخت کی جا سکتی ہے۔(2)
- سوالات کے ذریعے تعلیم میں سر گرمی پیدا کی جا سکتی ہے۔
- تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی مخصوص مشکلات کی نشان دہی کرنے کے لیے سوالات کیے جاتے ہیں۔(3)
- سبق کے اہم حصوں کی طرف توجہ مبذول کروانے کے لیے سوالات کیے جاتے ہیں۔(4) کمرہ جماعت میں کنٹرول قائم کرنے کے لیے نیز طلبہ کے احساسات اور جذبات کو اظہار کا موقع دینے کے لیے بھی سوالات کیے جاتے ہیں۔(5)

مضمون کی مناسبت سے سوالات کے مقاصد

- مضمون کی مناسبت سے بھی سوالات کے مقاصد مختلف ہو سکتے ہیں۔ایک تحقیق میں انگریزی پڑھانے والے اساتذہ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ بچوں کو متوجہ کرنے اور نظم و ضبط کو بہتر کرنے کے لیے سوالات کرتے ہیں۔
- ریاضی اور سائنس پڑھانے والے اساتذہ نے کہا کہ وہ خیالات کی حوصلہ افزائی اور اکتساب علم دیکھنے کے لیے سوالات کرتے ہیں۔

مادری زبان پڑھانے والوں نے کہا کہ وہ اعادہ کے سوالات کرتے ہیں جبکہ تاریخ اور جغرافیہ پڑھانے والے اساتذہ نے کہا کہ وہ متوجہ کرنے اور حوصلہ افزائی کے لیے سوالات کرتے ہیں۔(1)

---

[1]-ضیاء الحق ضیاء، طریقہ ہائے تدریس، ص146
[2]- محمد سلیم الحق، طریقہ ہائے تدریس و اعانات و تدریس کی تیاری، ص199
[3]- محمد رشید، ڈاکٹر، پروفیسر، ایجوکیشنل ٹیکنالوجی، ص156
[4]-ابراہیم خالد، ڈاکٹر، تربیت اساتذہ، ص307
[5]-ایس ایم شاہد، تعلیم و تدریس، ص446

- سوالات کا صحیح مقصد پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سوالات کی شرائط پوری کی جائیں کیونکہ مذکورہ بالا مقاصد اسی صورت میں حاصل کیے جاسکتے ہیں۔(2)
- (اس ضمن نے رسول اکرمؑ کے اسوہ سے حسب ذیل رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔
- سوالات مختصر اور سادہ ہوں۔ جامع ہوں اور واضح الفاظ میں کیے جائیں تاکہ مخاطب اچھی طرح سمجھ جائیں کہ ان سے کیا پوچھا جارہاہے۔
- سوال کرنے کاانداز ایسا ہو کہ ہر کوئی کان کھڑے کرے، ہمہ تن گوش ہو جائے اور اس کا ذہن جواب سوچنے پر پوری طرح آمادہ ہو۔
- سوال کرنے کے بعد سوچنے کا موقع دیا جائے پھر خندہ پیشانی سے جواب سنا جائے۔
- غلط جواب کی تصیح کر دی جائے اور اگر جواب بالکل نہ ملے یا سوال لوٹا دیا جائے تو خود ہی وضاحت سے جواب دے کر مطمئن کر دیا جائے۔
- طلبہ کو بھی سوالات کا موقع دیا جائے۔
- غیر متعلق لیکن مفید اور ضروری سوال ہو تو بات ختم کر کے علیحدہ سے جواب دیا جائے۔(3)

---

[1]- ایس ایم شاہد، تعلیم وتدریس، ص308
[2]- الابراشی، عطیہ محمد، فلسفہ تعلیم وتربیت ص230
[3]- محبوب احمد خان، حافظ، مثالی استاد، ص81

فصل ہفتم

اسلوب استفہام کے فوائد

جس طرح اسلوب استفہام کو مختلف مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح اس کے فوائد بھی بے شمار ہیں جن میں سے خاطر خواہ فوائد کا تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

علمی ترقی میں اضافہ: طلبہ کا اساتذہ کرام سے سوال وجواب کا تبادلہ اور دلائل کا تبادلہ فکر کو جِلا بخشتا ہے اور علمی ترقی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس رجحان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

جالس العلماء و سائل الکبراء و خالط الحکماء[1]

یعنی (علما کے سامنے بیٹھو، بڑوں سے پوچھو اور داناؤں کی محفل اختیار کرو۔

طلبہ کو مستعد رکھنے کا ذریعہ: سوال وجواب کا انداز تربیت کے عمل کو بہتر بناتا ہے اور طلبہ کو مستعد رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ (2)

ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے: سوالات کے ذریعے استاد اور شاگرد میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ سوالات کو سمجھا جائے اور طالب علم کے پر شوق سوالات کو ہمدردی سے سنا جائے۔ اس کوشش کا قدرتی نتیجہ ہوگا کہ استاد اور طلبہ میں ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا ہوگی جو سیکھنے کے لیے نفسیاتی نقطہ نگاہ سے ایک مثالی چیز ہے۔ (3)

اکتاہٹ کا خاتمہ: اگر طالب علم دوران تدریس اکتاہٹ محسوس کر رہے ہوں تو چھوٹے چھوٹے سوالوں کے ذریعے اکتاہٹ کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح دوران تدریس سوال کرنا اکتاہٹ دور کرنے کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ اکتاہٹ کا دور کرنا ضروری ہے کیونکہ اکتاہٹ ذہنی آمادگی اور تدریس کی دشمن ہوتی ہے۔ دلچسپی حکمت تدریس میں ایک اہم اصول ہے۔ اگر طلبہ سبق میں دلچسپی نہ

---

[1]- غزل کاشمیری، آنحضرتؐ کا منہج تعلیم، (سہ ماہی) فکر و نظر، دسمبر 1992، ج30، ش1، ص238

[2]- محبوب احمد خان، حافظ، مثالی استاد، ص55

[3]- ایس ایم شاہد، تعلیم و تربیت، ص447

لے رہے ہوں تو مثبت کی بجائے منفی اثرات مثلاً تعلیم سے تنفر اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔اس لیے اکتاہٹ کا خاتمہ ضروری ہے اور اس سلسلہ میں سوالات مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔(1)

ذہنی نشو و نما میں مددگار: کوئی مخصوص مواد، مضمون یا کوئی خاص تصور پیش کرتے وقت سوالات پوچھنے چاہییں۔سوالات کے ذریعے ذہنی نشو و نما کی منزلوں پر بچوں کی رہنمائی بہت تیزی کے ساتھ ہو سکتی ہے اور ریاضی، طبعیات اور تاریخ کے اصولوں کی گہری تفہیم کرائی جاسکتی ہے۔(2)

Mathew Thomas اپنی کتاب Effective teaching میں لکھتا ہے کہ

It will help in sustaining the information centers of the brain and in enriching the retained information.(3)

توجہ کا حصول: سوالات کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ سامع پوری طرح متوجہ اور چوکنا ہو جاتا ہے۔سوالات کے ذریعے ایک خاص نقطہ پر ان کی توجہ مبذول کروائی جاسکتی ہے۔اس طریقے سے طلبہ نہ صرف سوچتے ہیں بلکہ جب وہ ان کا استعمال سیکھ لیتے ہیں تو ان کی دماغی صلاحیتیں مثبت طور پر سامنے آتی ہیں۔(4)

بسااوقات نبی کریمؐ صحابہ کو متوجہ کرنے کے لیے سوال کرتے۔صحابہ سوال کو سن کر چوکنا ہو جاتے اور اس کا جواب اپنی ذہنی قوتوں کو بھرپور استعمال کرتے ہوئے دیتے۔(5)

معلومات ذہن نشین کرانے کا ذریعہ: موجودہ دور میں سوال و جواب کے طریقے کو معلوماتی مواد ذہن نشین کرانے کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔اس طریقے سے آسانی کے ساتھ معلومات حفظ کرائی جاسکتی ہیں۔(6)

---

[1]-مشتاق الرحمٰن صدیقی، تعلیم وتدریس، مباحث و مسائل، ص 281

[2]-جیروم ایس.برونر، مترجم معین الدین، تعلیم کا عمل، ص 48

[3] -Mathew Thomas, Effective Teaching, p.117

[4]-شمائلہ محبوب، (سہ ماہی) پڑھانے کی مہارتیں، تعلیمی زاویے، جولائی 2010، ش 3، ص 57

[5]-ابراہیم خالد، پروفیسر، اسلامی نظام تعلیم، ص 242

[6]-غلام عابد خان، عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، ص 105

حضورؐ اپنی بات کو بہتر طور پر ذہن نشین کرانے کے لیے کبھی تبادلہ خیال کے طریقے کو اختیار فرماتے اور کبھی سوال و جواب کے طریقہ پر گفتگو فرماتے۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے حقائق کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں ذہنوں میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ حضورؐ سوال و جواب کے انداز میں صحابہ کرام کے فکر و عمل جلا بخشتے۔(1)

موثر ابلاغ: سوال کرنے سے چونکہ مخاطب چونک پڑتا ہے اور جواب کے لیے متوجہ ہو جاتا ہے اس لیے نہایت موثر انداز میں پیغام پہنچایا جاسکتا ہے۔ نیز اس کی بدولت ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جس میں پیغام اور ابلاغ کی تاثیر کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔(2)

خود اعتمادی: سوالات کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں خود اعتمادی آتی ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ طالب علموں کو سوال کرنے کا موقع فراہم کریں۔اس طرح جو طلبہ کلاس میں سوال کرنے سے شرماتے یا جھجک محسوس کرتے ہیں ان کی جھجک دور ہو گی اور خود اعتمادی آئے گی۔ طلبہ میں اعتماد بحال کرنے کے لیے استفہام ایک موثر ذریعہ ہے۔اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کے سوال کو غور سے سنیں اور اگر ان کے ذہنوں میں کوئی اشکال موجود ہوں تو اس کو دور کریں۔اس کے لیے طلبہ سے کہا جائے کہ وہ سوال پوچھیں اور اساتذہ تسلی بخش جواب دیں۔(3)

شکوک و شبہات کا ازالہ: تعلیم و تعلم کے اس مکالماتی انداز کا معلم کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ علم اس کے حافظے سے نکل کر طالب علم کی جہالت کو دور کرے گا۔اس طریقے سے علمائ کے سینے میں محفوظ علم کو نکالا جا سکتا ہے۔اس سے عالم کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کہ اس طرح اس کا علم پھیلتا اور زندہ ہوتا ہے اور طالب علم کو علم و یقین حاصل ہوتا ہے اور اس کے شکوک و شبہات زائل ہوتے ہیں۔(4)

بہت سے صحابہ کرام نے ان چیزوں کے بارے میں جن کی مراد ان پر واضح نہیں تھی سوالات کیے۔

مثلاً جب قرآن کریم میں سورۃ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی۔

---

[1]-ندوی، سراج الدین، مولانا، رسول خداؐ کا طریقہ تربیت، ص50
[2]-رب نواز پروفیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ص29
[3]- ممتاز احمد عبداللطیف، اسلام کا تربیتی، تعلیمی اور تدریسی نظام، ص512
[4]-یوسف القرضاوی، علامہ، مترجم، ابو مسعود ندوی، تعلیم کی اہمیت سنت نبویؐ کی روشنی میں، ص128

الذین آمنو ولم یلبسو ایمانھم بظلم أولئک لھم الامن و ھم مھتدون۔(1)

تو صحابہ کرام نے سوال کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ تب انھیں بتایا گیا کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے۔

غور و فکر کی عادت: استاد کو چاہیے کہ وہ پڑھاتے وقت طلبہ کے سامنے سوال پیش کرے اور سب کے اذہان کو مشغول کر دے تاکہ وہ جواب سوچیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں سوچنے اور حقائق میں غور و فکر کی عادت پڑتی ہے۔

آپؐ صحابہ کرام کی تعلیم میں یہ اسلوب اختیار فرماتے تھے۔ دوران تعلیم کوئی سوال پیش فرما کر صحابہ کے اذہان کو مشغول فرما دیتے۔ پھر اگر وہ صحیح جواب دے دیتے تو ان کی تقویت فرماتے و گرنہ صحیح جواب کی طرف ان کی رہنمائی فرماتے۔(2)

اس انداز تعلیم کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی آنکھ، کان اور فکر کو ہمہ تن متوجہ کر لیتے ہیں اور اس طرح علمی مضمون ان کے دلوں میں واضح ہو جاتا ہے۔

طلبہ کو متحرک رکھنے کا ذریعہ: سوال و جواب کے طریقے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طریقے سے معلم طالب علم کو بے جان سامع نہیں بلکہ ایک متحرک شخصیت میں ڈھالتا ہے۔ اسے معلومات اور تربیت کے ساتھ ناقدانہ شعور بھی دیتا ہے اور اس طرح سے متعلّم کو اس کی ذہانت کی دہلیز پر لا کھڑا کرتا ہے۔ کامیاب معلم درحقیقیت وہی ہوتا ہے جو اس طریقہ کو کامیابی سے استعمال کرنا جانتا ہو۔ تبھی وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔(3)

آسان ذریعہ تعلیم: سوال وجواب کے طریقے سے اسباق کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہ بات جو لیکچر سے نہیں سمجھائی جا سکتی سوال و جواب سے آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔ فائدہ کے لحاظ سے آسانی کا پہلو بہت اہم ہے کیونکہ نبی کریمؐ خود بھی آسانی کا پہلو اختیار فرماتے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا

---

[1]- الانعام 82:6

[2]-قریشی، محمد اسحاق، ڈاکٹر، حضور اکرمؐ پیغمبر امن و سلامتی، ص 465

[3]-صدیقی، مشتاق الرحمٰن، تعلیم و تدریس، مباحث و مسائل، ص 165

علموا یسروا ولا تعسروا و بشروا ولا تنفروا ۔(1)

لوگوں کو تعلیم دو۔ان کے لیے آسانیاں پیدا کرو۔مشکلات پیدا نہ کرو۔انھیں خوشخبریاں دو اور تنفر نہ کرو۔اسی طرح ایک اور جگہ

ارشاد فرمایا: علموا ولا تعنفوا فان العلم خیر من العنف (2)

یعنی لوگوں کو تعلیم دو اور سختی پیدا نہ کرو بے شک علم سختی پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

یہ ارشادات معلّمین کو واضح راہنمائی دیتے ہیں کہ وہ طلباء کے سامنے مشکل، پیچیدہ اور لچھے دار گفتگو کی بجائے آسان اور سہل اسلوب گفتگو استعمال کریں جو بچوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق ہو۔اس سلسلے میں سوال و جواب کا اسلوب انتہائی موثر ہے کیونکہ اس سے سبق کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔(3)

اس کے علاوہ بھی سوالات کے بہت زیادہ فائدے ہیں۔اس سے طلبہ میں انتباہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔جواب کے سلسلہ میں غور و فکر کی عادت پڑتی ہے۔حفظ کے نظام میں مدد ملتی ہے۔اگر آپ دیکھیں کہ اثنائے درس کوئی طالب علم کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہے تو درس کے سلسلے میں اس سے سوالات شروع کر دیجیے۔سوالات کو پیمانہ کے طور پر بھی ایک مدرس استعمال کر سکتا ہے۔سوالات کے ذریعے مدرس بڑی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ کون سا طالب علم قوی ہے اور کون سا ضعیف؟ کس پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اور کس پر کم؟ پھر اسی اندازہ کے مطابق وہ ضعیف کو قوی اور غبی کو ذہین اور بد شوق کو شوقین بنانے میں کامیاب ہوتا ہے۔اس طرح اصلاح کا کام آسان ہو جاتا ہے۔(4)

سوالات سے مدرس کے حسن ذوق اور قابلیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔سوالات جس طرح طلبہ کی معرفت کی کسوٹی ہیں اسی طرح مدرس کی معرفت کا پیمانہ بھی ہیں۔اگر سوالات کو درست وقت اور طریقے سے استعمال کیا جائے تو بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

---

[1]-بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول النبی یسروا ولا تعسروا، رقم الحدیث 1057، ص446

[2]-البیہقی، شعب الایمان، رقم الحدیث، 1749، ج2، ص274

[3]-رب نواز، پروفیسر، قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوب تعلیم، ص112

[4] -الابراشی، عطیہ محمد، پروفیسر، مترجم، رئیس احمد جعفری، فلسفہ تعلیم و تربیت، ص232–

"Theodore Struck" has beautifully pointed out that, if used right way, at the proper time, questions leads to new realms of understanding and they will serve as mean of organizing or correcting the result of educative experience (.1)

رابطے کا ذریعہ: ایک اچھے استاد کے لیے سبق کے دوران اور بعد میں طلبہ سے موثر رابطہ رکھنا ضروری ہے۔ سوالات کے ذریعے بچوں سے بہتر طور پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ (2)

استاد کی قابلیت جانچنے کا طریقہ: سوال و جواب کے طریقے سے اساتذہ کی قابلیت کو بھی جانچنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر طالب علم چپ چاپ سنتے رہیں اور استاد کا جو جی چاہے پڑھا کر چلا جائے تو اس سے کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ پڑھانے والے کا مطالعہ کتنا وسیع ہے۔ دور حاضر میں اساتذہ کوشش کر کے تعلیمی درسگاہوں میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور ان کا واسطہ ایسے طالب علموں سے پڑتا ہے جو صرف سننے کو ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور یوں ان کی حقیقیت چھپی رہتی ہے چنانچہ سوال و جواب اساتذہ کی قابلیت جانچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ (3)

---

[1]-(Thomas Mathew, Effective Teaching, p. 172

[2]- مسعود احمد، پروفیسر، مسلم معلم کی خصوصیات (ماہنامہ) افکار معلم، جولائی 2005، ج18، ش7، ص17

[3]- گیلانی، مناظر احسن، پاک وہند کا نظام تعلیم وتربیت، ج2، ص334

فصل اول کتاب النکاح

- نکاح کا بیان

جس کی دینداری پسند کرو اس سے نکاح کرو۔

عن أبي حاتم المزني قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه

.......ولا نعرف له عن النبي صلى الله عليه وسلم غير هذا الحديث [1]

محمد بن عمر، حاتم بن اسماعیل، عبداللہ بن مسلم، ہرمز، محمد، سعید، عبید، حضرت ابوحاتم مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ وہ مفلس ہی کیوں نہ ہو۔ فرمایا اگر اس کی دینداری اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو اسی سے نکاح کرو۔ یہی الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ابوحاتم کی صحابیت ثابت ہے لیکن ان کی اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث کا ہمیں علم نہیں۔ ([2])

مسائل و معاملات

- نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔
- جن چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے ان میں سب سے اہم بات کسی کی دین داری اور اس کا اخلاق ہے۔
- اگر کسی مرد یا عورت میں دین داری پائی جاتی ہے اور ان کا اخلاق اچھا ہے تو چاہے وہ مفلس شخص ہی کیوں نہ ہو اس سے عورت کا نکاح کر دینا چاہیے۔ ورنہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا ہونے کا ڈر ہے۔
- جب کوئی لڑکی کا رشتہ وہ شخص بھیجے جو دیندار اور با اخلاق ہو تو اس سے لڑکی کا نکاح کر دینا چاہیے۔ لڑکا غریب، خستہ حال ،بے روزگار یا بد صورت ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ نظام خانہ داری میں مطلوب دو باتیں ہیں
- ایک: اچھے اخلاق میں معیت و صحبت، یعنی با اخلاق رفیق حیات، دوم: وہ معیت و صحبت دین کی اصلاح کا ذریعہ بنے جب لڑکا با اخلاق اور دین دار ہو گا تو وہ بہتریں رفیق ہے، وہ لڑکی کی دین کو سنوارے گا۔

فقہاء کی آراء

---

[1] – تخریج: د/المراسیل (حسن)، ق/النکاح 76 (1968) حسن صحیح

[2] – جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1085　　حدیث مرفوع　　مکررات 3

- چاروں فقہاء نکاح میں کفاءت (مماثلت کے قائل ہیں پھر امام مالکؒ صرف دین داری میں کفاءت کا لحاظ کرتے ہیں اور دیگر آئمہ حسب نسب، ذات برادری اور حرف وصنعت مٰیں کفاءت کا لحاظ کرتے ہیں۔ باب کی حدیث امام مالکؒ کا مستدل ہے، دیگر آئمہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصود صرف اس بات کی ترغیب دیناہے کہ دین دار رشتہ مل جائے تو تاخیر نہیں کرنی چاہیے، لڑکی کا اس سے نکاح کر دینا چاہیے، حدیث کا مسئلہ کفاءت سے کچھ تعلق نہیں۔(1)

نکاح کا بیان
جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اور اس کے بعد وہ عورت کسی اور سے شادی کرلے لیکن یہ شخص صحبت سے پہلے اسے طلاق دیدے۔
عن عائشة قالت جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت......جامع الزوج الآخر (2)

ابن ابی عمر، اسحاق بن منصور، سفیان بن عیینہ، زہری، عروہ، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں رفاعہ کے نکاح میں تھی کہ انہوں نے مجھے تین طلاق دیدیں پھر میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے شادی کرلی لیکن اس کے پاس کچھ نہیں تھا مگر جیسے کونا یا کپڑے کا کنارہ ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ دوبارہ رفاعہ کے نکاح میں آجاؤ؟ نہیں جب تک کہ تم دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لو۔ اس باب میں ابن عمر، انس، رمیصاء، یا غمیصا اور ابوہریرہ سے بھی روایت ہے کے حضرت عائشہ کی حدیث حسن صحیح ہے تمام صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے پھر وہ عورت کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور وہ آدمی جماع سے پہلے طلاق دیدے تو وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع نہ کرلے۔(3)

مسائل ومعاملات:

- جس عورت کو طلاق مغلظہ مل جائے اس عورت کو اگر یہ شوہر پھر اپنے رشتہ نکاح میں لینا چاہتا ہے تو اس کی ایک صورت ہے حلالہ۔
- جب تک دوسرا مرد اُس عورت سے اور عورت مرد سے لطف اندوز نہ ہولے یعنی وہ مجامعت نہ کرلیں تو پہلے شخص کے لیے وہ عورت حلال نہیں ہوسکتی۔
- حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت طلاق کے بعد عدت گزارے اور پھر اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد وہ مرد اس سے مباشرت بھی کرے۔ اب اس مباشرت ومجامعت کے بعد اگر وہ مرد اپنی مرضی

1- (تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی ا۔افادات مفتی سعید احمد پالن پوری، کراچی، زم زم پبلشرز، جلد سوم ص۔

2- تخریج: خ/الشهادات 3(2639)، م/النكاح 17(1433)، ن/النكاح 43(3285)، والطلاق 12(3440)، حم 6/38، د/الطلاق 4 (2313)۔ وَأخرجہ كل من: خ/الطلاق 4(526)، و4(5265)، وَ37(5317)، واللباس 6(5792)، والادب 68(6084)، م/النكاح (المصدر المذكور) ن/الطلاق 9(3437)، و10 (2438)۔

3- جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1120 حدیث مرفوع مکررات 26

سے اس کو طلاق دے دیتا ہے یا اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو اب طلاق یا موت کی عدت گزارنے کے بعد وہ اب پہلے شوہر سے پھر نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت 230 اس کا ثبوت ہے۔

- جمہور کے نزدیک مطلقہ ثلثہ پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک وہ عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کر لے اور پھر وہ اس سے مباشرت نہ کرے۔
- حلالہ کرنے والے کے نکاح کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حلالہ کا ذکر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جس بات میں اختلاف ہے اس کا ذکر کر دیا جائے۔

حلالہ کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا الگ حکم ہے۔

- عقد نکاح کے وقت مدت طے کر دی جائے، یہ صورت بالاتفاق نکاح متعہ میں آتی ہے۔ اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو نکاح متعہ کا ہے۔
- نکاح میں حلالہ کی شرط ہو، مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ "میں نے تجھ سے حلالہ کرنے کے لیے نکاح کیا" یا عورت اس قسم کے الفاظ کہے۔ جمہور کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے۔ کیونکہ یہ بھی نکاح متعہ کے ضمن میں آتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا نقطہ نظر امام ابو حنیفہؒ کے برعکس ہے وہ اسے فاسد قرار دیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: اگر کسی نے حلالہ کی شرط پر نکاح کیا تو یہ نکاح مکروہ ہے۔
- حلالہ کی شرط عقد نکاح میں شامل نہ ہو: اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عقد نکاح باطل نہیں۔
- امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت حلالہ کی نیت ہو اور اس کا ذکر بھی نہ کیا جائے تو نکاح باطل ہے۔ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: اگر عقد نکاح سے پہلے حلالہ کی شرط لگائی اور نکاح کے وقت اس کا ذکر نہیں کیا یا شرط کے بغیر نیت حلالہ کی تھی تو تب بھی نکاح باطل ہے۔

نکاح کے وقت حلالہ کی نیت ہو لیکن شرط نہ ہو:

جمہور علماء کے نزدیک یہ نکاح درست ہے۔ امام شافعیؒ کا اس پر ایک طویل قول ہے۔ (1)

- اگر نکاح سے پہلے حلالہ کی شرط تھی لیکن نکاح کے وقت حلالہ کی نیت سے نکاح نہیں کیا اور اپنی رغبت اور شوق سے نکاح کیا تو اس صورت میں تمام فقہاء کے نزدیک نکاح جائز ہے۔
- حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح کی بے احتیاطی شروع ہوئی تو آپؓ نے فرمایا کہ جو مرد عورت کو طلاق دینے کی شرط لگا کر حلالے کے لیے نکاح کریں گے، میں ایسے میاں بیوی کو رجم کر دوں گا۔ (2)
-
- لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحلل والمحلل لہ۔(3)
  رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی

1۔ الام: 71/5

2۔ المغنی: 648/6

3۔ ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب 3: 30

- نکاح کا بیان
نو مسلم کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو کیا حکم ہے

ابن فيروز الديلمي يحدث عن أبيه قال أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله إني أسلمت وتحتي......هو شع (1)

جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1133 حدیث مرفوع مکررات 4

قتیبہ، لہیعہ، ابووہب جیشانی، ابن روز دیلمی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنے لیے منتخب کر لو، یہ حدیث حسن غریب ہے ابووہب جیشانی، کا نام دیلم بن ہو شع ہے۔

مسائل و معاملات:

- نو مسلم کے گھر میں اگر دو بہنیں ہوں تو ان میں سے ایک کو چھوڑ دے اور ایک کو اپنے نکاح میں رکھے۔ اس میں اپنی مرضی سے انتخاب کی اجازت ہے۔
- دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔
- و ان تجمعوا بين الاختين (2)
- اور تم پر حرام کیا گیا ہے یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح) گھر میں جمع کرو۔
- نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے صاحب ہدایہ جمع کے بارے میں قاعدہ لکھتے ہیں

قاعدہ

- ولا يجمع بين امراء تين لو كانت احداهما رجلا لم يجز له (3)

ایسی دو عورتوں کو جمع نہ کیا جائے اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کریں تو اس کا نکاح دوسری کے ساتھ جائز نہ ہو۔

نکاح کا بیان
کسی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجا جائے

دخلت أنا وأبو سلمة بن عبد الرحمن على فاطمة بنت قيس فحدثتنا أن زوجها طلقها ثلاثا ....انكحي أسامة (1)

---

[1]- تخریج: د/الطلاق 25 (2243)، ق/النکاح 39 (1951)، تحفۃ الاشراف: (11061) حسن

[2]- النساء: 2

[3]- -ہدایہ اولین ج 2 ص 289 المجتبائے دہلی

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، ابو بکر بن ابو جہم نقل کرتے ہیں کہ میں اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، فاطمہ بنت قیس کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دے دی ہیں اور ان کے لیے نہ رہائش کا بندوبست کیا ہے نہ نان نفقہ کا۔ البتہ اس نے اپنے چچازاد بھائی کے پاس دس قفیز غلہ رکھوایا ہے جس میں سے پانچ جو کے اور پانچ گیہوں کے ہیں فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا سنایا آپ نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ام شریک کے ہاں عدت گزاروں لیکن پھر آپ نے فرمایا ام شریک کے ہاں تو مہاجرین کا آنا جانا ہے تم ابن مکتوم کے گھر عدت گزارو۔ کیونکہ اگر وہاں تمہیں کپڑے وغیرہ اتارنے پڑ جائیں تو تمہیں دیکھنے والا کوئی نہیں پھر جب تمہاری عدت پوری ہو جائے اور کوئی نکاح پیغام بھیجے تو میرے پاس آنا فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہوئی تو ابو جہم، اور معاویہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا معاویہ کے پاس تو مال نہیں ہے اور ابو جہم عورتوں کے معاملے میں بہت سخت ہے فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ اس کے بعد مجھے اسامہ بن زید نے پیغام نکاح بھیجا اور اس کے بعد مجھ سے نکاح کیا اللہ نے مجھے حضرت اسامہ کے سبب سے برکت عطاء فرمائی یہ حدیث حسن ہے سفیان ثوری بھی ابو بکر بن جہم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اسامہ سے نکاح کر لو۔

محمود بن غیلان، وکیع، سفیان، ابی بکر بیان کی یہ بات محمود بن غیلان نے انہوں نے وکیع سے انہوں نے سفیان سے انہوں نے ابی بکر بن ابی جہم سے۔ ([2])

مسائل معاملات:

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ اس حدیث سے جو اہم مسائل مستنبط ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

- غائب شخص کا طلاق دینا،
- طلاق اور نفقہ میں کسی کو وکیل بنانا۔
- فتویٰ طلب کرنے کے لیے اجنبی مرد یا اجنبی عورت کا کلام سننا۔
- ضرورت کی بناء پر عدت کی جگہ سے دوسری جگہ جانا۔
- نیک عورتوں کی زیارت کے لیے مردوں کا جانا بشرطیکہ خلوت محرمہ نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام شریک کا گھر تو میرے صحابہ سے بھرا رہتا ہے۔

---

[1] - تخریج: م/الطلاق 6(1480)، ن/الطلاق 15(2447)، و 72(3581)، ق/الطلاق 10(2035) وَاَخرجَہْ کل من م/النکاح (المصدر المذکور، د/الطلاق39 (2283)، ن/النکاح 8 (3224) و21 (3246) ،والطلاق 4 (2024)،و 2032)،ط/الطلاق 23(67)، حم (6/414،415) د/النکاح72223)،والطلاق10(2320) وعندالموءلف برقم: 1180

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1140 حدیث مرفوع مکررات 4

- مطلقہ عورت کو نکاح کا پیغام دینا۔
- ایک پیغام پر دوسرے کا پیغام دینا جبکہ پہلے پیغام کو قبول نہ کیا ہو۔
- حضرت معاویہؓ کی فضیلت اور ان کے ایمان اور اسلام کا بارگاہ رسالت میں مقبول ہونا، کیونکہ آپ نے حضرت معاویہؓ کا پیغام صرف اس لیے مسترد کیا کہ وہ غریب ہیں اگر ان میں کوئی شرعی عیب ہوتا تو اس کا ذکر فرماتے۔
- خیر خواہی اور مشورہ کے وقت کسی کا عیب بیان کرنا اور یہ غیبت محرمہ نہیں ہے۔
- مجاز اور کنایہ کا استعمال کرنا کیونکہ آپ نے فرمایا ابو جہم اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اُتارتا۔
- کسی انسان کی خیر خواہی کے لیے اس سے بااصرار کسی چیز کو کہنا جیسے حضور نے بااصرار اُسامہ کا رشتہ حضرت فاطمہ پر پیش کیا۔
- بزرگوں کی کہی ہوئی بات اگرچہ وقتی طور پر ناپسند ہو لیکن اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس نے انجام کار حضرت اُسامہ کے رشتہ کو اچھا جانا۔
- جب عورت اور اس کا ولی راضی ہو تو غیر کفو میں نکاح کا جواز کیونکہ حضرت فاطمہ قرشیہ تھیں اور حضرت اسامہؓ غلام زادے تھے،
- اہل تقویٰ کا نسب اگرچہ کم درجہ کا ہو پھر بھی ان کی مصاحبت پر حرص کرنا۔
- کسی راوی کی روایت اگر اصول اسلام اور کتاب وسنت کے خلاف ہو تو مسترد کر دی جائے گی۔ جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہ بن قیس کی روایت کو کتاب وسنت کے خلاف ہو تو مسترد کر دی جائے گی جیسے حضرت عمر نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیا۔
- دلیل کی بناء پر ایک مفتی کا دوسرے مفتی کے قول کو رد کر دینا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قول کو رد کر دیا۔
- مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی کا ثابت ہونا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات سے ثابت ہے۔
- مہمانوں کی کھانے پینے سے خاطر تواضع کرنا جیسا کہ حضرت فاطمہ نے شعبی اور ان کے ساتھیوں کی تازی کھجوروں سے خاطر کی۔
- بوقت ضرورت عورت کا مردوں کو دیکھنے کا جواز جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو نابینا کے گھر عدت گذارنے کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے۔
- ضرورت کی وجہ سے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں عدت گزارنا۔

چونکہ اس باب کی احادیث میں بیوی کے نان و نفقہ کی بحث کی گئی ہے۔ اسلیے ہم ایک ایسا مسئلہ اُٹھا رہے ہیں جو اس زمانے میں بکثرت پیش آتا ہے۔ بعض اوقات شوہر بیوی کے روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ اُٹھانے سے لاچار اور عاجز ہوتا ہے، اور بیوی کو طلاق بھی نہیں دیتا، بعض مرتبہ شوہر بیوی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور اس کا مال نہیں ہوتا جس سے بیوی روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ اُٹھا سکے۔ بعض دفعہ شوہر مال دار ہوتا ہے اور موجود بھی ہوتا ہے لیکن تنگ کرنے کے لیے بیوی کو روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ نہیں دیتا نہ اس کو طلاق دے کر آزاد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ عورت کیا کرے؟ امام ابو حنیفہ ان تینوں صورتوں میں شوہر اور بیوی کے

درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتے البتہ باقی ائمہ کے ہاں بعض صورتوں میں بالاتفاق اور بعض صورتوں میں اختلاف کے ساتھ اس مسئلہ کا حل ہے۔ ہم اس مسئلہ اور اس کے حل کو ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔
اس حدیث کی رو سے مطلقہ بائنہ کو نان و نفقہ اور رہائش نہیں ملے گی۔

طلاق ثلاثہ کے بعد نفقہ اور سکنی کے استحقاق میں مذاہب:

- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر پر ہر حال میں نفقہ اور سکنی (کھانے اور رہائش کا خرچ) لازم ہے۔ خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لیے نفقہ اور سکنی لازم ہے۔ ورنہ کچھ لازم نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنی ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس صورت میں لازم ہے جب حاملہ ہو۔
- علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ حسن بصری، عمرو بن دینار، طاؤس عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، شعبی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور غیر مقلدین کے نزدیک، جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے ورنہ اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی۔ اور حماد، شریح، نخعی، ثوری، ابن ابی لیلٰی، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی ابو عبیدہ، امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنی تو ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس وقت لازم ہو گا جب وہ حاملہ ہو گی۔ (1)
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے پتا نہیں وہ مسئلہ سے ناواقف ہے یا بھول گئی ہے۔ (2)

خلاصہ:

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے لیے سکنی واجب ہے نفقہ نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں۔ (واللہ اعلم)

- نکاح کا بیان

عزل کے بارے میں

عن جابر قال قلنا یا رسول الله إنا کنا نعزل فزعمت ......ا وأبي هريرة وأبي سعيد (1)

---

1. عمدۃ القاری: 20/308-307
2. شرح مسلم للنووی: 1/483

عن أبي سعيد قال ذكر العزل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ......وغيرهم (2)

ابن ابی عمر، قتیبہ، سفیان، ابن عیینہ، ابن ابی نجیح، مجاہد، قزعۃ، حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا کیوں کرتا ہے ابن عمر اپنی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے دونوں راوی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نفس نے پیدا ہونا ہے اللہ اسے ضرور پیدا کرے گا اس باب میں حضرت جابر سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوسعید، حسن صحیح ہے اور ابوسعید ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے۔ صحابہ کرام اور دوسرے علماء کی ایک جماعت نے عزل کو ناپسند کیا ہے۔([3])

محمد بن عبدالملک بن ابی شوارب، یزید بن زریع، معمر، یحیٰی بن ابی کثیر، محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، حضرت جابر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عزل کیا کرتے تھے لیکن یہود کے خیال میں یہ زندہ درگور کرنے کی چھوٹی قسم ہے آپ نے فرمایا یہود جھوٹ بولتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز بھی روک نہیں سکتی۔ اس باب میں حضرت عمر، براء، ابوہریرہ، ابوسعید سے بھی روایت ہے۔([4])

مسائل و معاملات:

- لفظ عزل باب عَزَلَ یَعزِلُ (ضرب) سے مصدر ہے۔ اس کا معنی "جدا کر دینا" ہے۔(5)
- اصطلاحی اعتبار سے عزل یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرے اور جب انزال ہونے لگے تو آلہ تناسل کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال کر انزال کر دے۔
- علامہ ابن اثیر عزل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مرد اپنے پانی کو عورت کی فرج میں داخل ہونے سے علیحدہ کر لے۔(6)
- علامہ عینیؒ نے لکھا ہے حمل سے بچنے کے لیے انزال کے وقت مرد کا اپنے آلہ کو فرج سے باہر نکال لینا عزل ہے۔(7)

عزل کے بارے فقہاء کی آراء:

---

[1]- تخریج: : ن/ عشرۃ النساء فی الکبریٰ، تحفۃ الاشراف 2587 صحیح

[2]- تخریج :خ/التوحید 18 (تعلیقاً عقب الحدیث رقم:7409)،م/ النکاح 22(1438)،د/النکاح 49 (2180) وَاَخرجَہْ کل من: خ/البیوع 109 (2229)،والعتق 13 (2542،والمغازی 32(4138،و النکاح 96(5210) والقدر 6(6630)والتوحید 18 (7409)،م/النکاح (المصدر المذکور)،ط/الطلاق 37(95)،حم(3/22،59،53،51،49،47،26،86)د/النکاح 36 (2269)

[3] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1143 حدیث مرفوع مکررات 25

[4] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1141 حدیث مرفوع مکررات 8

[5]- المنجد۔ ص۔ 554

[6]- جذری، النہایہ، علامہ، مجد الدین محمد، ایران، مطبوعہ تناسل مؤسسۃ مطبوعاتی، 1364ھ، ص: 230/3

[7]- عمدۃ القاری: 194/2

- بعض روایات میں عزل سے ممانعت مروی ہے اور بعض میں جواز لہٰذا ممانعت کی احادیث کو کراہت پر محمول کیا جائے گا۔ یہاں ناجائز سے مراد مکروہ ہے۔امام ابن حزم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔(1)
- عزل کے بارے فقہاء شافعیہ کی رائے:
- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ عزل کیوں کرتے ہو؟ یہ نہیں فرمایا عزل نہ کرو"۔اس حدیث سے یہ اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو صراحت سے منع نہیں فرمایا، صرف یہ اشارہ فرمایا کہ عزل کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔آگے بڑی لمبی تفصیل دی ہے۔(2)

عزل کے بارے فقہاء حنابلہ کی رائے:

- ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

عزل مکروہ ہے اس کی کراہت حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے، کیونکہ اس میں نسل کو کم کرنا ہے اور عورت کی لذت کو منقطع کرنا ہے۔روایت ہے کہ حضرت علی اپنی لونڈیوں سے عزل کرتے تھے۔اگر بغیر ضرورت کے عزل کرے گا تو مکروہ ہے لیکن حرام نہیں۔ائمہ مجتھدین میں سے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اصحاب رامی (احناف رحمہم اللہ) نے عزل کی اجازت دی ہے۔

- نیز ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اپنی باندی سے اس کی اجازت لیے بغیر عزل کرنا جائز ہے۔امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔کیونکہ لونڈی نہ وطی کا حق رکھتی ہے نہ اولاد کا، اور اپنی آزاد بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔(3)

عزل کے بارے میں مالکیہ کی رائے:

- امام مالک فرماتے ہیں کہ کوئی شخص آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے اور اپنی باندی سے بغیر اجازت کے عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس کے نکاح میں کسی قوم کی لونڈی ہو وہ ان کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔[4]
- علامہ زرقانی مالکی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا قول بھی امام مالکؒ کے موافق ہے اور امام شافعیؒ نے عزل کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے۔(5)

---

[1] ابن حزم، المحلی، مصر، ادارۃ الطباعۃ، 1348ھ، ص: 80-81/10

[2] فتح الباری: 307-310/9

[3] ابن قدامہ، المغنی: ص: 226-227/7

[4] امام مالک، الموطا: ص: 533

[5] زرقانی، علامہ محمد عبدالباقی، مالکی، شرح المؤطا، مصر، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ، س۔ن، ص: 78/3

عزل کے بارے میں احناف کی رائے:

- علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی فرماتے ہیں:

اپنی لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتا ہے۔ اور بیوی سے اجازت لیے بغیر عزل نہ کرے۔ (1)

ضبط تولید کی شرعی بنیاد عزل کو بنانا:

- دارالافتاء المصریہ کے علماء نے اس سلسلے میں پانچ نکات پر بحث کی ہے جو حسب ذیل ہیں:۔
- ضبط تولید کی شرعی بنیاد عزل ہے اور یہ قرآن وحدث کے خلاف نہیں ہے۔
- منع حمل کے لیے جدید آلات اور دوائیوں کا استعمال جائز ہے۔
- ضبط تولید کو از روئے قرآن جبراً لاگو کرنا جائز نہیں ہے۔
- ضبط تولید کی دعوت اور ترغیبات اللہ تعالیٰ پر توکل کے خلاف ہے۔
- محض ضبط تولید کے لیے عورت اور مرد یا ان میں سے کسی ایک کو بانجھ کرنا جائز نہیں ہے۔
- مصری علماء نے لکھا ہے کہ منع حمل یا نسل کم کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی تصریح نہیں ہے۔ البتہ احادیث سے بظاہر اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام غزالی شافعیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ عزل کی اباحت یا کراہت کے بارے میں چار مذہب ہیں۔ بعض علماء نے عزل کو مطلّقاً مباح قرار دیا ہے، بعض علماء نے مطلّقاً مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ عورت اجازت دے تو جائز ہے ورنہ نہیں اور بعض نے کہا لونڈیوں سے عزل جائز ہے۔ آزاد عورتوں سے نہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں ہمارے نزدیک عزل مباح ہے۔ آگے پانچ اسباب عزل کے لکھے ہیں۔ (2)

ضبط تولید کے بارے میں پاکستان کے علماء کی آراء:

- پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں: قرآن کریم نے نسل کشی کو خطا کبیر (بہت بڑی غلطی) کہا ہے۔ اگر اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو فرانس وغیرہ کے ممالک پر نظر ڈالیے جنھوں نے مصنوعی ذرائع سے ضبط تولید کر کے اپنی تعداد کو گھٹایا اور جب جرمن فوجیں ان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے پاس ایسے جوانوں کی شدید قلّت تھی جو مادر وطن کی حفاظت کے لیے میدان جنگ میں سینہ سپر ہو سکیں۔ ایسا اقدام جس سے قوم او وطن کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے اس کو اگر بڑی غلطی نہ کہا جائے تو کیا اسے دانش مندی کہا جائے۔ (3)
- مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

---

[1] مرغینانی، الہدایہ مع فتح القدیر، سکھر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، س۔ن، ص: 472-473/8

[2] المجلس الاعلیٰ للشئون اسلامیہ، الفتاوی الاسلامیہ، القاہرہ، دارالافتاء المصریہ، ملخصاً مطبوعہ، 1403ھ، ص: 3087-91/9

[3] الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، لاہور، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، س۔ن، ص: 656/2

- قرآن کریم کے اس ارشاد سے اس معاملہ پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں آج کی دنیا گرفتار ہے۔ کثرت آبادی کے خوف سے ضبط تولید اور منصوبہ بندی کو رواج دے رہی ہے۔ اس کی بنیاد بھی اسی جاہلانہ فلسفہ پر ہے کہ رزق کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ معاملہ قتل اولاد کے برابر گناہ نہ سہی مگر اس کے مذموم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (1)
- سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

عزل کے متعلق جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اور اس کے جواب میں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اس کا تعلق صرف انفرادی ضروریات اور استثنائی حالات سے تھا۔ ضبط ولادت کی کوئی عام دعوت و تحریک ہرگز پیش نظر نہ تھی نہ کسی ایسی تحریک کا مخصوص فلسفہ تھا جو عوام میں پھیلایا جا رہا ہو، نہ ایسی تدابیر وسیع پیمانے پر مرد و عورت کو بتائی جا رہی تھیں پیش نظر جو چند روایات مروی ہیں ان کی حقیقت بس یہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنے ذاتی حالات اور مجبوریاں بیان کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں سامنے رکھ کر کوئی مناسب جواب دے دیا۔ اس طرح کے جو جوابات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان سے اگر عزل کا جواز نکلتا بھی ہے تو وہ ہرگز ضبط ولادت کی اس عام تحریک کے حق میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ (2)

عزل کے بارے میں چند گزارشات اور حاصل کلام:

- خاندانی منصوبہ بندی کو کسی عام قانون کے ذریعہ جبراً تمام مسلمانوں پر لاگو کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اوّل تو اس کی اباحت تمام مکاتب فقہ کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے شیخ ابن حزم اور علامہ رویانی عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔
- چند گزارشات:
- کوئی شخص تنگی رزق (خشیۃ املاق) کے خوف کی وجہ سے ضبط تولید کرے یہ جائز نہیں۔
- کوئی شخص لڑکیوں کی پیدائش سے احتراز کے لیے ضبط تولید کرے تو یہ زمانہ جاہلیت کی طرح ہے جس کی مذمت کی گئی ہے۔

جن صورتوں میں مخصوص حالات کے تحت انفرادی طور پر ضبط تولید جائز ہے وہ حسب ذیل ہیں:

- لونڈیوں سے ضبط تولید کا عمل جائز ہو گا۔
- اگر سلسلہ تولید قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبط تولید (عزل) جائز ہے۔
- اگر مسلسل پیدائش سے بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے عزل (ضبط تولید) جائز ہے۔
- حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں انسان اپنی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ اس لیے زیادہ عرصہ بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کی نیت سے ضبط تولید جائز ہے۔
- اگر کوئی شخص عورت سے محبت کی وجہ سے اس کو ایام حمل، دردزہ اور زچگی کی تکالیف سے بچانا چاہتا ہو تو یہ جائز ہے۔

---

[1] مفتی، محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، مطبوعہ ادارۃ المعارف، ص: 463/5

[2] مودودی، رسائل ومسائل، لاہور، مطبوعہ اسلامی پبلی کیشنز، بار پنجم، 1975ء، ص: 290/3

- عام طور پر بچوں کی پیدائش سے عورت کا حسن و جمال کم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر وہ عورت کے حسن و جمال کو قائم رکھنے کے لیے یہ عمل کرے تو صحیح ہے۔ جیسا کہ امام غزالی نے فرمایا ہے۔[1]
- بعض عورتوں کو آپریشن سے بچہ ہوتا ہے بیوی کو آپریشن کی تکلیف اور جان سے خطرہ سے بچنے کے لیے یہ عمل جائز ہے۔
- جب پیٹ میں مزید آپریشن کی گنجائش نہ ہو تو یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے۔
- اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ مزید بچہ ہونے سے عورت کی جان کو خطرہ ہے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

حاصل کلام:

- عزل حرام و ناجائز نہیں بلکہ محض مکروہ ہے۔ (واللہ اعلم)

- نکاح کا بیان:

رضاعت کا رشتہ مرد کی طرف سے

عن عائشة رضی الله عنها قالت دخل علی أفلح بن أبي القعيس فاستترت منه .....إنه عمك فليلج عليك (2)

محمد بن کثیر، سفیان، ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ افلح بن ابی القیس رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے میں نے ان سے پردہ کر لیا وہ بولے کیا تم مجھ سے پردہ کرتی ہو حالانکہ میں تمہارا چچا ہوں میں نے پوچھا وہ کیسے؟ وہ بولے تمہیں میری بھاوج نے دودھ پلایا ہے میں نے کہا مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں اتنے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے میں نے یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک یہ تمہارے چچا ہیں اور شوق سے تمہارے پاس آ سکتے ہیں۔ (3)

لبن الفحل کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

- الفحل کا معنی ہے: مرد اور اس کی طرف دودھ کی نسبت مجاز ہے کیونکہ مرد عورت میں دودھ اترنے کا سبب ہے۔ (4)

لبن الفحل کی وجہ سے حرمت رضاعت میں صحابہ، تابعین، مجتہدین اور دوسرے فقہاء کا اختلاف

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

- مرد کے سبب سے حاصل شدہ عورت کے دودھ میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مرد کا دودھ حرام ہے جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے اور حافظ ابن البر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے اور تابعین میں

---

[1] - غزالی، امام محمد، احیاء العلوم الدین، بیروت، مطبوعہ دار المعرفہ، ص: 52/2

[2] - تخریج: خ/الشھادات 7 (2644)، تفسیر سورۃ السجدہ 9 (4796)، النکاح 22 (5103)، 117 (5239)، الادب 93 (6156) م/ الرضاع 2 (1445)، ط/الرضاع/1 (1) ت/الرضاع 12 (1153)، حم (6/ 217) ن/الرضاع/49 (3303) 3320 (صحیح)

[3] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 292 حدیث مرفوع مکررات 38

[4] - فتح الباری ج 6 ص 270، دار المعرفہ، بیروت، 1426ھ

سے عروہ بن الزبیر، طاؤس، عطاء، ابن شہاب، مجاہد، ابوالشعثاء، جابر بن زید، حسن بصری، شعبی، سالم، القاسم بن محمد، ہشام بن عروہ کا اور الثوری، الوزاعی، اللیث بن سعد اور اسحاق اور ابوالثور کا بھی یہی قول ہے۔

- اور بعض صحابہ نے کہا ہے کہ مرد کے سبب سے حاصل شدہ عورت کا دودھ حرام نہیں ہے، ان میں سے حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت عائشہؓ، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ ہیں (حضرت عائشہؓ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں) اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، سلیمان بن یسار، ان کے بھائی عطا بن یسار، مکحول، ابراہیم نخعی، ابوقلابہ، ایاس بن معاویہ، القاسم بن محمد، سالم (ان کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں) اور شعبی اور اسی طرح حسن بصری اور ابراہیم بن علیہ۔
- حافظ ابو عمر نے التمہید میں نقل کیا ہے کہ داؤد بن علی ظاہری متوفی 307ھ کا بھی یہی موقف ہے اور معروف اس کے خلاف ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور اہل فتویٰ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہ مرد کے دودھ کی حرمت ساقط ہے ماسوا اہل الظاہر اور ابن علیہ کے اور معروف یہ ہے کہ داؤد ظاہری نے بھی ائمہ اربعہ کی موافقت کی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مرد کے دودھ حرام ہونے کا معنی یہ ہے کہ مرد کے دودھ کے سبب سے اس مرد اور دودھ پینے والے کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور دودھ پینے والا اس مرد کا بیٹا ہو جاتا ہے اور دودھ پینے والے کی اولاد اس مرد کی اولاد ہوتی ہے، اور جنہوں نے کہا کہ مرد کا دودھ حرام نہیں ہے اس کا قول اس کے خلاف ہے۔ (1)

رضاعی چچا کے متعلق حضرت عائشہؓ کے اشکال کا سبب

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبیؔ المالکی المتوفی 449ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- جن فقہاء نے کہا کہ مرد کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حرمت تو عورت کی جہت سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ مرد کی جہت کے سبب سے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ان کے رضاعی بھائی اور رضاعی بھتیجیاں آتی تھیں اور ان کے پاس ان کے رضاعی بھائی کی بیویاں نہیں آتی تھیں، اور جن فقہاء نے کہا ہے: مرد کے دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل حدیث مذکور ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کو ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا تھا جو دودھ ان کے شوہر سے حاصل ہوا تھا، پس حضرت ابوالقعیس حضرت عائشہؓ کے رضاعی والد ہو گئے اور حضرت ابوالقعیس کے بھائی ان کے رضاعی چچا ہو گئے لیکن حضرت عائشہؓ کو یہ اشکال ہوا کہ رضاعت تو حقیقت میں عورت کی جہت سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ(2)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے۔

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ(1)

---

[1] ۔ عمدۃ القاری ج20 ص138۔137، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

[2] ۔ البقرہ: 233

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔

- پس حضرت عائشہؓ نے مرد کے سبب سے حرمت رضاعت کو نہیں جانا تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا، تب نبی ﷺ نے ان کو یہ خبر دی کہ مرد کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: "وہ تمہارے چچا ہیں، پس تم ان کو آنے کی اجازت دو"۔

مرد کے دودھ سے ثبوت حرمت پر عقلی دلیل

- علامہ ابن المنذر مالکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ تمہاری رضاعی مائیں اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں اور ان کے ماسوا کے متعلق حدیث میں تصریح نہیں ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دودھ کا سبب عورت اور مرد دونوں کی منی ہے، پس واجب ہے کہ حرمت رضاعت ان دونوں سے ثابت ہو جیسے اولاد کی نسبت ان دونوں کی طرف ہوتی ہے اور ان کا سبب مختلف ہو جیسا کہ دادا جب بیٹے کا سبب ہے تو پوتے کی تحریم بھی اس کے ساتھ متعلق ہو گی جیسا کہ اس کے بیٹے کے متعلق ہے، اسی طرح مرد اور عورت کا حکم ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد کی دو بیویاں ہیں، پس ان میں سے ایک بیوی نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا اور دوسری بیوی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس لڑکے کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔(2)
- کیونکہ نکاح واحد ہے اور ان کی مائیں ایک ہی مرد کی بیویاں ہیں اگرچہ وہ الگ الگ ہیں کیونکہ اس لڑکے اور لڑکی کا باپ ایک ہی ہے جو کہ ان دونوں عورتوں کے دودھ کا سبب ہے اور وہ لڑکا اور لڑکی آپس میں علاتی (باپ شریک) رضاعی بھائی بہن ہیں۔(3)
- علامہ ابن ملقن شافعی متوفی 804ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی 499ھ کی شرح من و عن نقل کر دی ہے۔(4)

دودھ پلانے والی کے دعویٰ اور دودھ پینے والے کی تصدیق سے رضاعت کے ثبوت پر حدیث مذکور سے استدلال

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے دودھ پلانے کا دعویٰ کیا اور دودھ پینے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو ان دونوں کے درمیان رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ ثابت ہو جائے گا اور اس پر کسی گواہ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت افلح نے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت عائشہؓ نے ان کے دعویٰ کی تصدیق کر دی، اور شارع علیہ السلام نے صرف ان کے اس دعویٰ کی بنا پر ان کو حضرت عائشہؓ کے گھر آنے کی اجازت دے دی لیکن اس

---

[1]۔النسآء: 23

[2]۔ سنن ترمذی: 1149، مصنف عبدالرزاق: 13942، مصنف ابن ابی شیبہ: 17342

[3]۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج7 ص164۔163، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ

[4]۔التوضیح الشرح الجامع الصحیح ج24 ص300۔299، وزارۃ الاوقاف، قطر، 1429ھ

استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شارع علیہ السلام کو حضرت افلح کے رضاعی چچا ہونے کا پہلے علم ہو بغیر اس کے کہ حضرت افلح دعویٰ کریں اور حضرت عائشہؓ اس کو تسلیم کریں۔

کم مقدار میں (ایک چسکی) دودھ پینے سے بھی رضاعت کے ثبوت پر حدیث مذکور سے استدلال

- اور اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ کم مقدار میں دودھ پینے سے بھی رشتہ رضاعت ثابت ہو جاتا ہے اور حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح زیادہ مقدار میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت افلح کے بھائی کی بیوی سے کتنی مقدار میں دودھ پیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ دودھ پینے کی مقدار کم ہو یا زیادہ، لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ عدم ذکر محض کو مستلزم نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت افلح کی بیوی کا زیادہ مقدار میں دودھ پیا ہو اور اس کا یہاں ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کے مسائل فقہیہ اور نکات لطیفہ (حضرت افلح کے رضاعی چچا ہونے کی وضاحت)

- جس شخص کو کسی چیز کے حکم میں شک ہو تو وہ اس پر عمل کرنے میں توقف کرے حتیٰ کہ علماء دین سے اس چیز کا شرعی حکم معلوم کرلے کیونکہ حضرت عائشہؓ کو اس میں شک تھا کہ حضرت افلح ان کے رضاعی چچا ہیں یا نہیں کیونکہ انہوں نے حضرت ابوالقعیس کا دودھ نہیں پیا تھا بلکہ ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ حضرت افلح حضرت ابوالقعیس کے رضاعی بھائی تھے اور حضرت ابوالقعیس اس عورت کے شوہر تھے جس نے حضرت عائشہؓ کو دودھ پلایا تھا، تو حضرت ابوالقعیس حضرت عائشہؓ کے رضاعی والد ہوئے اور حضرت افلح، حضرت ابوالقعیس کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا ہوئے۔ اس وجہ سے حضرت عائشہؓ کو یہ شک تھا کہ انہوں نے حضرت ابوالقعیس کا دودھ تو نہیں پیا بلکہ ان کی بیوی کا دودھ پیا تھا، پھر حضرت افلح حضرت ابوالقعیس کے بھائی ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ کے رضاعی چچا کیسے ہو گئے اور جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ابوالقعیس تمہارے رضاعی چچا ہیں، ان کو گھر آنے کی اجازت دو، اور آپ کے ارشاد کی وجہ سے یہ کہ اگرچہ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوالقعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا لیکن اس دودھ کا سبب تو ان کے شوہر ابوالقعیس تھے، لہٰذا ان کے بھائی حضرت افلح حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا ہو گئے۔
- اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی مردوں سے عورتوں کو حجاب میں رہنا لازم ہے۔
- کسی محرم کا اپنے محرم کے گھر آنے کے لیے اجازت طلب کرنا ضروری ہے جیسے حضرت افلح نے حضرت عائشہؓ کے گھر آنے کے لیے ان سے اجازت طلب کی حالانکہ وہ ان کی رضاعی بھتیجی تھیں۔
- عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی مرد کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہ دے جیسے حضرت عائشہؓ نے حضرت افلح کے گھر کے آنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی۔

رضاعت کا بیان

دودھ مرد کی طرف منسوب ہے

أبيه عن عائشة قالت جاءعمي من الرضاعة يستأذن........ والقول الأول أصح (1)

حسن بن علی، ابن نمیر، ہشام، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے پاس داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ تو تمہارے چچا ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں آپ نے فرمایا انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے پاس آجائیں اس لیے کہ وہ تمہارے چچا ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے کہ انہوں نے رضاعی رشتہ والے مرد کے سامنے ہونے کو مکروہ کہا ہے بعض اہل علم نے اس کی جازت دی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔[2]

مسائل و معاملات:

- جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت (دودھ پینے) سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشتوں میں احتیاط کرنا ضروری ہے کہ آیا وہ محرم ہیں یا نہیں۔
- علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں کہ لغت میں رِضاع اور رَضاع دونوں طرح ہے اور اس کا معنی ہے "عورت کا پستان چوسنا" اور اصطلاح فقہ میں اس کا معنی ہے "عورت کے پستان سے مدتِ رضاعت میں بچہ کے پیٹ میں دودھ پہنچانا خواہ بچہ منہ کے ذریعے چوسے یا بچہ کی ناک کے ذریعے دودھ پہنچایا جائے"۔ لہٰذا مدت رضاعت میں بچہ خود دودھ چوسنے یا اس کے حلق میں دودھ ٹپکایا جائے یا ناک کے راستہ اس کے پیٹ میں دودھ پہنچایا جائے ان سب طریقوں سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ کسی اور سوراخ سے دودھ ڈالا گیا تو رضاعت ثابت نہیں ہو گی۔ (3)

رضاعت کے احکام:

- فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے تمام اصول اور فروع حرام ہو جاتے ہیں خواہ وہ نسباً ہوں یا رضاعاً۔ حتیٰ کہ اگر دودھ پلانے والی کے ہاں اس کے موجودہ شوہر سے یا کسی اور شوہر سے اولاد ہو خواہ دودھ پلانے سے پہلے ہو یا دودح پلانے کے بعد تو یہ سب دودھ پینے والے کے بھائی اور بہن ہیں۔ (4)
- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے دودھ پینے والا، دودھ پلانے والی کا محرم ہے۔ اس کے ساتھ اس کا نکاح دائمی طور پر حرام ہے۔ اس کو دیکھنا اس کو حلال ہے اور اس کے ساتھ خلوت جائز ہے۔ اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔ لیکن نسب کے تمام احکامات رضاعت میں جاری نہیں ہوتے۔ ان کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی اور نہ ان میں سے

---

[1]- تخریج: م (الرضاع 2 (1445) وَاَخرجَہْ کل من: خ/الشھادات 7(2644) وتفسیر سورۃ السجدہ 9(6974)، والنکاح (22)(5103) و 1117 (5239)، والادب 93(6156)، م/الرضاع (المصدر المذکور)، ن/النکاح 49(3303) د/النکاح 48(2294)

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1154 حدیث مرفوع مکررات 38

[3] ابن نجیم، البحر الرائق، کوئٹہ، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، س۔ن، ص: 221/3

[4] ملا نظام الدین، فتاویٰ عالمگیری، مصر، مطبوعہ کبریٰ المیریہ بولاق م، 1310ھ، ص: 343/1

کسی کا دوسرے پر نفقہ واجب ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والی کی اولاد بھی ایک دوسرے پر حرام ہے۔(1)

مدت رضاعت میں مذاہب فقہاء:

- علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: مدت رضاعت دو سال ہے۔ صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی ازواج مطہرات امہات المومنینؓ کا یہی نظریہ ہے۔ اور مجتہدین میں سے امام شعبیؒ، امام ابن شبرمہؒ، امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام ابو ثورؒ کا یہی نظریہ ہے۔ امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دو سال کے اوپر ایک یا دو ماہ کا اضافہ ہو جائے پھر بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت تیس ماہ یعنی اڑھائی سال ہے۔
- **دودھ پینے کی وجہ سے حرمت کے رشتوں کی تفصیل**
- علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن التوفی 804ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
- جو رشتے ولادت سے حرام ہوتے ہیں وہ رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:
- وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔(2)
- اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔
- علامہ ابن بطال مالکی متوفی 449ھ لکھتے ہیں:

پس جب رضاعی ماں اور رضاعی خالہ حرام ہے تو اسی طرح ان کا شوہر بھی حرام ہے کیونکہ وہ دودھ پینے والی کا والد ہے اور اس لیے کہ دودھ ان دونوں سے حاصل ہوا ہے اور یہ حرم ان کی اولاد تک پھیلے گی، پس دودھ پلانے والی کے شوہر کا بھائی دودھ پینے والی کا چچا ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے، لہٰذا دودھ کے رشتہ سے پھوپھیاں اور خالائیں اور چچا اور ان کی بیٹیاں نسبی رشتوں کی طرح حرام ہیں۔

- علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جب کسی مرد کی بیوی کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو وہ لڑکی اس مرد کے بیٹے پر اور اس کے باپ اور دادا پر اور اس کے پوتوں پر اور اس کے نواسوں پر حرام ہو جاتی ہے، اور جب دودھ پینے والا لڑکا ہو تو اس کے اوپر دودھ پلانے والے کی اولاد حرام ہو جاتی ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے خاوند کی اولاد بھی اس لڑکے پر حرام ہو جاتی ہے، اور اس لڑکے کے لیے اس کی رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ اور رضاعی بھتیجی حلال نہیں ہیں۔(3)

---

[1]- شرح مسلم للنووی: 466/1

[2]- (النسآء: 23)

[3]- شرح صحیح البخاری لابن بطال ج 7 ص 195، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ

- **رضاعت کی وجہ سے رضاعی ماں کو دیکھنا، اس سے خلوت میں ملنا اور دیگر امور کا حلال ہونا**
- علامہ ابن ملقن شافعی متوفی 804ھ لکھتے ہیں:
- دودھ کے رشتے سے دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والے کے درمیان حرمت رضاع ہے۔ (1)
- دودھ پینے والا، دودھ کے رشتہ سے ولادت کے رشتہ کی طرح ہے اور اس کے اوپر دودھ پلانے والی کا نکاح دائماً حرام ہے۔ اور اس کا اپنی رضاعی ماں کو دیکھنا اور اس کے ساتھ خلوت میں رہنا اور اس کے ساتھ سفر کرنا حلال ہے اور اس پر ماں بیٹوں کے تمام احکام من کل الوجوہ جاری نہیں ہوتے، ان میں نہ تو وراثت جاری ہوتی ہے اور نہ نفقہ لازم ہوتا ہے اور نہ ملکیت کی وجہ سے آزاد کرنا لازم ہوتا ہے اور رضاعی ماں کے حق میں ان کی شہادت مردود نہیں ہوتی اور نہ اس کی دیت لازم ہوتی ہے اور اس کو قتل کرنے سے اس کا قصاص ساقط نہیں ہوتا اور ان امور میں اس کا حکم اجنبی مرد کے احکام کی طرح ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ دودھ پلانے والی اور دودھ پینے والے کی اولاد کے درمیان اور دودھ پینے والے اور دودھ پلانے والی کی اولاد کے درمیان حرمت جاری ہے۔ (2)
- **رضاعی چچا کی حرمت کا سبب**

وہ مرد جو دودھ کے رشتہ کی وجہ سے دودھ پینے والے کی طرف منسوب ہے تو اس کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کا شوہر ہے، پس علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ دودھ پلانے والی کے شوہر کے بھائی اور دودھ پینے والی کے درمیان حرمت رضاعت کے لیے کافی ہے اور مرد کی اولاد دودھ پینے والے کے بھائی ہیں اور مرد کے بھائی دودھ پینے والے کے چچا ہیں اور اس کی بہنیں دودھ پینے والے کی پھوپھیاں ہیں اور دودھ پینے والے کی اولاد اس مرد کی اولاد کی طرح ہے۔ (3)

- اس مسئلہ میں سوائے اہل الظاہر یعنی غیر مقلدین کے اور کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (4)
- اسی طرح علامہ خطابی اور قاضی عیاض نے لکھا ہے۔ (5)
- **رضاعی چچا کی حرمت پر مزید دلائل**
- رضاعی چچا کی حرمت کے ثبوت میں وہ احادیث ہیں جو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ کے چچا کے متعلق وارد ہیں اور اس باب کی حدیث ہے کہ دودھ کے رشتے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

---

[1]۔المحلی ج 9 ص 521

[2]۔الاقناع فی مسائل الاجماع ج 3 ص 1185۔1184

[3]۔الاقناع ج 3 ص 186

[4]۔المحلیٰ ج 10 ص 2

[5]۔معالم السنن ج 3 ص 185، اکمال المعلم ج 4 ص 629

- امام ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ سے ان رشتوں کو حرام کر دیا جن رشتوں کو نسب سے حرام کر دیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے اور ہمارے علم میں اس بارے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (1)
- حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابن ملقن کی شرح کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (2)
- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
- حضرت حفصہؓ کے رضاعی چچا کا نام بتایا گیا ہے کہ وہ افلح تھا جو ابوالقعیس کا بھائی تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ وہم ہے کیونکہ ابوالقعیس حضرت عائشہؓ کے رضاعی والد کا نام ہے اور رہے افلح تو وہ ان کے رضاعی چچا ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ نے کہا: "اگر وہ زندہ ہوتا" یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ (3)
- علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایک اور بھائی بھی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ گمان کیا کہ ان کی وفات ہو گئی ہے کیونکہ ان سے ملاقات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا، پھر اس کے بعد وہ آئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ (4)
- **بعض حنبلی فقہاء کا رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے لیے پانچ چسکیوں کی قید لگانا**
- شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی 1420ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
- رضاعی رشتوں کی حرمت پر اجماع ہے، پس رضاعی ماں اور رضاعی بہن دو شرطوں کے ساتھ حرام ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ دودھ پینے والے نے دودھ کی پانچ چسکیاں پی ہوں، اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ پانچ چسکیاں مدت رضاعت یعنی دو سال کے اندر پی ہوں۔ (5)
- پانچ چسکیاں پینے کی شرط لگانا از روئے قرآن باطل ہے کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً دودھ پینے سے ماؤں اور بہنوں کو حرام قرار دیا ہے اور پانچ چسکیوں کی قید نہیں لگائی۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔(6)

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (بھی تم پر حرام ہیں)

---

[1] (سنن ترمذی: 1146) (التوضیح الشرح الجامع الصحیح ج24 ص289۔284، ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، 1429ھ)

[2] ۔فتح الباری ج6 ص264۔263، دارالمعرفہ، بیروت، 1426ھ

[3] ۔فتح الباری ج6 ص264

[4] ۔عمدۃ القاری ج20 ص130، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

[5] ۔شرح صحیح البخاری للعثیمین ج4 ص454، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، 1429ھ

[6] ۔ النسآء: 23

اس کا بیان کہ بڑے ہو کر بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم وأم سلمة أن أبا حذيفة بن عتبة بن ربيعة بن عبد شمس كان تبنى سالما ......لسالم دون الناس (1)

احمد بن صالح، عنبسہ، یونس، ابن شہاب، عروہ بن زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس نے سالم کو بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے اپنے بھائی کی بیٹی ہندہ بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا اور وہ یعنی سالمی ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے (یہ بیٹا لینا ایسا ہی تھا) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جو شخص کسی کو بیٹا بناتا لوگ بچے کو اسی کی طرف منسوب کرتے (جیسا کی زید کو زید بن محمد کہتے تھے) اور (مرنے کے بعد حقیقی بیٹے کی طرح) اس کو اس کا وارث قرار دیتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی (اُدۡعُوۡہُمۡ لِاٰبَآئِہِمۡ) 33۔الاحزاب : 5) فی الدین یعنی ان کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو اللہ کے نزدیک یہی صحیح اور مبنی برحقیقت ہے اور اگر تم ان کے باپوں سے ناواقف ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں اور آزاد کردہ غلام اس حکم کے نزول کے بعد لوگ لے پالکوں یعنی منہ بولے بیٹے کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارنے لگے اور جس کا باپ معلوم نہ ہو سکا اس کو مولی اور دینی بھائی قرار دیا تو ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی ثم العامری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تو سالم کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح ہی سمجھتے تھے اور وہ میرے اور ابوحذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا (جس طرح اپنے بچے رہتے ہیں) اور وہ مجھ کو گھریلو اور تنہائی کے لباس میں دیکھتا تھا اور اب اللہ نے منہ بولے بیٹوں کے بارے میں جو حکم فرمایا ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں پس فرمائیے اب ہمارے لیے کیا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اس کو دودھ پلا دے پس انہوں نے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیا اس کے بعد وہ اس دودھ پینے کی وجہ سے وہ ان کا رضاعی بیٹا سمجھا جانے لگا اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھتیجیوں بھانجیوں کو اسکو پانچ مرتبہ دودھ پلانے کا حکم فرمائیں جس کو وہ دیکھنا چاہتیں یا یہ چاہتیں کہ وہ ان کے پاس آیا جایا کرے اگرچہ وہ بڑا ہوتا اور اسکے بعد وہ ان کے پاس آتا جاتا لیکن حضرت ام سلمہ اور باقی دیگر ازواج مطہرات اس بات سے انکار کرتیں کہ کوئی ان کے پاس ایسی رضاعت کی بناپر آیا جایا کرے جب تک کہ بچپن کی رضاعت نہ ہوتی (اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا استدلال میں اس واقعہ کو پیش کرتیں تو) وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتیں بخدا ہم نہیں جانتیں ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رخصت صرف سالم کو دی ہو باقی دوسرے لوگوں کو نہیں [2]۔

مسائل و معاملات:

---

[1]- تخریج: خ/النکاح47 (رقم الحدیث80)، الغزوات 44(1198)، م/الرضاع 7 (1453) تحفۃ الاشراف ن/النکاح 36(1943)، حم(6/174)،:17841)، صحیح

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 296 حدیث مرفوع مکررات 20

- اس حدیث کے مطابق بالغ کو دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

بالغ کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت کی تحقیق:

اس حدیث سے ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ ایک اجنبی مرد کے لیے کیسے جائز ہو گا کہ وہ ایک اجنبی عورت کے پستان سے اپنا منہ لگائے۔

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شاید حضرت سہلہ نے کسی برتن میں دودھ ڈال کر دیا ہو۔ اور سالم نے اس برتن سے وہ دودھ پیا ہو۔ علامہ ابن ہمام کے جواب کی تائید حسب ذیل روایات سے ہوتی ہے۔ امام ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ کسی ڈراپر قسم کی ڈبیہ یا برتن میں دودھ کی ایک چسکی ڈالی جاتی اور پانچ دن تک روزانہ اس میں سے حضرت سالم کو ایک قطرہ پلایا جاتا۔(1)

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی امام واقدی کے حوالہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔(2)
- جمہور کے نزدیک صرف دو سال سے کم عمر میں پلائے گئے دودھ سے ہی حرمت ثابت ہو گی۔ جمہور صحابہ، تابعین اور مجتہدین کا یہ نظریہ ہے کہ اس حدیث سے حکم عام مستنبط نہیں کیا جا سکتا کہ ہر بالغ مرد کو عورت اپنا دودھ پلا کر بیٹا بنا لے۔ یہ صرف حضرت سہلہ بنت سہیل کے لیے رخصت تھی اور یہ حضرت سالم کی خصوصیت تھی۔ البتہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے اجتہاد سے اس حکم کو عام سمجھا اور باقی ازواج مطہرات میں سے کسی نے بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہ کی موافقت نہیں کی۔
- تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بالغ کو اگر کوئی عورت دودھ پلادے تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہو گی البتہ امام ابن حزمؒ اور امام ابن تیمیہؒ نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے۔
- امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

ورضاع الكبير محرم، ولوانه شيخ كما يحرم رضاع الصغير ولا فرق۔(3)

ترجمہ: بالغ کو دودھ پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ وہ بوڑھا ہو جیسا کہ بچہ کو دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں۔

- شیخ ابن تیمیہؒ سہلہ بنت سہیل کے دودھ پلانے کا واقعہ ذکر کر کے لکھتے ہیں:

مع ان عائشه روت عنه قال الرضاعة من المجاعة لكنها رات الفرق بين ان يقصد رضاعة او تغذية فمتى كان المقصود الثانى لم يحرم الاماكان قبل الغطام وحذا اهوارضاع عامة الناس واماالاول فيحوزان احتيج الى جعله ذامحرم وقد يجوز للحاجة مالايجوز لغيرها وهذا قول متوجہ(4)

---

[1] امام محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، مطبوعہ دار صادر، 1388ھ، ص: 217/8

[2] ابن حجر، عسقلانی، الاصابۃ، بیروت، مطبوعہ دار الفکر، 1398ھ، ص: 337/4

[3] ابن حزم، المحلی، مصر، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، 1349ھ، 17/10

[4] ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل سعود، ص: 60/34

ترجمہ: حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ رضاعت اس وقت معتبر ہو گی جب بھوک مٹا سکے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے یہ تھی کہ جب دودھ پلانے س مقصود غذا ہو اور دو سال کے اندر دودھ پلایا جائے تو حرمت رضاعت ہو گی اور اگر دو سال کے بعد دودھ پلایا جائے تو حرمت رضاعت نہیں ہو گی اور اگر دودھ پلانے سے مقصود غذا نہ ہو بلکہ کسی ضرورت کی وجہ سے رشتہ رضاعت ثابت کرنا ہو تو دو سال کے بعد بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی کیونکہ ضرورت کی وجہ سے کئی ایسی چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جو بلا ضرورت جائز نہیں ہوتیں اور یہ قول لائق توجہ ہے۔

- ابن قیم اسی کے قائل ہیں۔(1)
- علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی موقف ہے کہ بالغ دودھ پینے سے محرم ہو جاتا ہے۔ (2)
- امام شوکانیؒ نے اس مسئلہ پر بحث کر کے اسی کو ترجیح دی ہے۔(3)

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ غیر مقلدین کے اکابر علماء کا یہی نظریہ ہے کہ دودھ پینے سے بالغ کی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا نظریہ اس کے بر خلاف ہے اور یہ واقعہ صرف حضرت سالم کے ساتھ مخصوص تھا اب نہیں ہے۔

نکاح سے متعلقہ احادیث

کتنا دودھ پی لینے سے حرمت ہوتی ہے؟

أخبرنا عبد الله بن الصباح بن عبد الله قال حدثنا محمد بن سوا قال حدثنا سعيد عن قتادة وأيوب عن صالح أبي الخليل عن عبد الله بن الحارث بن نوفل عن أم الفضل أن نبي الله صلى الله عليه وسلم سل عن الرضاع فقال لا تحرم الإملاجة ولا الإملاجتان وقال قتادة المصة والمصتان (4)

عبداللہ بن صباح بن عبد اللہ، محمد بن سواء، سعید، قتادہ و ایوب، صالح ابو خلیل، عبداللہ بن حارث بن نوفل، ام فضل، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دودھ کے رشتوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دودھ ایک یا دو مرتبہ پستان (منہ میں) لے لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث میں لفظ املجہ کے بجائے لفظ مصہ منقول ہے۔([5])

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک یا دو مرتبہ پستان چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

---

1. اعلام الموقعین عن رب العالمین: 346/4
2. شرح مسلم للنوی: 469/1
3. شوکانی، امام، نیل الاوطار، مصر، مطبوعہ مکتبہ الکلیات، الازہر، 1398ھ، ص: 136/8
4. تخریج: م/الرضاع 5 (1451)، ق/النکاح 35 (1940)، د/النکاح 49 (2298) حم(339/ 6، 340
5. سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1221 حدیث مرفوع مکررات 9

ثبوت رضاعت کے لیے چسکیوں کی مقدار میں مذاہب فقہاء:

اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

- امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن زبیرؓ، امام طاوسؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت عروہؒ، لیث بن سعدؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ جمہور، امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ کے نزدیک تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی دودھ پی لے، حرمت ثابت ہو جائے گی خواہ ایک مرتبہ ہی ہے۔

امام اسحاقؒ، ابو عبیدہؒ، ابو ثورؒ، اور ابن منذرؒ کے نزدیک تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(1)

- امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔(2)
- احناف کا نظریہ یہ ہے کہ ایک چسکی دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔(3)
- احناف اور مالکیہ کا استدلال دوسری احادیث سے ہے جو عموم پر مبنی ہیں۔

مزید دیکھئے: (4)

نکاح سے متعلقہ احادیث

کتنا دودھ پی لینے سے حرمت ہوتی ہے؟

قال قالت عاشة دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وعندی رجل قاعد ....فإن الرضاعة من المجاعة (5)

ہناد بن سری، ابوالاحوص، اشعث بن ابوشعثاء، ابیہ، مسروق، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہرہ انور پر غصہ اور ناراضگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص میرا دودھ شریک بھائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی

---

[1] الام: 26/5، المغنی: 310/11، المدونۃ الکبریٰ: 413/2، فتح الباری: 50/9، نیل الاوطار: 414/4، شرح مسلم للنووی: 468/1

[2] فتاویٰ النساء ص۔ 471

[3] مرغینانی، ہدایہ مع فتح القدیر، سکھر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، ص: 304/3

[4] ۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الخن, قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر/ ، ص۔ 273-270، مترجم حافظ حبیب الرحمٰن، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

[5] ۔ تخریج: خ/ الشهادات 7(2647)، النکاح22(5102)، م/الرضاع8 (1455)، د/النکاح 9(2058)، ق/النکاح35 (1945)، تحفۃ (1945)، تحفۃ الاشراف: 1758)، حم(94/ 6، 138، 174، 241)(صحیح)

کون کون ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مزید یہ جملے ارشاد فرمائے کہ تمہاری بہن کون کون سی ہیں کیونکہ دودھ کے رشتہ کا اعتبار اس صورت میں ہے کہ اس سے بھوک ختم ہو جائے۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعی رشتوں میں احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ رضاعت وہ معتبر ہے جو مدت رضاعت کے اندر ہو۔
- اس حدیث سے اس بات کی بھی نفی ہو گئی کہ بالغ کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔
- اس حدیث میں حجاب میں احتیاط کی ضرورت بھی واضح ہوتی ہے۔
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا افلح ان سے ملنے آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کی اجازت نہیں دی تاوقتیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہیں لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو عالم دین سے پوچھ لینا ضروری ہے۔
- اس حدیث سے یہ ثبوت بھی ملا کہ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی ہوتے ہیں۔
- خاص طور پر ان لوگوں کے خلاف یہ دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بڑی عمر کے آدمی کے لیے بھی دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ جو کہ صرف حضرت سالم کے ساتھ مخصوص تھی۔

رضاعت کا بیان

رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے

عن عقبة بن الحارث قال وسمعته من عقبة ولكني لحديث عبيد أحفظ قال تزوجت امرأة فجاءتنا امرأة سودا فقالت إني قد أرضعتكما فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت .....ويفارقها في الورع ([2])

علی بن حجر، اسماعیل، ابراہیم، ایوب، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبید بن ابی مریم، اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عقبہ سے بھی سنی ہے لیکن عبید کی حدیث مجھے زیادہ یاد ہے کہ عقبہ نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تھا ایک سیاہ فام عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی ہے۔ عقبہ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ پر چہرہ پھیر لیا میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور آیا اور عرض کیا وہ جھوٹی ہے آپ نے فرمایا کیسے؟ جب کہ اس کا دعوی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ کو پلایا ہے تم اس عورت کو

---

[1] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1225 حدیث مرفوع مکررات 8

[2] - تخریج: خ/العلم 26 (88)، والبیوع 3 (2052)، والشھادات (2640)، و 13 (2659)، و 14 (2660)، والنکاح 23 (5103)، د الأقضیہ 18 (3603)، ن/النکاح 57 (3332) تحفة الاشراف :9905) حم (4/7، 8، 384)، د/النکاح 51 (2301) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

چھوڑ دو۔ حدیث عقبہ بن حارث حسن صحیح ہے کئی راوی یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں اور اس میں عبید بن ابی مریم کا ذکر نہیں کرتے پھر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نہیں ہیں کہ تم اس کو چھوڑ دو۔ بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ اس صورت میں کافی ہے کہ اس عورت سے قسم لی جائے امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی کافی نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہییں۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ عبداللہ بن زبیر نے انہیں طائف میں قاضی مقرر کیا تھا ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس صحابیوں کو پایا ہے ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے جارود بن معاذ سے سنا ہے کہ وکیع کے نزدیک بھی رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی نہیں لیکن اگر ایک عورت کی گواہی سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو یہ عین تقوی ہے۔ ([1])

مسائل ومعاملات:

- اس حدیث کی رو سے ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت ملتا ہے۔
- کسی اختلاف کی صورت میں دودھ پلانے والی کی گواہی قبول کی جائے گی۔
- امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار آدمیوں اور ان کی بیویوں کے درمیان رضاعت کے مسئلہ میں ایک عورت کی گواہی کی وجہ سے جدائی کرائی۔[2]
- امام احمد بن حنبلؒ اسی کے قائل ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام طاوسؒ، امام زہریؒ، امام اوزاعیؒ، ابن ابی ذئبؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی یہی موقف ہے۔
- امام شافعیؒ فرماتے ہیں چار عورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ دو عورتیں گواہی میں ایک مرد کے برابر ہیں۔
- امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔[3]
- صاحب بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں۔ ایک گروہ کی رائے ہے کہ اس میں دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے یہی امام شافعیؒ اور عطاء کا قول ہے۔ تیسرے گروہ کے نزدیک ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ دو عورتوں کی گواہی ضروری قرار دینے والے گروہ میں سے بعض نے گواہی دینے سے قبل اس خبر کو عام ہونے کی شرط رکھی ہے۔ یہ امام مالکؒ اور ابن القاسمؒ کا مسلک ہے۔
- جن فقہاء نے ایک عورت کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے اُن میں سے بعض لوگ گواہی سے قبل اس کے عام ہونے کی شرط تسلیم نہیں کرتے یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور بعض اس کی شرط کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ امام مالک سے منقول ایک

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1158 حدیث مرفوع مکررات 13 بدون مکرر

[2] مصنف عبدالرزاق: کتاب الطلاق: باب شھادۃ امراۃ علی الرضاع: حدیث نمبر 482/7

[3] المغنی: 340/11، نیل الاوطار: 423/4

قول ہے۔ان کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ اس میں دو سے کم عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔اس پر اجماع ہے کہ ایک عورت کی گواہی سے فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

- بعض فقہاء نے حدیث اور اصول میں تطبیق پیدا کرنے کی غرض سے اس حدیث کو استحباب پر محمول کیا ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے امام مالک کا ایک قول یہی ہے۔(1)

رضاعت کا بیان

دودھ پلانے والی کے حق کی ادائیگی

عن أبیه أنه سأل النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله ما یذهب عنی مذمة الرضاع ......هی کانت أرضعت النبی صلی الله علیه وسلم (2)

قتیبہ، حاتم بن اسماعیل، ہشام بن عروہ، حجاج بن حجاج اسلمی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ میرے ذمے سے دودھ پینے کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ایک غلام یا لونڈی (یعنی ایک غلام یا لونڈی دودھ پلانے والی کو دیدو تو حق ادا ہو گیا) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔یحیٰی بن سعید قطان، حاتم بن اسماعیل اور کئی راوی ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ حجاج بن حجاج سے اور وہ اپنے والد سے یہ حدیث اسی طرح مرفوعا نقل کرتے ہیں۔سفیان بن عیینہ ہشام سے وہ اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل حدیث نقل کرتے ہیں حدیث ابن عیینہ غیر محفوظ ہے صحیح وہی ہے جو کئی راوی ہشام سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہشام بن عروہ کی کنیت ابو منذر ہے اور ان کی جابر بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ ما یذھب عنی مذامۃ الرضاع کا مطلب یہ ہے کہ کون سی چیز ایسی ہے جو دودھ پلانے کے حق کو ادا کر دیتی ہے پس آپ نے فرمایا اگر تم اپنی دودھ پلانے والی کو غلام یا باندی دیدو تو اس کا حق ادا ہو جاتا ہے ابو طفیل سے منقول ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی آپ نے ان کے لیے ایک چادر بچھا دی تو وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر جب وہ چلی گئیں تو لوگ کہنے لگے کہ وہ خاتون آپ کی رضاعی ماں ہیں۔(یعنی حضرت حلیمہ)(3)

مسائل و معاملات

- مذمۃ (بکر الزال و فتحھا) کے معنی ہیں: حق و حرمت---دودھ پلانے والی ماں: حقیقی ماں کی بعد ماں ہے،اس اس کے ساتھ بھی حسن سلوک لازمی ہے۔نبیؐ نے اپنی انا کے احترام میں چادر بچھائی۔
- انا کا حق بردہ (ایک غلام یا لونڈی) دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔

---

1. بدایۃ المجتھد: ص 672
2. تخریج: د/النکاح 12(2064)،ن/النکاح 56 (3331)،حم(3/450)،د/50 (2300)، تحفۃ الاشراف:(3295)
حکم؛ یہ حدیث حسن صحیح ہے
3. - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1160 حدیث مرفوع مکررات 3

- بردہ دینا مستحب ہے واجب نہیں، واجب وہ اجر تو تھی جو شیر خوار کے ولی نے ادا کر دی۔(1)

رضاعت کا بیان

عورتوں کے پیچھے سے صحبت کرنا حرام ہے

عن علی بن طلق قال أتی أعرابی النبی صلی الله علیه وسلم فقال..... وکیع هذا الحدیث (2)

احمد بن منیع، ہناد، ابومعاویہ، عاصم، عیسیٰ بن حطان، مسلم بن سلام، حضرت علی بن طلق سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کوئی کسی وقت جنگل میں ہوتا ہے جہاں پانی کی قلّت ہوتی ہے وہاں اس کی ہوا خارج ہو جاتی ہے تو وہ کیا کرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ وضو کرے اور عورتوں کے پیچھے یعنی دبر میں جماع نہ کرو اللہ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا اس باب میں حضرت عمر، خزیمہ، ابن عباس، ابوہریرہ سے بھی روایت (3)۔

مسائل و معاملات:

- ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،
- بیوی سے غیر فطری طریقہ سے صحبت کرنا حرام ہے۔
- حدیث نبوی ہے۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالی اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرماتے جو کسی مرد یا عورت کی پچھلی راہ میں اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔
- اغلام مطلّقاً حرام ہے، خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ، پھر خواہ اجنبی عورت ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ، بہر صورت حرام ہے۔

- ## آداب مباشرت کے بعض احکام کا بیان

- قاضی ثناء اللہ پانی پت لکھتے ہیں: نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں) یعنی تمہارے کھیتوں کی جگہ ہیں کھیتیوں کے ساتھ انہیں اس لیے تشبیہ دی ہے کہ ان کے رحموں میں جو نطفے ڈالے جاتے ہیں وہ تخموں کے مشابہ ہیں غرض اس سے یہ ہے کہ عورتوں سے صحبت کرنا محض نسل باقی رکھنے کے لیے تمہارے واسطے مباح کر دیا گیا ہے۔

---

[1] - تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی ا۔افادات مفتی سعید احمد پالن پوری، کراچی، زم زم پبلشرز، جلد سوم ص 592

[2] - تخریج د/الطھارۃ82 (205)، والصلاۃ193 (1005)، د/الطھارۃ114 (1181)

حکم: امام ترمذی کہتے ہیں علی بن طلق کی حدیث حسن ہے میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں میں علی بن طلق کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتا اور میں طلق بن علی سے یہ روایت نہیں پہچانتا۔ گویا امام بخاری کے خیال میں یہ کوئی دوسرے صحابی ہیں وکیع نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔۔

[3] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1171 حدیث مرفوع مکررات 5

- فَأْتُوا حَرْثَكُمْ (پس تم اپنی کھیتیوں میں آؤ):
- یعنی ان کی فرجوں میں صحبت کرو گویا یہ آیت فاتھن من حیث امر کم اللہ کا بیان ہے۔
- اَنّٰى شِئْتُمْ (جہاں سے چاہو):
- یعنی جس طرح تم چاہو کیونکہ کلمہ انی کیف اور این کے معنی میں مشترک ہے اور اینکے معنی یہاں بن نہیں سکتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جگہ کے عام ہونے پر دلالت کرے گا۔ حالانکہ کھیتی کی جگہ ایک ہی ہے اس لیے یہاں کیف ہی کے معنی معین ہوں گے اس آیت کے شان نزول میں جو ایک تحقیق ہم عنقریب بیان کریں گے۔اس کا مقتضی بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔

عورتوں کی دبر میں وطی کی ممانعت میں مذاہب اربعہ کا بیان:

- عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کی جو ہم نے حرمت بیان کی ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد اور جمہور اہل سنت کا یہی قول ہے امام مالک سے اس کے جواز کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے لیکن امام مالک کے شاگرد امام مالک کی طرف جواز کے انتساب کے منکر ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ پہلے ان کا یہ مذہب تھا پھر انہوں نے اس سے روجع کر لیا اور امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں پہلا قول جو ابن عبد الحکم نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ اس کی حرمت اور حلت میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے اور قیاس بھی یہی (چاہتا) ہے کہ یہ حلال ہو گویا انہوں نے اس فعل کو اس پر قیاس کیا ہے کہ کوئی شخص اپنا ذکر اپنی بی بی کے ہاتھ میں یا ران سے لگا کر حاجت پوری کرے۔
- حاکم نے سند کے ساتھ ابن عبد الحکم سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں میں نے امام شافعی سے گفتگو کی تھی انہوں نے یہ جواب دیا کہ محمد بن حسن نے بھی (اس بارے میں) مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے ان سے یہ کہا کہ اگر تم اس بارے میں محض جھگڑا کرنا اور روایتوں کو صحیح کرنا چاہتے ہو (اگرچہ اس کی بابت روایت کوئی بھی صحیح نہیں ہے) تو تم خود واقف اور جاننے ٦ والے ہو اور اگر منصفانہ بحث کرتے ہو تو میں موجود ہوں انہوں نے کہا کہ نہیں منصفانہ ہی گفتگو کرنی چاہتا ہوں تب میں نے اس سے پوچھا کہ تم اس فعل کو کس دلیل سے حرام کہتے ہو کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ اور کھیتی فقط فرج ہی میں ہوتی ہے۔میں نے پوچھا کیا اس جگہ کے سوا اور سب جگہیں اس آیت سے حرام ہو جائیں گی کہا ہاں میں نے پوچھا کہ اس میں تم کیا کہتے ہو کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی پنڈلیوں کے بیچ میں یا بغل میں وطی کر لے یا اپنا ذکر اس کے ہاتھ میں دے دے کیا اس میں بھی کوئی کھیتی ہے کہا نہیں میں نے کہا کیا یہ فعل حرام ہے کہا نہیں تب میں نے کہا کہ ایسی آیت کو اپنی دلیل کیوں بناتے ہو جو کسی طرح دلیل نہ ہو سکتی کہنے لگے (دوسری جگہ) اللہ نے فرمایا ہے: وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (یعنی جو اپنی فرجوں کی حفاظت کرنے والے ہیں) تو اس میں فرج کو نام لے کر کہا ہے میں نے کہا کہ یہی دلیل ہے جس سے علما اس کے جواز پر حجت لاتے ہیں۔کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جنہوں نے اپنی بی بی اور اپنی لونڈی کے علاوہ اوروں سے اپنی شہوت پوری کرنے کا روکا اور اس کے تو تم بھی قائل ہو۔
- میں کہتا ہوں کہ جب ہم نے یہ بیان کر دیا کہ عورتوں سے بدفعلی کرنے کی حرمت کا سبب پلیدی ہی ہے اور یہ پلیدی اس

صورت میں منتفی ہے کہ جب کوئی عورت کی پنڈلیوں وغیرہ میں وطی کرے تو اسے امام شافعی کے قیاس کا ضعیف ہونا صاف معلوم ہو گیا امام موصوف نے اسی وجہ سے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے (اب ان کا یہ قول نہیں ہے)۔

- حاکم کہتے ہیں شاید امام شافعیؒ اس (کے جواز) کے پہلے قائل ہوں گے ورنہ اب ان کا یہ قول نہیں ہے اب تو ان سے بھی اس کی حرمت ہی مشہور ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ ابن الحکم نے (جو امام شافعی سے یہ روایت کی ہے اس نے) صریح جھوٹ بولا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہین کہ امام موصوف نے اپنی سنن میں اس کی حرمت کی خوب تشریح کر دی ہے اور ان سے بہت سے علمانے اسے نقل بھی کیا ہے منجملہ ان کے ماوردیؒ نے حاوی میں اور ابو نصر بن صباحؒ نے شامل میں اور ان کے علاوہ اوروں نے بھی شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں وہ ربیع کیا بن عبد الحکم کی تکذیب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں نکلتا کیونکہ وہ اس بارے میں اکیلے ہی راوی نہین بلکہ ان کے بھائی عبد الرحمٰن نے بھی اس میں ان ہی کی موافقت کی ہے۔

- تحقیقی بات یہ ہے کہ اس بارے میں امام شافعی کے دو قول ہیں اخیر قول یہ ہے کہ اس سے انہوں نے رجوع کر لیا ہے وہ اس کی حرمت میں جمہور کے موافق ہیں اس بد فعلی کی حرمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں ابن جوزی کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت سے یہ مروی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو روایت کیا ہے منجملہ ان کے عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالب، خزیمہ بن ثابت، ابوہریرہ، ابن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، ابن مسعود، عقبہ بن عامر، براء بن عازب، طلق بن علی، ابو ذر جابر بن عبد اللہؓ بھی اسی کے راوی ہیں۔

- حضرت عمرؓ کی حدیث نسائی اور بزار نے زمعہ بن صالح کی سند سے روایت کی ہے زمعہ نے طاؤس سے انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ہادی سے، انہوں نے عمرؓ سے اور زمعہ ضعیف ہیں احمد اور ابو حاتم نے ان کا ضعیف ہونا بیان کیا ہے اور ذہبی کہتے ہیں کہ یہ صالح الحدیث ہیں لیکن ان پر موقوف اور مفروع ہونے میں اختلاف ہے باقی رہی حضرت علیؓ کی حدیث اس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ان لفظوں سے نقل کیا ہے: ان اللہ لا یستحیی من الحق لا تاتوا النساء فی اعجارھن (یعنی اللہ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا تم عورتوں سے بد فعلی (یعنی دبر میں وطی) نہ کیا کرو) اور خزیمہ ابن ثابت کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ سے ایک آدمی نے عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جائز ہے جب وہ پشت پھیر کے چلنے لگا تو آپ ﷺ نے پھر بلا کے فرمایا تم نے کیا پوچھا تھا آیا یہ پوچھتے تھے کہ دونوں راستوں میں سے کون سے میں جائز ہے سوا اگر پیچھے ہو کر فرج میں وطی کرے تو جائز ہے اور اگر پیچھے ہو کر دبر ہی میں کرنے لگے تو یہ ہر گز جائز نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ حق (بات بیان کرنے) سے نہین شرماتا تم لوگ عورتوں کی دبر میں وطی ہر گز نہ کیا کرو۔ یہ روایت امام شافعی امام احمد ترمذی ابن ماجہ دار مینے نقل کی ہے اور اس میں عمرو بن اجنحہ راوی مجہول الحال ہیں اور یہی روایت وھب بن سوید بن ہلال کے طریق سے نسائی نے نقل کی ہے اس طرح کہ انہوں نے انے باپ سے انہوں نے علی ابن سائب سے انہوں نے حسین بن محصن سے انہوں نے ہرمی بن عبداللہ سے انہوں خزیمہ سے روایت کی ہے اور ہرمی کے طریق سے بھی اسے امام احمد، نسائی، ابن حبان نے نقل کیا ہے اور ان کا حال بھی معروف نہیں ہے۔بزار کہتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی اور جو حزیمہ بن ثابت سے روایت کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اسی طرح حاکم نے حافظ ابو علی نیشاپوری سے نقل کیا ہے اور ایسا ہی نسائی سے مروی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ان

دونوں روایتوں کو امام بخاری نے تسلیم کر لیا ہے۔ رہی ابوہریرہؓ کی حدیث کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا (یعنی جو عورت کی دبر میں وطی کرے وہ ملعون ہے) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جو عورت کی دبر میں وطی کرے اس روایت کو امام احمد اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور باقی اصحاب سنن نے سہل بن ابی صالح کے طریق سے انہوں نے حرث بن مخلد سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اور بزارؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حارث بن مخلد مشہور نہیں ہیں اور ابن قطانؒ کہتے ہیں کہ ان کا حال معروف (بین المحدثین) نہیں ہے اس کے علاوہ سہیل پر اس میں اختلاف بھی ہے چنانچہ اسماعیل بن عیاش نے سہیل سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے جابرؓ سے روایت کی ہے جسے دار قطنی اور ابن شاہین نے نقل کیا ہے اس کو عفرہ کے مولی عمر نے سہیل سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے جابرؓ سے روایت کی ہے جو ابن عدی نے نقل کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور ابوہریرہ کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے جسے امام احمد اور ترمذی نے حماد بن سلمہ کے طریق سے روایت کیا ہے حماد حکیم اثرم سے وہ ابو تمیمہ سے وہ ابوہریرہ سے اسی طرح رویات کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایام والی عورت سے یا عورت کی دبر میں وطی کی یا کسی نے کاہن (نجومی) کے کہنے کو سچا جانا اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ احکام کا کفر کیا۔

- امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے سوائے حکیم کے طریق کے اور کسی سند سے ہم اسے نہیں جانتیا ور امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابو تمیمہ کا ابوہریرہؓ سے سننا کچھ مشہور نہیں ہے۔ بزار کا قول یہ ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور حکیم (والی سند) دلیل بنانے کے لائق نہیں ہے اور جس سند میں وہی اکیلے ہوں (کہ وہ اور روایت اور سند سے مروی نہ ہو) تو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے یہ حدیث ایک تیسرے طریق سے بھی مروی ہے جسے نسائی نے زہری کی روایت سے انہوں نے ابو سلمہ سے، انہوں نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے حمزہ کتانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس میں عبد الملک جو راوی ہیں ان کے بار میں دحیم اور ابو حاتم وغیرہ نے گفتگو کی ہے اور محفوظ یہی ہے کہ وہ روایت موقوف ہے اس حدیث کی روایت ایک چوتھے طریق سے بھی آئی ہے جسے نسائی نے بکر بن خنیس کے طریق سے انہوں نے لیث سے انہوں مجاہد سے انہوں نے ابوہریرہؓ لیں ان لفظوں سے نقل کیا ہے کہ: من اتی شیئاً من الرجال والنساء فی الادبار فقد کفر (جس شخص نے مرد یا عورت کے ساتھ دبر میں وطی کی اس نے کفر کیا) بکر اور لیث دونوں ضعیف ہیں یہی روایت پانچویں طریق سے بھی مروی ہے جسے عبد اللہ ابن عمر بن ابان نے مسلم بن خال زنجی سے انہوں نے علا سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے ان لفظوں سے روایت کیا ہے کہ: ملعون من اتی النساء فی ادبارھن (یعنی وہ آدمی ملعون ہے جو عورتوں کی دبر میں وطی کرے) یہ روایت امام احمد اور نسائی نے نقل کی ہے اور نسائی وغیرہ نے مسلم (بن خالد) کو ضعیف کہا ہے ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بہت سچا آدمی ہے۔ یحیٰ بن معین وغیرہ نے اسے معتبر راوی کہا ہے رہی ابن عباسؓ کی دیث سو اس کو ترمذی نسائی ابن حبان امام احمد۔ بزار نے کثیر بن عباس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ وھب کی سند سے زیادہ اچھی سند کے ساتھ کسی نے اس کو ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے ابو خالد الاحمر اس کے اکیلے راوی ہیں جو ضحاک بن عثمان سے وہ محمد بن سلیمان سے وہ کریب سے روایت کرتے ہیں اور اسی طرح ابن عدی نے کہا ہے اور اسی کو نسائی نے ہناد سے انہوں نے وکیع سے انہوں نے ضحاک سے موقوفاً روایت کیا ہے اور ان کے نزدیک مرفوع سے یہی

زیادہ صحیح بھی ہے۔ ابن عباس سے ایک اور طریقے سے بھی موقوفاً مروی ہے جسے بزار نے معمر سے انہوں نے ابن طاؤس سے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی ہے کہ ابن عباس س ے ایک آدمی نے عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو مجھ سے کفر کی بات کو پوچھتا ہے اسے نسائی نے ابن المبارک کی روایت سے انہوں نے معمر سے نقل کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ رہی عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث سوا سے امام احمد نے عن عمرہ بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ ان لفظوں سے نقل کیا ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ مرد عورت کی دبر میں وطی کرے تو کیا ہے؟

- حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لواطت صغریٰ ہے (یعنی جائز نہیں ہے) نسائی نے اسے نقل کیا ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا قول ہے عبدالرزاق وغیرہ نے اسی طرح بیان کیا ہے اور اس بارے میں حضرت انسؓ سے بھی رویات ہے جو اسماعیل نے معجم میں نقل کی ہے لیکن اس میں یزید رقاشی، راوی ضعیف ہیں اور ابی بن کعب سے بھی بہت ہی ضعیف سند کے ساتھ جزء الحسن بن عرفہ میں روایت ہے اور ابن مسعودؓ سے بھی بہت واہی سند کے ساتھ ابن عدی کے ہاں روایت ہے علی ہذاالقیاس۔

- عقبہ بن عامر سے امام احمد کے ہاں اس میں ابن لھیعہ راوی ہیں اور یہ سب حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ایک کی دوسری سے قوت ہو جانے کے باعث اس کا علم یقیناً ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں ایسی نہی وارد ہے جو اب کسی طرح رد نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کا قائل ہونا بے شک واجب ہے واللہ اعلم اور جو لوگ اس فعل کے مباح ہونے کے قائل ہیں انہوں نے ابن عمرؓ کی روایت کو اپنی دلیل بنایا ہے جو ان سے بہت سے طریقوں کے ساتھ صحیح طور پر مروی ہے کہ عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کی بابت انہوں نے فرمایا: نساؤکم حرث لکم فاتو حرثکم انّی شئتم (یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھتی ہیں اب تم اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو آؤ) اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اسی طرح طبرانی نے بہت عمدہ سند کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ آیت دبر میں وطی جائز ہونے کے بابت نازل ہوئی ہے ابن عمر سے یہ بھی نقل کای گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی نے عورت کی دبر میں وطی کر لی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: نساء کم حرث لکم نازل فرمائی۔

- ابن عمرؓ اور ابو سعید خدری دونوں کا یہ وہم ہے اس اایت کے معنی ہیں دونوں نے غلطی کھائی ہے اور اگر اس آیت کے نزال ہونے کا یہی سبب تھا (جو ان دونوں نے بیان کیا ہے) تو حکم واقعہ کے مطابق نہیں ہوتا اس لیے کہ: فاتو حرثک انی شئتم اللہ تعالیٰ کا فرمانا کھیتی میں جانے کا حکم ہے نہ کہ دبر میں وطی کرنے کا کیونکہ یہ کھیتی کا موقع ہی نہیں لہٰذا دبر کے مباح کرنے پر یہ اایت حجت ہر گز نہیں بن سکتی۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ وہم نافع کا ہے کیونکہ عبداللہ بن حسن سے مروی ہے کہ وہ سالم بن عبداللہ سے ملے اور ان سے کہا کہ اے ابو عمرو وہ کیسی حدیث ہے جو نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ عورتوں کی دبر میں وطی کرنے میں کچھ برائی نہیں سمجھتے تے انہوں نے فرمایا کہ نافع جھوٹ بولتا ہے اور اس کی غلطی ہے بلکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے سے ہو کر فرجوں ہی میں وطی کیا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سالم کا قول بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابن عمر سے اس کو روایت کرنے میں نافع ہی تنہا نہیں ہیں بلکہ اس کو زید بن اسلم عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر سعید بن یسار وغیرہ نے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے اس طرح شیخ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے پس

صحیح یہ ہے کہ یہ وہم تو یقیناً ابن عمر ہی سے ہوا ہے اور ابن عمرؓ سے اس وہم ہونے کا راس المفسرین حضرت ابن عباسؓ نے بھی حکم کیا ہے او داؤد اور حاکم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ کی خدا مغفرت کرے اس سے یہ غلطی ہو گئی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انصار کے ایک قبیلہ کے لوگ پہلے بت پرست تھے ان کا زیادہ میل جول ایک یہودی قبیلہ کے ساتھ تھا وہ اہل کتاب تھے۔ یہ (بیچارے) انصار علم میں انہیں اپنے سے افضل سمجھتے تھے اسی لیے ان کے افعال میں اکثر ان کا اقتدا کر لیتے تھے اور اہل کتاب کی یہ عادت تھی کہ وہ عورتوں سے فقط ایک ہی طرف سے وطی کرتے تھے اور اس میں عورت کے لیے پردہ زیادہ رہتا ہے پس انصار کے اس قبیلہ نے ان ہی کا طریقہ لے لیا تھا قریش کے قبیلہ کے لوگ عورتوں کو خوب چرتے تھے اور کبھی سیدھی، کبھی الٹی، کبھی چت لٹا کے خوب ان سے مزے لیتے تھے۔

- پھر جب مہاجرین مدینہ منورہ میں آئے تو ان میں سے ایک شخص کا نکاح انصاریہ عورت سے ہو گیا یہ مہاجر اس عورت کے ساتھ بھی ویسا ہی کرنے لگے اس عورت نے اس کو برا سمجھ کر انکار کر دیا اور کہا ہمارے ہاں تو فقط ایک ہی طرح سے ہم بستری کی جاتی ہے پھر ان کا یہ قصہ سب لوگوں میں پھیل گیا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ خبر پہنچ گئی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم ان شئتم (یعنی خواہ انہیں سیدھی خواہ الٹی خواہ چت لٹا کر کسی طرح کرو اور مراد اس سے ولادت ہی کی جگہ تھی (نہ کہ دبر) اس آیت کے شان نزول میں۔ اسی طرح بخاری، ابو داؤد، ترمذی نے جابرؓ سے روایت کی ہے جابرؓ کہتے ہیں کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جس وقت عورت سے کوئی پیچھے سے صحبت کرے تو بھینگا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا کیا اور فرمایا کہ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم ان شئتم یعنی پیشاب گاہ میں تو جس طرح چاہو کر لو اللہ تعالیٰ کا مقصود اس سے بچہ پیدا ہونے ہی کی جگہ ہے کہ وہ کھیتی کے لیے ہے اسی طرح امام احمد نے عبدالرحمٰن بن ثابت سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کے پاس گیا میں نے کہا میں تم سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن تم سے پوچھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہنے لگی کہ بھتیجے شرم نہ کرو (پوچھو) میں نے کہا عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھتا ہوں فرمایا یہود کہا کرتے تھے کہ جو کوئی عورت کو پھیر کے وطی کرے تو اس کا بچہ بھینگا ہو گا۔ پھر جب مہاجر لوگ مدینہ منورہ میں (مکہ سے ہجرت کر کے) آئے تو انصار کی عورتوں سے ان کی شادیاں ہونے لگیں اور انہوں نے عورتوں کو پھر کے وطی کی تو ایک عورت نے اپنے میاں کا کہا ماننے سے انکار کر دیا اس نے کہا کہ جب تک رسول اللہ نہ آجائیں ہم اس طرح نہ کرائیں گے پھر میں ام سلمہ کے پاس گئی اور ان سے یہ قصہ میں نے ذکر کیا وہ بولیں کہ بیٹھ جاؤ حضرت کو آنے دو (دریافت کر لیں گے) جب حضرت ﷺ تشریف لائے تو اس انصاریہ کو تو آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہوئے شرم آئی وہ تو نکل کے چلی گئی اور ام سلمہؓ نے حضرت ﷺ سے یہ قصہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا اس انصاریہ کو بلالو وہ بلائی گئی تو (اس کے آنے پر) حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر اسے سنائی کہ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم ان شئتم (یعنی راستہ تو ایک ہی ہے اور اس میں جس طرح چاہے کر لیا کرو)۔

- امام احمد اور امام ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ میں تو ہلاک ہو گیا۔ فرمایا: کیا سبب؟ عرض کیا کہ رات میں نے (صحبت کرتے ہوئے) اپنی بی بی کو پھیر لیا تھا اور اس نے کچھ انکار نہ کیا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اایت نازل فرمائی: نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم ان شئتم تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ چت پٹ جس طرح چاہو کر لو لیکن دبر اور ایام کی حالت میں بچا کرو اس سے صاف ظاہر ہو

گیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تفسیر یہی فرمائی کہ چت پٹ جس طرح چاہو کرو لیکن دبر اور ایام کی حالت میں بچا کرو جیسا کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قول: فاعتزلوا النساء فی المحیض کی (عورتوں سے بحالت حیض جدا رہو، ۱۲) کی تفسیر فرمائی تھی کہ اصنعوا کل شیء الا النکاح (یعنی سوائے وطی کے سب کچھ کر لیا کرو) اگرچہ بظاہر یہ آیت اس پر دلالت نہ کرتی تھی کہ عورتوں کے کھانے پینے میں شریک رہنا جائز ہے پس اس سے اس روایت کا رد صاف ظاہر ہو گیا جو ابن عبدالحکم نے امام شافعی سے نقل کی ہے کہ یہ آیت دبر (میں وطی کرنے) کو حرام کرنے والی نہیں ہے جیسا کہ یہ پنڈلی میں وطی کرنے کو حرام نہیں کرتی۔

رضاعت کا بیان

غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت منع ہے

عن عقبة بن عامر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إياكم والدخول على النسا ..... كأنه كره له أن يخلو بها (1)

قتیبہ، لیث، یزید بن ابی حبیب، ابی الخیر، حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے پاس داخل ہونے سے پرہیز کرو ایک انصاری شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمو (یعنی شوہر کا باپ، بھائی، اور عزیز و اقارب) کے بارے میں ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حمو تو موت ہے اس باب میں حضرت عمر اور جابر، عمرو بن عاص سے بھی روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث حسن صحیح ہے عورتوں کے پاس داخل ہونے سے ممانعت کا مطلب اسی طرح ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی تنہا عورت کے پاس ہو تو تیسرا شیطان ہوتا ہے حمو کے معنی خاوند کے بھائی کے ہیں گویا کہ آپ نے دیور کو اپنی بھاوجہ کے پاس تنہا ٹھہرنے سے منع فرمایا ہے۔ ([2])

مسائل و معاملات:

الحمو الموت کا معنی

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبیّ المالکی المتوفی 449ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- علامہ المہلب مالکی متوفی 435ھ نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "دیور موت ہے"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس عورت کا شوہر غائب ہو اس کے پاس اس کا کوئی سسرالی رشتہ دار بھی نہ آئے کیونکہ دیور غیر محرم ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے عورت کے ساتھ تنہائی میں صرف محارم کے ملنے کی اجازت دی ہے۔
- امام طبری نے کہا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے اسی طرح کہا ہے، حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند غائب ہوں ان کے پاس آنے سے پرہیز کرو، سنو! اللہ کی قسم! جب کوئی مرد دوسری عورت پر داخل

---

[1]- خ/النکاح 111 (5232)، م/السلام 8 (2172)، حم (4/149)، د/الاستیذان 14 (2684)، تحفۃ الاشراف: 9958) صحیح

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1179 حدیث مرفوع مکررات 5

ہوتا ہے تو اس کا آسمان سے زمین پر گر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے، پس شیطان مسلسل ان کو وسوسہ میں ڈالتا رہتا ہے حتیٰ کہ ان کو ایک بستر پر جمع کر دیتا ہے۔

- امام طبری نے کہا: عرب کے نزدیک الحمو اس کو کہتے ہیں جو شہر کی طرف سے اس کا بھائی ہو یا باپ ہو یا چچا ہو۔ یہ سب الاحماء ہیں۔ ثعلب نے کہا: میں نے ابن الاعرابی سے پوچھا کہ الحمو الموت کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ کلمہ ایسا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: آلاسد الموت یعنی شیر سے ملنا موت ہے اور جیسے کہتے ہیں: السلطان نار یعنی سلطان آگ کی مثل ہے۔

- رضاعت کا بیان

عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تلجوا علی المغیبات ...... جماعة المغیبة (1)

نصر بن علی، عیسیٰ بن یونس، مجالد، شعبی، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جن عورتوں کے شوہر گھروں میں موجود نہ ہوں ان کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کے لیے بھی ایسا ہے فرمایا ہاں لیکن اللہ نے میری اس پر مدد فرمائی ہے اور میں اس سے محفوظ ہوں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے بعض علماء مجالد بن سعید کے حافظے میں کلام کرتے ہیں۔ علی بن خشرم، سفیان بن عیینہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کہ اللہ نے میری مدد کی کا مقصد یہ ہے کہ میں اس کے شر سے محفوظ ہو گیا ہوں سفیان کہتے ہیں کہ شیطان تو اسلام نہیں لاتا مغیات مغیہ کی جمع ہے اور مغیہ اس عورت کو کہتے ہیں کہ جس کا خاوند گھر میں موجود نہ ہو۔ (2)

مسائل و معاملات:

- امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ بعض لوگوں نے مجالد بن سعید کے حفظ کے تعلق سے کلام کیا ہے
- سفیان بن عیینہ نب اکرم ﷺ کے قول "ولکن اللہ اعاننی علیہ فاء سلم" (لیکن اللہ نے میری مدد کی ہے اس لیے میں محفوظ رہتا ہوں) کی تشریح میں کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ میں شیطان سے محفوظ رہتا ہوں" نہ یہ کہ وہ اسلام لے آیا ہے (کیونکہ) شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔
- "ولا تلجوا علی المغیبات "میں مغیبتۃ سے مراد وہ عورت ہے، جس کا شوہر موجود نہ ہو "مغیبات" "مغیبۃ" کی جمع ہے۔

- نکاح کا بیان

کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنا

1- تخریج: تفرد بہ المؤلف، تحفۃ الاشراف: 2349) صحیح سنن ابی داوٴد 1133، 1137

2 - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1180 حدیث مرفوع مکررات 4

عن ابن عباس قال جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال إن امرأتي لا تمنع يد لامس قال غربها قال أخاف أن تتبعها نفسي قال فاستمتع بها (1)

فضل بن موسی، حسین بن واقد، عمارہ بن ابی حفصہ، عکرمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی کسی ہاتھ لگانے والے کو نہیں روکتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دیدے اس نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرا دل اس سے نہ لگا رہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر رہنے دے اس سے فائدہ اٹھاتا رہ۔(2)

مسائل و معاملات:

- صاحب الدر المنضود جلد چہارم صفحہ نمبر 25 پر لکھتے ہیں۔(3)

"لا تمنع ید لامس" اس جملہ کی شرح میں شراح نے کئی قول لکھے ہیں اول یہ کہ اس سے مراد فاحشہ ہے یعنی جو چاہے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتا ہے اور اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے، وہ اس کو روکتی ہی نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی بیجا سخاوت ہے کہ مال زوج میں تصرف کر کے صدقہ وغیرہ کرتی ہے اور ہر مانگنے والے کو دے دیتی ہے اور انکار نہیں کرتی، گویا لامس سے مراد سائل ہے، اس مبنی پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ اگر سائل مراد ہوتا تو اس صورت میں لامس کے بجائے ملتمس ہونا چاہیے تھا، لہٰذا یہ مطلب صحیح نہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ لمس ید سے مراد محض التذاذ کے لیے چھونا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے پہلے معنی کو بھی بعید قرار دیا ہے لہٰذا معنی اخیر ہی راجح ہے۔

- بہر حال آپ ﷺ نے اس شخص کی شکایت پر اس کو طلاق کا مشورہ دیا اس پر اس شخص نے عرض کیا کہ اس کی تو میرے اندر طاقت نہیں کیونکہ مجھ کو اس سے محبت ہے، اگر میں نے اس کو طلاق دی تو میرا نفس بھی اس کے ساتھ چلا جائے گا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو اس سے اس کی موجودہ حالت کے ساتھ ہی متنفع ہوتا رہ۔
- یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے شخص مذکورہ کو فوراً تطلیق کا مشورہ کیسے دے دیا جبکہ وہ شرعاً ناپسندیدہ چیز ہے، شراح نے تو یہ لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو یہ مشورہ احتیاطاً دیا تھا، لیکن میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ "خذ بالموت حتی یرضیبا لحمی" کے قبیل سے ہے اور یہ کہ نعمت کی قدر اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب وہ جانے لگتی ہے، تو

---

[1] - تخریج: - د/الطلاق 3 (284)، ن/النکاح 1، 02، الطلاق 37

[2] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 284 حدیث مرفوع مکررات 4

[3] - محمد عاقل، مولانا الدر المنضود شرح اردو سنن ابی داود، جلد چہارم، صفحہ نمبر 25،26

گویا آپ نے حکمت عملی اور حسن تدبیر سے شوہر کی شکایت اور غصہ کو ٹھنڈا کیا ورنہ آپ کا منشا عالی بھی تعجیل بالطلاق کا نہیں تھا، ہذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم۔

- تنبیہ: اس حدیث کی سند میں مصنف کے استاد حسین بن حریث المروزی ہیں اور مصنف کو یہ حدیث ان سے بطریق مکاتبت پہنچی ہے نہ کہ مشافہۃً اسی لیے مصنف نے یہ طرز اختیار فرمایا "کتب الی حسین بن حریث" للہذا سند کی ابتدا یہیں سے ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ لفظ "کتب" جلی قلم سے ہونا چاہئے اور اس کے بعد جو "حدثنا الفضل بن موسیٰ" آرہا ہے اس کو جلی نہ ہونا چاہئے کہ وہ وسط سند ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو حسین بن حریث سے روایت صرف مکاتبۃً ہی ہے اس لیے کہ آگے ایک اور جگہ باب الظہار میں بھی مصنف نے حسین بن حریث سے "کتب" کے لفظ کے ساتھ ہی روایت کی ہے، اسر وہاں لفظ "کتب" جلی قلم ہی کے ساتھ ہے، فتدبر وتشکر۔
- اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے البتہ حضرت نے "بذل" میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے نقل فرمایاہے لعل الوجہ فی ایرادالحدیث فی ھذاالباب ان الابکار قلما یکن مبتلیات بامثال تلک المعاصی لکثرۃ حیائھن ، جالتزوج بھن اولی۔

2۔ نسائی، امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، سنن نسائی، (شرح سنن نسائی) محمد لیاقت علی رضوی کتاب النکاح جلد چہارم صفحہ نمبر 241،242

- نکاح کا بیان

کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنا

عن معقل بن يسار قال جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال إني أصبت امرأة ......فإني مكاثر بكم الأمم (1)

احمد بن ابراہیم، یزید بن ہارون، مسلم بن سعید بن اخت منصور، بن زاذان، منصور، معاویہ بن قرۃ، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایک عورت ملی ہے جو خوبصورت بھی ہے اور خاندانی بھی لیکن اس کے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں پھر وہ دوسری مرتبہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر منع فرمادیا پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے محبت کرنے والی ہو اور خوب بچے جننے والی ہو کیونکہ تمھاری کثرت کی بنا پر ہی میں سابقہ امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔([2])

---

[1]۔ تخریج؛ اسنادہ قوی، مستلم بن سعید صدوق لا باس بہ۔ واخرجہ النسائی فی "الکبریٰ" (5323) من طریق یزید بن ہارون، بھذاالاسناد وھو فی "صحیح ابن حبان" (4057) وفی الباب عن انس بن مالک عند احمد فی مسندہ (12613) وابن حبان فی "صحیحتہ (4028 مستلم

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 285 حدیث مرفوع مکررات 2

مسائل و معاملات:

- شریعت نے اولاد کے حصول کو پسندیدہ اور مطلوب قرار دیا ہے۔
- نکاح کرنے کی پرزور ترغیب دی گئی ہے اور ترک نکاح کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اس کے تارک کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔
- ایسی عورت سے نکاح کو ناپسند کیا گیا ہے جو اس صلاحیت سے محروم ہو۔
- حضرت عائشہ صدیقہ نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتی ہیں جس کا امام ابن ماجہ نے اپنی سُنن میں ذکر کیا ہے۔
- قالت قال رسول الله ﷺ النكاح سنتي و فمن لم يعمل بسنتي فليس مني و تز وجو فاني مكاثر بكم الامم ومن كان ذ طول فلينكح والم يجد فعليه بالصيام، فان الصوم له و جاء (1)
- "ان دونوں احادیث میں خوب محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی حکمت کے بارے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

یہ دونوں قیدیں اس لیے لگائی گئی ہیں کہ اگر عورت صحبت کرنے والی نہ ہوئی تو خاوند کی اُس عورت میں دلچسپی نہیں رہے گی۔ اور اگر اس کے اندر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہوئی تو پھر نکاح کا مقصد عظیم (زیادہ اولاد کے ذریعے امت محمدیہ علی صاحبہا تحیتہ والسلام کا کثیر التعداد ہونا) فوت ہو جائے گا۔ (2)

- کثرت اولاد میں نبی اکرم ﷺ کی رغبت
- اُم سلیم اپنے بیٹے انس کی پیدائش پر ان کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرا بیٹا انس آپ کا خادم ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ رب العزت سے دُعا کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس کے لیے ان الفاظ میں دعا کی۔

اللهم اكثر ماله وولده و بارك له فيما اعطيته(3)

یا اللہ اس کے مال کو اور اس کی اولاد کو زیادہ فرما دیجیے اور جو کچھ آپ نے اس کو عطا فرمایا ہے اس میں برکت ڈال دیجیے

- اس حدیث سے خاندانی منصوبہ بندی نہ کرنے کا شرعی حکم ملتا ہے۔
- مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کی تو اجازت ہے وہ بھی مشروط یہ کہ یہ عمل تنگ دستی اور افلاس کے خوف سے نہ ہو ورنہ یہ بھی گناہ ہے۔ (4)

---

[1]- سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح رقم الحدیث (1836

- [2]- مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح: النوع الثانی رقم الحدیث 6/3091، دار الکتب العلمیہ

[3]- صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ: باب من فضائل انس بن مالک، رقم الحدیث 2480۔ المکتبہ بیت الافکار

[4] - صحیح بخاری، کتاب الدیات، قول اللہ تعالیٰ: ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاء جھنم رقم الحدیث 4/6861)

- علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں جس میں آپ نے خصی ہونے (یعنی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم کرنے سے منع فرمایا، قولہ: نھانا عن ذالک یعنی عن الاختصاء، وفیہ تحریم الاختصاء بسما فیہ من تغیر خلق اللہ تعالی ولسما فیہ من قطع النسل و تعذیب الحیوان (1)

- نکاح کا بیان

بدکار عورت سے بدکار مرد ہی نکاح کرتا ہے

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن مرثد بن أبي مرثد الغنوي كان يحمل الأسارىٰ بمكة و كان بمكة.......وقال لا تنكحها (2)

ابراہیم، بن محمد، یحیٰ، عبیداللہ بن اخنس، عمرو بن شعیب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مرثد بن ابی مرثد غنوی مکہ کے مسلمان قیدیوں کو لے کر مدینہ جایا کرتا تھا اور مکہ میں عناق نامی ایک بدکار عورت رہتی تھی جو (زمانہ جاہلیت میں) اس کی آشنارہ چکی تھی مرثد نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں عناق سے نکاح کرلوں؟ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے پھر یہ آیت نازل ہوئی بدکار عورت سے وہی مرد نکاح کر سکتا ہے جو خود بدکار ہو یا مشرک ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر مجھے سنائی اور فرمایا اس سے نکاح نہ کرنا۔[3]

مسائل و معاملات:

• زانی کے نکاح سے متعلق متقدمین و متاخرین فقہاء کے مؤقف کا بیان

اَلزَّانِی لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ (4)

- مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے معنی میں علماء تفسیر کے چھ اقوال ہیں:

(1) اس آیت کا مقصد زنا کی برائی بیان کرنا اور اس کی خرابی بیان کرنا ہے۔ اور یہ کہ مومنین پر یہ حرام کیا گیا ہے۔ ما قبل سے اس معنی کا اتصال بہت عمدہ ہے۔ لاینکح سے مراد لا یطاء ہے یعنی وطی نہیں کرتا ہے۔ پس نکا بمعنی جامع ہو گا۔ مبالغہ کے لیے اور ہر طرف کو لینے کے لیے واقعہ کو دوہرایا پھر مشرک اور مشرکہ کی تقسیم زائد فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں شرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا اور مشرکہ کی تقسیم زائد فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں شرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا مگر مسلمانوں میں زانیہ سے یا جو مشرکات

1۔ عمدۃ القاری، کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ: یاایھالذین امنولا تحر مواطیبات ما احل اللہ لکم 18/280 دار لکتب العلمیہ

2۔ تخریج: ن/النکاح 12 (3231)، تحفۃ الاشراف: (5808)، صحیح الاسناد

3 – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 286 حدیث مرفوع مکررات 4

4 ۔ النور: 3

میں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے۔

- (2) زجاج نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کتاب اللہ میں نکاح، تزویج کے معنی میں معروف ہے، اس طرح نہیں ہے جیسا کہ زجاج نے کہا ہے قرآن حکیم میں ہے: حتی تنکح زوجا غیرہ (البقرہ: 230) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ کہ "یہاں وطی کے معنی میں ہے" یہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ طبّی نے سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے ایسی بات روایت کی ہے۔ جو اسی تاویل کی طرف میلان رکھتی ہے، لیکن وہ مکمل نہیں ہے۔ خطابی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ اس کا معنی وطی ہے یعنی زنا نہیں ہوتا مگر زانیہ کے ساتھ یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ زنا دونوں جہتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک قول ہے۔
- مسئلہ نمبر 2۔ ابو داؤد امام ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مرثد بن ابی مرثد قیدیوں کو مکہ سے اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ مکہ میں ایک بدکارہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی، حضرت مرثد نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ فرمایا: کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی: الزانی لاینکح الزانیۃ او مشرکۃ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا: "تو اس سے نکاح نہ کر"۔ یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں اور امام ترمذی کی حدیث اکمل ہے۔ خطابی نے کہا: یہ اس عورت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ وہ کافر تھی اور زانیہ مسلمہ، اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔
- مسئلہ نمبر 3۔ یہ مسلمانوں میں سے ایک فرد کے ساتھ خاص تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا۔ وہ بدکار عورتوں میں سے تھی اور اس نے شرط رکھی تھی کہ اس مرد پر خرچ کرے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یہ عمرو بن العاص اور مجاہد کا قول ہے۔
- مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ مہاجر لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے مکانات اور خاندان نہ تھے وہ مسجد کے صفہ پر رہتے تھے۔ یہ چار سو افراد تھے دن کے وقت رزق تلاش کرتے تھے اور رات کو صفہ پر گزارتے تھے۔ مدینہ میں بدکارہ عورتیں تھیں جو اعلانیہ بدکاری کرتی تھیں۔ اور لباس اور خوراک کی ان کے پاس فراوانی ہوتی تھی۔ اہل صفہ نے ان سے نکاح کرنے اور ان کے مکانات میں رہنے اور ان کے طعام اور لباس سے کھانے کا ارادہ کیا تو ان کو اس سے بچانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ابن ابی صالح کا قول ہے۔
- مسئلہ نمبر 5۔ یہ قول زجاج وغیرہ نے حسن سے ذکر کیا ہے، حسن نے فرمایا: الزانی سے مراد وہ ہے جسے حد لگائی گئی ہو اور زانیہ سے مراد بھی وہ ہے جس پر حد لگائی گئی ہو یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، پس جس زانی کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اس زانیہ سے جسے حد لگائی گئی ہو؛ ابراہیم نخعی نے اسی طرح کہا ہے۔ اور مصنف ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: رسول اللہ نے فرمایا: "وہ زانی جس کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے" روایت ہے کہ ایک زانی جس کو حد لگائی گئی تھی اس نے غیر محدودۃ عورت سے شادی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ ابن عربی نے فرمایا: یہ وہ معنی ہے جو نظر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے جیسا کہ نقلا بھی ثابت نہیں ہے، ایسے شخص کا نکاح جس کو حد لگائی گئی ہو کیا وہ محدودۃ عورتوں کے نکاح پر موقوف ہونا صحیح ہے؟ یہ کس

اثر سے ہو گا اور شریعت کی کس اصل پر قیاس ہو گا؟ میں کہتا ہوں: یہ قول الکیا نے بعض اصحاب شوافع سے حکایت کیا ہے کہ زانی جب غیر زانیہ سے نکاح کرے تو ظاہر آیت کی وجہ سے ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ الکیا نے کہا: اگر وہ ظاہر پر عمل کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ زانی کے لیے مشرکہ سے بھی نکاح کو جائز قرار دے اور زانیۃ کے لیے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃ اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں مسنوخ ہی زانیۃ کے لیے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃ اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں منسوخ ہے، زانیۃ کے حق میں منسوخ نہیں ہے۔

- مسئلہ نمبر 2: اس آیت میں دلیل ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو اس کا نکاح فاسد نہ ہو گا جب مرد زنا کرے تو اس کا اپنی بیوی سے نکاح فاسد نہ ہو گا کیونکہ یہ آیت منسوخ ہے، بعض نے کہا یہ آیت محکم ہے۔
- مسئلہ نمبر 3: روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا حضرت ابو بکر کے زمانہ میں ایک عورت سے زنا کیا تو آپ نے دونوں کو سو سو کوڑے لگائے پھر اسی وقت انہوں نے ایک دوسرے سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر نے دونوں کو ایک سال کے لیے جلاوطن کیا تھا۔ اسی کی مثل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر نے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اس کا آغاز زنا تھا آخر نکاح تھا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی باغ سے چوری کرے پھر وہ باغ والے کے پاس آئے اور اس سے وہ پھل خرید لے تو اس نے جو چوری کیا تھا وہ حرام تھا اور جو خریدا وہ حلال ہے۔ اسی کو امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ پانی کی کوئی حرمت نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جب مرد، عورت سے زنا کرے پھر اس کے بعد اس سے نکاح کر لے تو وہ ہمیشہ زنا کرنے والے ہوں گے؛ امام مالک کا مسلک ہے ان کا خیال ہے کہ اس سے نکاح نہ کرے یہاں تک اس کا رحم اس فاسد پانی سے صاف ہو جائے، کیونکہ نکاح کی حرمت ہے اور اس کی حرمت سے یہ کہ زنا کے پانی پر اسے نہ انڈیلا جائے تا کہ حلال، حرام مل نہ جائیں، ذلیل پانی اور عزت والا پانی مل نہ جائیں۔
- مسئلہ نمبر 4: ابن خویز منداد نے کہا: جو علانیہ زنا یا دوسرے برے کاموں میں معروف ہو پھر وہ کسی معزز گھرانے کی عورت سے نکاح کرے اور وہ انہیں دھوکا دے تو انہیں اختیار ہے چاہیں تو اس کے ساتھ رہیں چاہیں تو اس جدائی کر لیں۔ یہ عیوب میں سے کسی عیب کی طرح ہے اور انہوں نے نبی کریمؐ کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ "ایسا زانی جس کو کوڑے لگائے گئے ہوں وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے" (1)۔ ابن خویز مداد نے کہا: کوڑے لگائے گئے کا ذکر کیا کیونکہ فسق کے ساتھ مشہور ہے یہ وہ ہے جس کے درمیان میں دوسرے کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے اور جو فسق میں مشہور نہ ہو تو جدائی نہ کی جائے گی۔
- مسئلہ نمبر 5: متقدمین کی ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکم اور غیر منسوخی ہے۔ ان علماء کے نزدیک جس نے زنا کیا اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح فاسد ہو جائے گا۔ جب عورت زنا کرے گی تو اس کا اور اس کے خاوند کا نکاح فاسد ہو جائے گا، ان علماء میں سے بعض نے کہا: زنا سے نکاح فاسد نہ ہو گا لیکن مرد کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے جب اس عورت

نے زنا کیا ہو۔ اگر وہ اسے اپنے پاس رکھے گا تو گنہ گار ہو گا اور زانیہ کے ساتھ اور زانی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اگر توبہ ظاہر ہو جائے تو اس وقت نکاح جائز ہے۔

- مسئلہ نمبر 6: وحرم ذلک علی المومنین ان بدکاروں کا نکاح مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان بدکاروں کے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی امت پر حرام قرار دیا ہے۔ ان عورتوں میں سے مشہور غنائق تھی۔
- مسئلہ نمبر 7: اللہ تعالیٰ نے زنا کو کتاب اللہ میں حرام کیا ہے۔ جب مرد زنا کرے گا تو اس کی حد ہو گی۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور ابو ثور کا قول ہے، اصحاب الرائے نے کہا: "وہ مسلمان شخص جو دارالحرب میں امان کے ساتھ رہ رہا ہو اور وہ وہاں زنا کرے" پھر دارلسلام میں نکل آئے تو اس پر حد نہ ہو گی۔ ابن المنذر نے کہا: دارالحرب اور دارالاسلام برابر ہیں جو بھی زنا کرے گا اس پر حد ہو گی۔ ([1])
- **زانیہ کے لیے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث** حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ام مھزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ سے اجازت طلب کی۔ وہ عورت زنا کرتی تھی اور اس پر اُجرت لیتی تھی تو نبی اکرمؐ نے اس شخص کے سامنے یہ آیت پڑھی (النور: 3) ([2])
- عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد ایک ایسا شخص تھا جو مکہ سے قیدیوں کو لا کر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا۔ مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام غناق تھا وہ مرثد کی دوست تھی۔ اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو میدنہ پہنچائے گا، اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں، میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے میں پہنچا، پس عناق آ گئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایہ دیکھا تو میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا۔ اس نے کہا مرثد ہے؟ میں کہا: مرثد ہوں۔ اس نے کہا خوش آمدید۔ میرے پاس آؤ۔ میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں اسے کہا: اے عناق! اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے۔ اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا: اے خیمے والو! یہ شخص تمھارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے۔ سو آٹھ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا میں الخندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی غار میں گھس گیا۔ وہ غار کے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے وہاں پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کر دیا، میں اپنے اس قیدی کے پاس پلٹا، وہ بہت بھاری جسم

---

[1] ۔ تفسیر قرطبیؒ، سورہ نور، بیروت

[2] ۔ مسند احمد ج 2 ص 59 قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: 7100، 7099، 648، شیخ احمد شاکر نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج 6 ص 35-34، دارالحدیث قاہرہ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: 1819، حافظ الہیثمی نے کہا امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج 7 ص 74، سنن بیہقی ج 7 ص 153، المستدرک ج 2 س 396

کا تھا حتیٰ کہ اذکر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں، پھر میں اس کو اٹھا کر لے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا، حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرک عورت سے نکاح کرے گا، اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے۔ (النور: 3) (1)

- **<u>زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات</u>** سورۃ النور: 3، اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:
- (1)۔ یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ ام مھزول اور عناق کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔
- (2) ابو صالح نے کہا یہ ممانعت اہل الصفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔
- (3) حسن بصری نے کہا یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لیے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔
- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جا چکے ہوں وہ صرف اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔ (2)
- (4) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔ کرخی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کا پسند نہیں کرتا، وہ اپنی مثل فاسقہ یا مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح فاسقہ خبیثہ عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے متنفر ہوتی ہے (جیسا کہ اس دور میں فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی داڑھی رکھنے والے شخص سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے فاسق (آزاد فیشن زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں۔ اور یہ حکم عام، اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیز گار لوگ

---

[1]۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: 3177، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: 2051، سنن النسائی رقم الحدیث: 3228، المستدرک ج 2 ص 166، سنن کبریٰ للبیہقی ج 7 ص 153

[2]۔ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: 2052، المستدرک ج 2 ص 266، مسند احمد ج 3242، کنز العمال رقم الحدیث: 44297

کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں۔اسی طرح آیت کا محمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے شخص سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

- **زانیہ سے مومن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا:** (5)علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں (النور: 32) تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زناکار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زناکار ہوں یا نہ ہوں۔
- ابو جعفر النحاس نے کہا یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔حضرت ابن عمر، سالم، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، امام مالک بن انس اور امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی نے کہا سعید بن مسیب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت ان شاء اللہ منسوخ ہے۔
- روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے گئے پھر ان کا ایک دوسرے سے نکاح کر دیا اور انہیں ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابر سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا اول زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی باغ سے پھل چوری کرے پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے۔ اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔(1)

- **زانیہ سے نکاح کے متعلق فقہاء کے اقوال کا بیان:**

- قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں، امام بغوی کا بیان ہے کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے کچھ مال متاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے۔مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھیں جو خود فروش تھیں اور اس زمانہ میں مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مالدار تھیں۔کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تاکہ ان کے بے مایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کر لیں۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مومنوں کے لیے حرام کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ تفصیل و تفسیر عطا بن ابی رباح، مجاہد، قتادہ، زہری اور شعبی نے بیان کی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی قول آیا ہے۔

---

[1]- الجامع لاحکام القرآن جز12، ص156-157، ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

- بغوی نے لکھاہے کہ عکرمہ نے بیان کیااس آیت کا نزول مکہ اور مدینہ کی چند عورتوں کے حق میں ہوا۔ جن میں سے نو عورتوں کے جھنڈے پیشہ ور عورتوں کی طرح لگے ہوئے تھے جن سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی ان میں سے ایک عورت ام مھزول تھی۔ یہ سائب بن ابی السائب مخزومی کی باندی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ زناکار لوگوں سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کی کمائی کھاتے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے بھی ان عورتوں سے اسی طور پر نکاح کرنے کا ارادہ کیا (کہ نکاح کے بعد ان کی کمائی کھائیں گے) چنانچہ ایک مسلمان نے ام مھزول سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
- اس آیت اور احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں امام احمد نے فرمایا جب تک زانی اور زانیہ توبہ نہ کرلے ان کا نکاح جائز نہیں۔ توبہ کرنے کے بعد ان کو زانی نہیں کہا جائے گا۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ الحدیث)
- باقی تینوں اماموں کے نزدیک زانی کا نکاح بھی صحیح ہے اور زانیہ کا نکاح بھی۔ (لیکن یہ قول بظاہر مفہوم آیت کے خلاف ہے اس لیے) اس آیت کی تشریح میں تاویل کی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ آیت میں نہی کا صیغہ ہے نفی کی خبر ہے جملہ خبر یہ منفیہ ہے (ایک واقعہ اور ایک حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے) زانی فاسق ہوتا ہے اس لیے پاک دامن نیک عورتوں سے نکاح کرنے کی طرف اس کو رغبت نہیں ہوتی اور زانیہ بھی فاسقہ ہوتی ہے اس لیے نیک مردوں کو بھی اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا اور اخلاقی مشابہت اور عملی یکسانیت موجب الفت ہوتی ہے اور خلقی اختلاف باعث نفرت ہوتا ہے۔
- تقابلی بیان کا تقاضا تھا کہ الزانیہ لا ینکحھا الا زانی بجائے الزانیہ لا تنکح الا من زان کہا جاتا لیکن آیت کا منشا چونکہ مردوں کے احوال کا بیان ہے کہ مردوں کو ایسی عورتوں سے رغبت نہیں ہوتی اس لیے اسلوب بیان بدلا گیا۔
- زانیہ سے نکاح کا جواز حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتا ہے جو بغوی نے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میری بیوی کسی چھونے والے (طلبگار) کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔ فرمایا تو اس کا طلاق دے دے۔ اس شخص نے کہا وہ خوبصورت ہے مجھے اس سے محبت ہے (طلاق کیسے دے دوں) فرمایا تو اسی سے مزے اڑا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسی حالت میں اسے روکے رکھ۔ کذا راوی الطبرانی والبیہقی عن عبید اللہ بن عمر بن عبد الکریم بن مالک بن ابی الزبیر عن جابر۔
- ثوری نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس حاضر ہونے والے آدمی کا نام ہشام بتایا ہے جو بنی ہشام کا آزاد کردہ تھا۔ ابو داؤد اور نسائی نے عبد اللہ بن عبید اللہ بن عمیر کے طریق سے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کیا ہے اور نسائی نے یہ بھی لکھاہے کہ ایک راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس کی روایت تک پہنچایا ہے اور دوسرے راوی نے اس کی روایت مرسلًا کی ہے۔ نسائی اور ابو داؤد نے عکرمہ کی روایت سے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس روایت کی سند بہت صحیح ہے۔ نووی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جوزی نے باوجود

یکہ اس کو صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے لیکن موضوعات میں اس کو داخل کیا ہے۔امام احمد کا قوم منقول ہے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث نہیں اور ہر روایت بے اصل ہے۔

- فائدہ حدیث مذکور میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا وہ کسی چھونے والے (یا طلبگار) کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔اس کا مطلب کیا ہے ؟ بعض اہل علم نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدکاری کرنا چاہتا ہے اور اس کو چھوتا ہے تو وہ کسی کے ہاتھ کو نہیں روکتی۔ یہ مطلب نسائی، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی، خطابی، فریابی اور نووی نے بیان کیا ہے۔ بغوی اور رافعی نے یہی مطلب سمجھ کر اس سے اپنے مقصد پر استدلال کیا ہے (کہ زانیہ سے نکاح جائز ہے۔ وہ عورت زانیہ تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں اس شخص کو اجازت دے دی کہ اگر تو اس کا طلاق نہیں دے سکتا تو اپنے نکاح میں روکے رکھ)۔ بعض علماء نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی۔۔۔بڑی فضول خرچ ہے جو کوئی اس سے کچھ چیز مانگتا ہے وہ دے دیتی ہے۔امام احمد اصمعی اور محمد بن نصر اسی مطلب کی طرف گئے ہیں۔اس مطلب پر حدیث ناقابل استدلال ہے۔زانیہ کے جواز نکاح کا ثبوت اس سے نہیں ہوتا۔
- بغوی نے لکھا روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے)۔ طبرانی اور دارقطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہیے تو کیا حکم ہے؟فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنادیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی صنف میں بیان کیا ہے کہ کسی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے پوچھا اگر کسی عورت نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے؟آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح[1]

نکاح کا بیان

اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کا بیان

عن أم سلمة أن أم حبيبة قالت يا رسول الله هل لک فی أختی..... ولا أخواتكن [2]

---

[1]- تفسیر مظہری، سورہ نور، لاہور

[2]- تخریج: خ/النکاح 20 (5101) ، 25(5106)،26(5107)،33(5123)،م/الرضاع4/(1449)،ق/النکاح34(1939) تحفۃالاشراف:15875)،وقد اخرجہ:د/النکاح7 (2056)،حم(291 /6،309،428) صحیح

عبداللہ بن محمد، زہیر، ہشام بن عروہ، حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری بہن پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیوں کیا بات ہے؟ بولیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے نکاح کر لیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرو گی وہ بولیں صرف میں ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی نہیں ہوں اور میں اس بات کو پسند کروں گی کہ میری بہن بھی ان میں شامل ہو جائے جو میرے ساتھ خیر میں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں) شریک ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ میرے لیے حلال نہیں ہو سکتی (کیونکہ ایک ساتھ دو بہنوں سے نکاح جائز نہیں) (یہ سن کر) ام حبیبہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درہ (یا ذرہ) بنت ابی سلمہ سے نکاح کا پیغام دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیرت سے دریافت فرمایا کہ کیا ام سلمہ کی بیٹی درہ سے ام حبیبہ نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تو میری ربیبہ ہے اور اگر وہ ربیبہ نہ بھی ہوتی تو بھی وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے (پس دونوں صورتوں میں وہ میرے لیے حلال نہیں لہٰذا تمھیں اس کی جو خبر ملی ہے وہ غلط ہے) مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو توثیبہ نے دودھ پلایا ہے پس تم میرے لیے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو پیش مت کرو[1]

مسائل و معاملات:

- دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔
- پہلے خاوند سے بیوی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں۔
- رضاعی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔
- ربیبہ (گود میں پالی ہوئی) کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسلمہ کو ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔
- اس حدیث میں بھی وہی بات ہے کہ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے نسب کے رشتے گنوادیئے ہیں۔اسی طرح رضاعت کے رشتے بھی وہی ہیں۔
- ابوسلمہ آپ کے رضاعی بھائی تھے۔اس وجہ سے بنت ابی سلمہ آپ کی رضاعی بھتیجی ہوئیں۔
- آپ نے اپنی تمام ازداج سے فرمایا: تم اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو نکاح کے لیے مجھ پر پیش نہ کرو۔ کیونکہ تمھاری بیٹیاں میری ربائب (یعنی گود پالی ہوئی ہیں) اور ربیبہ اسی طرح حرام ہے جس طرح دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔
- علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبّی المالکی المتوفی 449ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت اُم حبیبہ نے جو آپ سے سے عرض کیا تھا: یارسول اللہ! آپ میری بہن سے نکاح کرلیں، اس کی توجیہہ یہ ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

---

[1] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 291 حدیث مرفوع مکررات 16

- اور آپ نے ابو سلمہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی کیونکہ حضرت ابو سلمہ نبی اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ پس ان کی بیٹی دو وجہ سے حرام تھی۔ کیونکہ وہ ربیبہ بھی تھیں اور آپ ﷺ کی رضاعی بھتیجی بھی تھیں۔
- وامھٰت نسآئکم وربائبکم التی فی حجورکم من نسآئکم التی دخلتم بھن۔۔ ([1])

اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

مذاہب فقہاء کی آرا:

- امام ابن حزم کے بقول:
- ربیبہ کی تحریم کی دو شرطیں ہیں۔

1۔ وہ لڑکی اس مرد کی زیر پرورش ہو۔

2۔ اس لڑکی کی ماں سے وہ مرد دخول کر چکا ہو

پس جب ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو تحریم واقع نہیں ہو گی۔ (2)

- علامہ المہلب مالکی نے کہا:

نبی ﷺ نے ربائب کی نسبت زیر پرورش کی طرف کی ہے۔ یعنی تمھاری بیوی کی جو بیٹیاں تمھارے زیر پرورش ہوں وہ تم پر حرام ہیں۔

- و ان تجمعوا بین الاختین (3)

اور تم پر حرام کیا گیا ہے یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح) گھر میں جمع کرو۔

- جو دو باندیاں آپس میں بہنیں ہوں انہیں وطی میں جمع کرنے سے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس تمام فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ان کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں۔
- غیر مقلدین کا یہ قول شاذ ہے کہ ان کو وطی میں جمع کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح ان کو ملک میں جمع کرنا جائز ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ دو بہنوں کو جمع کرنے کی مخالفت صرف منکوحات میں ہے۔ کیونکہ (النساء 23) میں منکوحات میں محرمات سے متعلق وارد ہے۔ اور انہوں نے حضرت عثمان بن عفان کے اس اثر سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ دو باندیاں جو بہنیں ہوں ان کو وطی میں جمع کرنا ایک آیت سے حلال ہے اور دوسرے آیت سے حرام ہے۔

---

[1] - النساء: 23

[2] - ابن حزم، المحلی، ج9 ص(527-531)

[3] - النساء: 23

- امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ جس آیت میں ان کو جمع کرنے کو حلال کیا وہ یہ ہے: واحل لکم ماوراء ذلکم (النساء 24) اور ان کے علاوہ تم پر سب عورتیں حلال کی گئی ہیں۔

ان عورتوں کا بیان جن سے ایک ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں

أخبرنی عروۃ بن الزبیر أنه سأل عاشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم عن قول الله تعالی وإن خفتم ألا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النسا قالت یا ابن أختی هی.....أحللت لکم أربعا (1)

احمد بن عمر سرح، ابن وہب، یونس، ابن شہاب، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اگر تم یتیم لڑکیوں کے حق میں ناانصافی کا اندیشہ رکھتے ہو تو پھر ان کے علاوہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے بھانجے یتیمہ سے مراد وہ لڑکی ہے جو اپنے ولی کے گھر پرورش پاتی ہے اور ولی کے مال میں شریک ہے اور ولی اسکے مال اور جمال کو پسند کرتا ہو اس بناپر وہ اس سے نکاح کا ارادہ کرے مگر مہر کے معاملہ میں وہ اس سے انصاف نہ کر سکتا ہو یعنی وہ اسکو اتنا مہر نہ دے سکے جتنا کوئی اور شخص اس سے نکاح کی صورت میں دے سکتا ہے تو وہ اس سے نکاح سے باز رہے اسکی ممانعت ہوئی کہ نکاح نہ کرے مگر جبکہ انصاف کرے اور پورا مہر جو اونچے سے اونچا اس کے لائق ہو ادا کرے بصورت دیگر حکم ہوا کہ اس کے علاوہ کسی اور عورت سے جو پسند ہو نکاح کرلے عروہ نے کہا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یتیم لڑکیوں کی بابت سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تم سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان عورتوں کا حکم بتاتا ہے اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے کتاب میں ان یتیم بچیوں کے بارے میں جن کے تم وہ نہیں دینا چاہتے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے (یعنی مہر) اور ان سے نکاح کی خواہش رکھتے ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ جو اللہ نے فرمایا ہے پڑھا جاتا ہے ان پر کتاب میں اس لیس مراد وہی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اھر تم اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو تم انکو چھوڑ کر دوسری پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرلو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ جو دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے اور تم ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو اس سے یہی غرض ہے کہ تم میں سے کسی کے پاس یتیم لڑکی ہو جو تھوڑے مال والی اور کم حسن والی ہو (تو وہ اس سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتا) پھر جب رغبت ہو اس سے نکاح کرنے میں بوجہ زیادتی مال وجمال کے لیکن عدل وانصاف نہ کر سکے تو پہلی آیت کی رو سے اس سے نکاح نہ کرے یونس نے کہا کہ ربیعہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ آیت قرآنی اگر تم کو اندیشہ ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو عدم انصاف کو خوف ہے تو ان کو چھوڑ دو (اور دوسری عورتوں سے نکاح کرلو) کیونکہ تم کو چار عورتوں تک نکاح کی اجازت ہے (2)

---

[1] -خ/ رقم الحدیث 2494، 2763، 5473، 4574، 4600، 5064، 5092، 5098، 5128،5131، 6965،م/التفاسیر (3018)،ن/(3343)

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 303 حدیث مرفوع مکررات 18

مسائل و معاملات:

- جو یتیم لڑکی اپنے ولی کے زیر پرورش ہو اور وہ اس کے مال میں شریک ہو۔ اگر وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے اُس کے مال اور خوبصورتی کی وجہ سے تو انصاف کے ساتھ پورا مہر ادا کرے۔
- فقہاء کے نزدیک بدنیتی سے یتیم کے مال میں اختلاط جائز نہیں۔

یتیم لڑکی کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں نکاح کا طریقہ اور اس کو ممنوع قرار دینا:

- علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کے پاس یتیم لڑکی ہوتی تھی تو وہ اس کے اوپر اپنے کپڑے ڈال دیتا تھا اور جب وہ ایسا کرلیتا تو کوئی دوسرا شخص اس سے کبھی بھی نکاح نہیں کر سکتا، پس اگر وہ لڑکی خوبصورت ہوتی تو اس سے شادی کر کے اس کا مال کھا جاتا تھا اور اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی تو دوسرے مردوں کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیتا حتی کہ وہ مر جاتی اور اس کے مرنے کے بعد وہ اسکے ترکہ کا وارث ہو جاتا تو لوگوں کو اس سے منع کر کے اس فعل کو حرام کر دیا گیا۔ (1)

- دوسری قباحت یہ تھی کہ اگر اُس لڑکی سے ولی نکاح کرتا تو اُس کو مہر ادا نہیں کرتا تھا۔ اس سے بھی منع فرما دیا گیا۔

فانکحواماطاب لکم من النساء کی تفسیر:

قرآن مجید کی آیت ہے:

وان خضتم الاتقسطوفی الیتمی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلاث وربع (2)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے انصاف نہ کر سکو گے تو اپنی پسند کے موافق (ان کی بجائے، بیک وقت) دو، دو، تین، تین اور چار، چار عورتوں سے نکاح کر لو۔

اس حوالے سے مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں چند قول ہیں:

حسن کا قول یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں مدینہ کے لوگ اپنی زیر ولدیت یتیم لڑکی سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتے، باوجود کہ اس کی رغبت نہیں ہوتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ صحبت و معاشرے میں اچھا سلوک نہ کرتے اور اسکے مال کا وارث بننے کے لیے اس کی موت کا انتظار کرتے۔ اس آیت میں اُنہیں اس سے روکا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگ یتیموں کی ولایت سے تو بے انصافی ہو جانے کے خدشہ سے گھبراتے تھے اور زنا کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اُنہیں بتایا گیا کہ اگر تم ناانصافی کے اندیشے سے یتیموں کی ولایت سے گریز کرتے ہو تو زنا سے بھی خوف کرو۔ اور اس سے بچنے کے لیے جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ان سے نکاح کر لو اور حرام کے قریب مت جاؤ۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگ یتیموں کی ولایت سرپرستی سے تو بے انصافی کا اندیشہ کرتے تھے اور بہت سے نکاح کرنے

---

[1] - عمدۃ القاری: 84/13

[2] - سورۃ النساء: 3

میں باک نہیں رکھتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ جب زیادہ عورتیں نکاح میں ہوں تو ان کے حق میں ناانصافی ہونے سے ڈرو۔۔۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ چار عورتوں تک نکاح جائز ہے۔ خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی۔(1)

- یتیم لڑکی جس کی پرورش ولی کر رہا ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے وترغبون ان تنکحوھن [النساء: 127] اس سے مراد اس یتیم لڑکی کی طرف تم سے کسی کا رغبت کرنا ہے جو تمہاری پرورش میں ہو اور مال و جمال کم رکھتی ہو۔(اس کی طرف تمہیں رغبت نہیں ہوتی) اس لیے تم جس یتیم لڑکی کے مال اور جمال میں تمہیں رغبت ہو اس سے بوجہ بے رغبتی کے نکاح کی ممانعت کر دی گئی۔ بشرطیکہ مہر پورا انصاف کے ساتھ دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے رغبتی والی لڑکی سے نکاح نہ کرو اور اگر دوسرے لوگ اُس سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو مت روکو، اور اگر خود نکاح کرنا چاہتے ہو تو انصاف کے ساتھ حق مہر ادا کرو۔ کیونکہ لوگ ایسے میں حق مہر نہیں دیتے تھے اور ناانصافی کرتے تھے۔
- تیم کے مال کھانے کے متعلق احکام مختلف فیہ ہیں۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔
- **اَلْمُثْرِیہ کا معنی اور اس حدیث کی روایت سے امام بخاری کی غرض**
- علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف با بن الملقن 804ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
- اس حدیث کے عنوان میں المثریہ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مال دار عورت۔
- امام بخاری کی اس حدیث کو روایت کرنے سے غرض یہ ہے کہ ایک تنگ دست کی کوئی مال دار عورت رشتہ دار ہوتی ہے تو اگر وہ اس کا پورا مہر ادا کرے تو اس کا اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مال میں کفوء ہونا دین میں کفوء ہونے کے تابع ہے، اور اگر یتیم لڑکی کا ولی اس سے نکاح کا ارادہ کرے اور اس کا مال یتیم لڑکی کے مال سے کم ہو اور وہ نیک مرد ہو اور وہ اس لڑکی کے ساتھ انصاف کر کے اس کو پورا مہر دے تب بھی اس ولی کا لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- **سلطان کی اجازت کے بغیر یتیم لڑکی کا نکاح کرنے میں فقہاء مذاہب کی آراء**
- حضرت عائشہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یتیم لڑکی کے ولی کا اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے خواہ سلطان نے اجازت نہ دی ہو، فقہاء میں سے حسن بصری، ربیعہ، امام مالک، لیث، الاوزاعی، الثوری اور امام ابو حنیفہ، ابوالثور ابن حزم نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور امام زفر اور امام شافعی نے کہا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر ولی کا اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے،

---

[1] خزائن العرفان، لاہور، تاج کمپنی، ص: 124

اور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی شرط ولایت ہے، اور امام مالک کے نزدیک دخول سے پہلے اور دخول کے بعد یہ نکاح منسوخ کر دیا جائے گا۔(1)

- **نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے میں ولی کا حق**

- اور امام ابو حنیفہ نے النسآء: 3 اور النسآء: 127، کی تفسیر میں کہا ہے کہ یتیمہ اس لڑکی کو کہتے ہیں جو نابالغہ ہو اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کا ولی اس کے بالغہ ہونے سے پہلے ہی اس کا نکاح کر سکتا ہے اور امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے مگر یہ مشہور نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس کا نکاح نہیں کر سکتا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو اس کا نکاح کر سکتا ہے۔(2)

- **تنگ دست مرد کا مال دار عورت سے نکاح کرنے کا جواز**

- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفوء میں مال کا اعتبار کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔امام شافعی کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کفوء میں مال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور امام شافعی سے یہ بھی منقول ہے کہ کفوء میں، دین، مال اور نسب معتبر ہے فقہاء کی ایک جماعت نے اور الماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور یہ اختلاف دیہاتی کے ساتھ مخصوص ہے جو مال کی بجائے نسب میں فرق کرتے ہیں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تنگ دست مرد مال دار عورت سے نکاح کر سکتا ہے جب وہ عورت اور اس کا ولی اس نکاح پر راضی ہوں۔اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ولی یتیم لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔اوائل نکاح میں اس پر بحث گزر چکی ہے اور عنقریب اس کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔ (3)

- علامہ عینی حنفی متوفی 855ھ نے بھی اسی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔(4)
- علامہ زرہونی مالکی متوفی 1318ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
- فقہآء کا اس میں اختلاف ہے کہ کفوء میں مال معتبر ہے یا نہیں۔فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زیادہ مشہور یہ ہے کہ کفوء میں مال کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور شیخ خلیل مالکی نے کہا کہ مال دار لڑکی کا باپ تنگ دست مرد سے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔(5)

---

[1] - مختصر اختلاف العلمآء ج 2 ص 260-259، عیون المجالس ج 3 ص 1069-1068، المحلیٰ ج 9 ص 473-474

[2] - احکام القرآن للجصاص الحنفی ج 2 ص 78-77، احکام القرآن لابن العربی المالکی ج 1 ص 406-405، التوضیح الشرح الجامع الصحیح ج 24 ص 265-261، ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر، 1421ھ

[3] - فتح الباری ج ص 260، دار المعرفہ، بیروت، 1421ھ

[4] - عمدۃ القاری ج 20 ص 124)

[5] - مختصر خلیل ج 117)(الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج 11 ص 379-378-مکتبۃ الرشد، ریاض، 1430ھ)

- شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی المتوفی 1421ھ نے بھی لکھا ہے کہ تنگ دست مال دار عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔(1)

نکاح کا بیان

نکاح کے وقت عورت سے اجازت حاصل کی جائے

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تنكح الثيب حتى تستأمر ولا البكر إلا بإذنها قالوا يا رسول الله وما إذنها قال أن تسكت (2)

مسلم بن ابراہیم، ابان یحییٰ ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ثیبہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے اور نہ باکرہ کا نکاح کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اجازت کیسے دیگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔(3)

مسائل و معاملات:

- بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔
- کنواری (باکرہ) سے اجازت لینا ضروری ہے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی متعدد احادیث مروی ہیں کہ کنواری عورت سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت لی جائے گی۔ اور بیوہ عورت ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔
- احناف کے نزدیک یہاں امر وجوب کے لیے ہے۔ اس لیے کہ بالغ کنواری لڑکی کے والد پر واجب ہے کہ اس سے نکاح کی اجازت حاصل کرے اور اگر بغیر اجازت اس کا نکاح کرے گا تو پھر یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ البتہ نابالغ کنواری کے ارادے کا اعتبار نہیں اس لیے اس سے بالاجماع اجازت طلب کرنا ضروری نہیں۔
- امام اوزاعیؒ اور ثوریؒ کے نزدیک بھی اجازت لینا واجب ہے۔ امام ترمذی نے اسے اکثر اہل علم کا قول قرار دیا ہے اور اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔(4)
- امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحاق کے نزدیک یہاں امر استحباب اور ارشاد (راہنمائی) کے لیے ہے اور والد کو اختیار ہے کہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرے۔(5)

---

[1]- شرح صحیح البخاری ج 4 ص 444، مکتبۃ الطبری، القاہری، 1429ھ)

[2]- تخریج م/النکاح 9 (4121)، د/النکاح 26 (2098، 2099، 2110) ت/النکاح 18 (1108)، ق/النکاح 2 (1870)، ط/النکاح (4) حم (1/241، 261، 274، 334، 38، 345-355، 362)، د/النکاح 13 (2234، 2236، 2235) صحیح

[3] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 327 حدیث مرفوع مکررات 20

[4] سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1875

[5] المغنی لابن قدامہ: 488/6

- اہل ظاہر کہتے ہیں: کنواری لڑکی کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے جبکہ شوہر دیدہ کے لیے نہیں۔(1)

ولی کے بغیر عورت کے عقد نکاح کے بارے ائمہ اربعہ:

- علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا نکاح کی صحت کے لیے ولی شرط ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ولی شرط ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیوہ یا مطلقہ اور بالغہ کنواری کے نکاح کی صحت کے لیے ولی کی اجازت شرط نہیں ہے اور وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح خود کر سکتی ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا کہ کنواری کے لیے ولی کی اجازت شرط ہے اور بیوہ یا مطلقہ کے لیے شرط نہیں ہے۔(2)
- ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ بغیر ولی کے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔(3)
- نکاح کی اجازت مردوں کی طرف سے اور ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) کی طرف سے الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جبکہ باکرہ لڑکی کی طرف سے اجازت اس کی خاموشی ہے۔ البتہ اگر نکاح رد کرنا ہو تو ہر حال میں الفاظ سے ہی ہوگا۔

- ### عورتوں کے لیے پسند کی شادی کی شرعی حیثیت

- شریعت اسلامیہ نے جس طرح مرد کو پسند کی شادی کا اختیار دیا ویسے ہی عورت کو بھی دیا ہے کہ وہ شادی کے لئے ایسے مرد کا انتخاب کر سکتی ہے جس سے نکاح شرعاً حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:
- حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ (4)
- ''یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔''
- اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:
- وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآئَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْ ھُنَّ اَن یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ (5)
- ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو''۔
- چنانچہ ان آیات کے پیش نظر فقہاء احناف کی یہ رائے ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔[1]

---

1. نیل الاوطار: 195/4
2. شرح مسلم: 455/1، ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ص: 7/2۔6
3. المغنی: 6/7۔5
4. البقرہ: 230:2
5. البقرہ: 232:2

- اسی طرح احادیث مبارکہ بھی اس مسئلہ کو واضح کرتی ہے کہ عورتوں کی پسند کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا نکاح کیا جائے اور بالغہ عورت سے بغیر اس کی اجازت کے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
- لَا تُنكِحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ اِذْنُهَا قَالَ أَنْ تُسْكُتَ (2)
- ''شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ کنواری کا بغیر اس کی اجازت کے، صحابہؓ نے پوچھا کنواری کی اجازت کس طرح معلوم ہو سکتی ہے۔؟ فرمایا کہ اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے''۔
- بلکہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے دور مبارک میں ایک عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر ہوا، اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے اس کا نکاح فسخ کر دیا۔
- عَنْ خَنْسَاىَ بِنْتِ خِذَامِ الْأَنْصَارِيكَۃِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِىَ ثَيِّبO فَكَرِهَتْ ذَالِكَ فَأَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَرَدَّنِكَاحَهَا(3)
- ''حضرت خنسا بنت خدام انصاریہؓ کہتی ہیں کہ میرے والد نے ایک جگہ میرا نکاح کر دیا اور میں ثیبہ تھی اور مجھے وہ نکاح منظور نہ تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے میرا نکاح فسخ کر دیا۔''
- اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے: ''حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے ایک کنواری لڑکی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے اس کو اختیار دیا۔ (یعنی اگر وہ چاہے تو نکاح کو فسخ کر دے)''(4)
- حضرت عروہؓ سے روای ہے:
- اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَابِ قَالَ: يَعْمَدُ اَحَدُ كُمْ اِلَى بِنْتِهِ فَيُزَوِّجُهَا الْقَبِيْحَ اِنَّهُنَّ يُحْبِيْنَ مَا تُحِبُّوْنَ (5)
- ''حضرت بن خطاب عمرؓ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اپنی بیٹی کی شادی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کی شادی بدصورت آدمی سے کرا دیتا ہے (ایسا نہ کرو) بے شک وہ عورتیں بھی وہی پسند کرتی ہیں جو تم پسند کرتے ہو''۔
- اور حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی کتب حدیث میں موجود ہے:
- لَايُكْرِهَنَّ اَحَدُكُمْ ابْنَتَہُ عَلَ الرَّجُلِ الْقَبِيْحِ فَاِنَّهُنَّ يُحْبِبْنَ مَا تُحِبُّو نَ (1)

---

[1]-العینی، بدر الدین، محمود بن احمد، ابو محمد، البنایہ شرح الھدایہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1420ھ، ج5، ص70-

[2]-البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ج6، ص2556۔

[3]- ایضاً، ج5، ص1974۔

[4]- ابو داؤد، السنن، ج2 صفحہ 232

[5]- عبد الرزاق بن ھمام، ابو بکر، المصنف، بیروت، المکتب الاسلامی، 1403ھ، ج6، ص158

- ''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیٹی کو بدصورت آدمی کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور نہ کرے پس بے شک وہ عورتیں بھی وہ پسند کرتی ہیں جو تم پسند کرتے ہو''۔
- علامہ موسیٰ الحجاوی المقدسی (م۔968ھ) شیخ الاسلام ابن جوزیؒ (م۔ 597ھ) کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
- قال ابن الجوزی فی کتاب النساء ویستحب لمن اراد ای یزوج ابنتہ ان ینظر لھا شابا مستحسن الصورۃ ولا یزوجھا دمیما وھو القبیح۔([2])
- ''ابن جوزی نے کتاب النساء میں کہا اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو اپنی بیٹی کی شادی کا ارادہ کرے کہ وہ اس کے لئے اچھی شکل وصورت والا نوجوان دیکھے اور اس کی شادی بدصورت آدمی سے نہ کرائے۔''
- معلوم ہوا عورت کے جذبات اور احساسات کی رعایت رکھتے ہوئے اس کی شادی کی جائے۔ نکاح سے قبل مخطوبہ عورت کے لیے خاطب کو دیکھنے کی اجازت: فقہاء نے اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ پیغام نکاح دینے والے مرد کو عورت نکاح سے قبل دیکھ سکتی ہے۔
- امام ابو اسحاق شیرازیؒ (م۔476ھ) لکھتے ہیں:
- ویجوز للمرأۃ اذا أرادت ان تتزوج برجل ان تنظر الیہ لانہ یعجبھا من الرجل مایعجب الرجل منھا۔([3])
- ''اور جائز ہے عورت کے لئے جب وہ کسی آدمی سے شادی کا ارادہ کرے کہ دیکھے اس کی طرف، اس لئے کہ پسند آئے گی اس کو مرد میں سے وہ چیز جو پسند آتی ہے مرد کو عورت سے''۔
- فقہاء احناف ومالکیہ اور حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ نکاح سے قبل عورت پیغام نکاح دینے والے مرد کو۔([4])
- مو لقم ہوا نکاح سے پہلے عورت کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ پیغام نکاح دینے والے مرد کو دیکھے تاکہ بعد میں ناپسندیدگی ازدواجی زندگی پر اثر انداز نہ ہو۔

- نکاح کا بیان
اگر باپ کنواری لڑکی کا نکاح اس سے پوچھے بغیر کردے تو کیسا ہوگا

---

[1]۔ عمر بن شبہ بن عبیدہ، ابو زید، تاریخ المدینہ لابن شبہ، جدہ، 1399ھ، ج2، ص769

[2]۔ الحجاوی، موسیٰ بن احمد بن موسیٰ، ابو النجا، الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، دار المعرفت، ج3، ص 157۔

[3]۔ الشیرازی، ابو اسحاق، المھذب فی فقہ الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، س ن، ج2، ص42424

[4] شامی، ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، بیروت، دار الفکر، 1412ھ، ج6، ص370 مغربی، شمس الدین، ابو عبداللہ، محمد بن محمد، مواھب الجلیل لشرح مختصر الخلیل، دار عالم الکتب، 1423ھ، ج5، ص22 ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابو محمد المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، بیروت، دار الفکر 1405ھ، ج7، ص465۔

عن ابن عباس أن جارية بكرا أتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت أن أباها زوجها وهي كارهة فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم (1)

عثمان بن ابی شیبہ، حسین بن محمد، جریر بن حازم، ایوب عکرمہ، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اختیار دیا (یعنی اگر وہ چاہے تو نکاح فسخ کر دے) (2)

مسائل و معاملات:

- نیز امام دار قطنی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح کر دیا جس نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: "کیا تم نے اپنے باپ کو اس نکاح کو کرنے سے منع کیا تھا"؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو اس عورت کے اختیار میں کر دیا، سو اس عورت نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔(3)
- امام نسائی اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساءؓ بنت خذامؓ نے بتایا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی اور میں اس وقت کنواری تھی، پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جب یہ نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو اس کا نکاح نہ کرو۔(4)
- امام دار قطنی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح اس کے چچا نے کیا تھا۔ وہ لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔[5]
- امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک کنواری لڑکی کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو نکاح کا اختیار دے دیا۔(6)
- امام دار قطنی اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔(7)

---

[1]-- تخریج: ق/النکاح 11(1876،1877)

[2] سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 331 حدیث مرفوع مکررات 4

[3]۔ علل الحدیث: 1243

[4]۔ السنن الکبریٰ ج 3 ص 5382

[5]۔ سنن دار قطنی ج 3 ص 29

[6]۔ سنن ابی داؤد 2097

[7]۔ سنن دار قطنی ج 3 ص 233، السنن الکبریٰ ج 3 ص 283)

- علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی 855ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح بعینہ نقل کر دی ہے۔(1)

- ## ولی کی اجازت کے بغیر عورت کی شادی کا شرعی حکم

- عصر حاضر میں پسند کی شادی کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بہت سے واقعات ایسے آرہے ہیں کہ جن میں مرد و عورت اپنی پسند سے اپنے اولیاء اور بزرگوں کو اعتماد میں لے کر Love Marriage کر رہے ہیں۔ یہ ان کا شرعی حق ہے جس کی شریعت تائید کرتی ہے مگر بہت سارے واقعات ایسے بھی ہیں کہ مرد و عورت نے اپنے اولیاء کو اعتماد میں لیے بغیر گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی کر لی اور بعد میں پکڑے جانے پر انہیں بے وردی سے قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ آج کل اخبارات میں اس قسم کی خبریں کثرت سے سامنے آرہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی لڑکی گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی کرتی ہے تو یہ شادی شریعت کی نگاہ میں کیسی ہے؟ اس مسئلہ کو اس طرح سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح ولی کے بغیر خود کر سکتی ہے یا نہیں؟

- فقہاء کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں ''حکم النکاح بعبارۃ النساء'' (عورتوں کے ایجاب و قبول سے نکاح کا حکم) اس مسئلہ میں حنفیہ اور جمہور فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ''عبارت النساء'' سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ جبکہ جمہور رفقہاء کے نزدیک ''عبارۃ النساء'' سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ ولی کی ''تعبیر'' ضروری ہے۔ ائمہ کا تفصیلی موقف درج ذیل ہے۔

- ## احناف کا موقف:

- امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ظاہر الروایت کے مطابق عاقلہ و بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک اور روایت ہے کہ ولی کی رضامندی ضروری ہے۔ جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک اس قسم کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اگر ولی اجازت دے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا و گرنہ نکاح منعقد نہیں ہو گا۔

- علامہ مرغینانیؒ (م-593ھ) لکھتے ہیں:

- وینقعد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضاھا وان لم یعقد علیھا ولی بکرا کانت اوثیبا عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ و ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ، فی ظاھر الروایۃ و عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ لا ینعقد الا بولی و عند محمد رحمۃ اللہ علیہ ینعقد موقوفا۔ (2)

- ''اور عاقلہ و بالغہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ولی نے اس پر عقد نہ کیا ہو باکرہ ہو یا ثیبہ امام

---

[1]۔ عمدۃ القاری ج 20 ص 184-183، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

[2]۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل، ابو الحسن، الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، ج 1، ص 191

ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ظاہر الروایت میں۔ اور امام ابو یوسف سے (غیر ظاہر الروایت میں) مروی ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہ ہو گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک موقوف ہو کر منعقد ہو گا۔'' مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عاقلہ و بالغہ اپنی مرضی سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔ اور امام محمدؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے بھی شیخین کے اس قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

- چنانچہ علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں: ویروی رجوع محمد الی قولهما۔ (1)
- 'اور روایت کیا گیا امام محمدؒ کا رجوع شیخین کے قول کی طرف''۔

- احناف کی دلائل:

- قرآن کریم میں متعدد مقامات پر نکاح کی نسبت براہ راست عورت کی طرف کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ جیسا کہ دو آیتیں پیچھے گزر گئی ہیں۔ پہلی آیت ہے حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ اس آیت کے تحت امام کاسانیؒ (م۔587ھ) لکھتے ہیں۔
- انہ اضاف النكاح اليها فيقتضى تصور النكاح منها۔ (2)
- ''بے شک نکاح کی نسبت عورت کی طرف ہو رہی ہے جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ نکاح عورت سے متصور (منعقد) ہو سکتا ہے''۔
- اور دوسری آیت ہے:وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْ هُنَّ اَن يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ امام کاسانیؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
- انہ اضاف النكاح اليهن فيدل على جواز النكاح بعبارتهن من غير شرط الولی۔(3)
- ''بے شک نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہو رہی ہے جو ولی کی شرط کے بغیر عورتوں کے ایجاب و قبول سے نکاح کے جواز پر دلالت کرتی ہے''۔
- اسی طرح قرآن مجید میں ان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کو نبی کریم؟ ﷺ اپنے نکاح میں لا سکتے ہیں ارشاد ربانی ہے:
- وَاَمْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِىِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا۔(4)

---

[1]۔ایضاً، ج1، ص191

[2]۔الکاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ، ج2، ص248۔

[3]۔ایضاً، ج2، ص248

[4]۔الاحزاب:50

- '''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں۔(وہ بھی حلال ہے)''
- امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:
- فالایۃ الشریفہ نص علی انعقاد النکاح بعبارتھا۔(1)
- ''پس آیت مبارکہ عورتوں کے ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہونے پر صریح ہے۔''
- شمس الائمہ سرخسیؒ(م۔483ھ) نے حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کو ذکر کیا ہے جو اس مسئلہ میں حنفیہ کی مضبوط دلیل ہے۔
- ان امرئۃ زوجت ابنتھا برضا ھا فجاء اولیاؤھا فخاصموھا الی علی رضی اللہ عنہ فاجاز النکاح وفی ھذا دلیل علی ان المرائۃ اذا زوجت نفسھا او امرت الی غیر الولی ان یزوجھا فزوجھا جاز النکاح وبہ اخذ ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وساء کانت بکرا او ثیبا اذا زوجت نفسھا جاز النکاح فی ظاھر الروایۃ۔ (2)
- ''ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی اس کی رضامندی سے کر دی تو اس کے اولیاء مقدمہ لے کر حضرت علیؓ کے پاس آئے تو آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب عورت نے اپنی شادی کی یا غیر ولی کو حکم دیا کہ وہ اس کی شادی کرادے اور اس نے شادی کرادی تو نکاح جائز ہو گا۔اسی کو امام ابو حنیفہؒ نے لیا ہے۔عام ازیں اپنا نکاح کرنے والی عورت باکرہ ہو یا ثیبہ جب اس نے خود شادی کرلی تو اس کا نکاح جائز ہو گا ظاہر الروایت کے مطابق''
- حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

لَيْسَ لِلْوَلِّيِ مَعَ الثَّيِّبِ اَمَر (3)

'ثیبہ کے معاملہ میں ولی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔''

- امام کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وھذا قطع ولایۃ الولی عنھا۔ (4)

- اور یہ حدیث ولی کی ولایت کو عورت سے ختم کررہی ہے۔''
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْأَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (1)

---

[1]۔الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص248

[2]۔السرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ، المبسوط، بیروت، دار المعرفت، 1414ھ، ج5، ص10

[3]۔النسائی، احمد بن شعیب، السنن، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ، ج6، ص، 85

[4]۔الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج2، ص248۔

بے نکاحی عورت اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔''

- شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

والایم اسم لامراء ۃ لازوج لھا بکراً کانت اوثیباً و ھذا ھوا لصحیح عند اھل اللغۃ۔ (2)

- اور ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اور یہی مطلب اہل لغت کے ہاں صحیح ہے۔'' یہ حدیث حنفیہ کے موقف پر بڑی وزنی دلیل ہے۔

عقلی دلیل:

- عاقلہ وبالغہ عورت کے اپنی مرضی سے کیے گئے نکاح کے جائز ہونے کی عقلی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور اس کو یہ اختیار حاصل ہے۔ اس لیے کہ وہ عقل وشعور سے مالا مال ہے اور غلط و صحیح میں امتیاز کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے وہ جیسے مرضی استعمال کرے اسی طرح زندگی اس نے گزارتی ہے تو اسے شوہر کو پسند کرنے کا بھی اختیار ہو گا۔

- علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

- ووجہ الجواز انھا تصرفت فی خالص حقھا و ھی من اھلہ لکونھا عاقلۃ ممیزۃ ولھذا کان لھا لاٹسرف فی المال و لھا اختیار الازواج (3)

- ''اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے۔ اور وہ تصرف کی اہل بھی ہے اس لے کہ عاقلہ ممیزہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اسے مال میں تصرف کا اختیار ہے تو اسے شوہروں کو پسند کرنے کا بھی اختیار ہے''۔

- چنانچہ ان مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر فقہائے احناف کے نزدیک عاقلہ وبالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہو جائے گا۔ ولی کی وساطت: حنفیہ نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ایسے اقدامات خود کرنے کی بجائے اولیاء کی وساطت سے طے کریں تاکہ عورتوں کی طرف بے حیائی منسوب نہ ہو۔ کیونکہ عورتوں میں اللہ تعالیٰ نے شرم وحیاء کا مادہ مردوں سے زیادہ رکھا ہے ان کو مردوں کی محافل اور مجالس میں اس قسم کی گفت وشنید میں حیاء آئے گی اور اگر وہ جرأت کرکے ایسا کرلیں تو لوگ ان کو بے حیا کہیں گے۔ جو کہ نسوانیت کے وقار کے خلاف ہے۔

- چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ مصری لکھتے ہیں:

---

[1]۔ المسلم، الصحیح، ج2، ص1037 ابو داؤد، السنن، ج2، ص232 الترمذی، السنن، ج3، ص408 النسائی، السنن، ج6، ص84 مالک بن انس، الامام، الموطا، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1406ھ، ج2 ص4

[2]۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج3، ص117

[3]۔ السرخسی، المبسوط، ج5، ص12۔

وانما یطالب الولی بالتزویج کیلا تنسب الی الوقاحۃ ولذا کان المستحب فی حقها تفویض الامر الیہ۔ (1)

''اور بے شک مطالبہ کیا جاتا ہے ولی سے نکاح کرنے کا تا کہ اس عورت کی طرف بے حیائی کی نسبت نہ ہو۔ اور اسی لیے عورت کے حق میں مستحب ہے کہ اس کا معاملہ ولی کے سپرد کیا جائے''۔

- کفو کا لحاظ:

- حنفیہ کے ہاں عاقلہ و بالغہ عورت کا اپنی پسند سے کیا ہوا وہی نکاح منعقد ہو گا جو اس نے اپنے ''کفو'' میں کیا ہو گا۔ تا کہ اس کے اولیاء کے لیے باعث ذلت و عار نہ ہو۔ اگر اس نے ''غیر کفو'' میں نکاح کیا تو وہ منعقد نہیں ہو گا۔

- امام زیلعیؒ (م۔743) لکھتے ہیں:

و عن ابی حنیفۃ وابی یوسف انہ لا یجوز فی غیر الکف لان کثیرا من الاشیاء لایمکن دفعہ بعد الوقوع واختار بعض المتاخرین الفتویٰ بهذه الروایۃ لفساد الزمان (2)

''اور امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز نہ ہو گا۔ اس لئے کہ بہت سے ایسے معاملات ہیں واقع ہو جانے کے بعد جن کا حل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور بعض متاخرین نے زمانہ کے فساد کی وجہ سے اسی روایت پر فتویٰ دیا ہے۔''

- علامہ ابن نجیم مصری (م۔970ھ) لکھتے ہیں:

ان کان الزوج کفوا نفذ نکاحها والافلم ینعقد اصلا وفی المعراج معزیا الی قاضی خان وغیرہ والمختار للفتویٰ فی زماننا۔ [3]

اگر عورت کا شوہر اس کے ہم پلہ ہو تو اس کا نکاح نافذ ہو جائے گا وگرنہ بالکل نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہو گا اور معراج میں قاضی خان وغیرہ کی طرف سے نسبت کرتے ہوئے ہے۔ ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لئے یہی بات پسندیدہ ہے۔ البتہ اگر لڑکی کے اولیاء اس غیر کفو میں نکاح سے رضامند ہوں تو پھر وہ نکاح صحیح ہے۔ (4)

- احناف کے اس موقف کی روشنی میں جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- 1۔ عاقلہ و بالغہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے خود نکاح کر سکتی ہے، بشر طیکہ وہ اس کے ''کفو'' میں ہو۔

- 2۔ غیر کفو میں کیا ہوا نکاح بالکل منعقد ہی نہیں ہو گا۔

---

[1]۔ المرغینانی، الهدایہ، ج1، ص191

[2]۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج3، ص117

[3]۔ الزیلعی، فخر الدین، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، قاہر، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، 1313ھ، ج2، ص117

[4]۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج3، ص118۔

- 3- غیر کفو میں اگر ولیاء اپنی رضامندی سے نکاح کر دیں تو وہ درست ہو گا۔
- 4- عورتوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ خود ایسے اقدام نہ کریں بلکہ اولیاء کو واسطہ بنائیں تا کہ ان کی طرف بے حیائی منسوب نہ ہو۔

جمہور کا موقف:

- جمہور فقہاء کے نزدیک اس قسم کا نکاح ولی ''کی تعبیر'' کے بغیر ہو درست نہ ہو گا۔ اس لیے کہ نکاح سے مقصود مقاصد نکاح ہوتے ہیں اگر ان کو عورتوں کے حوالے کر دیا جائے تو ان میں خلل واقع ہو گا اور وہ پوری طرح حاصل نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ عورتوں کی عقل ناقص ہے۔ (1) اس مسئلہ میں جمہور کا موقف تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

مالکیہ کا موقف:

- علامہ ابن رشدؒ (م۔520ھ) لکھتے ہیں:

ان النکاح لا یصح الابولی ولا ینکح المراة الا ولیها۔(2)

''ولی کے بغیر نکاح صحیح نہ ہو گا۔ اور عورت نکاح نہ کرے مگر اپنے ولی کے ذریعے۔''

شوافع کا موقف:

- امام ابواسحاق شیرازی لکھتے ہیں:

لا یصح النکاح الا بولی فان عقدت المراة لا یصح۔ (3)

''ولی کے بغیر نکاح صحیح نہ ہو گا۔ پس اگر عورت نے عقد کر لیا تو صحیح نہ ہو گا۔''

- امام ابوالحسین یحیٰ بن ابی الخیر العمرانی (م۔558ھ) لکھتے ہیں:

قال الشافعیؒ قد دل کتاب اللّٰہ تعالیٰ و سنۃ رسلہ ﷺ علی ان حتما علی الاولیاء ان یزوجو الحرائر البوالغ اذا اردن النکاح (4)

- ''امام شافعیؒ نے کہا تحقیق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت آپ ﷺ کا س بات پر رہنمائی کرتی ہے کہ اولیاء پر لازم ہے وہ بالغہ آزاد عورتوں کی شادی خود کرائیں جب وہ عورتیں نکاح کا ارادہ کریں۔''

---

[1]- شیخ نظام و جماعة من علماء الھند، فتاویٰ عالمگیری، بیروت، دار الفکر، ج1، ص293۔

[2]- ابن رشد الجد، محمد بن احمد، ابوالولید، المقدمات الممھدات، دار الغرب الاسلامی، 1408ھ، ج1، ص472

[3]- الشیرازی، المھذب، ج2، ص426۔

[4]- العمرانی، ابوالحسین یحیٰ بن ابن الخیر، البیان فی مذھب الامام الشافعی، جدہ، دار المنہاج، 1421ھ، ج9، ص63152۔

حنابلہ کا موقف:

- شیخ الاسلام ابن قدامہ (م۔620ھ) لکھتے ہیں:

فان عقدتہ المراۃ سلنفسھا، اولغیر ھاباذن ولیھا، اوبغیر اذنہ لم یصح۔(1)

''پس اگر عورت نے اپنا نکاح خود کرلیا یا کسی اور عورت کا ولی کی اجازت سے یا بغیر اجازت کے نکاح کر دیا تو وہ نکاح صحیح نہ ہو گا۔''

جمہور فقہاء کے دلائل

- وَاَنْكِحُوْ الْاَيَامٰى مِنْكُم(2)'اور نکاح کرادیا کرو تم لوگ ان کے جو تم میں سے بے نکاح ہوں۔''
- وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا(3) ''تم اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔''
- ان مذکورہ بالا آیات میں اولیاء کو متوجہ کرکے خطاب کیا گیا ہے معلوم ہوا اولیاء کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح درست نہ ہو گا۔(4)
- وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْ هُنَّ اَن يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ)(5)'اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی عدت تمام کرچکیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔''
- امام ماوردیؒ(م۔450ھ) لکھتے ہیں:
- قال وهذه ابين آية فى كتاب الله تعالىٰ دلالة على ان ليس للمرائة ان تتزوج بغير ولی۔ (6)
- ''امام شافعیؒ نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ آیت بڑی وضاحت سے اس مسئلہ پر دلالت کررہی ہے کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر ولی کے شادی کرے۔''
- علامہ ابن رشدؒ مالکی الحفید(م۔595ھ) اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابو محمد، الکافیفی فقہ الامام احمد، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1414ھ، ج3، ص9۔
2۔،النور: 32۔
3۔البقرہ: 221۔
4۔ابن رشد الجد، المقدمات المھدات، ج1، ص472
5۔البقرہ: 221۔
6۔الماوردی، علی بن محمد، ابوالحسن، الحاوی الکبیر فی فقہ مذہب الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1419ھ، ج9، ص6

- وھذا خطاب للاولیاء ولو لم یکن لھم حق فی الولایۃ لمانھو عن العض۔ (1)
- ''اور یہ خطاب اولاۓ ء کو ہے۔ اور اگر ان کو حق ولایت حاصل نہ ہوتا تو انہیں عورتوں کو منع کرنے کی نہی نہ ہوتی۔''
- علامہ ابن رشدؒ کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد ہو سکتا ہے تو اولیاء کو نکاح سے منع کرنے کا اختیار نہ رہا اس صورت میں قرآن کریم کی نہی کا کوئی مطلب نہ ہوا۔
- اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَ النِّسَآء (2)'مرد، عورتوں پر حاکم ہیں۔''
- امام قرطبی (م۔671ھ) لکھتے ہیں:
- فقد تعاضد الکتاب والسنۃ علی ان لا نکاح الا بولی (3)
- ''تحقیق قرآن و سنت اس بات کی موید ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح درست نہ ہو گا۔''
- قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت شریبؑ کا واقع ہے جب حضرت شعیبؑ نے موسیٰؑ سے فرمایا:
- قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَ ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ (4)
- ''کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں۔''
- امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھیں ہیں:

وفیہ عرض الولی ابنتہ علی الرجل، وھذہ سنۃ قائمۃ (5)

''اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولی اپنی بیٹی کو مرد پر پیش کرے (پیغام نکاح دے) اور یہی سنت رائج ہے۔''

- اور آگے مزید امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وفی ھذہ الایۃ علیل علی النکاح الی الولی لا حظ للمراۃ فیہ۔(6)

''اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد ہے اور عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔''

- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1]-ابن رشد الحفید، محمد بن احمد، ابو الولید بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، قاہرہ، دار الحدیث، 1425ھ، ج3، ص37۔
[2]-النساء: 34۔
[3]-قرطبیؒ، محمد بن احمد، ابو عبداللہ، الجامع الاحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، 1384ھ، جلد 3، ص73۔
[4]- القصص: 27
[5]-قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ج13، ص271-
[6]-ایضاً، ج13، ص271

لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍ(1)'

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہ ہو گا۔''

-حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل (2)

''جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے''

- اس پوری بحث سے معلوم ہوا جمہور فقہاء کے نزدیک عورت اپنی پسند اور مرضی سے خود نکاح نہیں کر سکتی اور اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا۔

ثیبہ کا بیان

عن خنسا بنت خذام الأنصارية أن أباها زوجها ....فرد نكاحها (3)

قعنبی، مالک، عبدالرحمٰن بن قاسم، حضرت خنساء بنت خدام انصاریہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی مرضی کے بغیر نکاح کر دیا اور وہ ثیبہ تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نکاح کو لوٹا دیا (یعنی نکاح فسخ کر دیا) ([4])

مسائل و معاملات:

- ثیبہ عورت کا ولی اگر اُس عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دے تو وہ عورت نکاح منظور نہ کرے تو وہ فسخ ہو جائے گا۔
- ولی کی نسبت غیر شادی شدہ لڑکی اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے۔علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا نکاح کی صحت کے لیے ولی شرط ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ ولی شرط ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیوہ یا مطلقہ کے نکاح کی صحت کے لیے ولی کی اجازت شرط نہیں ہے اور وہ ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔داود ظاہری نے کہا کہ کنواری کے لیے ولی کی اجازت شرط ہے اور بیوہ یا مطلقہ کے لیے شرط نہیں ہے۔(5)
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثیبہ کو اس کا حق دیا اور نکاح فسخ قرار دیا۔اس سے ثابت ہوا کہ ثیبہ اپنے ولی سے اپنے نفس کا زیادہ حق رکھتی ہے۔

---

[1]-النووی، یحیٰ بن شرف، المجموع شرح المھذب، بیروت، دار الفکر، س ن، ج16، ص148 ابن قدامہ، الکافی فی فقہ الامام احمد، ج3 ص9

[2]-ابوداؤد، السنن، ج2 ص229

[3]-تخریج: خ/النکاح 42 (5138)، الاکراہ(6940)، الحیل 11(6969)، ن/النکاح 35 (3270) ق/ النکاح 12(1873) ط/النکاح11(5139)، حم(328 /6)، د/النکاح14(2238) صحیح

[4] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 336 حدیث مرفوع مکررات 8

[5] شرح مسلم للنووی: 455/1

- **بیوہ بیٹی کا اس کی مرضی کے بغیر کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء**
- علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی 449ھ ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:
- تمام شہروں کے ائمہ فتویٰ اس پر متفق ہیں کہ جب باپ نے اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہے اور اس کو مسترد کر دیا جائے گا اور انہوں نے حضرت خنساءؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔
- حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے جمہور فقہاء کی مخالفت کی ہے، حسن بصری نے کہا: باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کر دے خواہ اس کی بیٹی کنواری ہو یا بیوہ ہو، وہ اس نکاح کو پسند کرنے یا نہ کرے، ابراہیم نخعی نے کہا: اگر بیٹی اس کے زیر کفالت ہے تو وہ اس سے مشورہ لیے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے اور اگر وہ اس کے زیر کفالت نہیں ہے تو پھر وہ اس سے مشورہ کرے گا۔ اور ائمہ میں سے کوئی امام بھی ان دو قولوں کی طرف مائل نہیں ہے کیونکہ یہ قول اس سنت کے خلاف ہیں جو حضرت خنساءؓ کی حدیث سے ثابت ہیں، اور جو قول سنت کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔
- **بیوہ بیٹی کی اجازت کے بغیر کیے ہوئے نکاح میں آیا خیار بلوغ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مذاہب فقہاء**
- جو فقہاء حضرت خنساءؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا، پھر بالغہ ہونے کے بعد اس نے اس نکاح کی اجازت دے دی تو اسماعیل قاضی نے کہا کہ امام مالک کے قول کے موافق یہ نکاح جائز نہیں ہے خواہ لڑکی نے بالغہ ہونے کے بعد اجازت دے دی ہو، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب لڑکی نے بالغہ ہونے کے بعد اجازت دے دی تو پھر یہ نکاح جائز ہے اور اگر لڑکی نے یہ نکاح باطل کر دیا تو پھر یہ نکاح باطل ہے، اور امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا تو یہ نکاح باطل ہے خواہ وہ لڑکی راضی ہو کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت خنساءؓ کے نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر وہ اس نکاح کی اجازت دے دے تو پھر یہ نکاح جائز ہے۔ (1)
- **حضرت خنساءؓ کے جبری نکاح کے متعلق کتب حدیث کی روایات**
- امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی از یحییٰ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت خنساءؓ نے اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو مسترد کر دیا، پھر انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر سے نکاح کر لیا۔ (2)
- امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساءؓ کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں۔ (1)

---

[1]۔ شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج 7 ص 204-203، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ

[2]۔ سنن ابن ماجہ: 1873

- نیز امام دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی بیوہ بیٹی کا نکاح کر دیا جس نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: "کیا تم نے اپنے باپ کو اس نکاح کو کرنے سے منع کیا تھا"؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے اس نکاح کو اس عورت کے اختیار میں کر دیا، سو اس عورت نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (2)
- امام نسائی اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خنساءؓ بنت خذامؓ نے بتایا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا اور میں اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی اور میں اس وقت کنواری تھی، پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جب یہ نکاح کو ناپسند کرتی ہے تو اس کا نکاح نہ کرو۔ (3)
- امام دار قطنی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح اس کے چچا نے کیا تھا۔ وہ لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔ (4)
- امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک کنواری لڑکی کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو نکاح کا اختیار دے دیا۔ (5)

- امام دار قطنی اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ (6)
- علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی 855ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی کی شرح بعینہٖ نقل کر دی ہے۔ (7)

- نکاح کا بیان
اگر کوئی شخص نکاح کے بعد عورت کو حاملہ پائے تو کیا کرے؟

عن سعيد بن المسيب عن رجل من الأنصار قال ابن أبي السري من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ولم يقل من الأنصار...... جعل الولد عبدا له (1)

1۔ سنن دار قطنی ج 3 ص 232۔231

2۔ علل الحدیث: 1243

3۔ السنن الکبریٰ ج 3 ص 5382

4۔ سنن دار قطنی ج 3 ص 29

5۔ سنن ابی داؤد: رقم الحدیث 2097

6۔ سنن دار قطنی ج 3 ص 233، السنن الکبریٰ ج 3 ص 283

7۔ عمدۃ القاری ج 20 ص 184۔183، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

مخلد بن خالد حسن بن علی، محمد بن ابی سری، عبدالرزاق، ابن جریج، صفوان بن سلیم، سعید بن مسیب، بصرہ نامی ایک انصاری صحابی سے روایت ہے کہ میں نے ایک پردہ نشین اور باکرہ عورت سے شادی کی جب میں اس کے پاس گیا تو اس کو حاملہ پایا میں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو مہر ملے گا اس کے حق کے سبب جس کی بنا پر تیرے لیے اس کی شرم گاہ حلال ہوئی اور جو اس کا بچہ ہوگا وہ تیرے لیے غلام (خادم) کے درجہ میں ہوگا پھر جب وہ عورت بچہ جن چکے تو تو اس کو کوڑے مار یا فرمایا اس کے کوڑے مارو یا فرمایا اس کو گرفتار کرو ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو قتادہ نے بواسطہ سعید بن یزید اور یحییٰ بن ابی کثیر نے بواسطہ یزید بن نعیم اور عطاء خراسانی نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے اور ان سب نے مرسلا روایت کیا ہے اور یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت میں ہے کہ بن اکثم نے ایک عورت سے نکاح کیا اور ہر ایک نے اپنی حدیث میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کو غلام قرار دیا۔ ([2])

مسائل و معاملات:

- عورت کو حق مہر ملے گا۔
- جو اس کا بچہ ہوگا وہ تیرے لیے غلام (خادم) کے درجہ میں ہوگا۔
- جب وہ عورت بچہ جن چکے تو تو اس کو کوڑے مارے جاءیں گے۔

- نکاح کا بیان

شوہر پر عورت کا کیا حق ہے

عن حکیم بن معاویۃ القشیری عن أبیہ قال قلت یا رسول اللہ ما حق زوجۃ....... تقول قبحک اللہ ([3])

موسی بن اسماعیل، حماد، ابوقزعہ باہلی، حضرت حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تو کھانا کھائے تو اسکو بھی کھلائے اور جب کپڑا پہنے تو اسکو بھی پہنائے اور اسکے منہ پر مت مارو اور برا بھلا مت کہو اور گھر کے سوا اس سے جدا مت رہو۔ ([4])

- نکاح کا بیان

شوہر پر عورت کا کیا حق ہے

حدثنا بہز بن حکیم حدثنی أبی عن جدی قال قلت یا رسول اللہ نساؤنا........إذا اک تسیت ([5])

---

[1] -تخریج: د/النکاح 7 (2127،2126)

[2] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 367 حدیث مرفوع مکررات 2

[3] -تخریج: د/النکاح 7 (2139،2137،2138)، ق/النکاح 11 (1851)

[4] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 378 حدیث مرفوع مکررات 4

[5] - تخریج: د/النکاح 7 (2139،2137،2138)، ق/النکاح 11 (1851)

ابن بشار، یحییٰ، حضرت بہز بن حکیم کے دادا سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں سے کس طرح جماع کریں؟ اور کس طرح نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہے آ اور جب تو کھانا کھائے تو اسکو بھی کھلا اور جب تو کپڑا پہنے تو اسکو بھی پہنا اور اسکے چہرے کو برا مت کہہ اور منہ پر نہ مار ابوداؤد نے کہا کہ شعبہ کی روایت میں اس طرح ہے تُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ۔ ([1])

مسائل و معاملات:

میاں بیوی کے باہمی حقوق

انسان صرف انفرادی زندگی نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ فطرتاً معاشرتی مزاج رکھنے والی مخلوق ہے، اس کا وجود خاندان کے ایک رکن اور معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے ہی پایا جاتا ہے۔ معاشرہ اور خاندان کی تشکیل میں بنیادی اکائی میاں بیوی ہیں جن کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہیں۔

- شوہر کی ذمہ داریاں یعنی بیوی کے حقوق شوہر پر۔
- بیوی کی ذمہ داریاں یعنی شوہر کے حقوق بیوی پر۔

۳۔ دونوں کی مشترکہ ذمہ داریاں یعنی مشترکہ حقوق۔

- شوہر کی ذمہ داریاں یعنی بیوی کے حقوق شوہر پر: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورۃ البقرہ ۲۲۸) اور (مردوں پر) عورتوں کا حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) عورتوں پر حق ہے، معروف طریقہ پر۔ اس آیت میں میاں بیوی کے تعلقات کا ایسا جامع دستور پیش کیا گیا ہے جس سے بہتر کوئی دستور نہیں ہو سکتا اور اگر اس جامع ہدایت کی روشنی میں ازدواجی زندگی گزاری جائے تو اس رشتہ میں کبھی بھی تلخی اور کڑواہٹ پیدا نہ ہو گی، ان شاء اللہ۔ واقعی یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ الفاظ کے اختصار کے باوجود معانی کا سمندر گویا کہ ایک کوزے میں سمو دیا گیا ہے۔ یہ آیت بتارہی ہے کہ بیوی کو محض نوکرانی اور خادمہ مت سمجھنا بلکہ یہ یاد رکھنا کہ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی پاس داری شریعت میں ضروری ہے۔ ان حقوق میں جہاں نان ونفقہ اور رہائش کا انتظام شامل ہے ہویں اس کی دل داری اور راحت رسانی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی بچوں) کی نظر میں اچھا ہو۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں اچھا وہی ہو گا جو اُن کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو۔ دوسری طرف اس آیت میں بیوی کو بھی آگاہ کیا کہ اس پر بھی حقوق کی ادائیگی لازم ہے۔ کوئی بیوی اس وقت تک پسندیدہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق کو ادا کر کے اس کو خوش نہ کرے، چنانچہ احادیث میں ایسی

---

[1] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 379 حدیث مرفوع مکررات 4

عورتوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اپنے شوہر کی تابع دار اور خدمت گزار ہوں اور ان سے بہت زیادہ محبت کرنے والی ہوں اور ایسی عورتوں کی مذمت کی گئی ہے جو شوہروں کی نافرمانی کرنے والی ہوں۔

شوہر کی چند اہم ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

- مکمل مہر کی ادائیگی: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰتُو النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔ (سورہ النساء ۴) عورتوں کو ان کا مہر راضی و خوشی سے ادا کردو۔ نکاح کے وقت مہر کی تعین اور شب زفاف سے قبل اس کی ادائیگی ہونی چاہئے، اگرچہ طرفین کے اتفاق سے مہر کی ادائیگی کو مؤخر بھی کرسکتے ہیں۔ مہر صرف عورت کا حق ہے، لہٰذا شوہر یا اس کے والدین یا بھائی بہن کے لئے مہر کی رقم میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے۔

وضاحت: شریعت نے کوئی بھی خرچہ صنف نازک پر نہیں رکھا ہے، شادی سے قبل اس کے تمام اخراجات والد کے ذمہ ہیں اور شادی کے بعد عورت کے کھانے، پینے، رہنے، سونے اور لباس کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں، لہٰذا مہر کی رقم عورت کی خالص ملکیت ہے اس کو جہاں چاہے اور جیسے چاہے استعمال کرے، شوہر یا والد مشورہ تو دے سکتے ہیں مگر اُس رقم میں تصرف کرنے کا مکمل اختیار صرف عورت کو ہے، اسی طرح اگر عورت کو کوئی چیز وراثت میں ملی ہے تو وہ عورت کی ملکیت ہوگی، والد یا شوہر کو وہ رقم یا جائیداد لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

بیوی کے تمام اخراجات:

- اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِلَه رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرہ ۲۳۳) بچوں کے باپ (یعنی شوہر) پر عورتوں (یعنی بیوی) کا کھانا اور کپڑا لازم ہے دستور کے مطابق۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امان میں تم نے ان کو لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اُن کی شرمگاہوں کو تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ دستور کے مطابق اُن کا مکمل کھانے پینے کا خرچہ اور کپڑوں کا خرچہ تمہارے ذمہ ہے۔ (مسلم)

بیوی کے لئے رہائش کا انتظام:

- اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (سورۃ الطلاق ۶) تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں اُن عورتوں کو رکھو۔ اس آیت میں مطلقہ عورتوں کا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ عدت کے دوران ان کی رہائش کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ ہے۔ جب شریعت نے مطلقہ عورتوں کی رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ رکھا ہے تو حسب استطاعت بیوی کی مناسب رہائش کی ذمہ داری بدرجہ اولیٰ شوہر کے ذمہ ہوگی۔

- بیوی کے ساتھ حسن معاشرت: شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْتَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً (سورۃ النساء ۱۹) ان کے ساتھ اچھے

طریقے سے پیش آؤ یعنی عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں حسن اخلاق کے ساتھ معاملہ رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔

- شوہر کی چوتھی ذمہ داری ''بیوی کے ساتھ حسن معاشرت'' بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اس کی ادائیگی کے مختلف طریقے حسب ذیل ہیں:

حسب استطاعت بیوی اور بچوں پر خرچہ کرنے میں فراخدلی سے کام لینا چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَهْلِهٖ نَفَقَةً یَحْتَسِبُهَا فَهِیَ صَدَقَةٌ (بخاری) اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اجر کی امد کے ساتھ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ ہو گا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر اجر عطا فرمائے گا۔

- بیوی سے مشورہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھر کے نظام کو چلانے کی ذمہ داری مرد کے ذمہ رکھی گئی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں مرد کے لئے قوّام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی مرد عورتوں پر نگہبان اور منتظم ہیں۔ لیکن حسن معاشرت کے طور پر عورت سے بھی گھر کے نظام کو چلانے کے لئے مشورہ لینا چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آمِرُوْ النِّسَاءَ فِیْ بَنَاتِهِنَّ (ابو داؤد، مسند احمد) یعنی بیٹیوں کے رشتے کے لئے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کرو۔

- بیوی کی بعض کمزوریوں سے چشم پوشی کریں، خاص طور پر جب کہ دیگر خوبیاں و محاسن ان کے اندر موجود ہوں، یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے عموماً ہر عورت میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور رکھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر عورت کی کوئی بات یہ عمل ناپسند آئے تو مرد عورت پر غصہ نہ کرے کیونکہ اس کے اندر دوسری خوبیاں موجود ہیں جو تمہیں بھی اچھی لگتی ہیں۔

- مرد، بیوی کے سامنے اپنی ذات کو قابل توجہ یعنی اسمارٹ بنا کر رکھے کیونکہ تم جس طرح اپنی بیوی کو خوبصورت دیکھنا چاہتے ہو وہ بھی تمہیں اچھا دیکھنا چاہتی ہے۔ صحابی رسول و مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے لئے ویسا ہی سجتا ہوں جیسا وہ میرے لئے زیب و زینت اختیار کرتی ہے۔

- گھر کے کام وکاج میں عورت کی مدد کی جائے، خاص کر جب وہ بیمار ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ گھر کے تمام کام کر لیا کرتے تھے، جھاڑو بھی خود لگا لیا کرتے تھے، کپڑوں میں پیوند بھی خود لگا لیا کرتے تھے اور اپنے جوتوں کی مرمت بھی خود کر لیا کرتے تھے۔

بیوی کی ذمہ داریاں یعنی شوہر کے حقوق بیوی پر:

- شوہر کی اطاعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا ، مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (سورۃ النساء ۳۴)

- مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے

مال کرچ کئے ہیں۔ جو عورتیں نیک ہیں وہ اپنے شوہروں کا کہنا مانتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق نیک عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔

یعنی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فوقیت و فضیلت دینے کی دو وجہیں ذکر فرمائی ہیں:

- مرد و عورت و ساری کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔
- مرد اپنے اور بیوی بچوں کے تمام اخراجات برداشت کرتا ہے۔
- اسی طرح دوسری آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَة[1](

''مرد کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔''

- آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اِذَا صَلَّتِ الْمَرْ اۃُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتِ الْجَنَّۃ(مسند احمد)''

''اگر عورت نے (خاص طور پر) پانچ نمازوں کی پابندی کی، ماہِ رمضان کے روزے اہتمام سے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی تو گویا وہ جنت میں داخل ہو گئی''۔

- ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے آپ ﷺ سے ایک سوال کرنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم مردوں کو دیا ہے، چنانچہ اگر ان کو جہاد میں تکلیف پہنچتی ہے تو اُس پر ان کو اجر دیا جاتا ہے اور اگر وہ شہید ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خصوصی بندوں میں شمار ہو جاتے ہیں کہ مرنے کے باوجود وہ زندہ رہتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رزق ان کو دیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۶۹ میں مذکور ہے) ہم عورتیں ان کی خدمت کرتی ہیں ہمارے لئے کیا اجر ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن عورتوں کی طرف سے تم بھیجی گئی ہو، ان کو اطلاع کر دو کہ شوہر کی اطاعت اور اس کے حق کا اعتراف تمہارے لئے اللہ کے راستے میں جہاد کے برابر ہے، لیکن تم میں سے کم ہی عورتیں اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتی ہیں۔
- ان دونوں مرد و عورت کے درمیان مساوات اور آزادیٔ نسواں کا بڑا شور رہا اور بعض ہمارے بھائی بھی اس پروپیگنڈے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد و عورت زندگی کے گاری کے دو پہیے ہیں، زندگی کا سفر دونوں کو ایک ساتھ طے کرنا ہے، اب زندگی کے سفر کو طے کرنے میں انتام کی خاطر یہ لازمی بات ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک سفر کا ذمہ دار ہو تا کہ

[11] -البقرة: 228

زندگی کا نظام صحیح چل سکے۔ لہٰذا تین راستے ہیں:

- دونوں کو ہی امیر بنایا جائے۔
- عورت کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنای اجائے۔
- مرد کو اس زندگی کے سفر کا امیر بنایا جائے۔

- پہلی شکل میں اختلاف کی صورت میں مسئلہ حل ہونے کے بجائے پیچیدہ ہو تا جائے گا۔ دوسری شکل بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ مرد و عورت کو پیدا کرنے والے نے صنف نازک کو ایسی اوصاف سے متصف پیدا کیا ہے کہ وہ مرد پر حاکم بن کر زندگی گزار سکتی ہے۔ لہٰذا اب ایک ہی صورت بچی اور وہ یہ ہے کہ مرد اس زندگی کے سفر کا امیر بن کر رہے۔ مرد میں عادتاً وطبعاً عورت کی بہ نسبت فکر و تدبر اور برداشت و تحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے، نیز انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیت کے لحاظ سے اور عقل کے ذریعہ انسان غور وخوض کرے تو یہی نظر آئے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قوت مرد کو عطا کی ہے، بڑے بڑے کام کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے، وہ عورت کو نہیں دی گئی۔ لہٰذا امارت اور سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے لئے اپنی عقل سے فیصلہ کرنے کے بجائے اس ذات سے پوچھیں جس نے ان دونوں کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ خالق کائنات نے قرآن کریم میں واضح الفاظ کے ساتھ اس مسئلہ کا حل پیش کر دیا ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَة۔[1] (الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَ النِّسَاء[2])

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح الفاظ میں ذکر فرمادیا کہ مرد ہی زندگی کے سفر کا سربراہ رہے گا اور فیصلہ کرنے کا حق مرد ہی کو حاصل ہے، اگرچہ مرد کو چاہئے کہ عورت کو اپنے فیصلوں میں شامل کرے۔ مرد حضرات بھی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں کہ بیشک مرد، عورت کے لئے قوام یعنی امیر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی دونوں کے درمیان دوستی کا بھی تعلق ہے، یعنی انتظامی طور پر تو مرد قوام یعنی امیر ہے لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، ایسا تعلق نہیں ہے جیسا مالک اور نوکرانی کے درمیان ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جب تم جھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو، دونوں حالتوں میں مجھے علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: 9 آپ صلی اللہ علیہ وسلم ! کس طرح علم ہو جات اہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمجھ سے راضی ہوتی ہو رب محمد کے الفاظ کے ساتھ قسم کھاتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو رب ابراہیم کے الفاظ کے ساتھ قسم کھاتی ہو۔ اس وقت تم میرا نام نہیں لیتی بلکہ حضرت ابراہیمؑ کا نام لیتی ہو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں صرف آپ کا نام

---

[1] - سورۃ البقرۃ: 228

[2] سورۃ النساء: 34

چھوٹی ہوں، نام کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑتی۔(1)

- اب آپ اندازہ لگائیں کہ کون ناراض ہو رہا ہے؟ حضرت عائشہؓ اور کس سے ناراض ہو رہی ہیں؟ حضور ﷺ سے۔ معلوم ہوا کہ اگر بیوی ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے تو یہ مرد کی قوامیت یعنی امارت کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے بڑی خوش طبعی کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا کہ مجھے تمہاری ناراضگی کا پتہ چل جاتا ہے۔
- اسی طرح واقعۂ اُفک کو یاد کریں، جس میں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی تھی، جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ عنہا پر قیامت صغریٰ برپا ہو گئی تھی۔ جب آیت برأت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت کا اعلان کیا تو حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت خوش ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کھڑی ہو جاؤ اور نبی کریم ﷺ کو سلام کرو۔ حضرت عائشہؓ بستر پر لیٹی ہوئی تھیں اور برأت کی آیات سن لیں اور لیٹے لیٹے فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے میری برأت (اپنے پاک کلام میں) نازل فرمادی لیکن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکر ادا نہیں کرتی کیونکہ آپ لوگوں نے تو اپنے دل میں یہ احتمال پیدا کر لیا تھا کہ شاید مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔(2)
- بظاہر حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہونے سے اعراض فرمایا، لیکن حضور ﷺ نے اس کو برا نہیں سمجھا، اس لئے کہ یہ ناز کی بات ہے۔ یہ ناز درحقیقت اسی دوستی کا تقاضہ ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان حاکمیت اور محکومیت کا رشتہ نہیں بلکہ دوستی کا بھی رشتہ ہے اور اس دوستی کا حق یہ ہے کہ اس قسم کے ناز کو برداشت کیا جائے۔

شوہر کے مال و آبرو کی حفاظت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَالصّٰلِحٰتُ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ(3)

''جو عورتیں نیک ہیں وہ اپنے شوہروں کی تابعداری کرتی ہیں اور اللہ کے حکم کے موافق نیک عورتیں شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔''

یعنی اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں مرد کا سب سے بہترین خزانہ نہ بتاؤں؟ ''وہ نیک عورت ہے، جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ شوہر کو خوش کر دے، جب شوہر اس کو کوئی حکم کرے تو شوہر کا کہنا مانے۔ اگر شوہر کہیں باہر سفر میں چلا جائے تو اس کے مال اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔'' (ابوداؤد، نسائی)

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح۔ باب مایجوز من الھجر

2۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النور، حدیث نمبر 750

3۔ سورۃ النساء: 43

- شوہر کے مال کی حفاظت میں یہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے مال میں سے کچھ نہ لے، اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نہ دے۔ ہاں اگر شوہر واقعی بیوی کے اخراجات میں کمی کرتا ہے تو بیوی اپنے اور اولاد کے خرچے کو پورا کرنے کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر مال لے سکتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ہند بنت عتبہ سے کہا تھا جب انہوں نے اپنے شوہر ابوسفیانؓ کے زیادہ بخیل ہونے کی شکایت کی تھی: ''اتنا مال لے لیا کرو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے متوسط خرچہ کے لئے کافی ہو۔''

شوہر کی آبرو کی حفاظت میں یہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں داخل نہ ہونے دے، کسی نامحرم سے بلا ضرورت بات نہ کرے۔ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

- نکاح کا بیان

عورتوں کو مارنے کا بیان

عن إياس بن عبد الله بن أبي ذباب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تضربوا إماء الله فجاء عمر......

ليس أولئك بخياركم (1)

ابن ابی خلف، احمد بن عمرو بن سرح، سفیان، زہری، عبداللہ بن عبداللہ ابن سرح عبیداللہ بن عبد اللہ، حضرت ایاس بن عبداللہ بن ذباب سے روایت کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو نہ مارو اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر ہو گئیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مارنے کی اجازت دیدی پھر بہت سی عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے شوہروں کی شکائیتیں کرنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی شکائیتیں کرتی ہیں اور فرمایا تم میں سے ایسے مرد اچھے نہیں ہیں۔(2)

مسائل و معاملات:

بیوی پر شوہر کی حاکمیت سے متعلق احادیث و آثار کا بیان:

- ابن ابی حاتم نے اشعث بن عبد المالک کے طریق سے حسن بصریؒ سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اپنیء خاوند کے خلاف زیادتی کا بدلہ لینا چاہتی تھی کیونکہ اس نے اس کو تھپڑ مارا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت: ''الرجال قوامون علی النساء'' (اس کے بعد) بغیر قصاص کے اس کو لوٹا دیا گیا۔

1- تخریج: ق/النکاح 11 (1987)

2 – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 382 حدیث مرفوع مکررات 2

● عبد بن حمید وابن جریر نے قتادہ کے طریق سے حسنؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تھپڑ مارا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور آپ نے اس سے قصاص (یعنی بدلہ) لینے کا ارادہ فرمایا تو (یہ آیت) نازل ہوئی آپ نیاس مرد کو بلایا اور اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''الرجال قوامون علی النساء'' اور فرمایا میں نے ایک کام کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ (دوسرے کام) کا ارادہ فرمایا۔

خاوند کو بیوی پر فوقیت حاصل ہے:

● الفریابی وعبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے جریر بن حازم کے طریق سے حسنؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے انصار میں سے اپنی عورت کو تھپڑ مارا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کر رہی تھی نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان قصاص کا فیصلہ فرمایا تو (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت ''ولا تعجل بالقران من قبل ان یقضی الیک وحیہ وقل'' (طٰہٰ آیت ۱۱۴) تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''الرجال قوامون علی النساء'' آخری آیت تک تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم نے ایک کام کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ (دوسرے کام) کا ارادہ فرمایا۔

● ابن مردویہ نے حضرت علیؓ سے رویات کیا کہ ایک انصاری ایک عورت کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس عورت نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اس کا خاوند فلاں بن فلاں انصاری ہے اس نے اسے مارا ہے اور اس کے چہرے پر نشان چھوڑے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو اس کا حق نہ تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ''الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض'' ''یعنی عورتوں کو ادب سکھانے میں ان کو اختیار ہے ۰۰ نے فرمایا امین نے ایک کام کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور کام کا ارادہ فرمایا۔

● ابن جریر نے ابن جریجؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تھپڑ مارا نبی کریم ﷺ نے قصاص اکا ارادہ فرمایا ابھی یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ یہ ایت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے سعید سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

● ابن جریر ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''الرجال قوامون علی النساء'' سے مراد ہے کہ مرد عورتوں پر امیر ہیں عورتوں پر لازم ہے کہ جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں مرد کی اطاعت کریں عورت کی مرد کے لئے اطاعت یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے مال کی حفاظت کرنے والی ہو ''بما فضل اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد وک فضیلت دی اس کے نفقہ اور اس کی کمائی کی وجہ سے پھر فرمایا لفظ آیت ''فالصلحت قنتت'' یعنی نیک بیویاں جو اطاعت کرنے والیاں (اور) ''حفظت للغیب'' یعنی اس کی عدم موجودگی میں مال کی حفاظت کرنے والیاں جب وہ عورتیں ایسی ہیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

- ابن جریر نے ضحاکؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ مرد عورت پر حاکم ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دے اگر وہ انکار کرے (اللہ کا حکم نہ مانے) تو اس کو اتنا مارنے کا حق ہے جو اس پر نشان نہ چھوڑے۔ اور مرد کو فضیلت حاصل ہے عورت پر کیونکہ مرد اس پر مال خرچ کرتا ہے اور کماتا ہے۔

- سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''الرجال قوامون علی النساء'' کہ وہ عورتوں کے ہاتھ پکڑتے ہیں اور ان کو ادب سکھاتے ہیں۔

- سفیانؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''بما فضل اللہ بعضھم علی بعض'' اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ پھر فرمایا ''وبما انفقوا من اموالھم'' یعنی مرد عورتوں کو مہر دیتے ہیں۔

- ابن ابی حاتم نے شعبیؒ سے روایت کیا کہ ''وبما انفقوا من اموالھم'' سے مال خرچ کرنے سے مراد مہر ہے۔ جو مرد دیتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر اس کا خاوند اس پر تہمت لگائے تو مرد عورت سے لعان کرتا ہے۔ اور اگر وہ عورت اس پر (یعنی اپنے خاوند پر) تہمت لگائے تو اس (عورت) کو کوڑے لگائے جائیں گے۔

- عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''فالصلحت قنتت'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والیاں اور اپنے شوہروں کی اطاعت کرنے والیاں (پھر فرمایا) ''حفظت للغیب'' یعنی حفاظت کرنے والیاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی اور اپنے خاوندوں کی غیر حاضری میں ان کے حقوق کی حفاظت کرنے والیاں۔

- ابن المنذر نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ ''حفظت للغیب'' یعنی اپنے شوہروں کے لئے (ان کی غیر حاضری میں) حفاظت کرنے والیاں۔

- ابن ابی حاتم نے سدیؒ سے روایت کیا کہ اپنے شوہروں کی غیر حاضری میں اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والیاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ حفاظت کرنے والیاں کہ اپنے شوہروں کی غیر حاضری میں ان کی خیانت کرنے والی نہیں۔

- ابن جریر نے عطاؒ سے روایت کیا کہ اپنے شوہروں کے لئے حفاظت کرنے والیاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے باعث اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی۔

- عبد بن حمید نے مجاہدؒ سے لفظ آیت ''حفظت للغیب'' کے بارے میں روایت کیا کہ وہ حفاظت کرتی ہیں اپنے شوہروں کی ان چیزوں کی جو ان سے مخفی ہیں ان کے معاملات میں سے (پھر فرمایا) ''بما حفظ اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ ان کو اس قابل بنایا۔

نیک عورت کی خصلتیں:

- ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم والبیہقی نے اپنے سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کی خوش کرے اور جب اس کو حکم تو اس

کی اطاعت کرے اور جب اس سے غائب ہو تو حفاظت کرے اس کے مال کی اور اپنی جان کی پھر رسول اللہ ﷺ نے (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت ''الرجال قوامون علی النساء'' سے لے کر ''قنتت حفظت للغیب'تک۔

- ابن جریر نے طلحہ بن مصرف ؒ سے روایت کیا کہ حضرت عبد اللہ ؓ کی قرات میں یوں ہے لفظ آیت ''فالصلہت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ فاصلحو الیہن والتی تخافون''۔

- سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ''فالصلحت قنتت حفظت للغیب بماحفظ اللہ'' اس لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

- ابن ابی شیبہ نے یحیٰ بن جعدہؓ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ فائدہ مند کسی مسلمان کے لئے اسلام کے بعد خوبصورت عورت ہے کہ جو اس کو خوش کرتی ہے جب اس کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی اطاعت کرتی ہے جب وہ اس کو حکم کرتا ہے۔ اور اس کے مال کی اور اپنی ذات کی حفاظت کرتی ہے جب وہ غائب ہوتا ہے۔

شوہر کی اجازت کے بغیر کسی مرد کو گھر میں بٹھانا جائز نہیں:

- الحاکم والبیہقی نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں جو اللہ پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں ایسے شخص کو اجازت دے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو اور خاوند کے بارے میں کسی کی اطاعت نہ کرے اور اس کو غصہ دلا کر نہ بھڑکائے اور اس کے بستر سے الگ نہ ہو جائے اور اس کے ذریعہ اس کو تکلیف نہ پہنچائے اگر وہ بہت ظلم کرنے والا ہو تب بھی اس کے پاس آتی رہے یہاں تک کہ اس کو راضی کرے اگر وہ اس سے (عذر کو) قبول کرے اور اس کی تعریف کر دے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عذر کو قبول کر لیں گے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا عذر پہنچ گیا۔

- البزار والحاکم (نے اس کو صحیح کہا) اور ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے شوہر کا شکر ادا نہ کرے۔ جبکہ وہ اپنے خاوند سے مستغنی بھی نہیں۔

- احمد نے عبد الرحمٰن بن شبلؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ فساق دوزخ والوں میں سے ہیں کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ! فساق کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا عورتیں ہیں ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ ہماری مائیں اور ہماری بہنیں ہیں اور ہماری بیویاں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ضرور ہیں لیکن جب ان کو دیا جائے تو شکر ادا نہیں کرتیں اور جب آزمائش میں ڈالا جائے تو صبر نہیں کرتیں۔

- بخاری ومسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی اکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت روزہ نہ رکھے اور اس کا شوہر حاضر ہو مگر اس کی اجازت سے اور کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہ دے اور اس کا شوہر حاضر ہو مگر اس کی اجازت سے۔

- عبد الرزاق والبزار الطبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس اا کر کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ! میں عورتوں کی طرف سے آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں یہ جہاد جس کو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر فرض کیا ہے اگر

وہ کسی کو قتل کریں تو ان کو اجر ملتا ہے اور قتل ہو جائیں تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں ہم عورتیں ان کی خدمت میں لگی رہتی ہیں تو ہمارے لئے اس میں کیا اجر ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو جو عورتیں میں سے تم کو ملیں کہ خاوند کی اطاعت کرنا اور اس کے حق کو پہچاننا اس (جہاد) کے برابر ہے۔ اور تم میں سے تھوڑی عورتیں ہیں جو اس طرح کرتی ہیں۔

نیک عورت کے لیے جنت کی بشارت:

(۳۶) البزار نے انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت میں داخل ہو گی۔

(۳۷) ابن ابی شیبہ والبزار نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ایک عورت خثم قبیلہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی ۹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو بتائیے کہ کیا حق ہے شوہر کا بیوی پر بلاشبہ میں ایک عورت ہوں بے خاوند والی اگر میں طاقت رکھوں تو شادی کروں ورنہ بیٹھی رہوں بغیر خاوند کے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شوہر کا حق اپنی بیوی پر یہ ہے کہ اگر وہ سوال کرے اس سے اس کی ذات کا (یعنی اس سے جماع کی خواہش کرے) اور وہ عورت اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھی ہو تو وہ اپنے آپ کو اس سے نہ روکے (یعنی اس کی خواہش پوری کرے) اور خاوند کا عورت پر یہ بھی حق ہے کہ نفل روزہ نہ رکھے مگر اس کی اجازت سے اگر اس نے ایسا کر لیا اور بھوکی پیاسی رہی تو اس سے (روزہ) قبول نہ ہو گا اور اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اگر اس نے ایسا کیا تو اس پر لعنت ہو گی آسمان کے فرشتوں کی رحمت اور عذاب کے فرشتوں کی یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے۔

(۳۸) البزار والطبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لوگوں میں سے کسی کا زیادہ حق ہے عورت پر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے شوہر کا پھر میں نے پوچھا ایک مرد پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ماں کا۔

- البزار نے حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو اور اپنے شوہروں کی رضامندی کو تلاش کرتی رہو۔ بلاشبہ عورت اگر جان لے کہ اس کا شوہر کا (اس پر) کیا حق ہے تو برابر کھڑی رہتی جب تک اس کا صبح کا کھانا اور اس کا شام کا کھانا حاضر ہو تا۔

خاتون خانہ کے لئے جہاد کا اجر ہے:

- البیہقی نے انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عورتیں آئیں اور کہنے لگیں ۹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کی وجہ سے فضیلت لے گئے ہمارے لئے کوئی عمل ہے کہ جس سے ہم مجاہد فی سبیل اللہ کا اجر پالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا اپنے گھر میں رہ کر کام کرنا مجاہدین فی سبیل اللہ کا اجر پالینا ہے۔

- ابن ابی شیبہ اور حاکم (نے اس کو صحیح کہا) اور بیہقی نے ام سلمہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔

- احمد نے اسماء بنت یزیدؓ سے روایت کیا کہ ہم عورتوں میں بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہم کو سلام پھیر افرمایا بچو تم احسان کرنے والوں کی ناشکری سے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! احسان کرنے والوں کی ناشکری سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم میں سے کسی عورت کا بے شوہر کے رہنا والدین کے درمیان لمبا ہو جائے اور کنواری رہ جائے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شوہر عطا فرمادیں اور اس سے مال اور اولاد بھی عطا فرمادیں پھر وہ عورت غصہ ہو اور کہے میں نے تم سے کبھی بھی خیر کو نہیں دیکھا۔

درخت کا قدم مبارک پر بوسہ دینا:

- امام حاکم نے (اس کو صحیح کہا) اور بریدہؓ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسی چیز سکھایئے کہ جس سے یقین ہو جائے آپ ﷺ نے فرمایا اس درخت کو بلاؤ اس نے اس کو بلایا تو وہ آیا اور اس نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا پھر اس (درخت) سے آپ ﷺ نے فرمایا لوٹ جاوہ لوٹ گیا پھر اس کو آپ ﷺ نے اجازت فرمائی تو اس نے آپ ﷺ کے سر مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ اور فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

- امام حاکم نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو شخص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے اوپر نہیں جاتی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آجائے اور وہ عورت جس نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور کسی قوم کا امام جبکہ لوگ اس کو ناپسند کریں۔

- امام احمد نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا کہ وہ یمن میں آئے تو ایک عورت نے ان سے پوچھا کہ مرد کا حق کا ی ہے اس کی بیوی پر کیونکہ میں نے اپنے گھر میں بوڑھے آدمی کو چھوڑا ہے تو انہوں نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں معاذ کی جان ہے۔ کاش کہ تو اس کی طرف لوٹ جائے اور تو پائے جذام کو کہ اس نے پھاڑ دیا ہے اس کے گوشت کو اور اس کے نتھنوں کو اور تو پائے کہ اس نے نتھنے بہار ہے ہیں پیپ کو اور خون کو پھر تو ان دونوں کو اپنے منہ میں لقمہ بنالے تا کہ تو ادا کرے اس کے حق کو تو (پھر بھی) تو اس کے حق کو ادا نہ کر سکے گی۔

۔ نکاح عورت کی اجازت پر موقوف ہے:

- ابن ابی شیبہ نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا کہا ایک آدمی اپنی بیٹی کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے آیا اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی شادی سے انکار کرتی ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا اپنے باپ کی اطاعت کر اس نے کہا نہیں کروں گی یہاں تک مجھے یہ بتادیا جائے کہ خاوند کا حق اس کی بیوی پر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا خاوند کا حق اس کی بیوی پر یہ ہے کہ اگر خاوند کے

جسم میں کوئی زخم ہو عورت اس کو زبان سے صاف کرے یا اس کے نتھنے پیپ یا خون بہاتے ہو پھر وہ اس کو زبان سے صاف کرے تب بھی اس نے اس کا حق ادا نہیں کیا اس لڑکی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان عورتوں کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح نہ کیا کرو۔

- ابن ابی شیبہ نے جابرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کو یہ لائق نہیں کہ کسی چیز کو سجدہ کرے اگر ایسا ہوتا تو عورتیں اپنے شوہروں کو سجدہ کرتیں۔

نگاہ نیچی رکھنے کا بیان

حدثنا محمد بن كثير أخبرنا سفيان حدثني يونس بن عبيد عن عمرو بن سعيد عن أبي زرعة عن جرير قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نظرة الفجأة فقال اصرف بصرك (1)

محمد بن کثیر، سفیان، یونس بن عبید، عمرو بن سعید، ابوزرعہ، حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ نظر فجاۃ (اچٹتی ہوئے نگاہ) کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اپنی نظر پھیر لے (2)

مسائل و معاملات:

- معلوم ہوا کہ کسی مقصد وارادہ کے بغیر اگر اچانک کسی اجنبی عورت پر نگاہ پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، حرج اور گناہ تو اس میں ہے کہ اس پر بار بار مقصد وارادہ کے ساتھ ڈالی جائے اور یہ کہ اچانک نگاہ کو فوراً پھیر لیا جائے۔

نکاح کا بیان

حائضہ عورت سے مباشرت کا بیان

عن أنس بن مالك أن اليهود كانت إذا حاضت منهم امرأة أخرجوها ......أنه لم يجد عليهما (3)

موسی بن اسماعیل، حماد، ثابت بنانی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں میں جب کسی عورت کو حیض آتا ہے تو وہ اس کو گھر سے باہر کر دیتے نہ اس کو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے اور نہ اس کے ساتھ گھر میں رہتے لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترجمہ) لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیض کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بتا دیجئے کہ حیض ایک طرح کی گندگی ہے لہٰذا زمانہ حیض میں عورتوں سے الگ رہو (جماع نہ کرو) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھ گھروں

---

[1]- تخریج: م/الادب 10 (2159)، ت/ کیتاب الادب 28 (2776)، حم (358 / 361،4، ود/الاستیذان 15 (2685) (صحیح)

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 384 حدیث مرفوع مکررات 4

[3] تخریج: م/الحیض 3 (3029، د/الطھارۃ 103 (258)، النکاح 47 (2165)، ت/ تفسیر البقرہ (2977) ق/الطھارۃ 125 (644)، حم 132 /3، 246، د/الطھارۃ 107 (1093)، ن/الطھارۃ 181 (289) صحیح

میں رکھو اور سب کام کرو سوائے جماع کے پس یہودی کہنے لگے یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ہماری مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا (یہ سن کر) اسید بن حیضہ اوع عباد بن بشر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہودی ایسا ایسا کرتے ہیں تو (پھر ہم بھی ان کی مخالفت میں) حیض کی حالت میں عورتوں سے جماع کیوں نہ کیا کریں؟ یہ سن کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا یہاں تک کہ ہم یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اب دونوں کی بات پر غصہ آیا ہے وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے دودھ کا ہدیہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو بلا بھیجا (تاکہ ان کو پلائیں) تب ہم سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ان پر نہیں تھا (بلکہ یہود پر تھا جو حکم الہی کو اپنی مخالفت سمجھ رہے تھے) ([1])

مسائل و معاملات:

- حیض کی حالت میں سوائے مباشرت کے تمام کام جائز ہیں۔ یہود کا طریقہ کار اپنی بیویوں سے نہ ملنے بلکہ اُن کو علیحدہ رکھنے کا تھا۔
- حائضہ کا اپنے خاوند کا سر دھونا، کنگھی کرنا، گود میں لیٹ کر تلاوت کرنا، تمام کام جائز ہیں۔

یہود کا طریقہ کار:

یہودیوں کے نزدیک حائضہ عورت کی نجاست اس کے ظاہر میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مرد نے حائضہ عورت کو ہاتھ لگا دیا یا جس بستر پر وہ بیٹھ گیا تو مرد بھی ناپاک ہو جائے گا اور جس چیز کو بھی یہ عورت ہاتھ لگائے گی وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ موف تورات میں ہے:

"اگر کسی عورت کو ایسا جریان ہو کہ اُسے حیض کا خون آئے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گی اور جو کوئی اسے چھوئے وہ شام تک ناپاک رہے گا۔ اور جس چیز پر وہ اپنی ناپاکی کی حالت میں سوئے وہ چیز ناپاک ہو گی۔ اور جس چیز پر بیٹھے وہ بھی ناپاک ہو جائے گی۔ اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے اور اگر اس کا خون اُس کے بستر پر یا جس چیز پر وہ بیٹھی ہو اس پر لگا ہوا ہو اور اس وقت کوئی چیز اس چیز کو چھوئے تو وہ شام تک ناپاک رہے گی۔ اور اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کرے اور اس کے حیض کا خون اسے لگ جائے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گا اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہو گا"۔ (2)

- اس کے بالمقابل مندرجہ ذیل احادیث و آثار صحابہ پر نظر ڈالیں:

عن عبداللہ بن سعدؓ قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن مواکلۃ الحائض فقال واکلھا۔(3)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض والی عورت کے ساتھ کھانا کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کے ساتھ کھا سکتے ہو۔

---

[1] ۔ سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 401 حدیث مرفوع مکررات 7

[2] ۔احبار: 15/19۔24

[3] ۔ترمذی: حدیث نمبر: 123، ابن ماجہ: 643، مسند احمد: 18236

عن عائشہؓ قالت کنت اشرب وانا حائض ثم انا ولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیضع فاہ علی موضع فی فیشرب واتعرق العرق وانا حائض ثم انا ولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیضع فاہ علی موضع فی۔(1)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: میں حیض کی حالت میں برتن سے پیتی تھی پھر حضور اقدسؐ کو دیتی تو حضور اقدسؐ اسی جگہ منہ لگا کر پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا، اور میں حیض کی حالت میں ہڈی چوستی پھر وہ حضور اقدسؐ کو دیتی تو آپؐ اسی جگہ سے چوستے جہاں سے میں نے چوسا ہوتا۔

- **عن ابن عباسؓ قال اغتسل بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جفنۃ فارادرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ا۔ یتوضأ منہ فقالت یارسول اللہ انی کنت جنبا فقال ان السماء لا یجنب۔**

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے ایک ٹب سے غسل کیا تھا (اور اس میں کچھ پانی بچ گیا تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے لگے تو اُنہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں جنبی (یعنی حالتِ حیض میں) تھی (اور یہ غسل کا بچا ہوا پانی ہے) تو آپؐ نے فرمایا: پانی نجس نہیں ہوتا۔

مسند احمد کی ایک حدیث ہے:

- اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے جبکہ ہم حالتِ جنات میں ہوتے تھے لیکن پانی جنبی نہیں ہوتا تھا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنبی یا حائضہ کا جھوٹا ناپاک نہیں۔

آیت یسئلونک عن المحیض والی آیت کا شانِ نزول یہ واقعہ ہے۔(2)

- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں میں جب کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور گھروں میں میل جول رکھنا چھوڑ دیتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
- ویسئلونک عن المحیض۔(3)
- آپؐ نے فرمایا(**اضعوا کل شیءٍ الاالنکاح**) تم ان سے ہر طرح کا فائدہ اُٹھا سکتے ہو البتہ جماع و ہم بستری نہیں کر سکتے۔(4)
- طبریؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ کے ساتھ کھانے پینے کے جواز پر اجماع ہے۔(5)

1۔ مسلم: حدیث نمبر 453، نسائی، حدیث نمبر 69، مسند احمد: 24416

2 سورۃ البقرہ: 222

3 ایضاً

4 مسلم: حدیث نمبر: 302، ابوداؤد: 258

5 تفسیر طبری: 397/2

- امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حائضہ کے ساتھ کھانا جائز ہے۔ یہی عام اہل علم کا قول ہے اور وہ (یعنی علماء) حائضہ کے ساتھ کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ (1)

- حضرت اُم سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔ اتنے میں مجھے حیض آگیا اور میں نکل بھاگی اور اپنے حیض کے کپڑے سنبھالے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تجھے نفس (یعنی حیض) ہوا ہے؟ تو میں نے کہا جی ہاں **(فد عانی فأدخلی معہ فی الخمیلۃ)**۔ پھر آپؐ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا۔ (2)

- نکاح سے متعلقہ احادیث

ترک نکاح کی ممانعت

عن أبي سلمة أن أبا هريرة قال قلت يا رسول الله إني رجل شاب قد خشيت على نفسي العنت ولا.....

وهذا حديث صحيح قد رواه يونس عن الزهري (3)

یحییٰ بن موسی، انس بن عیاض، الاوزعی، ابن شہاب، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ میں ایک جوان شخص ہوں اس وجہ سے مجھ کو اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤں لیکن مجھ میں اس قدر طاقت بھی نہیں کہ میں نکاح کر سکوں تو میں کیا خصی نہ ہو جاؤں؟ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرہ انور کا رخ دوسری طرف فرمالیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے تین مرتبہ یہی عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! قلم خشک ہو گیا ہے اور جو کچھ (مقدر میں) لکھا جا چکا ہے۔ وہ ہر صورت پیش آ کر رہے گا چاہے تم خصی ہو یا نہ ہو۔ (4)

مسائل و معاملات:

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی ہونے سے منع فرمایا:
- ایک کپڑے کے عوض نکاح کرنے کی اجازت دی۔ اس پر سورۃ المائدہ کی آیت 86 اُتری۔
- اس حدیث سے تبتل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے
- اہل تشیع اس حدیث سے متعہ کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

---

[1] ترمذی: 133

[2] - بخاری: حدیث نمبر: 322

[3] تخریج: خ/النکاح 8 (5073)، م/النکاح 1 (1402)، ت/النکاح 2 (1083)، ق/النکاح 2 (1848)، د/النکاح 3 (2213، 5074)، حم (1، 176، 183/ 175) صحیح

[4] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1128 حدیث مرفوع مکررات 8

- حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ (اَنَّ النبیﷺ نھی عن المتعۃ وعن لحوم الحمار الاھلۃ زمن خیبر) "نبی صلی اللہ علی ہو سم نے خیبر کے وقت نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا" (1)
- حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس کے موقع پر تین روز کے لیے نکاح متعہ کی اجازت دی (ثم نھی عنھا) "پھر اس سے روک دیا۔(2)
- حضرت سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اسے اللہ تعالیٰ نے تاروز قیامت حرام کر دیا۔(3)
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ کہا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متعہ کی تین مرتبہ اجازت دی پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم مجھے کسی بھی شادی شدہ کے نکاح کے نکاح متعہ کا علم ہو گا تو میں اسے پتھروں کے ساتھ رجم کر دوں گا۔(4)
- امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح متعہ کی ملت منسوخ ہے۔(5)
- امام بن حجر نے فرمایا: رخصت کے بعد چھ مختلف مقامات پر نکاح متعہ کا منسوخ ہو جانا مروی ہے:
- ا۔ خیبر میں ۲۔ عمرۃ القضاء میں ۳۔ فتح مکہ کے سال
  ۴۔ اوطاس کے سال ۵۔ غزوہ تبوک ۶۔ حجۃ الوداع میں(6)
- امام نوویؒ فرماتے ہیں: درست بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو ہی مرتبہ جائز ہوا۔ چنانچہ غزوہ خیبر سے پہلے حلال تھا۔ پھر اسے غزوہ خیبر کے موقع پر حرام کر دیا گیا۔ پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر جائز کیا گیا اور عام اوطاس بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے اسے حرام کر دیا گیا۔(7)
- امام خطابیؒ فرماتے ہیں: متعہ کی حرمت مسلمانوں میں اجماع کی طرح ہے۔ الّا کہ بعض شعیہ حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں۔(8)
- (جمہور سلف وخلف) نکاح متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔(1)

---

[1]۔ بخاری: حدیث 5115، مسلم: 1407، موطا: 542/2، نسائی: 125/6، ترمذی: 1121، ابن ماجہ: 1961

[2] مسلم: کتاب النکاح: باب نکاح المتعۃ وبیان انہ ابیح، حدیث نمبر 1405، احمد: 55/4۔

[3] مسلم: 1406، ابوداؤد: 2082

[4] ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب النھی عن النکاح المتعۃ، حدیث نمبر: 1598، ابن ماجہ: 1963، حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ تلخیص الجبیر 153/3

[5] بخاری: کتاب النکاح، حدیث نمبر 5119

[6] فتح الباری: 173/9

[7] شرح مسلم: 181/9

[8] معالم السنن: 190/3

- قاضی عیاضؒ اس کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے۔ الا کہ روافض اسے جائز کہتے ہیں۔(2)
- علامہ وشتانی لکھتے ہیں کہ ابن عربی کہتے ہیں کہ متعہ اولاً مباح کیا گیا۔ پھر حرام کیا گیا۔ پھر مباح کیا گیا پھر حرام کیا گیا۔ اباحت اولیٰ یہ ہے کہ شروع اسلام میں لوگ اپنی عادت کے مطابق متعہ کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے سکوت فرمایا پھر خیبر کے موقع پر متعہ حرام کر دیا گیا۔(3)
- علامہ ابن قدمہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس عقد میں مدت اور معاوضہ کا تعین ہو اس کو متعہ کہتے ہیں خواہ اس کی مدت معلوم ہو یا مجہول۔ امام احمدؒ نے تصریح کی ہے کہ متعہ حرام ہے۔ علامہ ابو بکر نے کہا کہ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ متعہ مکروہ ہے۔(4)
- علامہ سرخسیؒ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ متعہ حرام ہے۔(5)
- امام مالکؒ کے حوالے سے مدفۃ الکبری میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ نکاح ہی باطل ہے اور وہ فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ متعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعہ کی تحریم ثابت ہے۔(6)
- اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ اگر بیویاں نہ ہوں تو خصی ہونا جائز نہیں:
- اس سلسلے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔
- صحابہ کا یہ سوال کرنا دو وجوہات کی بناء پر تھا۔
- پہلا یہ کہ عبادت میں یکسوئی حاصل ہو۔ دوسرا یہ کہ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور زنا کا خدشہ تھا۔ اس وجہ سے خصی ہونے کا پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔
- مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبتل کی اجازت چاہی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسترد کر دیا۔ تبتل کا معنی ہے انقطاع، امام طبریؒ نے کہا کہ دنیا کی لذات اور شہوات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ ہونا تبتل ہے۔ عیسائیت میں یہ امر جائز تھا۔ اسلام نے اس سے منع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ کا خیال یہ تھا کہ اگر حضرت عثمان بن مظعونؓ کو تبتل کی اجازت مل جاتی تو وہ خصی ہو جاتے کیونکہ تبتل میں کمال، خصی ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔
- اسلام نے اس کے دو راستے بتائے کہ یا تو نکاح کر لے یا کثرت سے روزے رکھے۔

- نکاح سے متعلقہ احادیث:

(نکاح کے واسطے) بہترین خواتین کون سی ہیں؟

---

1. فتح الباری: 183/9
2. شرح مسلم للنووی: 89/9
3. اکمال اکمال المعلم: 14/4
4. المغنی: 137/7
5. المبسوط: 5/53۔152
6. سحنون، المدونۃ الکبریٰ: 160/2

عن أبي هريرة قال قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم أي النسا خير.... بما يكره [1]

قتیبہ، لیث، ابن عجلان، سعید، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بہترین عورت کون سی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ خاتون کہ اس کا خاوند جب اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جس وقت وہ حکم دے تو وہ اس کی فرمابرداری کرے اور اپنے نفس اور دولت میں اس کی رائے کے خلاف نہ کرے۔ ([2])

مسائل و معاملات:

- اس حدیث مبارکہ میں بہترین عورت کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں،
- اپنے خاوند کو خوش رکھے۔اس کے لیے گھر میں اچھا لباس اور دیگر خوش کرنے والے انداز میں رہے
- خاوند کی مکمل فرمانبرداری کرے
- اپنے نفس اور دولت میں خاوند کی رائے کے خلاف نہ کرے۔

- نکاح سے متعلقہ احادیث

اگر کوئی آدمی کسی دوسرے سے عورت کے متعلق مشورہ کرے؟

عن أبي هريرة قال جا رجل من الأنصار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ......والصواب أبو هريرة [3]

محمد بن آدم، علی بن ہاشم بن.برید،یزید بن کیسان، ابوحازم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص ایک دن خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں ایک خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے کیونکہ کے انصار قبیلہ کے لوگوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔ ([4])

مسائل و معاملات:

- نکاح سے پہلے عورت کو ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنے میں مذاہب ائمہ:

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

---

[1]۔ تفرد بہ النسائی (تحفۃ الاشراف:13058)، حم(2/251،432) (حسن صحیح)

[2] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1144 حدیث مرفوع مکررات 1

[3]۔ تخریج م/النکاح 12(1424) (تحفۃ الاشراف:13446) حم(3/286،299) ویاتی عند المولف برقم 3248،3249 صحیح

[4] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1159 حدیث مرفوع مکررات 5

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ نکاح سے پہلے اس عورت کو دیکھ لے۔

- قاضی عیاضؒ نے کہا کہ بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے لیکن یہ قول خطا پر مبنی ہے۔ اور اس باب کی احادیث کے خلاف ہے۔ نیز امت کا اس پر اجماع ہے کہ ضرورت کے وقت عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے۔ مثلاً خرید وفروخت یا شہادت کے وقت، نکاح کے لیے صرف عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ان اعضاء کا چھپانا ضروری نہیں ہے۔ نیز چہرے سے عورت کے حسین ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ ہوتا ہے اور ہاتھوں سے بدن کی خصوصیات کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ہمارا اور جمہور کا یہی نظریہ ہے۔ اور شیخ داؤد ظاہری نے یہ کہا کہ عورت کے تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ یہ قول غلط اور فحش ہے۔ اور اصول سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔ پھر ہمارا اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ عورت کو دیکھنے کے لیے اس ک رضامندی ضروری نہیں ہے بلکہ عورت کو اطلاع دیئے بغیر اس کی لاعلمی میں اس کو دیکھ لینا چاہیے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی لاعلمی میں دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ضعیف قول ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کی مطلقاً اجازت دی ہے اور اجازت طلب کرنے کی شرط نہیں لگائی۔ اور اس لیے بھی کہ اجازت لینے سے عورت کو شرم آئے گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ عورت اسے پسند نہ آئے تو اس عورت کی دل شکنی کا موجب ہوگا اور اگر اس کی لاعلمی میں اسے دیکھا اور ناپسند کیا تو اس سے عورت کو پتہ چلے گا نہ رنج ہوگا۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء نے یہ کہا کہ منگنی کرنے سے پہلے عورت کو دیکھ لینا چاہیے تا کہ منگنی کے بعد اس کو مسترد کرنا لازم نہ آئے جس سے عورت کی دل آزاری ہو۔[1]

- نکاح سے متعلقہ احادیث

بیٹے کا والدہ کو کسی کے نکاح میں دینا

عن أم سلمة لما انقضت عدتها ......فزوجه مختصر (2)

محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، یزید، حماد بن سلمہ، ثابت بنانی، ابن عمر بن ابی سلمہ، ابیہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جس وقت میری عدت مکمل ہوگئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جانب سے نکاح کا پیغام آیا جس کو میں نے قبول نہیں کیا پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرانہ کو نکاح کا پیغام دے کر روانہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرلو کہ میں ایک غیرت مند خاتون ہوں میرے بچے بھی ہیں اور پھر اس وقت میرے اولیاء میں سے بھی یہاں پر کوئی شخص موجود نہیں ہے چنانچہ حضرت عمر بن خطاب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان سے کہہ دو کہ جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ میں غیرت دار ہوں تو میں خداوند قدوس سے دعا مانگو گا کہ وہ تمہاری اس غیرت (یعنی آفت) کو ختم فرمادیں جہاں تک کہ تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ میں بچوں والی خاتون ہوں تو (خداوند قدوس) تمہاری اور تمہارے بچوں کی کفالت کے واسطے کافی ہیں پھر جہاں تک کہ تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ میرے اولیاء میں سے کوئی موجود نہیں تو یہ حقیقت ہے کہ ان میں سے موجود اور غیر موجود لوگوں میں سے کوئی بھی اس قسم کا نہیں ہے کہ اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے اس بات کو انہوں نے اپنے

---

[1] شرح مسلم للنووی: 456-457/1

[2] تخریج؛ تفرد بہ النسائی (تحفۃ الاشراف: 18204)، حم (295 /6، 313، 317، 320، 321)

لڑکے حضرت عمر سے کہا کہ اے عمر تم اٹھ جاؤ اور مجھ کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں دے دو اس طریقہ سے انہوں نے اپنی والدہ صاحبہ کا نکاح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرما دیا۔ یہ حدیث مختصر طریقہ سے بیان کی گئی ہے۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- سمجھ دار لڑکے کا اپنی بیوہ مطلقہ ماں کا دوسرا نکاح کروانا جائز ہے۔
- دین کے معاملات کو اپنی سمجھ سے تعین کر لینا صحیح کام نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے وضاحت ہی اصل دین ہے۔ مثال اوپر حدیث کے الفاظ کہ میں غیرت دار ہوں۔
- آپ ﷺ کا دعا کرنا کہ دل نرم ہو جائیں امت کے لیے اہم اور سبق آموز ہے۔

- نکاح سے متعلقہ احادیث

دودھ کی وجہ سے کون کون سے رشتے حرام ہو جاتے ہیں

عن علی رضی الله عنه قال قلت یا رسول الله ما لک.......من الرضاعة (2)

ہناد بن سری، ابو معاویہ، اعمش، سعد بن عبیدہ، ابو عبدالرحمٰن، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا سبب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قبیلہ بنو ہاشم کو چھوڑ کر) قریش کی ہی لڑکیوں سے شادی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہاری نگاہ میں کوئی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! حضرت حمزہ کی لڑکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ میرے واسطے حلال نہیں ہے اس لیے کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے وہ میرے لیے حلال نہیں ہے۔ ([3])

مسائل و معاملات:

- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے چچا اور رضاعی بھائی تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری بھتیجی ہیں۔ جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔
  حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ سے کہا گیا: آپ حضرت حمزہ کی بیٹی سے نکاح کیوں نہیں کرتے؟
- حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کی شرح میں لکھا کہ اس قول کے قائل حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے، جیسا کہ امام مسلم نے اس کے متعلق روایت کی ہے۔ ([4])

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ کی شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1167 حدیث مرفوع مکررات 1

[2] - تخریج۔م/الرضاع 3 (1446)، حم (1/82، 114، 126، 132، 158)، تحفۃ الاشراف: (10117) صحیح

[3] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1217 حدیث مرفوع مکررات 3

[4] - فتح الباری ج 6 ص 264، دار المعرفہ، بیروت، 1426ھ

- امام مسلم متوفی 261ھ نے حضرت ام سلمہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ سے کہا گیا: یارسول اللہ! آپ حمزہ کی بیٹی سے کہاں ہیں؟[1]
- سو یہ کیسے متعین ہو گیا کہ اس قول کے قائل حضرت علی ہیں اور یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ اس قول کی قائلہ حضرت ام سلمہؓ ہوں؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

- حضرت ام سلمہؓ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی طرح قائل کو مبہم رکھا ہے اور بیان نہیں کیا کہ اس قول کا قائل کون ہے؟ اور امام مسلم نے صراحتاً حضرت علی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ آپ قریش کی عورتوں میں رغبت کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑتے ہیں؟ آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی رشتہ ہے؟ تو میں نے کہا: حمزہ کی بیٹی ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، وہ میری رضاعی بھتیجی ہے۔ (صحیح مسلم: 1446) سو اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ام سلمہ دونوں کی روایتوں میں قائل سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ علاوہ ازیں محدثین کی جماعت نے المبہمات کی تصنیف میں اسی طرح لکھا ہے۔ (2)
- حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب بہت ٹھوس اور واضح ہے جس سے ان کی حدیث پر بصیرت کا پتہ چلتا ہے، لگتا ہے علامہ عینی نے عجلت میں یہ اعتراض کیا ہے۔

حضرت حمزہ کی بیٹی کا آپ کی رضاعی بھتیجی ہونے کی تحقیق

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی 449ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- نبی ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے متعلق فرمایا: یہ میری رضاعی بھتیجی ہے کیونکہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نبی ﷺ کے عم محترم ہیں، اور نبی ﷺ کو اور حضرت حمزہؓ کو ابولہب کی باندی ثوبیہ نے اپنا دودھ پلایا تھا، پھر بعد میں ثوبیہ نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا، پھر اس کے بعد اس نے ابو سلمہ بن عبدالاسد کو دودھ پلایا، یہ مصعب الزبیری کا قول ہے، پس حضرت ابو سلمہؓ اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ آپ میں رضاعی بھائی تھے۔ امام ابن اسحاق نے کہا: حضرت حمزہؓ کی عمر نبی ﷺ سے دو سال زیادہ تھی۔ دوسرا قول ہے کہ ان کی عمر آپ سے چار سال زیادہ تھی۔ (3)

چار قسم کی عورتوں کا نسب سے حرام ہونا اور رضاعت سے حرام نہ ہونا اور اس میں حافظ ابن حجر کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- چار قسم کی عورتیں نسب میں مطلقاً حرام ہوتی ہیں اور رضاع میں وہ کبھی حرام نہیں ہوتیں:

---

[1]- صحیح مسلم: 1448

[2]- انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح الباری ج 2 ص 288، مکتبۃ الرشد، ریاض، 1418ھ

[3] شرح ابن بطال ج 7 ص 159، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ -

(1) نسبی بھائی کی ماں حرام ہے کیونکہ یا تو وہ اس کی ماں ہے یا اس کے باپ کی بیوی ہے اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی عورت ہوتی ہے اور وہ اس کے بھائی کو دودھ پلاتی ہے اور اس کے بھائی پر کبھی حرام نہیں ہوتی۔

(2) نواسے کی ماں نسب میں حرام ہوتی ہے کیونکہ وہ بیٹی ہے اور رضاع میں وہ کبھی اجنبی عورت ہوتی ہے اور وہ نواسہ کو دودھ پلاتی ہے اور نانا پر حرام نہیں ہوتی۔

(3) بیٹے کی دادی نسب میں حرام ہے کیونکہ وہ اس کی ماں ہے اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کو دودھ پلاتی ہے، پس جائز ہے کہ اس کا باپ اس عورت سے نکاح کرلے۔

(4) بیٹے کی بہن نسب میں حرام ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس کی بیٹی ہے یا ربیبہ ہے (لے پاک یا لینڈلا) اور رضاع میں کبھی وہ اجنبی ہوتی ہے، پس وہ بیٹے کو دودھ پلاتی ہے اور دوسرے بیٹے پر حرام نہیں ہوتی۔

- ان چار صورتوں پر فقہاء کی ایک جماعت نے اقتصار کیا ہے اور جمہور فقہاء نے ان میں سے کسی صورت کا استثناء نہیں کیا اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں وہ نسب کی جہت سے حرام نہیں ہیں، بلکہ مصاہرت (سسرال) کی جہت سے حرام ہیں۔ حضرت حمزہ کی بیٹی کے نام میں سات اقوال ہیں: امامہ، عمارہ، سلمیٰ، عائشہ، فاطمہ، امۃ اللہ اور یعلیٰ۔ (1)

- نکاح کا بیان

بالوں میں جوڑا لگانا اور گودنا کیسا ہے؟

عن فاطمة عن أسما قالت جات امرأة إلى..... لعن الله الواصلة والمستوصلة (2)

ابو بکر بن ابی شیبہ، عبدہ بن سلیمان، ہشام بن عروہ، فاطمہ، حضرت اسماء سے مروی ہے کہ ایک خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آئی اور کہا میری بیٹی کی (نئی نئی) شادی ہوئی، پھر اس کو چیچک کی بیماری لاحق ہو گئی جس سے وہ گنجی ہو گئی، کیا میں اس کے بالوں میں جوڑا لگالوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لعنت کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جوڑا لگانے والی پر اور جس کے جوڑا لگایا جائے۔ ([3])

مسائل ومعاملات:

- عورت کا اپنے بالوں میں دوسروں کے بال کی آمیزش کرنے کی ممانعت:

زینت وآرائش میں غلو عورتوں کے لیے بھی شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اس غلو کی ایک صورت فطری ساخت کو چھپانا اور مصنوعی طریقہ پر خود کو زیادہ حسین بنا کر پیش کرنا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال کے ساتھ دوسرے بال جوڑنے کو شدت سے منع فرمایا بلکہ لعنت بھی بھیجی ہے۔ لعن الواصلة والمستوصلة۔ [بخاری عن عائشہ وعمر، باب وصل الشعر 878/2]۔ یہاں

---

[1]- فتح الباری ج6 ص264، دار المعرفہ، بیروت، 1426ھ

[2]- تخریج: اخرجہ البخاری رقم الحدیث: 5936، ورقم الحدیث: 5941، مسلم رقم الحدیث: 5530، نسائی: 5109-و5265

[3] – سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 145 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 10

تک کہ مرض یا بال اُتر جانے کی بنا پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔اسی لیے بعض فقہاء نے تو بال کے ساتھ کسی بھی شئے کے جوڑنے کو منع کیا ہے۔ بال ہو یا کپڑا۔[1]

- لیکن عام رائے یہی ہے کہ بجائے بال کے کوئی اور شئے مثلاً ریشمی یا اونی دھاگے وغیرہ کی چوٹی لگائی جائے تو حرج نہیں۔[2]
- امام طحاوی کا بیان ہے کہ بال کے ساتھ جوڑنے کی ممانعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی یہ ثابت ہے کہ دلہن کے بالوں کے ساتھ اونی دھاگے گوندھنے پر انکار نہیں فرمایا [المعتصر من المختصر 388/2، فی صلۃ العشر]
- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منشا اپنے بال کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑنے کی ممانعت ہے چنانچہ فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔
- صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں:

دوسرے کا بال اپنے بال کے ساتھ ملانا مکروہ ہے۔ہاں ان بالوں کے ساتھ نماز کے جائز ہونے میں اختلاف ہے اور صحیح یہی ہے کہ جائز ہے۔(3)

- آدمی کا بال نہ ہو، کسی اور جانور کا بال ہو جو بال کے ساتھ لگا لیا گیا ہو یا بال کے جوڑے میں رکھ دیا گیا ہو تو بھی حرج نہیں۔

---

[1] فتح الباری: 458/10

[2] عمدۃ القاری: 64/22

[3] بحر الرائق: 205/8

کتاب الطلاق

-طلاق اور لعان کا بیان :

طلاق سنت

عن یونس بن جبیر قال سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته وھی حاض......إن عجز واستحمق [1]

قتیبہ بن سعید، حماد بن زید، ایوب، محمد بن سیرین، حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیویوں کو ایام حیض میں طلاق دیتا ہے فرمایا تم عبداللہ بن عمر کو جانتے ہو؟ انہوں نے بھی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا، حضرت عمر نے پوچھا کیا وہ طلاق بھی گنی جائے گی؟ فرمایا خاموش رہو، اگر وہ عاجز ہو اور پاگل ہو جائیں تو کیا ان کی طلاق نہیں گنی جائے گی۔([2])

مسائل و معاملات:

- باپ کا بیٹے کے متعلق عالم دین سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے۔
- حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ رجوع تب ہی ہوتا ہے جب طلاق واقع ہو جائے لیکن حالت حیض میں طلاق دینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔
- رجوع کے بعد عورت کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر ایک اور حیض آ کے پھر پاک ہو جائے پھر اگر اُس کو روکنا چاہے تو روک لے ورنہ صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے۔

حالت حیض میں طلاق دینے میں مذاہب فقہاء:

- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ حائضہ کو طلاق دینا حرام ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دی تو طلاق دینے والا گنہگار ہو گا، لیکن اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اس شخص کو طلاق سے رجوع کا حکم دیا جائے گا۔([3])

---

[1]- . تخریج: خ/الطلاق 2 (5252)، و 45 (5333)، م/الطلاق 1 (1471)، د/الطلاق 4 (2183،2184) ن/الطلاق 1 (3418)،و 76 (3585)، ق/الطلاق 2 (2109)، تحفۃ الاشراف: (8573) ،حم، 2/43 ،79,51 صحیح،واخرجہٗ کل من :خ/ تفسیر سورۃ الطلاق 1(4908) ،والطلاق 1(5251) ،و 44(5333)،والاحکام 13 (8160) ،م/ الطلاق(المصدر المذکور)د/ الطلاق/ 2182-4(2179،د/الطلاق 21(53)۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[2] –جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1183 حدیث مرفوع مکررات 54

[3]- شرح مسلم للنووی: 475/1

- فقہاء کے نزدیک زمانہ حیض میں طلاق حرام ہے اور یہ طلاق بدعی ہے جبکہ سنت یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو۔(1)
- اس طلاق کے حرام ہونے پر اتفاق ہونے کے باوجود اس امر میں اختلاف ہے کہ یہاں نہی اس عمل کے فاسد ہونے کا فائدہ دیتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ نہی کے حکم میں اصولی اختلاف ہے۔

شوافع، حنفیہؒ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ طلاق دینے والا گنہگار ہو گا۔ ابن منذرؒ اور ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں صرف اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے ہی اختلاف کیا ہے۔(2)

- ظاہر یہ اور شعیہ کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ اس طلاق کی اجازت نہیں۔ اس لیے طلاق واقع نہیں ہو گی۔(3)

حیض سے متصل طہر کے بعد ایک مزید طہر گزارنے کی حکمت:

علامہ نے چار جواب دیئے ہیں۔

- تاکہ ہ لازم نہ آئے کہ اس شخص نے طلاق دینے کی غرض سے رجوع کیا ہے، اس لیے طلاق کے متصل طہر کے بد ایک اور طہر گزرر جائے۔
- ایک مزید طہر کا گزارنا طلاق دینے والے شخص کے لیے بمنزلہ سزا ہے۔
- جو طہر حیض سے متصل ہے وہ بھی بمنزلہ حیض ہے، اس لیے اس میں طلاق دینے کی اجازت نہیں دی۔
- طلاق سے متصل طہر میں اس کو طلاق دینے کی اجازت نہیں دی تاکہ کچھ مزید قت گزر جائے اور اس کے دل سے طلاق دینے کا خیال نکل جائے۔

طلاق کے تین طریقے:

طلاق دینے کے تین طریقے ہیں۔ گو طلاق تینوں طریقوں سے پڑ جاتی ہے۔ لیکن دو طریقے سنت کے موافق اور تیسرا طریقہ سنت کے خلاف ہے اور سنت کے خلاف کام کرنے کی وجہ سے اس کو گناہ ہو گا۔ اور سزا کے طور پر اس کی طلاق بھی مان لی جائے گی۔ اصطلاح میں پہلے طریقے کو طلاق احسن اور دوسرے کو طلاق حسن اور تیسرے طریقے کو طلاق بدعی کہتے ہیں۔

طلاق احسن: ایک آدمی اگر طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کا سب سے اچھا (احسن) طریقہ یہ ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق نہ دے ڈالے بلکہ صرف مرد ایک طلاق رجعی دے ار ان ایام میں دے جن سے عورت حیض سے پاک رہتی ہے (یعنی طہر میں) پھر یہ بھی شرط ہے کہ پاکی کے ایام میں اس سے مجامعت نہ کی ہو۔ اب ایک طلاق دینے کے بعد اس عورت کو عدت تک اپنے حال پر چھوڑ دے۔

اگر حالت حیض میں طلاق دے تو یہ اچھا طریقہ نہیں بلکہ یہ طریقہ بدعی ہے۔

---

[1] المغنی: 326/10

[2] عبدالسعید، الحسن، قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر: ص 372

[3] محلی لابن حزم: 161/10

رجوع کیسے کیا جائے گا: راجح بات یہ ہے کہ رجوع قول و فعل ہر طرح سے کیا جا سکتا ہے یعنی گفتگو و کلام وغیرہ کے ساتھ یا جماع و ہم بستری کے ساتھ دونوں طرح درست ہے۔ امام شوکانی اسی کے قائل ہیں۔([1])

- احناف اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک ہم بستری کے ذریعے رجوع ہو جائے گا خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ سعیدؒ بن مسیب، امام حسنؒ، امام ثوریؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔

امام مالکؒ اور امام اسحاقؒ کے ہاں ہم بستری کے ذریعے تب رجوع ہو گا جب اس کی نیت ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع کلام کے ساتھ ہی کیا جائے گا۔ امام احمدؒ سے بھی ایک ہی قول مروی ہے۔([2])

-طلاق اور لعان کا بیان

طلاق سنت

عن سالم عن أبیه أنه طلق امرأته فی الحیض فسأل عمر النبی صلی الله علیه وسلم..... عند كل شهر تطليقة ([3])

ہناد، وکیع، سفیان، محمد بن عبدالرحمٰن، طلحہ، حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دی جس پر حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا انہیں رجوع کرنے کا حکم دو۔ پھر حاملہ ہونے یا حیض سے پاک ہونے کی صورت میں طلاق دیں حضرت یونس بن جبیر کی ابن عمر اور سالم کی اپنے والد سے مروی حدیث دونوں حسن صحیح ہیں یہ دوسری حدیث حضرت ابن عمر سے کئی سندوں سے مروی ہے اس پر علماء صحابہ اور دیگر علماء کا عمل ہے۔ کہ طلاق سنت یہی ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینا بھی سنت ہے امام شافعی، احمد کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق سنت اسی صورت میں ہو گی کہ ایک ہی طلاق دے ثوری اسحاق کا یہی قول ہے حاملہ عورت کو جس وقت چاہے طلاق دے امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک اسے ہر ماہ میں ایک طلاق دی جائے۔([4])

مسائل و معاملات:

سنت کے مطابق اور احسن طریقے سے طلاق دینے کے فوائد

---

[1] - نیل الاوطار: 348/4

[2] - المغنی: 559/10، الآم: 244/5، المبسوط، 19/6، بدایۃ المجتھد، 85/2، نیل الاوطار: 348/4

[3] - تخریج: خ/الطلاق 2 (5252)، و 45 (5333)، م/الطلاق 1 (1471)، د/الطلاق 4 (2183،2184) ن/الطلاق 1 (3418)،و 76 (3585)، ق/الطلاق 2 (2109)، تحفۃ الاشراف: (8573) ، حم، 2/43، 79,51 صحیح، و اخرجہٗ کل من: خ/ تفسیر سورۃ الطلاق 1(4908)، والطلاق 1(5251)، و 44(5333)، والاحکام 13 (8160)، م/الطلاق (المصدر المذکور) د/الطلاق/ 4(2179-2182)، د/الطلاق 21(53)
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[4] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1184 حدیث مرفوع مکررات 54

- جب کوئی شخص سنت کے مطابق صحیح طریقہ سے عورت کی پاکیزگی کے ان ایام میں جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے گا اور دوسری طلاق کے لیے اگلی پاکیزگی کے ایام تک رکا رہے گا جو تقریباً ایک ماہ کے برابر ہیں تو اس عرصہ میں وہ اس معاملہ پر سو دفعہ سے زیادہ غور کرے گا اور گمان غالب ہے کہ اس کی رائے بدل جائے گی (کیونکہ میں تیس سالہ افتاء کی زندگی میں بارہا دیکھ چکا ہوں کہ کل شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اور آج وہ دوڑا چلا آرہا ہے کہ کوئی حیلہ بتلائیں کہ نکاح قائم رہ سکے۔ جب ایک دن میں رائے بدل جاتی ہے، حالات بدل جاتے ہیں تو ایک ماہ میں تو بہت گنجائش ہے) اگر بیوی یا اس کے غلط طرز عمل کی وجہ سے یہ اختلاف کی صورت پیدا ہوئی ہے تو ایک ماہ میں اس کے طرز عمل میں تبدیلی یا مطالبہ طلاق ترک کر دینے کا غالب امکان ہے، اس طرح دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے گا اور تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئے گی جب کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احسن طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں بشرط عدم مجامعت صرف ایک طلاق دی جائے اور عدت کے پورے زمانہ میں دوبارہ طلاق نہ دی جائے اور عدت کے اس تین ماہ میں طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ موقع رہے گا اور بالفرض رجوع نہیں کیا اور عدت گزر گئی اور عورت بائنہ ہو گئی اور بعد میں حالات سازگار ہوئے تو اب دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے جب کہ تین طلاقیں دینے کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی۔
- طلاق کی تدریج میں مرد کی تحدید میں عورت کی رعایت ہے۔
- تین طلاق کی تحدید سے دراصل عورت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کیونکہ اگر طلاق میں کوئی تحدید نہ ہوتی تو عورت کی گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا پھر طلاق دے دیتا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا تھا۔
- امام رازی نے "الطلاق مرتان" کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ کے پاس آکر یہ شکایت کی کہ اس کا شوہر اس کو بار بار طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ضرر ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

الطلاق مرتن فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔[1]

ترجمہ: دوبارہ طلاق دینے کے بعد دستور کے مطابق عدت میں روکنا یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فان طلقها فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیره فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ۔[2]

ترجمہ: پھر اگر اسے (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ (وہ عورت) اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، پھر اگر (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ (دوسرا خاوند کی عدت گزارنے کے بعد) وہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔

---

[1] -البقرہ:229

[2] - البقرہ:23

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج

- چونکہ تیسری طلاق آخری حد ہے اور اس کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے اس لیے تیسری طلاق دینے سے پہلے بہت سوچ وبچار اور غور وخوض کر نا چاہیے اور اس آخری قدم اُٹھانے سے پہلے دوستوں اور رشتہ داروں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسلام کی ہدایت کے مطابق طلاق وقفہ وقفہ سے دی جائے، اگر ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر بعد میں پریشانی اور پشیمانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو گا اس لیے بکثرت احادیث اور آثار میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کو معصیت اور گناہ فرمایا ہے لیکن اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس کو اب صبر واستقامت اور حوصلہ سے اس اقدام کے نتیجہ اور انجام کا سامنا کر نا چاہیے اور اپنے ہاتھوں کی ہوئی اس علیحد گی کو قبول کر لینا چاہیے۔ حلالہ کا مکروہ حیلہ اختیار کرے نہ غیر مقلد مولویوں کے خلاف شروع فتویٰ پر عمل کرنے کے لیے دربدر مارامارا پھرے، کیونکہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا عقل اور درایت کے بھی خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے بھی خلاف ہے۔ عدوی معاملات میں یہ کہیں نہیں ہوتا کہ کوئی شخص تین یا پانچ یا دس عدد کو ایک عدد قرار دے اور اگر کوئی شخص دس روپوں کو ایک روپیہ قرار دے تو یہ منطق اور قانون دونوں کے خلاف ہے، پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے وقت ان لوگوں کی منطق کہاں رخصت ہو جاتی ہے۔ آئندہ مباحث میں ہم ان شاء اللہ ایک مجلس کی تین طلاقوں پر گفتگو کریں گے۔ پہلے ہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف فقہاء بیان کریں گے، پھر تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پیش کر کے ان کا جائزہ لیں گے، اس کے بعد قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی روشنی میں جمہور فقہاء اسلام کا یہ مؤقف پیش کریں گے کہ اگر کسی شخص نے بد قسمتی سے معصیت کا ارتکاب کر کے ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ بہر حال نافذ ہو جائیں گی۔

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں جمہور کا مؤقف

- جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور قدیم وجدید جمہور علماء کے نزدیک یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔(1)
- علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی خواہ دخول سے پہلے دی ہوں یا دخول کے بعد۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ کا یہی نظریہ ہے اور بعد کے تابعین اور ائمہ کا بھی یہی موقف ہے۔(2)
- قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا یہی مؤقف ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (3)

---

[1]-شرح مسلم ج:1، ص418، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، 1375ھ

[2]-علامہ ابو محمد عبد اللہ بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ، المغنی ج7، ص282، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1405

[3]-ہدایۃ المجتہد ج2، ص46، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

- علامہ الحصکفی الحنفی لکھتے ہیں کہ بار بار لفظ طلاق کا تکرار کرنے سے تمام طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اگر طلاق دینے والا تاکید کی نیت کرے تو اس کا دیانۃ اعتبار ہو گا۔ یعنی قضاء اعتبار نہیں ہو گا۔ (1)

بیک وقت دی گئی تین طلاقوں میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا مؤقف

- شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے ایک طہر میں ایک لفظ یا متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں، مثلاً کہا کہ تم کو تین طلاقیں یا کہا کہ تم کو طلاق ہے، تم کو طلاق ہے، تم کو طلاق ہے، یا کہا: تم کو تین طلاقیں یا دس طلاقیں یا سو طلاقیں، یا ہزار طلاقیں، اس قسم کی عبارت میں متقدمین اور متاخرین علماء کے تین نظریات ہیں ایک اور چوتھا قول بھی ہے جو محض من گھڑت اور بدعت ہے، پہلا قول یہ ہے کہ یہ طلاق مباح اور لازم ہے، یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ یہ قول متقدمین میں بکثرت صحابہ اور تابعین سے منقول ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق حرام ہے لیکن اس سے صرف ایک طلاق لازم آتی ہے، یہ قول صحابہ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ حضرت علیؓ، اور حضرت ابن مسعود سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے دو قول ہیں، تابعین اور بعد کے لوگوں میں سے طاؤس خلاص بن عمرو محمد بن اسحاق سے منقول ہے، داؤد اور ان کے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین اور ان کے بیٹے جعفر بن محمد کا بھی یہی قول ہے۔ چوتھا قول بعض معتزلہ اور بعض شیعہ کا ہے، وہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی، سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور تیسرا قول ہی وہ ہے جس پر کتاب و سنت سے دلائل موجود ہیں۔ (2)
- شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں چار مذاہب ہیں، پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، یہ قول ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور بکثرت صحابہ کا ہے (رضی اللہ عنہم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مردود ہے کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے اور بدعت اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اس مذہب کو ابو محمد بن حزم نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: یہ باطن ہے اور رافضیوں کا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے، یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے امام احمد نے کہا: یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو سنت کی طرف لوٹانا چاہیے۔ (تابعین میں سے) طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی نظریہ ہے چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق ہے، مدخول بہا کو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور غیر مدخول بہا کو ایک طلاق واقع ہوتی ہے، یہ قول حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ کا ہے اور اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (3)

---

[1] -علامہ علاؤالدین الحصکفی الحنفی متوفی 1088ھ، درمختار علی ھامش ردالمحتار ج 2 ص 632، مطبوعہ استنبول، 1327ھ

[2] مجموع الفتاویٰ ج 33 ص 709، مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود

[3] -زادالمعارج 4 ص 54، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر

- شیخ ابن قیم لکھتے ہیں کہ بیک وقت تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں چار مذاہب ہیں، پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، یہ قول ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور بکثرت صحابہ کا ہے (رضی اللہ عنہم) دوسرا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مردود ہے کیونکہ یہ بدعت محرمہ ہے اور بدعت اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اس مذہب کو ابو محمد بن حزم نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: یہ باطن ہے اور رافضیوں کا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ اس سے ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے، یہ مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے امام احمد نے کہا: یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو سنت کی طرف لوٹانا چاہیے۔ (تابعین میں سے) طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور شیخ ابن تیمیہ کا بھی یہی نظریہ ہے چوتھا مذہب یہ ہے کہ مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق ہے، مدخول بہا کو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور غیر مدخول بہا کو ایک طلاق واقع ہوتی ہے، یہ قول حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ کا ہے اور اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (1)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل

- شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "الطلاق مرتان" اس سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق رجعی جس میں طلاق کے بعد رجوع کیا جاتا ہے ایک بار دینے کے بعد دوسری مرتبہ دی جاتی ہے، جیسے کسی شخص نے کہا: جاؤ دو بار تسبیح کرو یا تین بار تسبیح کرو یا سو بار تسبیح کرو، اس پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اتنی بار تسبیح کرے کہ یہ عدد پورا ہو جائے، مثلاً کہے: سبحان اللہ، سبحان اللہ تو یہ دو بار ہو گا اور اگر اس نے کہا: دو بار سبحان اللہ (سبحان اللہ مرتان) یا سو بار سبحان اللہ (سبحان اللہ مأة مرة) کہا تو یہ ایک تسبیح شمار کی جائے گی، علی ہذا القیاس جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تمہیں دو طلاقیں یا تمہیں تین طلاقیں یا تمہیں دس طلاقیں یا تمہیں ہزار طلاقیں تو یہ ایک طلاق شمار کی جائے گی۔ اس کو واضح کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ نے ایک مثال دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشروع فرمایا ہے کہ نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا جائے، اب اگر کوئی شخص کہے: سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر عدد خلقہ (اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر) تو یہ صرف ایک تسبیح شمار کی جائے گی۔
- شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ہمارے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دی ہوں اور نبی کریم ﷺ نے اس پر تین طلاقیں لازم کر دی ہوں، اس بارے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن مروی نہیں ہے اور نہ کسی مستند کتاب میں کوئی ایسی حدیث نقل کی گئی ہے، اس سلسلے میں جتنی احادیث نقل کی گئی ہیں وہ سب ائمہ حدیث کی تصریح کے مطابق ضعیف ہیں، بلکہ موضوع ہیں، بلکہ "صحیح مسلم" اور دیگر سنن اور مسانید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے اور حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے اس کام میں عجلت کرنی شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی،

---

[1] - زاد المعارج 4 ص 54، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر

اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں تو بہتر ہو گا، پھر آپ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں اس سلسلے میں دوسری حدیث یہ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبدیز ، یدنے اپنی بیوی کو ا، یک مجلس میں تین طلاقیں دیں، پھر سخت غمگیں ہوئے نبی ﷺ نے ان سے سوال کیا: تم نے کس طرح طلاق دی تھی؟انہوں نے کہا: میں نے تین طلاقیں دی تھیں۔آپ نے فرمایا: ایک مجلس میں؟انہوں نے کہا: جی آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہوئی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو۔حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر حضرت رکانہ نے رجوع کر لیا شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جو یہ استفسار فرمایا: ایک مجلس میں؟اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاقیں نہ دی جائیں تو پھر وہ ایک نہیں قرار دی جاتیں اور جب ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک قرار دی جائے گی، حضرت رکانہ کی یہ حدیث شیخ ابن تیمیہ نے "مسند احمد" کے حوالے سے بیان کی ہے۔([1])

شیخ ابن تیمیہ اور ان موافقین کے دلائل کے جوابات

- شیخ ابن تیمیہ نے "الطلاق مرتان" سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر طلاق الگ الگ دی جائے تب وہ متعدد طلاقیں متصور ہوں گی اور اگر کسی نے کہا: تم کو تین طلاقیں "تو چونکہ یہ طلاق ایک بار دی گئی ہے اس لیے یہ ایک طلاق ہی شمار ہو گی۔
- شیخ ابن تیمیہ کا یہ استدلال خود انہیں بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس استدلال کا یہ تقاضا ہے کہ کسی شخص نے ا، یک ، بار مجلس میں تین ، بار کہا: میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، تو یہ تین طلاقیں واقع ہونی چاہئیں کیونکہ یہ تین ،بار دی گئی ہیں، حالانکہ شیخ کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ اس سے پہلے ،با حوالہ گزار چکا ہے۔

زنا کی شہادات اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے جوابات

- شیخ ابن قیم جوزیہ نے زنا کی چار شہادتوں اور قسامت کی پچاس قسموں سے بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں چار بار گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے، تو اس کی یہ گواہی مردود ہو گی حب ،تک چار آدمی الگ الگ گواہی نہ دیں، اسی طرح اگر ا یک آدمی یہ کہے کہ میں پچاس قسمیں کھا ،تا ہوں کہ میں قتل کیا نہ قا ،تل دیکھا ہے تو اس کی یہ قسم معتبر نہیں ہو گی حب ،تک کہ پچاس آدمی الگ الگ قسمیں نہ کھائیں، اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں تو یہ تین طلاقیں بھی معتبر نہیں ہو گی، حب ،تک کہ وہ الگ الگ تین طلاقیں نہ دے۔(2)
- اس استدلال کا ا، یک جواب تو یہی ہے کہ یہ دلیل خود شیخ ابن قیم کو بھی مفید نہیں ہے کیونکہ اس دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مجلس میں اگر تین بار الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جانی چاہئیں، حالانکہ ان کے نزدیک ایک مجلس میں الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ بھی واقع نہیں ہو تیں۔دوسرا جواب یہ ہے کہ ز ،نا کی شہادت اور قسامت پر طلاق کا قیاس درست نہیں ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میں زنا کی چار گواہیاں دیتا ہوں یا میں قتل نہ کرنے کی پچاس قسمیں کھاتا

[1]۔ مجموع الفتاویٰ ج 33 ص 14۔11، مطبوعہ با مر فہد بن عبدالعزیز

[2]۔زادالمعاد ج 4 ص 55، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر 1329ھ

ہوں اس کی گواہی اور قسم مطلّقاً مردود ہے، بر خلاف طلاق کے کیونکہ جو شخص کہے: میں تم کو تین طلاقیں دیتا ہوں اس کی طلاق ان کے نزدیک بھی مطلّقاً مردود نہیں ہے۔ بلکہ ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ دوسرا جواب علامہ آلوسی کی عبارت سے مستفاد ہے۔

- علامہ آلوسی نے اس استدلال کے جواب میں لکھا ہے کہ شہادات لعان اور رمی جمرات پر طلاق کو قیاس کرنا قیاس مع الفاروق ہے، دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، علاوہ ازیں طلاق کا معاملہ حلت اور حرمت سے ہے، اور اس میں احتیاط یہی ہے کہ جو تین طلاقیں بیک وقت دی گئی ہیں اور واقع مان لی جائیں۔ ([1])
- اور یہ مسلم اصول ہے کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین ایک طلاق دے کر نکاح کو مباح کہتے ہیں اور جمہور ان تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے نکاح کو حرام کہتے ہیں اور اس اصول کے مطابق جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اباحت اور تحریم کے تعارض میں تحریم ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

-طلاق اور لعان کا بیان

جو شخص اپنی بیوی کو البتہ کے لفظ سے طلاق دے

عن عبد الله بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت ....وإن نويتَ ثلاثا فثلاث ([2])

ہناد، قبیصہ، جریر، زبیر بن سعد، حضرت عبداللہ بن یزید بن رکانہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی طلاقیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہو گی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی طلاقیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مروی ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر دو کی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہو گی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ امام مالک بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت کر چکا تو تین طلاق واقع ہوں گی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہو گی اور رجوع کا اختیار ہو گا اگر دو کی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ ([3])

مسائل و معاملات:

---

[1] -علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1272ھ، روح المعانی ج2 ص139، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت

[2] ۔ تخریج: د/الطلاق 14 (2208)، ق/الطلاق 19 (2051)، د/الطلاق 8 (2318)

[3] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1185 حدیث مرفوع مکررات 5

لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبیّ المالکی المتوفی 449ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- تمام ائمہ فتویٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ لفظ واحد سے جب تین طلاقیں دی جائیں وہ لازماً واقع ہو جاتی ہیں، ان کے نزدیک اس طرح طلاق دینا خلاف سنت ہے اور یہی جمہور سلف کا مذہب ہے اور اس کے خلاف جن کا قول ہے وہ شاذ ہے اور یہ اہل بدعت کا قول ہے جن کی طرف فقہاء کی جماعت نے التفات نہیں کیا کیونکہ یہ قول کتاب اور سنت کی تحریف پر مبنی ہے اور یہ قول الحجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق سے منقول ہے۔

تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے پر مقلدین کے دلائل

امام ابو یوسف القاضی نے کہا: الحجاج بن ارطاۃ یہ کہتا تھا کہ تین طلاقیں کچھ نہیں ہیں اور ابن اسحاق یہ کہتا تھا کہ تین طلاقوں کا حکم ایک طلاق ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

- از ابن اسحاق از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباسؓ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں پھر وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے ان کو کیسے طلاق دی تھی؟ تو انہوں نے کہا: میں نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے فرمایا: "یہ (تین طلاقیں) ایک طلاق ہے، سو تم چاہو تو اپنی بیوی سے رجوع کر لو، سو انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا"۔(1)
- امام ابو داؤد نے حدیث: 2197 کے بعد تعلیق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: جب کسی شخص نے لفظ واحد سے اپنے منہ سے تین طلاقیں دیں تو وہ ایک طلاق ہے۔(2)
- ابن جریج نے از ابن طاؤس از والد خود (یعنی طاؤس) روایت کی ہے کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا: کیا آپ کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں تین طلاقوں کو ایک طلاق کی طرف لوٹایا جاتا تھا تو انہوں نے کہا: ہاں! (3)

تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے پر غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: امام طحاوی نے کہا: یہ دونوں حدیثیں منکر ہیں، ان حدیثوں کی ان سے زیادہ قوی راویوں نے مخالفت کی ہے:

- سعید بن جبیر، مجاہد، مالک بن الحارث، محمد بن ایاس الکبیر اور نعمان بن ابی عیاش یہ سب حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو گئی اور وہ اب اس سے صرف اس وقت نکاح کر سکتا ہے جب کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کر لے، یہ حدیث حضرت عمر، حضرت مولا علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے اور امام طحاوی نے ان تمام احادیث کی ان کی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

---

[1]- سنن ابو داؤد: 2196

[2]- جامع الاصول 5741، دار ابن کثیر، دمشق، 1432ھ

[3]- صحیح مسلم: الرقم المسلسل: 3564

- امام ابن ابی شیبہ متوفی 235ھ اپنی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں ,یا کہا: ایک سو طلاقیں دی ہیں تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ تمہاری بیوی تین طلاقوں کے سبب سے تم سے بائنہ ہو گئی ہے اور باقی طلاقیں دے کر تم نے اللہ تعالیٰ سے مذاق کیا ہے۔(1)
- ائمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت کی ہے وہ جماعت کے موافق ہے اور وہ طاؤس کی روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے اور حضرت ابن عباسؓ صحابہ کی مخالفت کر کے اپنی ذاتی رائے کے مطابق روایت کرنے والے نہ تھے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے۔
- از معمر از ابن طاؤس روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے جب اس مرد کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو ضرت ابن عباسؓ جواب دیتے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا۔(2)
- طاؤس کی حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت ابن جریج کی از ابن طاؤس از طاؤس روایت کے خلاف ہے کیونکہ جس شخص کے لیے تین طالقوں کی مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو تو اس کی دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، لہٰذا ابن جریج کی روایت ساقط ہو گئی اور نیز ابوا صہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے جو تین طلاقوں کے متعلق سوال کیا تھا اس کا جواب حضرت ابن عباس کے دیگر شاگردوں کی روایت کے خلاف ہے، پس لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے نفوذ اور وقوع پر اجماع ہو گیا اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے جو یہ روایت کی ہے کہ تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے یہ روایت منکر اور خطا ہے۔

حضرت رکانہ کی حدیث سے غیر مقلدین کے استدلال کا جواب

- رہا یہ کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور وہ تین طلاقیں تھیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ کے گھر والوں نے جو حضرت رکانہ سے روایت کی ہے اس میں تین طلاقوں کا ذکر نہیں ہے۔
- امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ از نافع بن عجیر از عبداللہ بن یزید بن رکانہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، سوانہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس طلاق البتہ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا، پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔(3)
- اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابوداؤد نے کہا: حضرت رکانہؓ کی طلاق البتہ کے متعلق جو احادیث روایت کی گئی ہیں یہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔(4)

---

[1]۔مصنف ابن ابی شیبہ: 17798

[2]۔مصنف عبدالرزاق: 11346

[3]۔ سنن ابوداؤد: 2206

[4]۔یہ تعلیق سنن ابوداؤد: 2208 کے بعد مذکور ہے

لفظ واحد سے مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع اور نفوذ کے متعلق جمہور فقہاء کے دلائل

- لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقوں کے وقوع کے متعلق جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عویمرؓ نے لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اگر یہ ممنوع ہو، تا تو نبی ﷺ ان کو اس سے منع فرمادیتے اور آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام اور معصیت ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی ﷺ ان کو اس پر برقرار نہ رکھتے۔ (1)
- نیز حضرت سہل بن سعدؓ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمرؓ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (2)

حضرت رفاعۃ کی حدیث مذکورہ کی باب مذکورہ کے ساتھ مناسبت

- رہا حضرت رفاعۃ کی حدیث کا اس باب کے ساتھ تعلق، سو وہ یہ ہے کہ حضرت رفاعہ کی بیوی نے یہ کہا کہ حضرت رفاعہ نے مجھے قطعی طلاق دے دی ہے تو امام بخاری نے اس طلاق کو اس پر محمول کیا کہ حضرت رفاعہ نے ایک لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:
- امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو قطعی طلاق دے دی، پھر ان کی بیوی نے ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیرؓ سے نکاح کیا، سو ان کی بیوی نبی ﷺ کے پاس آئی، پس کہا: یا رسول اللہ! پہلے وہ رفاعہ کے نکاح میں تھیں تو حضرت رفاعہ نے ان کو آخری تین طلاقیں دے دیں، (اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت رفاعۃ کی قطعی طلاق سے مراد تین طلاقیں تھیں) پھر ان کی بیوی نے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیرؓ سے نکاح کیا، اور بے شک اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! ان کے پاس تو (ان کا آلہ) صرف کپڑے کے اس پلو کی طرح تھا، انہوں نے اپنی چادر سے کپڑے کا پلو بنا کر دکھایا۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سعید بن عاص کے بیٹے حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص جواب کے منتظر بیٹھے تھے تو حضرت خالد نے حضرت ابو بکر کو ندا کرتے ہوئے کہا: اے ابو بکر! آپ اس عورت کو اس پر کیوں نہیں ڈانٹتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسی بے شرمی کی باتیں کر رہی ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اس پر صرف مسکرائے، پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا: شاید کہ تم رفاعۃ کی طرف لوٹ کر جانا چاہتی ہو؟ نہیں! حتیٰ کہ تم عبدالرحمٰن بن الزبیر کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لیں۔ (3)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے مسئلہ میں غیر مقلدین کے مؤقف کی وضاحت

---

[1]- صحیح البخاری: 5259، صحیح مسلم: 1492، سنن نسائی: 3402، سنن ابو داؤد: 2245، سنن ابن ماجہ: 2066، مؤطا امام مالک: 1201، سنن دارمی: 2229، مسند احمد: 22851

[2]- سنن ابو داؤد: 2250

[3]- صحیح البخاری: 6084، 2639، صحیح مسلم: 1433، سنن ترمذی: 1118، سنن نسائی: 3283، سنن ابن ماجہ: 1932، مسند احمد: 23578، سنن دارمی: 2267) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج 7 ص 324-322، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ)

- اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس مبحث میں لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق بار بار دلائل پیش کیے گئے ہیں اور غیر مقلدین کا رد کیا گیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا بہ کثرت ہوتا ہے کہ کوئی حنفی اور سنی مسلمان جوش غضب میں اپنی بیوی کو لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر جب شوہر کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور حالات معمول پر آجاتے ہیں تو پھر میاں بیوی دونوں پشیمان ہوتے ہیں، پھر وہ اہل سنت و جماعت کے مفتی حضرات کے پاس دوڑ کر جاتے ہیں اور سنی اور حنفی مفتی انہیں بتاتے ہیں کہ تین طلاقیں دینے کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر تمہارے لیے اپنی بیوی سے رجوع کرنے کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے، پھر انہیں کوئی بتانے والا بتاتا ہے کہ غیر مقلد مفتیوں کے پاس تمہاری مشکل کا حل ہے اور وہ انہیں یہ فتویٰ لکھ کر دیتے ہیں کہ لفظ واحد کے ساتھ مجلس واحد میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے اور اس کے ثبوت میں وہ صحیح مسلم کے حوالہ سے از طاؤس از حضرت ابن عباسؓ کی اور سنن ابو داؤد کے حوالہ سے حضرت رکانہ کی حدیث لکھ کر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہے اور چونکہ عوام اہل سنت اپنے دلائل سے ناواقف اور ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے وہ غیر مقلد مفتیوں کے فتاویٰ سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اس لیے طلاق مغلظہ دینے کے باوجود مطلقہ بیوی کو شرعی حلالہ کے بغیر اپنے گھر میں آباد کر لیتے ہیں
- اندریں حالات ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم اس مبحث کو تفصیل سے لکھیں اور غیر مقلدین اور اہل سنت و جماعت کے دلائل کو بار بار پیش کریں تاکہ قارئین کے ذہنوں میں یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور ان دلائل کو بار بار ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے
- اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی بہت اہم اور ضروری ہے، سو قرآن مجید میں (الرحمٰن: 13) اکتیس (31) مرتبہ مذکور ہے۔ (1)
- اسی طرح عقیدۂ توحید بھی نہایت اہم اور بہت ضروری ہے، اس لیے قرآن مجید میں پچیس (25) مرتبہ ان آیات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا ذکر ہے۔ (2)
- اسی طرح شرک کی نفی بھی بہت اہم اور ضروری ہے، سو "ولا اشرک بہ" کو قرآن مجید میں پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا، اور وانی بریٔ مما تشرکونO کو سات (7) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔
- اور فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (الاعراف: 190) اس مضمون کی آیتوں کو بیس (20) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ (3)
- اس طرح اطاعت رسول کا حکم بھی بہت ضروری ہے، سو قُل اَطِیعوا اللہ وَالرَّسُولَ (آل عمران: 32) اس مضمون کی آیتوں کو قرآن مجید میں انیس مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ (4)

---

[1]۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص 762
[2]۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص 913
[3]۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص 482
[4]۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص 545

ان شواہد سے واضح ہو گیا کہ جو حکم بہت اہم اور ضروری ہو اس کو بار بار ذکر کرنا چاہیے اور موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین ناواقف سنی مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مطلقہ مغلظہ کو گھر میں رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں کوئی مسلمان مرد ساری عمر زناکاری میں مبتلا رہتا ہے اور یہ غیر مقلدین نام نہاد مفتی دراصل اس حدیث کے مصداق ہیں:

- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں میں سے علم کو نہیں نکالے گا لیکن علماء کو اُٹھا کر علم کو اُٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، سو ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، سو وہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے"۔ (1)

-طلاق اور لعان کا بیان

وہ حاملہ جو خاوند کی وفات کے بعد جنے

عن سليمان بن يسار أن أبا هريرة وابن عباس وأبا سلمة بن عبد الرحمن تذاكروا المتوفى عنها زوجها الحامل........أن تتزوج قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح (2)

قتیبہ، لیث، یحییٰ بن سعید، سلیمان بن یسار، ابوہریرہ، ابن عباس، ابی سلمہ، عبدالرحمٰن، ابوسلمہ، حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ ابوہریرہ ابن عباس اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے آپس میں اس عورت کا تذکرہ کیا جو حاملہ ہو اور اس کا شوہر فوت ہو جائے ابن عباس نے کہا کہ اس کی عدت دو عدتوں میں سے زیادہ عدت ہو گی یعنی ولادت یا عدت کے دنوں میں سے جس میں زیادہ دن ہوں گے وہی اس کی عدت ہے۔ ابوسلمہ نے کہا کہ اس کی عدت ولادت تک ہے جب پیدائش ہو گئی تو وہ حلال ہو گئی حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ میں بھی اپنے بھتیجے ابوسلمہ کے ساتھ ہوں پھر انہوں نے ام سلمہ کے پاس کسی شخص کو یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمی کے ہاں ان کے شوہر کی وفات کے چند دن بعد ولادت ہوئی تھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نکاح کرنے کی اجازت دی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (3)

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسی عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو واسکی عدت وضع حمل ہے۔ اس پر چار ماہ دس دن کی عدت نہیں ہے۔

حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب فقہاء:

1- صحیح مسلم: 100، صحیح مسلم: 2673، سنن ترمذی: 2652، سنن ابن ماجہ: 52، مسند احمد: 6475، سنن دارمی: 239

2- تخریج: خ/ تفسیر سورۃ الطلاق 2 (4909)، م/الطلاق 8 (1485)، ن/الطلاق 56 (3542)، (3544)، حم (6/289)، د/الطلاق 11 (2325)) (تحفۃ الاشراف: 18157، 18206) (صحیح) واخرجہ کل من: خ/الطلاق 39 (5318) م/الطلاق (المصدر المذکور)، ن/الطلاق 56 (3547، 3546، 3545، 3543، 3541، 3540، 3539)، حم (6/312، 319) من غیر ھذا الوجہ، ولہ ایضا طرق اخری بسیاق آخر، انظر حدیث رقم (2306)، عند ابی داود و (3548) عند النسائی۔

3- جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1206 حدیث مرفوع مکررات 14

- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور تمام متقدمین و متاخرین فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جیسے ہی حاملہ عورت کا وضع حمل ہو اسی وقت اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے، خواہ وضع حمل سے ایک لحظہ پہلے اس کے خاوند کا انتقال ہوا ہو۔ اور خواہ بچہ کامل پیدا ہو یا ناتمام۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور سخنون مالکیؒ یہ کہتے ہیں کہ اس کی عدت دو عدتوں (عدت وفات اور عدت حمل) میں نسبتاً لمبی عدت ہے دو آیات البقرۃ: آیت نمبر 237 اور دوسری الطلاق آیت نمبر 4---- **والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجاً** ,تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کی بیویاں چار ماہ دس دن تک عدت گزاریں۔ یہ آیت بیوی حاملہ ہو یا غیر حاملہ، جب خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور دوسری آیت میں حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ یہ آیت بھی عام ہے کہ عورت بیوہ ہو یا مطلقہ اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اور جو عورت بیوہ بھی ہو اور حاملہ بھی تو اس کی عدت کیا ہو گی؟ وضع حمل ہو گی یا چار ماہ دس دن یہ دونوں آیتیں اس میں متعارض ہیں۔ اس لیے یہاں سنت کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور سنت یہ ہے کہ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا جو بیوہ تھیں اور حاملہ بھی اور خاوند کی وفات کے دس دن بعد ان کے ہاں بچہ ہو گا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع حمل کے بعد ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ دس دن والی آیت غیر حاملہ کے ساتھ خاص ہے اور جس آیت میں حاملہ کی عدت وضع حمل بتایا ہے وہ اپنے عموم پر ہے خواہ وہ حاملہ عورت بیوہ ہو یا مطلقہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ (1)
- جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حاملہ بھی ہو تو اس عورت کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تم اس پر سختی کرتے ہو اور نرمی نہیں کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے ہو حالانکہ عورتوں کی چھوٹی سورت (سورۃ الطلاق) عورتوں کی طویل سورت (سورۃ بقرہ) کے بعد نازل ہوئی۔ ([2])
- جمہور اسی کے قائل ہیں۔
- حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے (یعنی دونوں میں سے بعد والی) اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ایسی عورت کو چار ماہ دس دن سے پہلے وضع حمل ہو جائے تو وہ چار ماہ دس دن پورے کرے گی اور اگر چار ماہ دس دن ہو جائیں لیکن وضع حمل نہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی، یہ موقف اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ دونوں آیات پر عمل ہو جائے حالانکہ گزشتہ تمام دلائل اس موقف کے خلاف ہیں۔ لہٰذا جمہور کا موقف راجح ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔ (3)
- ابن قیمؒ کا قول ہے۔ سلف کے درمیان پہلے تو متوفی عنہا زوجھا (کی عدت) کے متعلق اختلاف تھا۔۔۔ لیکن بعد میں اتفاق ہو گیا کہ اس کی عدت وضع حمل ہی ہے۔ (4)

---

[1] شرح مسلم للنوی: 486/1

[2] نیل الاوطار: 219/6

[3] نیل الاوطار: 388/4

[4] اعلام الموقعین: 86/2

- ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں حتیٰ کہ اُنہوں نے کہا کہ اگر وفات کے فوراً بعد وضع حمل ہو جائے تو عورت اگر چاہے تو اسی وقت نکاح کر سکتی ہے۔(1)
- اس بات پر جمہور علماء کا اجماع ہے اور ابن عباسؓ کے بارے میں مروی ہے کہ حدیث سبیعہ کے پہنچنے کے بعد اُنہوں نے جمہور علماء کے قول کی طرف رجوع فرمالیا۔(2)

-طلاق اور لعان کا بیان

جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت

زینب کہتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ حضرت ام سلمہ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری لڑکی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ چار ماہ دس دن ہیں اور زمانہ جاہلیت میں تم ایک سال گزارنے پر اونٹ کی میگنیاں پھینکتی تھیں اس باب میں فریعہ بنت مالک بن سنان (جو ابوسعید خدری کی بہن ہیں) اور حفصہ بنت عمر سے بھی روایت ہے حدیث زینب حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ خوشبو اور زیبائش سے پرہیز کرے۔ سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے۔([3])

مسائل و معاملات:

- ایسی عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو عدت کے دوران اسے یہ ڈر بھی ہو کہ اس کی آنکھ ضائع ہونے کا خطرہ ہے پھر بھی وہ سرمہ استعمال نہیں کر سکتی۔
- زمانہ جاہلیت میں بدترین صورت حال میں ایک سال عورت گزارتی تھی اور بری رسم حدیث میں مذکور ہے۔
- ایسی عورت جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہو اُسے کے لیے جائز نہیں کہ (میت) پر تین سے زیادہ سوگ منائے سوائے اس کے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ دس دن تک سوگ منائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے حرام ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ منائے خواہ اس کے والدین ہی کیوں نہ فوت ہو جائیں۔ البتہ اپنے خاوند کا چار ماہ دس دن سوگ منانا اس پر لازم ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ غیر حاملہ کی بات ہے کیونکہ اگر حاملہ ہو گی تو وضع حمل تک سوگ منائے گی۔
- اس کے علاوہ حدیث میں موجود لفظ میت سے معلوم ہوا کہ مطلقہ پر سوگ نہیں ہے لہٰذا اگر طلاق رجعی ہو تو بالاتفاق یہی مسئلہ ہے اور اگر طلاق بائنہ (یعنی تیسری) ہو تو اس میں اختلاف ہے۔
- جمہور، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مطلقہ بائنہ عورت پر سوگ نہیں۔

---

[1] المحلی بالاثار: 41/10

[2] کنزالعمال: 3/1

[3] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1209 حدیث مرفوع

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مطلقہ بائنہ پر سوگ منانا واجب ہے۔(1)

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوہ سرمہ ہرگز نہیں لگائے گی۔
- جمہور اسی کے قائل ہیں۔
- ابن حزمؒ کے نزدیک وہ سرمہ نہیں لگائے گی خواہ اس کی آنکھ ضائع ہو جائے نہ دن میں نہ رات میں(2)
- تاہم بعض اہل علم نے اثمد سرمے کو بطور دوا استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔
  جمہور، امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔(3)
- لہٰذا ثابت ہوا کہ عورت کو ایام سوگ میں ہر صورت سرمہ لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور نہ ہی زیب و زینت کرنی چاہیے۔

-طلاق اور لعان کا بیان

کفارہ ظہار کے بارے میں

أنبأنا أبو سلمة ومحمد بن عبد الرحمن بن ثوبان أن سلمان بن صخر الأنصاري أحد بني بياضة جعل امرأته عليه......في كفارة الظهار (4)

اسحاق بن منصور، ہارون بن اسماعیل، علی بن مبارک، یحییٰ بن ابی کثیر، حضرت ابوسلمہ اور محمد بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو بیاضہ کے ایک شخص سلمان بن صخر انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ رمضان گزار نے تک تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو لیکن ابھی آدھا رمضان ہی گزرا تھا کہ بیوی سے رات کو صحبت کر لی، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسکا تذکرہ شروع کیا نبی نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو اس نے عرض کیا میں نہیں کر سکتا آپ نے فرمایا پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھو اس نے عرض کیا مجھ میں اتنی قوت نہیں آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اس نے عرض کیا میرے پاس اس کی بھی قوت نہیں نبی نے فرمایا فروہ بن عمر کو حکم دیا کہ اسے یہ ٹوکرا دیدو اس میں پندرہ یا سولہ صاع ہوتے ہیں جو ساٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہوتے ہیں یہ حدیث حسن اور سلمان بن صخر کو سلمہ بن صخر بیاضی بھی کہا جاتا ہے اہل علم کا ظہار کفارے کے متعلق اسی حدیث پر عمل ہے۔([5])

ظہار کا بیان

---

[1] الام: 230/5، المبسوط: 58/6، نیل الاوطار: 395/4

[2] المحلی: 286/10

[3] نیل الاوطار: 393/4، سبل السلام: 1499/2

[4]- تخریج: د/الطلاق 17(2213)، ق الطلاق 25(2026)، تحفتہ الاشراف: (4555)، حم (5/436) د/الطلاق 9 (2319) (صحیح)

[5] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1212 حدیث مرفوع مکررات 4

عن سلمة بن صخر قال ابن العلا البیاضی قال کنت امرأ أصیب من النسا ما لا یصیب غیری فلما دخل شهر رمضان..... بیاضة بطن من بنی زریق (1)

عثمان بن ابی شیبہ، محمد بن علاء، ابن ادریس، محمد بن اسحاق، محمد بن عمرو بن عطاء، ابن علاء، بن علقمہ، بن عیاش، سلیمان بن یسار، حضرت سلمہ بن صخر بیاضی سے روایت ہے کہ میں عورتوں کا اتنا خواہشمند تھا جتنا کہ دوسرا نہ ہوگا (یعنی میں کثیر الشہوت تھا) جب رمضان کا مہینہ آیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں بیوی سے کچھ کر نہ بیٹھوں (جماع نہ کر بیٹھوں) جس کی برائی صبح تک میرا ساتھ نہ چھوڑے تو میں نے اس رمضان کے ختم تک ظہار کر لیا ایک دن ایسا ہوا کہ رات کے وقت وہ میری خدمت کر رہی تھی اس دوران اس کے بدن کا کچھ حصہ کھل گیا میں ضبط نہ کر سکا اور اس پر چڑھ گیا (یعنی اس سے جماع کیا) جب صبح ہوئی تو میں اپنی قوم کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلو وہ بولے بخدا ہم نہ جائیں گے پس میں اکیلا ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (رات کا) حال بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے سلمہ کیا تو نے واقعی ایسا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے ایسا کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال مجھ سے دوبارہ عرض کیا (اور دونوں مرتبہ میں نے اثبات میں جواب دیا) اور عرج کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اللہ کے حکم پر راضی ہوں پس میرے بارے میں حکم صادر فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک غلام آزاد کر میں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں اس گردن کے سوا کسی گردن کا مالک نہیں ہوں (اور یہ کہتے ہوئے) میں نے اپنی گردن پر مارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اگر ایسا نہیں کر سکتا تو) تو پھر پے درپے دو مہینوں کے روزے رکھ میں نے عرض کیا یہ مصیبت تو روزوں ہی کی وجہ سے مجھ پر آئی ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (یہ ایک پیمانہ کا نام ہے) کھجور کھلا میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم دونوں میاں بیوی نے رات بھوکے رہ کر گزاری ہے کیونکہ ہمارے پس کھانا نہ تھا (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا تو پھر بنی زریق کے ایک صدقہ دینے والے کے پاس جاوہ تجھ کو صدقہ دے گا پس اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک وسق کھجور دے اور باقی تو خود کھا اور بال بچوں کو کھلا اس کے بعد میں اپنی قوم کے پاس لوٹ آیا اور کہا میں نے تمھارے پاس تنگی اور خراب رائے پائی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کشادگی اور اچھی رائے پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے ابن العلاء نے یہ اضافہ کیا کہ ابن ادریس نے کہا کہ بیاضہ بنی زریق کی ایک شاخ ہے۔ ([2])

مسائل و معاملات:

[1]۔ تخریج: د/الطلاق 17 (2213)، ق الطلاق 25 (2026)، تحفۃ الاشراف: 4555)، حم (5/436) د/الطلاق 9 (2319) (صحیح)

[2] ۔ سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 449 حدیث مرفوع مکررات 4

- رمضان میں روزہ کی حالت میں قصداً جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور رمضان کے روزے کو عمداً عمل ازدواج سے توڑنے پر کفارے کے لزوم میں مذاہب اربعہ متفق ہیں۔(1)
- امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اہل ظاہر کی رائے ہے کہ کفارہ جماع کی صورت میں واجب ہے۔(2)
- اگر کوئی بھول کر روزہ میں ہمبستری کر لے تو امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس پر نہ قضا واجب ہے نہ کفارہ واجب ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس پر قضا ہے کفارہ نہیں۔ امام احمدؒ اور اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اس پر قضا بھی ہے اور کفارہ بھی۔ (3)

روزہ میں جماع کرنے سے آیا صرف مرد پر کفارہ واجب ہوتا ہے یا عورت پر بھی؟

- امام شافعیؒ، داؤد ظاہریؒ، امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ (اور ایک روایت میں امام احمدؒ) کے نزدیک روزے میں جماع کرنے سے مرد اور عورت دونوں پر کفارہ لازم آتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور ابو ثورؒ نے کہا کہ اگر عورت خاوند کے جماع میں موافقت کرے تو اس پر کفارہ لازم ہے اگر عورت پر جبر کیا جائے اور وہ مرد کی موافقت نہ کرے تو اس پر کفارہ واجب نہیں۔(4)

آیا اس شخص مذکورہ پر کفارہ واجب تھا یا نہیں؟اور کفارہ کی کھجوروں کو اس شخص پر صرف کرنے کی توجیہات:

- المبسوط میں شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا یہ نفل تھا۔ اس پر اس حال میں کفارہ واجب نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت عاجز تھا، اس لیے اس کے واسطے یہ بھی جائز تھا کہ وہ ان کھجوروں کو اپنے اوپر ا اپنے اہل وعیال کے اوپر خرچ کرے۔
- ابو جعفر طبری نے یہ کہا کہ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور ابو ثورؒ کا قول یہ ہے کہ روزہ کا کفارہ ادا کرنا اس پر فرض تھا اور اس کی غربت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوا۔ اس پر لازم تھا کہ جب اس کے پاس مال آجائے تو وہ اس روزہ کا کفارہ ادا کرے۔ فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس حدیث کے دو محمل ہیں، ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے فقر کی وجہ سے اس کے لیے اس کے روزہ کے کفارہ کو کھانا اس پر مباح کر دیا اور دوسرا قول یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور ایک قول یہ کہ ان کھجوروں کا کھانا صرف اس شخص کے ساتھ خاص تھا۔

حدیث مذکور سے مستفاد ہونے والے مسائل:

- جب کسی شخص نے کوئی خلاف شرع کام کر لیا ہو تو اسکے متعلق کسی عالم دین سے سوال کرنا چاہیے۔
- جو کام قبیح ہو اس کا صراحةً ذکر کرنے کی بجائے اس کنایہ سے تعبیر کرنا چاہیے کیونکہ اس شخص نے صراحةً یہ نہیں کہا کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے وطی کی یا جماع کیا، بلکہ یہ کہا کہ میں اس پر واقع ہوا یا میں نے اسکو حاصل کر لیا۔

---

[1] شرح مسلم للنووی: 354/1

[2] بدایۃ المجتہد: ص 407-406 مترجم

[3] بدایۃ المجتہد: ص 407، شرح مسلم للنووی: 354/1

[4] معالم السنن: 271/3، فتح الباری: 439/3، عمدۃ القاری: 40/11، الفتح الربانی: 97/10

- اسکو حاصل کر لیا۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد عالم دین کے پاس شرعی حکم معلوم کرنے آئے تو اس کو نرمی سے مسئلہ بتانا چاہیے۔
- وہ شخص گناہ کے بعد اس پر نادم ہوا اور اس کو عذاب کا خوف دامن گیر ہوا، اس لیے اس نے کہا (دوزخ کے عذاب میں) جل گیا یا کہا: میں ہلاک ہو گیا۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے یا پڑھانے کے علاوہ بھی مسجد میں بیٹھتے تھے اور صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتے تھے۔ اس سے دینی مسائل کی تعلیم مقصود تھی اور پیش آمدہ مسائل کا حل بتلانا تھا۔
- جب سائل نے یہ کہا کہ مدینہ میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں ہے تو آپ ہنسے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی کا کوئی سبب ہو تو مسجد میں بھی ہنسنا جائز ہے۔
- ضرورت شرعی اور مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کسی مسئلہ کا عالم کے سامنے ذکر کرنا جائز ہے۔
- مسئلہ معلوم کرتے وقت گناہ کا اظہار کرنا جائز ہے۔
- ایک غریب اور تنگ دست شخص کا حاکم یا امیر کے سامنے یہ بیان کہ مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں جائز ہے۔ اور اس کے بیان کو قبول کرنا بھی جائز ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال آتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرورت مندوں کو عطا کر دیتے تھے۔ اور یہ کہ عبادت میں تعاون کرنا چاہیے کیونکہ کفارہ ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ اور کسی مسلمان کو مصیبت سے چھڑانے میں اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اور جب اس نے کہا کہ مدینہ میں مجھ سے زیادہ کوئی ضرورت مند نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا کر اپنے اہل کو کھلاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت مند مسلمان کے قول کی تصدیق کرنی چاہیے اور کسی کو اسکی ضرورت سے زیادہ دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ کھجوریں تقریباً ساٹھ کلو تھیں اور یہ کہ کسی ایک گھر والے کو بھی پورا کفارہ دینا جائز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کھجوروں میں سے جو زائد ہوں وہ کسی اور ضرورت مند کو دے دینا، اس سے معلوم ہوا کہ ایک ضرورت مند پر دوسرے ضرورت مند کو دینا واجب نہیں ہے۔ (1)

طلاق کا بیان

ظہار کا بیان

عن خويلة بنت مالك بن ثعلبة قالت ظاهر مني زوجي أوس بن الصامت فجئت رسول الله صلى الله عليه وسلم أشكو إليه..... من غير أن تستأمره (2)

حسن بن علی، یحییٰ بن آدم، ابن ادریس محمد بن اسحاق، معمر بن عبداللہ بن حنظلہ، یوسف، بن عبداللہ بن سلام، حضرت خویلہ بنت مالک بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے ظہار کیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] ابن حجر، فتح الباری مع زیادۃ، دار المعرفہ، بیروت، 1426ھ، ص: 439/3

[2] تخریج: د/الطلاق 8(2211،2210،2209،2212،)

پاس شکایت لے کر گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں مجھ سے جھگڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے وہ تیرا چچازاد بھائی ہے (دور جاہلیت میں اور ابتدائے اسلام میں ظہار طلاق سمجھا جاتا تھا خویلہ اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خویلہ کو خدا سے ڈرنے کی تلقین کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اب وہ تیرا شوہر نہیں رہا بلکہ صرف چچازاد بھائی رہ گیا ہے) پس میں نہیں ہٹی یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ) 58۔المجادلہ : 1) (ترجمہ) اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے شکوہ کر رہی تھی اس آیت نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ یعنی تیرا شوہر ایک غلام آزاد کرے میں نے عرج کیا اس کی طاقت نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر دو مہینہ کے پے در پے روزے رکھ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ بہت بوڑھا ہے اس میں روزے رکھنے کی سکت نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے میں نے عرض کیا اس کے پاس کچھ نہیں ہے جس سے وہ صدقہ دے خویلہ کہتے ہیں کہ تبھی کھجور کا ایک تھیلا آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کو دوسرا کھجوروں کا تھیلا دے دوں گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے جا اس کو لے جا اور اس میں سے اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا اور پھر (بے خوف وخطر) اپنے چچا کے بیٹے کے پاس رہ راوی کا بیان ہے کہ عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ابوداؤد نے کہا کہ خویلہ نے اپنے شوہر کو بتائے بغیر اس کی طرف سے کفارہ ادا کیا۔ ([1])

مسائل و معاملات:

اس حدیث سے معلوم ہونے والے مسائل:

- جب کسی شخص نے کوئی خلاف شرع کام کر لیا تو اس کے متعلق کسی عالم دین سے سوال کرنا چاہیے۔
- جو کام قبیح ہو اس کا صراحۃً ذکر کرنے کی بجائے اس کو کنایہ سے تعبیر کرنا چاہیے۔
- سورہ المجادلہ کی آیت نمبر ایک کا شان نزول یہ واقعہ ہے۔
- (دور جاہلیت میں اور ابتدائے اسلام میں ظہار طلاق سمجھا جاتا تھا خویلہ اپنے شوہر کے پاس رہنا چاہتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خویلہ کو خدا سے ڈرنے کی تلقین کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اب وہ تیرا شوہر نہیں رہا بلکہ صرف چچازاد بھائی رہ گیا ہے) پس وہ نہیں ہٹی یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ)
- اپنے شوہر کو بتائے بغیر اس کی طرف سے کفارہ ادا جائز ہے۔
- جب کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد عالم دین کے پاس شرعی حکم معلوم کرنے آئے تو اس کو نرمی سے مسئلہ بتانا چاہیے۔
- وہ شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہوا اور اس کو اس پر عذاب کا خوف دامن گیر ہوا، اس لیے اس نے کہا: میں (دوزخ کے عذاب میں) جل گیا: میں ہلاک ہو گیا۔

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 450 حدیث مرفوع مکررات 4

- نماز پڑھنے یا پڑھانے کے علاوہ بھی مسجد میں بیٹھنا جائز ہے۔
- جب سائل نے یہ کہا کہ مدینہ میں مجھ سے زیادہ محتاج ہیں تو آپ ہنسے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ہنسی کا کوئی سبب ہو تو مسجد میں ہنسنا جائز ہے۔
- کسی سخی شخص کے سامنے اپنی تنگی اور فقر کو بیان کرنا جائز ہے۔
- اس حدیث مبارکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور دریا دلی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔(1)
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس شخص کو کفارہ کی تینوں صورتوں کے بارے میں بتایا لیکن اس نے معذوری ظاہر کی۔
- اسلام وسعت کا دین ہے اس میں تنگی نہیں ہے۔ اسلام دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے تنگی نہیں۔

-طلاق اور لعان کا بیان

لعان

عن سعيد بن جبير قال سلت عن المتلاعنين في إمارة مصعب بن الزبير أيفرق بينهما.... عند أهل العلم (2)

ہناد، عبدہ بن سلیمان، عبدالملک بن ابی سلیمان، حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مصعب بن زبیر کی امارت کے زمانے میں مجھ سے لعان کرنے والے میاں بیوی کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے یا نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کہوں، پس میں اٹھا اور عبداللہ بن عمر کے گھر کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اجازت مانگی تو مجھے کہا گیا کہ وہ اس وقت قیلولہ کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے میری گفتگو سن لی اور فرمایا ابن جبیر آجاؤ یقینا تم کسی کام کے لیے ہی آئے ہو گے کہتے ہیں کہ میں اندر داخل ہوا تو وہ اونٹ پر ڈالنے والی چادر بچھا کر آرام کر رہے تھے میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ ہاں فلاں بن فلاں نے یہ مسئلہ سب سے پہلے پوچھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھے تو کیا کرے؟ اگر وہ کچھ کہے تو بھی بہت بڑی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو ایسے معاملے میں خاموش رہنا بہت مشکل ہے۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا کچھ عرصہ بعد وہ پھر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کے متعلق میں نے آپ سے پوچھا تھا اسی میں مبتلا ہو گیا ہوں اس پر سورت نور کی آیات نازل ہوئیں (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ حَتَّى خَتَمَ الْآيَاتِ) آپ نے اسی آدمی کو بلایا اور اس کے

---

[1] فتح الباری مع الزیادہ (ملخصاً)، 439/3

[2] تخریج: م/اللعان 1 (1493)، ن/الطلاق 41 (3503)، د/النكاح 39 (2275)، حم(12 /2)، (صحیح)، واخرجه كل من: خ/الطلاق 27 (5306)، و32(5311)، و33 (5312)، و34(5313، 5314، و35 (5315)، و52 (5349)، 53(5350)،، والفراءض 17 (6748)، م/اللعان (المصدر المذكور)، د/الطلاق 27(2258، 2257، 2259) ،ن/الطلاق 42(3504)، و43 (3505)، و44(3506)، و45(3507)، ق/الطلاق 27(2066)، ط/الطلاق 13 (35)،

سامنے آیات پڑھیں اور اسے وعظ و نصیحت فرمائی اور کہا دنیا کی تکلیف آخر کے عذاب کے مقابلے میں کچھ نہیں اس نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا میں نے اس پر تہمت نہیں لگائی پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی آیات عورت کے سامنے پڑھی اور اسے بھی اسی طرح سمجھایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت آسان ہے اس نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے یہ شخص سچا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد سے گواہی شروع کی اس نے چار بار اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دی کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت پھر عورت نے اسی طرح کہا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔ اس باب میں حضرت سہل بن سعد، ابن عباس، حذیفہ، ابن مسعود سے بھی روایت ہے حضرت ابن عمر کی حدیث حسن صحیح اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ ([1])

مسائل و معاملات:

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے۔ علامہ سید مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں کہ لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنی ہے دھتکارنا اور خیر سے دور کرنا، اور جب مخلوق کی طرف سے ہو تو یہ بد دعا کا کلمہ ہے، اور لکھتے ہیں کہ لعان کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے اور مرد سے ابتداء کرے۔ مرد چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت پر صادق ہوں، جب چار بار یہ قسم کھالے تو پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہو، تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر تہمت لگائی ہے یہ اس تہمت میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہو جائے گی اور کبھی اس شخص کے لیے حلال نہیں ہو گی۔ اگر حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ (2)

مسائل: لعان کے حوالے سے سورۃ النور کی آیت 6 تا 9 ہے۔

- والذین یرمون ازواجھم۔۔۔۔۔من الصادقین ([3]) " جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز ان کی ذات کے نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کے کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو"۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ کیونکہ اس سے کسی مسلمان مرد یا عورت کی پردہ دری ہوتی ہے یا کسی بے حیائی کے کام کی اشاعت ہے۔ اور یہ کسی مسلمان مرد یا عورت کی برائی کا ذکر ہے البتہ جن مسائل

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1214 حدیث مرفوع مکررات 31

[2] زبیدی، تاج العروس شرح القاموس: 334/9

[3] - النور: 6 تا 9

میں مسلمان مبتلا ہوں اور وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے سوال کریں تو اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا کراہت جواب دیتے تھے۔

- مسجد میں لعان کرنا جائز ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے پہلے ہی اُس شخص نے عورت کو طلاق دے دی۔ (دوسری حدیث میں کہ تین طلاقیں دے دیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ لعان از خود طلاق نہیں بلکہ الگ سے طلاق دینا ضروری ہے۔اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔
- لعان کے بعد مرد اور عورت میں تفریق ڈال دی جائے گی اور وہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔ (1)
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہر لعان کرنے والے کے درمیان تفریق کی یہی صورت ہے۔
- لعان کے بعد اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ ماں کو دیا جائے گا اور وہ اپنی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔
- میراث میں وہ عورت اس بچے کی اور بچہ اپنی ماں کا وارث ہو گا۔
- جب بچہ پیدا ہوا تو وہ باپ کی طرح نہیں تھا۔اس سے ثابت ہو گیا کہ عورت جھوٹی تھی۔

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم:

- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو پائے اور یہ متحقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کریں۔اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو۔ یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہو گا۔ بعض شوافع کا یہ قول ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کر دے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔(2)
- امام ابو حنیفہؒ کا قول جمہور کے موافق ہے۔ اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمدؒ کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (3)

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء:

- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں: کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے، لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا یہ قول ہے نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان

---

1. بیہقی: 410/7
2. شرح مسلم للنوی: 488/1
3. فتح الباری لابن حجر: 449/9

کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔(1)

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء:

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد بچہ ماں کے ساتھ لاحق کر دیا۔(2)
- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں: کہ جمہور فقہاء و تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منتفی ہو گا۔ امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ عامر شعبی، محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو۔ایک اور مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منتفی ہو گا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ نے دن مقرر نہیں کیے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہو گا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہو گا۔(3)
- آجکل تو DNA ٹیسٹ سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ تخم کس کا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت کے طور پر جو کہا کہ اگر ایسا ہوا تو باپ کی طرح ہو گا یعنی باپ کے سلب سے ہو گا تو اس طرح ہو گا اور اگر زانی کی طرح ہوا تو عورت جھوٹی ہو گی۔ یہ مشابہت کا اثر تھا کہ بچہ زانی کی طرح ہوا۔ اس طرح عورت جھوٹی ثابت ہو گئی۔

-طلاق کا بیان

مسنون طریقہ پر طلاق دینے کا بیان

أخبرني سالم بن عبد الله عن أبيه أنه طلق امرأته وهي حائض فذكر ذلك عمر لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتغيظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال.... فذلك الطلاق للعدة كما أمر الله عز وجل (4)

احمد بن صالح، عنبسہ، یونس، ابن شہاب، سالم بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی حضرت عمر نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ وہ اس سے رجوع کر لے پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو

---

[1] عمدۃ القاری:295/20

[2] مسلم: حدیث نمبر: 3642

[3] عمدۃ القاری:302/20

[4]۔ تخریج: خ/الطلاق 2 (5252)، و 45 (5333)، م/الطلاق 1 (1471)، د/الطلاق 4 (2183،2184) ن/الطلاق 1 (3418)، و 76 (3585)، ق/الطلاق 2 (2109)، تحفۃ الاشراف: (8573) ، حم، 2/43، 79,51 صحیح، و اخرجہ کل من: خ/ تفسیر سورۃ الطلاق 1(4908) ، والطلاق 1(5251) ، و 44(5333)، والاحکام 13 (8160) ، م/ الطلاق(المصدر المذکور) د/ الطلاق/ -2182) 4(2179، د/الطلاق 21(53)۔
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دوسرا حیض آئے اور وہ پھر حیض سے پاک ہو اس کے بعد اگر چاہے تو طلاق دیدے پاکی کی حالت میں جماع کیے بغیر اور یہ طلاق کی عدت کے مناسب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔[1]

حدثني يونس بن جبير قال سألت عبد الله بن عمر قال قلت رجل طلق امرأته...... قال فمه أرأيت إن عجز واستحمق (2)

قعنبی، یزید بن ابراہیم، محمد بن سیرین، حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی (تو اس کا کیا حکم ہوگا) انہوں نے پوچھا کہ کیا تو ابن عمر کو جانتا ہے؟ میں نے کہا ہاں انہوں نے (اپنے بارے میں) کہا کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے اور پھر (اگر چاہے تو) عدت کے شروع میں طلاق دے (یعنی حیض سے پاک ہوتے ہی) میں نے کہا (پہلی طلاق جو اس نے حیض کی حالت میں دی تھی) شمار ہوگی ابن عمر نے کہا کیوں نہیں بھلا اگر وہ رجعت نہ کرتا اور حماقت نہ کرتا تو کیا وہ طلاق محسوب نہ ہوتی؟ ([3])

مسائل و معاملات

یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کی طرح ہے البتہ اس میں وضاحت ہے کہ حالت حیض میں دی جانے والی طلاق ایک طلاق شمار ہوگی۔ بقیہ مسائل گزشتہ حدیث میں گزر چکے ہیں۔

نبی ﷺ کے ارشاد: "اگر وہ عاجز ہو یا حماقت کا ارتکاب کرے تو کیا ہوگا" کے متعدد معانی

علامہ بدرالدین عینی متوفی 855ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

- نبی ﷺ کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ کیا طلاق دینے والے کا عجز اور اس کی حماقت طلاق دینے والے کے اس حکم کو ساقط کر دے گا جو اس نے حالت حیض میں طلاق دی ہے؟ یعنی حکم ساقط نہیں ہوگا۔
- علامہ نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: اس ارشاد کا معنی یہ ہے: کیا عجز اور حماقت کی وجہ سے طلاق کا حکم ساقط ہو جائے گا؟ اور یہ استفہام انکاری ہے اور اصل عبارت اس طرح ہوگی کہ ہاں! طلاق کا شمار کیا جائے گا اور اس کا عجز اور اس کی حماقت طلاق کو شمار کرنے سے مانع نہیں ہے۔

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 418 حدیث مرفوع مکررات 54

[2]۔ تخریج: خ/الطلاق 2 (5252)، و 45 (5333)، م/الطلاق 1 (1471)، د/الطلاق 4 (2183،2184) ن/الطلاق 1 (3418)،و 76 (3585)، ق/الطلاق 2 (2109)، تحفۃ الاشراف: (8573) ،حم، 2/43، 79,51 صحیح،و اخرجہٗ کل من :خ/ تفسیر سورۃ الطلاق 1(4908) ،والطلاق 1(5251) ،و 44(5333)،والاحکام 13 (8160) ،م/ الطلاق (المصدر المذکور) د/ الطلاق/ 4(2179-2182)، د/الطلاق 21(53)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[3] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 420 حدیث مرفوع مکررات 54

- اور امام مسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس طلاق کو شمار نہ کروں خواہ میں عاجز ہوں یا حماقت کا ارتکاب کروں؟(1)
- قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ طلاق سے رجوع کرنے سے عاجز ہو اور کسی احمق آدمی کا فعل کرے۔
- اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی 768ھ نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اِن کا لفظ نافیہ ہو یعنی ابن عمر نہ عاجز ہے اور نہ احمق ہے یعنی وہ بچہ اور مجنون نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی طلاق واقع نہ ہو اور عجز بچہ کو لازم ہے اور حماقت مجنون کو لازم ہے یعنی اس حدیث میں لازم کا اطلاق کیا ہے اور اس سے ملزوم کا ارادہ کیا ہے اور یہ لفظ اِن ثقیلہ کا مخفف ہے۔
- اور ابن الخشاب نے کہا ہے کہ استحمق میں تاء مفتوحہ ہے اور اس کا معنی ہے: اس نے ایسا فعل کیا جیسا فعل احمق اور عاجز کرتا ہے، پس اس کا عجز اور اس کی حماقت کیا طلاق کے حکم کو ساقط کردے گا؟ اور باب استفعال کا خاصہ ہے، تکلف یعنی اس نے تکلف سے حماقت کا ارتکاب کیا اور حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔
- اور علامہ المہلب المالکی المتوفی 435ھ نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: اس کو حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اگر وہ کسی عجز کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکا تو رجوع کا حکم ساقط نہیں ہوگا یا وہ مجنون ہوگا تب بھی رجوع کا حکم ساقط نہیں ہوگا یعنی اگر اس نے رجوع نہیں کیا تو کیا اس کی عورت معلق رہے گی، نہ وہ خاوند والی ہوگی اور نہ مطلقہ شمار ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کو معلق رکھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اگر بالفرض وہ اللہ تعالیٰ کے کسی اور فرض کو بجا نہ لائے اور اس سے عاجز ہو یا بے عقلی کی وجہ سے وہ کسی فرض کو بجا نہ لائے تو کیا اس سے وہ فرض ساقط ہو جائے گا؟(2)

جب عہد رسالت میں کوئی صحابی یہ کہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا تو یہ حکماً حدیث مرفوع ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

- امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا، تب حضرت ابن عمرؓ نے یہ کہا۔
- شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی 456ھ نے کہا ہے کہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ان کی بیوی کے اوپر کسی نے ایک طلاق کو شمار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بغیر اس مسئلہ میں کسی کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ صحابی کے اس قول کی مثل ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہ حکم دیا جاتا تھا، لہٰذا یہ نبی ﷺ کا حکم قرار دیا جائے گا اور حضرت ابن عمرؓ کے اس قصہ میں نبی ﷺ ہی اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دینے والے تھے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جب کوئی صحابی نبی ﷺ کے عہد میں یہ کہے کہ ہمیں فلاں چیز کا حکم دیا گیا ہے تو یہ حدیث مرفوع ہوگی اور اس قصہ میں یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی رائے سے یہ کہا کہ ان کی بیوی پر ایک طلاق شمار کی گئی، علاوہ ازیں امام علی بن عمر دارقطنی متوفی 258ھ

1- صحیح مسلم: 1471، الرقم المسلسل: 3556، صحیح البخاری: 5252

2- عمدۃ القاری ج20، ص324-323، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

نے اپنی سند کے ساتھ سنن دار قطنی میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ از نافع از ابن عمر از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہے۔ ([1])

-طلاق کا بیان

طلاق بتہ کا بیان

على بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده أنه طلق امرأته البتة ....عن عكرمة عن ابن عباس ([2])

سلیمان بن داؤد، جریر بن حازم، زبیر بن سعید، عبداللہ، علی بن یزید سے روایت ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تیری نیت کیا تھی؟ بولا ایک طلاق کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا خدا کی قسم کھا سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں بخدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر تو وہی ہے جو تیری نیت تھی (یعنی ایک ہی طلاق واقع ہو گی) ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن جریج کی حدیث کی بنسبت یہ حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں یہ مذکور تھا کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اس حدیث کی صحت کی وجہ یہ ہے کہ گھر والے گھریلو معاملات سے زیادہ واقف ہوئے ہیں اور ابن جریج کی حدیث بنی ابی رافع کے کسی شخص کے حوالہ سے اور عکرمہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ ([3])

مسائل و معاملات:

- (امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں:) یہ روایت ابن جریج کی نقل کردہ روایت سے زیادہ مستند ہے، کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، کیونکہ (اس روایت کے راوی) ان کے خاندان کے افراد ہیں اور وہ لوگ ان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتے ہوں گے۔
- ابن جریج کی روایت کو ابورافع کے کسی بیٹے نے عکرمہ کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

طلاق بتہ کے معنی و مفہوم کا بیان

- حضرت عبداللہ بن یزید بن رکانہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی طلاقیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہو گی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔
- علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی طلاقیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مروی ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔

---

[1] - عمدۃ القاری ج:20، ص 325-324، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

[2] - تخریج: ت/الطلاق 2 (1177)، ق/الطلاق 19 (2051)، د/الطلاق 8 (2318)

[3] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 444 حدیث مرفوع مکررات 5

- حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر دو کی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہو گی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔
- امام مالک علیہ الرحمہ بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت کر چکا تو تین طلاق واقع ہوں گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہو گی اور رجوع کا اختیار ہو گا اگر دو کی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ (1)

لفظ "سراح" کے صریح ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب

- لفظ "السراح" جمہور فقہاء کے ہاں طلاق کے صریح الفاظ میں شامل نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اسراحی کے الفاظ بولے تو اس سے طلاق کی نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہو گی۔
- سہ شافعیہ اور بعض حنابلہ کہتے ہیں کہ: یہ طلاق کے صریح الفاظ میں سہ شامل ہو۔ تا ہے، اس لیے اگر خاوند نے بیوی سے "اسراحی" کہا تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور خاوند کا قول نیت نہ کر۔نا قبول نہیں ہو گا۔ الا یہ کہ اگر اس پر کوئی قرینہ دلالت کرے کہ وہ اس سے طلاق مراد نہیں لے رہا تھا۔
- مثلاً اگر وہ بیوی سے فصل والی جگہ میں جلدی جانے کا کہنے کے بعد "اسراحی" کہے اور سہ شافعی حضرات میں سے ابن حجر مکی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ: "اسراحی" کنایہ کے الفاظ میں شامل ہوتا ہے، کیونکہ یہ سرح بغیر شد کے میں سے ہے، نہ کہ سرّح شد کے ساتھ اور الرملی نے نھایۃ المحتاج میں ذکر کیا ہے کہ: "جب خاوند طلاق کے صریح الفاظ بولے تو پھر خاوند کی یہ بات قبول نہیں کی جائے گی کہ اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ کہ اگر اس پر کوئی قرینہ دلالت کر۔تا ہو، اور اس میں انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ حب وہ بیوی کو کہے: کھیت جلد جانے کا حکم دینے کے بعد اسرحی کا لفظ بولے تو اس کا قبول کیا جائے گا۔ (2)
- اور مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ: بغیر نیت کے ہی لفظ سراح سے طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ ان کے ہاں بعض نزد۔یک یہ لفظ صریح میں شامل ہوتا ہے، یا پھر ظاہری طور پر لکھے جو نیت کا محتاج نہ ہو۔

-طلاق کا بیان

خلع کا بیان

---

[1] -جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1185

[2] -(نھایۃ المحتاج 429/6)

عن حبيبة بنت سهل الأنصارية أنها كانت تحت ثابت بن قيس بن شماس وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج إلى الصبح فوجد حبيبة بنت سهل عند بابه في الغلس...... وجلست هي في أهلها [1]

قعنبی، مالک، یحییٰ بن سعید، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، بن سعید، بن زرارہ، حضرت حبیبہ بنت سہل انصاریہ سے روایت ہے کہ وہ ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر کے لیے نکلے تو دیکھا کہ حبیبہ بنت سہل آپ کے دروازے پر اندھیرے میں کھڑی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ تو میں نے عرض کیا حبیبہ بنت سہل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے کہا یا میں نہیں یا میرا شوہر ثابت بن قیس نہیں (یعنی ہم دونوں اب ایک ساتھ نہیں رہ سکتے) جب ثابت بن قیس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ حبیبہ بنت سہل ہے جو کچھ اللہ کو منظور تھا اس نے بیان کر دیا حبیبہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت بن قیس نے جو کچھ بطور مہر مجھ کو دیا وہ میرے پاس موجود ہے (اور وہ میں لوٹانے کے لیے تیار ہوں) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس سے کہا جو کچھ تو نے دیا تھا وہ اس سے واپس لے لے پس ثابت نے (اپنا دیا ہوا مال) واپس لے لیا اور حبیبہ اپنے گھر جا بیٹھیں (یعنی نکاح فسخ ہو گیا)۔ ([2])

مسائل و معاملات:

خلع کے سبب حقوق نکاح کے ساقط ہونے کا بیان

- نکاح کی وجہ سے جتنے حقوق ایک کے دوسرے پر تھے وہ خلع سے ساقط ہو جاتے ہیں اور جو حقوق کہ نکاح سے علاوہ ہیں وہ ساقط نہ ہوں گے، عدت کا نفقہ اگرچہ نکاح کے حقوق سے ہے مگر یہ ساقط نہ ہو گا ہاں اگر اس کے ساقط ہونے کی شرط کر دی گئی تو یہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ یونہی عورت کے بچہ ہو تو اس کا نفقہ اور دودھ پلانے کے مصارف ساقط نہ ہوں گے اور اگر ان کے ساقط ہونے کی بھی شرط ہے اور اس کے لیے کوئی وقت معین کر دیا ہے تو ساقط ہو جائیں گے ورنہ نہیں اور بصورت وقت معین کرنے کے اگر اس وقت سے پیشتر بچہ انتقال ہو گیا تو باقی مدت میں جو صرف ہوتا وہ عورت سے شوہر لے سکتا ہے اور اگر یہ ٹھہرا ہے کہ عورت اپنے سے دس ٗ برس ، تک بچہ کی پرورش کرے گی تو بچہ کے کپڑے کا عورت مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر بچہ کا کھا ٗ نا کپڑا دونوں ٹھہرے ہیں تو کپڑے کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی اگرچہ یہ معین نہ کیا ہو کہ کس قسم کا کپڑا پہنائے گی اور بچہ کو چھوڑ کر عورت بھاگ گئی تو ٗ باقی نفقہ کی قیمت شو ٗ ہر وصول کر سکتا ہے اور اگر یہ ٹھہرا ہے کہ بلوغ تک اپنے پاس رکھے گی تو لڑکی میں ایسی شرط ہو سکتی ہے لڑکے میں نہیں۔ (عالمگیری)
- خ ٗ لع کسی مقدار معین پر ہوا اور عورت مدخلہ ہے اور مہر پر عورت نے قبوضہ کر لیا ہے تو جو ٹھہرا ہے شو ٗ ہر کو دے اور اس کے علاوہ شو ٗ ہر کچھ نہیں لے سکتا ہے اور مہر عورت کو نہیں ملا ہے تو اب عورت مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور جو ٹھہرا ہے

---

[1]۔ تخریج: : د/الطلاق 18 (2227)، (تحفۃ الاشراف: 15792)، ط/الطلاق 11 (31)، د/الطلاق 7 (2317) ق/الطلاق 34(3492 (صحیح)

[2] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 461 حدیث مرفوع مکررات 3

شوہر کو دے اور اگر غیر مدخولہ ہے اور پورا مہر لے چکی ہے تو شوہر نصف مہر کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور مہر عورت کو نہیں ملا ہے۔ تو عورت نصف مہر کا شوہر پر دعویٰ نہیں کر سکتی اور دونوں صورتوں میں جو ٹھہرا ہے دینا ہوگا اور اگر مہر پر خلع ہوا اور مہر لے چکی ہے تو مہر واپس کرے۔ اور مہر نہیں لیا ہے تو شوہر سے مہر ساقط ہو گیا اور عورت سے کچھ نہیں لے سکتا اور اگر مثلاً مہر کے دسویں حصہ پر خلع ہوا اور مہر مثلاً ہزار روپے کا ہے اور عورت مدخولہ ہے اور کل مہر لے چکی ہے تو شوہر اس سے سو روپے لے گا اور مہر بالکل نہیں لیا ہے تو شوہر سے کل مہر ساقط ہو گیا اور اگر عورت غیر مدخولہ ہے اور مہر لے چکی ہے تو شوہر اس سے پچاس روپے لے سکتا ہے اور عورت کو کچھ مہر نہیں ملا ہے تو کل ساقط ہو گیا۔ (عالمگیری)

خلع کے طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

- حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں ہیں پھر اس عورت نے خلع کرالیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔
- یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے، حضرت عکرمہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں، دیکھو آیت کے اول و آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں جو خلع کا ذکر ہے، پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عمر طاؤس عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہو گی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمان نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے، لیکن یہ اثر ضعیف ہے۔
- حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، سعید بن مسیب، حسن، عطا، شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابو حنیفہ اور ان کے ساتھ ثوری، اوزاعی، ابو عثمان بتی کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے، ہاں حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی۔ اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہو گی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعی کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز نہیں۔(1)

طلاق، خلع اور فسخ نکاح کے فرق کا بیان

- طلاق صرف خاوند کے الفاظ اور اس کے اختیار و رضا سے ہوتی ہے، لیکن فسخ نکاح خاوند کے الفاظ کے بغیر بھی ہو جاتا ہے، اور اس میں خاوند کی رضا اور اختیار کی شرط نہیں۔
- امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔' ہر وہ جس سے تفریق اور علیحدگی کا فیصلہ کیا جائے اور خاوند اس کے الفاظ نہ بولے، اور اسے نہ چاہے۔ تو یہ علیحدگی طلاق نہیں کہلائے گی۔(2)

---

[1]- تفسیر ابن کثیر 255/3

[2]-الام 128/5

- طلاق کے کئی ایک اسباب ہیں، اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے بھی ہو سکتی ہے، بلکہ طلاق تو صرف خاوند کا اپنی بیوی کو چھوڑنے کی رغبت سے ہو گی۔
- لیکن فسخ نکاح کے لیے سبب کا ہونا ضروری ہے جو فسخ کو واجب یا مباح کرے فسخ نکاح ثابت ہونے والے اسباب کی۔

-طلاق کا بیان

خلع کا بیان

حدثنا محمد بن معمر حدثنا أبو عامر عبد الملك بن عمرو حدثنا أبو عمرو السدوسي المديني عن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن عمرة عن عائشة أن حبيبة بنت سهل كانت عند ثابت بن قيس بن شماس فضربها فكسر بعضها فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الصبح فاشتكته إليه فدعا النبي صلى الله عليه وسلم ثابتا فقال خذ بعض مالها وفارقها فقال ويصلح ذلك يا رسول الله قال نعم قال فإني أصدقتها حديقتين وهما بيدها فقال النبي صلى الله عليه وسلم خذهما وفارقها ففعل (1)

محمد بن معمر، ابوعامر، عبدالملک بن عمرو، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عمرہ، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حبیبہ بنت سہل ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھیں ثابت نے انکو مارا تو انکا کوئی عضو ٹوٹ گیا پس وہ نماز فجر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کو بلایا اور فرمایا اس سے کچھ مال لے لے اور اسکو چھوڑ دے ثابت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ درست ہو گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں تو ثابت نے کہا میں نے اسکو (مہر میں دو باغ دیئے تھے وہ اسی کے پاس ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں باغ اس سے لے لے اور اسکو چھوڑ دے پس ثابت نے ایسا ہی کیا۔ (2)

مسائل و معاملات:

- مذکورہ حدیث خلع کی مشروعیت پر شاہد ہے۔
- خلع کے معتبر ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (3)
- فقہاء و علماء کی اکثریت اسی کی قائل ہے۔ (4)

عورت خلع کب لے سکتی ہے؟

- ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ تخریج: : د/الطلاق 18 (2227)، (تحفۃ الاشراف: 15792)، ط/الطلاق 11 (31)، د/الطلاق 7 (2317)ق/الطلاق 34(3492 (صحیح)

[2] ۔ سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 462 حدیث مرفوع مکررات 3

[3] نیل الاوطار: 342/4

[4] بدایۃ المجتھد: 66/2، المغنی: 51/7، مغنی المحتاج: 262/3، الدر المختار: 767/2

منجملہ اگر عورت اپنے شوہر کو اس کی خلقت وصورت، یا اس کی سیرت واخلاق یا دین، یا عمر میں بڑا ہونے، یا کمزور ہونے، یا اس کی مثل کسی وجہ سے ناپسند کرتی ہو اور ڈرتی ہو کہ وہ اس کی فرمانبرداری میں اللہ کا حق ادا نہیں کر سکے گی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے اپنے نفس کے بدلے میں معاوضہ (یعنی مہر وغیرہ) بطور فدیہ ادا کر کے خلع اور جدائی حاصل کر لے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

(فان خفتم ان لا يقما حدود الله فلا جناح عليهما----)(1)

پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان پر (خلع میں) کوئی گناہ نہیں۔

- شوہر کا دیا ہوا مال واپس کر دینا ضروری ہے۔ بخاری کی ایک روایت ہے کہ (جب اس نے باغ واپس کر دیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اسے ایک طلاق دے دے۔(2)

شوہر اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ کچھ نہ لے:

- (امام احمدؒ) مرد زیادہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ امام اسحاق، امام شعبی، زہری، امام حسن وغیرھم کا یہی موقف ہے۔
- (جمہور، شافعیؒ، مالکؒ اور ابو حنیفہؒ) اگر نفرت کا اظہار عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے زیادہ لینا جائز ہے۔
- (ابن قدامہؒ) مرد کے لیے اپنے دیئے مال سے زیادہ کا مطالبہ کرنا مستحب نہیں ہے۔(3)
- خلع میں میاں بیوی کی رضامندی ضروری ہے؟ یا پھر حاکم ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دے گا۔
- باغ قبول کر و اور اسے ایک طلاق دے دو۔
- اگر دونوں رضامند ہوں تو حاکم کے بغیر بھی ان شرائط پر خلع ہو جاتا ہے اور اگر رضامند نہ ہوں تو حاکم کروادے گا۔

کیا خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق؟

فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔

- (جمہور، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ) خلع طلاق ہے۔
- (امام احمدؒ) خلع فسخ نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، امام طاوسؒ
- امام اسحاقؒ: امام ابو ثورؒ، امام ابن منذرؒ اور امام شافعیؒ سے ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے۔
- (امام ابن تیمیہؒ) خلع فسخ نکاح ہے۔(4)

خلع کو طلاق کہنے والوں نے صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک طلاق دینے کا حکم دیا۔

- (امام ابن قیمؒ) یقیناً کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ یہ (یعنی خلع) طلاق ہے۔ مزید رقمطراز ہیں کہ ہم بستری کے بعد طلاق دینے سے تین ایسے احکام لاگو ہوتے ہیں جو سب خلع میں نہیں ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرۃ: 229

[2] بخاری: رقم الحدیث: 5274

[3] المغنی: 669/10، نیل الاوطار: 346/4

[4] مجموع الفتاویٰ: 35/3-31

طلاق کی عدت تین حیض ہے اور بلاشبہ نص اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے کہ خلع میں رجوع نہیں ہوتا۔(1)

- اس کی عدت ایک حیض ہے۔(2)

-طلاق کا بیان

جب میاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوں

عن ابن عباس أن رجلا جا مسلما علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم ثم جات امرأته مسلمة بعده فقال یا رسول الله إنها قد کانت أسلمت معی فردها علی (3)

عثمان بن ابی شیبہ، وکیع، اسرائیل، سماک عکرمہ، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص مسلمان ہو کر آیا اس کے بعد اس کی بیوی مسلمان ہو کر آئی (دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف) مرد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرے ساتھ ہی اسلام لائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عورت اس کو دلوادی (یعنی اس کے نکاح میں رہنے دیا) ([4])

-طلاق کا بیان

جب میاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوں

عن ابن عباس قال أسلمت امرأة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فتزوجت فجا زوجها إلی النبی صلی الله علیه وسلم..... وردها إلی زوجها الأول (5)

نصر بن علی، ابواحمد، اسرائیل، سماک، عکرمہ، ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت اسلام لائی اور اس نے ایک مرد مسلمان سے نکاح کر لیا اس کے بعد نبی صلی اللہ کے پاس اس کا شوہر آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلام لا چکا ہوں اور یہ (یعنی میری بیوی) اس بات سے واقف تھی آپ نے عورت کو دوسرے شوہر سے الگ کر کے پہلے شوہر کے حوالے کر دیا۔([6])

مسائل و معاملات:

---

[1] ابن قیم، زاد المعاد: 197/5

[2] ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع: 2229، ترمذی: حدیث نمبر: 946

[3] تخریج: ت/النکاح 43 (1144) د/الطلاق 23 (2238)، ق النکاح 60 (2008)، سنن ترمذی مطبوعہ مکتبہ المعارف میں پہلی سند بروایت یوسف بن عیسیٰ پر صحیح لکھا ہے اور دوسری سند سمعت عبد بن حمید پر ضعیف لکھا ہے۔

[4] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 472 حدیث مرفوع مکررات 4

[5] تخریج: ت/النکاح 43 (1144) د/الطلاق 23 (2238)، ق النکاح 60 (2008)،

[6] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 473 حدیث مرفوع مکررات 4

- **مدینہ سے اسلام کو ترک کر کے کفار کی طرف جانے والی عورتیں**

- حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ چھ مسلم اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں:

- (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن شداد فہری کے نکاح میں تھی۔

- (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ، یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی۔

- (۳) بروع بنت عقبہ، یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی۔

- (۴) عزہ بنت عبد العزیز، یہ حضرت عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھی۔

- (۵) ھند بنت ابی جہل، یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل کے نکاح میں تھی۔

- (۶) ام کلثوم بن جرول، یہ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں تھی۔

- یہ سب عورتیں اسلام سے مرتد ہو گئی تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان شوہروں کو مال غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقم ادا کر دیں۔

- رفیقین کے سابق شوہروں کو ان کے دیئے ہوئے مہر کی رقم دینا آیا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟

- اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا، اب یہ حکم واجب نہیں رہا اور یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا، یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔ امام ابو بکر رازی حنفی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ اایت ہے:

- (البقرہ: ۱۸۸) اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کے لئے ناسخ ہے: "کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔(1)"

- علامہ علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اور امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی ان آیت کی تفسیر اسی طرح کی، جس طرح علامہ بغوی نے مذکور الصدر تفسیر کی ہے۔(2)

- ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے اس کے متعلق امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا اپنے کافر شوہر سے نکاح فی

---

[1]-احکام القرآن للجصاص ج3 ص441، معالم التنزیل ج5 ص75-72، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1320ھ

[2] النکت والعیون ج5 ص523-5820 احکام القرآن ج3 ص441-438 تفسیر کبیر ج۱۰ ص523-521

الفور منقطع ہو جائے گا جیسا کہ الممتحنۃ: ۱۰ میں اس کی واضح تصریح ہے، اس کے بر خلاف صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے نکاح کا انقطع اس کی عدت ختم ہونے پر موقوف ہے، اگر عدت ختم ہونے تک اس کا کافر شوہر اسلام نہ لای اتو اس کا نکاح اس کافر سے منقطع ہو جائے گا اور اگر عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا، کافر شوہر مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح بر قرار رہے گا۔ سطور ذیل میں اہم ان فقہاء کے مذاہب ان کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔

- جو عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آئی اس کے نکاح سابق . . . کے متعلق
- فقہاء احناف کا مذہب:
- علامہ برھان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
- جب زوجین میں سے کوئی ایک دار الحرب چھوڑ کر مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آجائے اور دوسرا فریق دار الحرب میں بہ دستور کافر ہو تو ہمارے نزدیک ان دونوں میں فالفور تفریق ہو جائے گی اگ دار الاسلام میں آنے والا فریق شوہر ہو توس کی بیوی پر بالاتفاق عدت نہیں ہے اور اگر دار الاسلام میں آنے والی فریق عورت ہو تو صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔(1)
- ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں

فقہاء شافعہ کا مذہب:

- علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اگر بیوی بت پرست ہو یا بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر اہل کتاب میں سے ہو یا بت پرست ہو تو ہر صورت میں ان میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے بعد نکاح میں جمع رہنا حرام ہے اور ان میں سے کسی ایک کے اسلام کو دیکھا جائے تو اگر مباشرت سے پہلے ان میں سے کوئی ایک اسلام لایا ہو تو نکاح باطل ہو جائے گا اور مباشرت کے عبد کوئی ایک اسلام لایا ہو تو پھر نکاح عدت پوری ہونے پر موقوف رہے گا، اگر عدت ختم ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شرک کو ترک کر کے اسلام لے آیا ہو تو وہ دونوں نکاح پر بر قرار رہیں گے اور اگر عدت پوری ہونے تک ان میں سے کوئی بھی اسلام نہیں لایا تو نکاح باطل ہو جائے گا، خواہ شوہر پہلے اسلام لایا ہو یا بیوی پہلے اسلام لائی ہو اور خواہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دار الحرب میں اسلام لایا ہو یا دار الاسلام میں اسلام لایا ہو۔(2)
- ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں . . .

فقہاء حنبلیہ کا مذہب:

---

[1]-المحیط البرھانی ج ۴ 194، ادارۃ القرآن، کراچی، 1424ھ

[2]- (الحاوی الکبیر ج 11 ص 384، دار الفکر بیروت

- علامہ موفق الدین عبد اللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں: اگر شوہر اور بیوی معاً اسلام لائے ہوں تو وہ اپنے نکاح میں بر قرار رہیں گے، خواہ وہ مباشرت سے پہلے اسلام لائے ہوں یا مباشرت کے بعد اسلام لائے ہوں، کیونکہ اس پر اجماع ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلے اسلام لایا ہو اور وہ اہل کتاب بیوی کا شوہ ہو، تب بھی ان کا نکاح بر قرار رہے گا، کیونکہ ابتداء ان کا نکاح بھی جائز ہے اور گر عورت پہلے اسلام لائی ہو یا شوہر اور بیوی دونوں بت پرست ہوں اور مباشرت سے پہلے بیوی اسلام لائی ہو تو ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
- لا هن حل لهم ولا هم يحتون لهن(1)
- ''نہ وہ مؤمنات کافر کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لئے حلال ہیں۔''
- اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
- ولا تمسكو ابعصم الكوافر(2)
- ''اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو۔''
- اور ان دونوں میں سے جو بھی پہلے اسلام لے آئے گا تو نکاح منقطع ہو جائے گا، کیونکہ اس سے دونوں کے دین میں اختلاف ہو جائے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک مباشرت کے بعد اسلام لایا ہے تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فی الفوز نکاح منقطع ہو جائے گا (جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے) اور دوسرا قل یہ ہے کہ یہ نکاح عدت گزرنے پر موقوف ہے، اگر عدت پوری ہونے سے پہلے دوسرا فریق مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح بر قرار رہے گا اور اگر عدت پوری رہنے کے بعد تک دوسرا فریق مسلمان نہیں ہوا تو پھر ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اس عورت کو مہر مثل دینا ہو گا، کیونکہ ابن شبرمہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مرد، عورت سے پہلے مسلمان ہو جاتا تھا اور عورت مرد سے پہلے مسلمان ہو جاتی تھی اور جو بھی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو اس کا نکاح بر قرار رہتا تھا اور اگر عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام لاتا تھا تو اس کا نکاح منقطع ہو جاتا تھا۔
- اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ جب شوہر اور بیوی ایک ساتھ اسلام لائے ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کی ہو، جب کہ مردوں کی ایک جماعت اپنی بیویوں سے پہلے اسلام لائی، جیسے ابو سفیان بن حرب اور مردوں کی دوسری جماعت سے پہلے ان کی بیویاں اسلام لے آئی تھیں، جیسے صفوان بن امیہ، عکرمہ اور ابو العاص بن الربیع، اور جو ترفیق ان کے درمیان

---

[1]۔ الممتحنہ: ۱۰

[2]۔ الممتحنہ: ۱۰

واقع ہوئی وہ نکاح کا فسخ ہونا تھا۔(1)

- ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں

فقہاء مالکیہ کا مذہب:

- علامہ سحنون بن سعید التنوخی امام مالک سے رویت کرتے ہیں:

- راوی نے کہا: اگر دوہر اور بیوی دونوں مجوسی ہوں یا دونوں نصرانی ہوں یا دونوں یہودی ہوں ڈعلامہ سحنون نے کہا: امام مالک کے نزدیک ان سب کا حکم ایک ہے، امام مالک نے کہا، اگر خاوند اس عورت کی عدت میں اسلام لے آئے تو وہ اس عورت کا مالک ہے، اور اگر اس کی عدت پوری ہو چکی ہو تو پھر خاوند کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے، خواہ وہ اس کے بعد اسلام لے آئے، میں نے پوچھا: جب ان میں تفریق ہو گئی تو آیا یہ تفریق نکاح کا فسخ ہو گی یا طلاق؟ امام مالک نے کہا: یہ فسخ نکاح ہے، طلاق نہیں ہے۔

- ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عورتیں اپنی سرزمین میں اسلام لے آتی تھیں اور ہجرت نہین کرتی تھیں اور ان کے شوہر اس وقت کافر ہوتے تھے، جیسے ولید بن مغیرہ کی بیٹی، صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں، وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئیں اور صفوان اسلام سے بھاگ کر سمندر میں سوار ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے غم وزاد وہب بن عمیر کو ان کے پیچھے امان کے پیغام کے ساتھ بھیجا اور نشانی کے طور پر اپنی چادر دی اور فرمایا، تم اسلام لے آؤ اور تم کو غور و فکر کے لئے دو مناہ کی مہلت ہے، پھر جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو چار ماہ کی مہلت دے دی اور وہ حالت کفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزہ ہوازن میں رہے اور غزوہ طائف میں رہے اور اس دوران ان کی بیوی مسلمان رہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی، حتیٰ کہ صفوان اسلام لے آئے اور ان کی بیوی اسی نکاح سے ان کے ساتھ رہیں۔ ابن شہاب نے کہا، صفوان اور ان کی بیوی کے اسلام لانے کے درمیان ایک ماہ کا عرصہ تھا۔(2)

- نیز ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، پھر حضرت ام حکیمؓ کے ساتھ یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور عکرمہ مسلمان ہو گئےؓ پھر وہ ہضرت عکرمہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئیں، پھر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھ کر بہت

---

[1]- الکافی ج3ص 51-50دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ

[2]- موطاء امام مالک ج ۲ص 93رقم الحدیث: 1178، دار المعرفۃ، بیروت، 1420ھ

خوش ہوئے، ان کو گلے لگایا اور ان کو بیعت کر لیا۔(1)

- امام مالک نے کہا، ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عکرمہ اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق کی ہو اور وہ اسی نکاح کے ساتھ حضرت عکرمہ کے ساتھ رہیں۔(2)
- عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیّدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھی، وہ اسلام لے آئیں اور ہجرت کر کے مدینہ میں آگئیں اور ان کے خاوند نے اسلام کو ناپسند کیا اور تجارت کے لئے شام چلے گئے، وہاں چند انصاریوں نے ان کو قید کر لیا، پس سیدہ زینب نے کہا، مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے، آپ نے پوچھا: کس کو؟ سیدہ زینب نے کہا، ابو العاص کو، آپ نے فرمایا: جس کو زینب نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی، پھر ابو العاص مسلمان ہو گئی اور ابھی سیّدہ زینب عدت میں تھیں اور وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں۔
- امام مالک نے کہا، ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت کا خاوند عدت کے اندر ہجرت کر کے آگیا ہو پھر بھی اس کا نکاح فسخ کر دیا گیا ہو۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات:

- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ھمام حنفی متوفی 861ھ، ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جواب میں لکھتے ہیں: صوفان بن امیہ اور عکمہ بن ابی جہلم کا جواب یہ ہے کہ وہ مکہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے، اس لئے آپ نے ان کا نکاح ان کی بیویوں سے برقرار رکھا، باوسفیان اور دھن کا بھی یہی جواب ہے۔ اور سیدہ زینب کے شوہر ملک شام چلے گئے تھے٦ اس لئے ان کا نکاح برقرار نہیں رہ اتھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح سیدہ زینب سے دوبارہ پڑھایا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ (3)
- عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو حضرت ابو العاص بن الربیع کی طرف نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹا دیا۔(4)
- خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت دار الکفر سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آکر مسلمان ہو جائے، اس کے متعلق ائمہ ثلاثہ یہ کہتے

---

[1] -المدونۃ الکبریٰ ج2 ص 300-298 ار حیاء التراث العربی، بیروت

[2] -(موطا امام مالک ج ۲ ص 94 رقم الحدیث 1180:، دار المعرفۃ، بیروت

[3] -فتح القدیر ج3 ص 400 بیروت

[4] -سنن ترمذی رقم الحدیث: 1172، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 2010 شرح معانی الآثار ج3 ص 256 المستدرک ج3 ص 639 مسند احمد ج2 ص 207-208 طبقات الکبریٰ ج8 ص 21

ہیں کہ اس کا سابق نکاح اس کی عدت ختم ہونے تک موقوف رہے گا، اگر اس کا مشرک شوہر عدت پوری ہونے تک مسلمان نہیں ہوا تو اس کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اگر وہ عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو اس مہاجرہ مسلمہ کا نکاح اس کے ساتھ برقرار رہے گا اور امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی وہ عورت ہجرت کر کے اسلام لائی اس کا اپنے کافر شوہر سے سابق نکاح فی الفور منقطع ہو جائے گا اور قرآن مجید کے موافق امام حنیفہؒ ہی کا قول ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

- (الممتحنہ:۱۰) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزمالیا کرو، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مؤمنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لئے حلال ہیں۔
- امام اعظم کا مذہب اس آیت کے صراحت کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت میں ان کے نکاح کو عدت پر موقوف کرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔
- **ہجرت والی عورتوں سے متعلق نکاح کے فقہی احکام کا بیان:**
- (الممتحنہ:۱۰) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزمالیا کرو، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مؤمنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مؤمنات کے لئے حلال ہیں۔
- مسئلہ نمبر 1:
- یا ایھا...... جب اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ساتھ دوستی کے ترک کرنے کا حکم دیا اس امر نے یہ تقاضا کیا کہ مسلمان مشرکوں کے علاقے چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقوں کی طرف ہجرت کر جائیں۔ باہم نکاح، باہم دوستی کا موکد ترین سبب تھا، تو عورتوں کی ہجرت کے احکام کو بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: قریش کے مشرکوں کے ساتھ حدیبیہ کے سال صلح ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں سے جو بھی شخص مدینہ طیبہ آئے گا اسے ان کی طرف واپس کر دیا جائے گا ابھی تحریر سے فراغت ہوئی تھی کہ حارث اسلمیہ کی بیٹی حضرت سعیدہ آگئیں۔ ابھی نبی کریم و حدیبیہ میں ہی تھے کہ اس کا خاوند آگیا جبکہ وہ کافر تھا اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام مسافر مخزومی تھا۔ اس نے کہا: اے محمد ﷺ میری بیوی مجھے واپس کر دو کیونکہ آپ نے یہ شرط تسلیم کی ابھی تحریر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔
- ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی محیط آئی تو اس کے خاندان والے واپس لے جانے کے ل ء ے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے خاوند عمرو بن عاص سے بھاگ آئی اس کے ساتھ اس کے دو بھائی عمارہ اور ولید تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کے دونوں بھائیوں کو واپس بھیج دیا اور اسے روک لیا۔ قریش نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: اسے شرط کی وجہ سے واپس کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: ''شرط مردوں کے متعلق تھی عورتوں کے متعلق نہ تھی'' (2)۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

- حضرت عروہ سے مروی ہے: سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ پر یہ شرط لگائی کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہیں آئے گا اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہو تو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مومنات کے بارے میں یہ آیت نازل کی (3)۔ یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کے بارے میں شرط کو اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو عورت آئی تھی وہ امیمہ بنت بشر تھی جو ثابت شمر کے عقد میں تھی (4)۔ وہ ثابت سے بھاگ آئی جبکہ وہ ابھی کافر تھا اور حضرت سہل بن حنیف نے اس سے شادی کر لی تو اس کے بطن سے ان کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا۔ مہدوی نے کہا: ابن وہب نے خالد سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت امیمہ بنت بشر جو بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد سعیدہ ہے جو صیفی بن راہب کی زوجہ تھی جو اہل مکہ میں سے مشرک تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ عورت ام کلثوم بنت عقبہ تھی۔

- مسئلہ نمبر 2:

- اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کیا عورتیں صلح میں لفظاً شامل تھیں یا عموماً شامل تھیں (5)؟ ایک طائفہ کا کہنا ہے: صلح میں واضح اور صراحتہ یہ شرط شامل تھی کہ عورتوں کو واپس کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے معاہدہ سے ان کے لوٹانے کی شرط کو منسوخ کر دیا اور اس سے منع کر دیا اور مردوں کی شرط وک اسی طرح باقی رکھا جس طرح وہ تھی۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ احکام میں اپنی رائے سے اجتہاد فرما سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو خطا پر قائم نہیں رکھتا۔ علماء میں سے ایک طائفہ کا کہنا ہے کہ صراحتہ ان کی واپسی کی کوئی شرط نہ تھی۔ معاہدہ اس پر ہوا تھا کہ جو مسلمان ہو گا اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ عموم کا ظاہر مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عموم سے عورتوں کے نکلنے کو واضح کیا اللہ تعالیٰ نے دو امور کی وجہ سے مردوں اور عورتوں میں فرق بیان کیا ہے۔ (۱) اب ان کی شرمگاہیں کفار پر حرام ہیں۔ (۲) وہ زیادہ رقیق القلب اور مردوں کی نسبت جلدی پھر جانے والی ہیں۔ ان میں سے جو شرک پر قائم رہیں وہ ان پر لوٹا دی جائیں گی۔

- مسئلہ نمبر ۳:

- فامتحوھن ایک قول یہ کیا گیا ہے (6): ان میں سے جو اپنے خاوند کو تنگ کرنا چاہتی وہ کہتی: میں عنقریب حضرت محمد ﷺ کی طرف ہجرت کر جاؤں گی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینے کا حکم دیا۔ جس چیز کے ساتھ ان کا امتحان لیا جائے گا اس کے بارے میں تین قول ہیں۔

- (ا) حضرت ابن عباسؓ نے کہا: امتحان یہ ہے کہ ان سے ٦ اللہ کے نام کی قسم لی جائے گی (1) کہ وہ خاوند سے ناراض ہو کر اور ایک علاقہ کی بجائے دوسرے علاقہ کی محبت، دنیا کے لالچ اور کسی مرد کی محبت کے لئے نہیں نکلی بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے نکلی ہے۔ جب وہ اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھا دیتی تو نبی کریم ﷺ اس کے خاوند کو اس کا مہر عطا فرما دیتے اور اس نے اس پر جو خرچ کیا ہوتا وہ بھی عطا فرما دیتے اور اسے واپس نہ کرتے اللہ تعالیٰ کے فرمان فان علمتموھن... کا یہی مدعا و مقصود ہے۔

- (۲) امتحان یہ ہے کہ وہ یہ گواہی دے......، یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔

- (۳) جس کی وضاحت بعد میں اسی سورت میں کی گئی ہے۔...... حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا (2) رسول اللہ ﷺ اس آیت کے ساتھ ... اسے معمر نے زہری سے وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے، اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

- مسئلہ نمبر ۴:

- اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت اس معاہدہ کے لئے ناسخ ہے جو آپ نے قریش سے کیا تھا کہ جو بھی مسلمان آئے آپ اس کو واپس کر دیں۔ اس کے ساتھ عورتوں کا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ اس کا مذہب ہے جو قرآن کے ساتھ سنت کے نسخ کو جائز سمجھتا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ مردوں اور عورتوں کے بارے میں حکم منسوخ ہے۔ یہ جائز نہیں کہ امام دشمنوں کے ساتھ اس بات پر صلح کرے کہ جو آدمی مسلمان ہو کر آئے وہ اسے واپس کر دے گا کیونکہ کسی مسلمان کو مشرکوں کی سرزمین پر رکھنا جائز نہیں! یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس نقطہ پر صلح جائز ہے۔ کوفیوں نے جو نقطہ نظر اپنایا ہے وہ اسے اسمعیل بن ابی خالد کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ قیس بن ابی حازم سے وہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بنو خشعم کی طرف بھیجا انہوں نے انہیں سجدہ کی حالت میں پکڑ لیا اور قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں نصف دیت دی اور فرمایا: ”میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو دار الحرب میں مشرکوں کے ساتھ مقیم ہو وہ ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھیں“۔

- انہوں نے کہا: یہ روایت اس روایت کے لئے ناسخ ہے جس میں مسلمانوں کو مشرکوں کے حوالے کا ذکر تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے برأت کا اظہار کیا جو ان کے ساتھ دار الحرب میں مقیم ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: اس قسم کا معاہدہ خلیفہ یا ایسا شخص جو امر کرتا ہے وہی کر سکتا ہے کیونکہ وہ تمام اموال کا والی ہوتا ہے خلیفہ کے علاوہ جس نے یہ عقد کیا تو وہ عقد مردود ہو گا۔

- مسئلہ نمبر 5:

- اللہ اعلم...... یہ امتحان تمہارے ئے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے کیونکہ وہ رازوں کو خوب جانتا ہے۔ فان المتموھن مومنت ایمان میں سے جو ظاہر ہے اگر تم انہیں مومن جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم امتحان سے قبل ان کے مومن ہونے کا علم رکھتے ہو۔ فلا ترجعوا...... اللہ تعالیٰ نے کوئی مومنہ کسی کافر کے لئے حلال نہیں کی اور نہ ہی کسی مومن کے لئے کسی مشرکہ سے نکاح کو حلال کیا ہے۔

- یہ واضح ترین دلیل ہے کہ جس امر نے مسلمان عورت کی اپنے خاوند سے جدائی کو ثابت کیا وہ اس کا اسلام لانا ہے، اس کا ہجرت کرنا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا: جس امر نے ان کے درمیان تفریق کو ثابت کیا وہ دونوں داروں کا مختلف ہوتا ہے۔ امام مالک کے مذہب میں اسی کی طرف اشارہ ہے بلکہ وہ اس میں صریح اور عبارۃ النص ہے۔ صحیح قول پہلا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ...... اس امر کو واضح کیا کہ عدم حل کی علت اسلام ہے داروں کا مختلف ہونا نہیں۔ اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے۔

- ابو عمر نے کہا: دار میں کوئی فرق نہیں نہ کتاب اللہ میں ایسی بات ہے نہ سنت میں ہے اور نہ ہی قیاس میں ہے۔ اس میں جس کی رعایت کی گئی ہے وہ دو دین ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف اور اجتماع کے ساتھ حکم مرتب ہو گا، دار کی وجہ سے کوئی حکم نہیں ہو گا۔

- مسئلہ نمبر 6:

- واتوھم ماانفقوا جب مسلمان عورت کو اس بات سے روک دیا جائے کہ اسے اس کے خاوند کے پاس واپس بھیجا جائے تو اس کے خاوند نے اس پر جو مال خرچ کیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ یہ وعدہ کو پورا کرنے کی صورت ہے کیونکہ جب اسلام کی حرمت کی وجہ سے اسے روکا گیا ہے تو اس کے مال کو واپس کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دونوں صورتوں می9ں اس پر خسارہ واقع نہ ہو، بیوی اور مال۔

- مسئلہ نمبر 7:

- کوئی چٹی وغیرہ لازم نہ ہو گی مگر اس صورت میں جب کافر خاوند مطالبہ کرے، جب وہ حاضر ہو اور مطالبہ کرے ہم اسے روک لیں گے اور جٹی بھر دیں گے۔ اگر وہ عورت خاوند کے آنے سے پہلی ہی مر جائے تو ہم مہر چٹی کے طور پر نہ دیں گے کیونکہ روکنا متحقق نہیں ہوا۔ اگر مہر شراب یا خنزیر ہو تو ہم کسی چیز کے ذمہ دار نہیں ہوں گے کیونکہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ (ا) یہ منسوخ ہے۔ امام شافعی نے کہا: جب ایسے افراد کے پاس سے مسلمان عورت آئے جن کے ساتھ صلح ہو جبکہ وہ مسلمان ہو مہاجر ہو دار الحرب سے امام کی طرف دار الاسلام میں یا دار الحرب میں آئے۔ اگر اس کے خاوند کے علاوہ علی نے مطالبہ کیا تو بغیر عوض کے اسے روک لیا جائے گا اگر خاوند اپنے لیے یا کسی غیر کے لئے اپنی وکالت کے ساتھ مطالبہ کرے تو اس میں دو قول ہیں۔

- مسئلہ نمبر 8:

- خاوندوں نے جس قدر خرچ کیا ہو اس مقدار میں اللہ تعالی نے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اس امر کا مخاطب امام ہے اس کے پاس بیت المال میں جو ایسا مال ہے جس کا مصرف متعین نہ ہو اس میں سے وہ خرچ کرے گا۔ مقاتل نے کہا: وہ مہر کافر خاوند کو وکاپس کرے گا جس مہر پر عورت سے مسلمان مرد شادی کرے گا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس سے شادی نہ کرے تو کافر خاوند کے لئے کوئی چیز نہ ہو گی۔ قتادہ نے کہا: مہر واپس کرنے کا حکم ان لوگوں کی عورتوں کے بارے میں ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کے عہد و پیان ہوں۔ جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ نہیں انہیں کوئی مہر و غیرہ نہیں دیا جائے گا۔ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے کہا۔

- مسئلہ نمبر 9:

- ولا جناح ...... یعنی جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی عدت ختم ہو گئی۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشرکہ اور متعدہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اگر ایسی عورت حقوق زوجیت سے قبل ہی مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح اسی وقت

ثابت ہو جائے گا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا بھی جائز ہو گا۔

- مسئلہ نمبر 10:
- ۔...... مہر کی شرط کے ساتھ ان کے ساتھ نکاح کرنے کا مباح قرار دیا کیونکہ اسلام نے اس کے اور اس کی کافر بیوی کے درمیان جدائی کر دی ہے۔
- مسئلہ نمبر 11:
- ولا تمسکو...... عام قراء کی قرأت تخفیف کے ساتھ ہے یہ امساک سے مشتق ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ......(البقرہ: 231) حضرت حسن بصری، ابو العالیہ اور ابو عمرو نے لا تمسکو اپڑھا ہے یہ تمسیک سے مشتق ہو گا یوں کہا جاتا ہے: مسک یمسسک تمسیکا۔ یہ امسک یمسک کے معنی میں ہے۔ اسے علا تمسکو اتاء کے نصب کے بھی ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اصل میں یہ لا تتمسکو ا تھا۔ العصم یہ عصمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ انسان محفوظ رہتا ہے یہاں عصمہ سے مراد نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کی مکہ مکرمہ میں کافرہ بیوی ہو وہ اسے بیوی شمار نہ کرے وہ اس کی بیوی نہیں (1)۔ وار کے مختلف ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہو چکا ہے۔
- امام نخعی سے مروی ہے: مراد وہ مسلمان عورت ہے جو دار الحرب بھاگ گئی اور کافر ہو گئی۔ کفار مسلمان عورتوں سے شادیاں کیا کرتے تھے اور مسلمان مرد مشرک عورتوں سے شادی کیا کرتے تھے پھر اس آیت میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے دو ایسی عورتوں کو طلاق دے دی جو مکہ مکرمہ میں تھیں اور مشرک تھیں ان میں سے ایک قریبہ بنت ابی امیہ تھی جس سے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی جو دونوں مشرک تھے۔ جب حضرت عمرؓ یہ خیال نہ کریں اس کا چھینا ہوا مال تیرے گھر میں ہے۔ حضرت معاویہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ کے عقد میں اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب تھی اسلام نے دونوں میں تفریق کر دی پھر حالت اسلام میں ان سے حضرت خالد بن سعید بن عاص نے شادی کی۔ یہ بھی کفار کی ان عورتوں میں سے تھی جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں نبی کریم ﷺ نے انہیں روک لیا اور حضرت خالد سے ان کی شادی کر دی۔
- نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کی شادی ابو العاص بن ربیع سے کی تھی۔ عبدالرزاق ابن جریج سے وہ ایک آدمی سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زینب نے نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے بعد ہجرت کی ان کا خاوند ابع العباس بن ربیع عبدالعزی مکہ مکرمہ میں مشرک کی حیثیت میں تھا اس کی یہ وضاحت ہے کہ اس نے حضرت زینب کے بعد اسلام قبول کیا۔ شعبی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ شعبی نے کہا: حضرت زینب بنت رسول اللہ ابو العاص بن ربیع کی زوجہ تھیں وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ نبی کریم ﷺ کے ہاں چلی گئیں پھر ان کا خاوند مدینہ طیبہ آیا حضرت زینب نے اسے امان دی تو وہ اسلام لے آیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب کو اس کی طرف لوٹا دیا۔
- ابو داؤد نے عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ پہلے نکاح کی وجہ سے ہی انہیں واپس کر دیا اور کوئی نیا عمل نہ کیا۔ محمد بن عمر نے اپنی حدیث میں کہا: یہ واقعہ چھ سال بعد ہوا۔ حسین بن علی نے کہا: دو سال بعد ہوا

(1)۔ابو عمر نے کہا: اگر یہ صحیح ہے تو یہ دو وجوہ سے خالی نہیں۔آپ کو حیض ہی نہ آیا یہاں تک کہ ان کا خاوند مسلمان ہو گیا یا ان کے بارے میں یہ امر منسوخ ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وبعولتھن ......([1]) سیہ ایسا امر ہے جس بارے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد عدت ہے۔ابن شہاب زہری نے حضرت زینب کے اس قصہ میں کہا: یہ فرائض کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ قتادہ نے کہا: یہ سورۂ برائۃ کے نازل ہونے سے پہلے واقع ہوا جس میں مشرکین کے ساتھ تمام معاہدے ختم کرنے کا حکم ہوا۔

- مسئلہ نمبر 12:
- بعصم الکوافر، کوافر سے یہاں مراد بت پرست ہیں ان کے ساتھ ابتدا سے ہی نکاح کرنا جائز نہیں۔یہ حکم اہل کتاب کے علاوہ کوافر کے لئے ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے۔اہل کتاب کی عورتوں کا حکم اس سے منسوخ ہے۔اگر آیت کے ظاہر کو دیکھا جائے تو کوئی کافر عورت کسی صورت میں حلال نہیں۔پہلے قول کی بناء پر جب کوئی بت پرست یا مجوسی مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی مسلمان نہ ہو تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔یہ قول بعض علماء کا ہے۔ان میں سے کچھ نے کہا: عدت کے ختم ہونے کا انتظار نہ کیا جائے گا جب اس پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام قبول نہ کرے٦ وہ امام مالک بن انس ہیں؛ یہی قول حضرت حسن بصری، طاؤس، مجاہد، عطاء عکرمہ قتادہ اور حکم کا ہے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: ولا تمسکو......زہری نے کہا: وہ اس کے ساتھ عدت کا انتظار کرتا ہے؛ یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو سفیان بن حرف اپنی بیوی ہند بنت عتبہ سے پہلے اسلام لائے انہوں نے مرا الظہران کے مقام پر اسلام قبول کیا پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف لوٹے جبکہ ہند وہاں کافرہ کی حیثیت سے رہ رہی تھی اور اپنے کفر پر قائم تھی۔اس نے حضرت ابو سفیان کی داڑھی کو پکڑ لیا اور کہا: اس گمراہ شیخ کو قتل کر دو پھر اس کے چند روز بعد وہ مسلمان ہو گئی۔دونوں اپنے نکاح پر قائم رہے کیونکہ ان کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی۔انہوں نیکہا: اس کی مثل حضرت حکیم بن حزام کا واقعہ ہے۔انہوں نے اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا۔پھر ان کے بعد ان کی بیوی مسلمان ہوئی۔دونوں اپنے نکاح پر باقی رہے۔امام شافعی نے کہا: جس نے ولا تمسکوا بعصم الکوافر سے استدلال کیا ہے اس کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ مسلمان عورتیں کافروں پر حرام ہیں جس طرح مسلمان مرد کافر، بت پرست اور مجوسی عورتوں کے لئے حلال نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لاھن.....پھر سنت نے اس کی وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتے مگر اس صورت میں کہ دوسرا فرد عدت میں اسلام قبول کر لے۔جہاں تک کوفیوں کا تعلق ہے کوفیوں سے مراد حضرت سفیان ثوری، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کیا صحاب ہیں انہیں نے ذمی کافروں کے بارے میں کہا: جب عورت مسلمان ہو جائے تو خاوند پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ان علماء نے کہا: اگر دونوں حربی ہوں تو یہ اس کی بیوی رہے گی یہاں تک کہ اس کے تین حیض گزر جائیں۔جب وہ دونوں دار الحرب میں ہوں یا دار الاسلام میں ہوں۔اگر ان میں سے ایک دار الاسلام میں ہو اور دوسرا دار الحرب میں ہو تو دونوں میں عصمت ختم ہو جائے گی۔ان علماء نے دار کا اعتبار کیا ہے

[1] -(البقرہ228:)

جبکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

- مسئلہ نمبر 13:

- یہ اختلاف مدخول بارے میں ہے۔ اگر وہ غیر مدخول بھا ہو تو دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جانے میں کسی کو اختلاف نہیں، کیونکہ اس پر کوئی عدت نہیں۔ امام مالک اس عورت کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں جو خود مرتد ہو جائے اور اس کا خاوند مسلمان ہو: دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل ولا تمسکوا بعصم الکوافر ہے یہی قول حضرت حسن بصری اور حضرت حسن بن صالح بن حی کا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ عدت کے مکمل ہونے کا انتظار کرے۔

مسئلہ نمبر 14:

- اگر دونوں میاں بیوی نصرانی ہوں اور بیوی مسلمان ہو جائے اس میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا کہنا یہ ہے کہ وہ عورت کی عدت میں مسلمان ہو جائے تو خاوند اس کا زیادہ حقدار ہو گا جس طرح حضرت صوان بن امیہ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیویوں کے زیادہ مستحق رہے جب وہ دونوں اپنی بیویوں کی عدت میں مسلمان ہوئے تھے۔ روایت ابن شہاب سے مروی ہے، اسے امام مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے٦۔ ابن شہاب نے کہا: حضرت صوان اور ان کی بیوی کے ٦ اسلام لانے میں ایک ماہ کا عرصہ حائل ہے۔ ابن شہاب نے کہا: ہمیں یہی خبر پہنچی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرے اور اس کا خاوند کافر ہو اور دار الحرب میں مقیم ہو مگر ہجرت اسے کے اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کردے گی ہاں یہ صورت مختلف ہے کہ اس کا خاوند عدت ختم ہونے سے پہلے آجائے (1)۔ علماء میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں: دونوں کے درمیان نکاح منسوخ ہو جائے گا۔ یزید بن علقمہ نے کہا: میرا دادا مسلمان ہو گیا اور میری دادی مسلمان نہ ہوئی حضرت عمرؓ نے دونوں میں تفریق کردی؛ یہ طاؤس کا قول ہے۔ دوسری جماعت میں جن میں عطاء حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: دعوت نکاح کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

- مسئلہ نمبر 15:

- وسئلوا مفسرین نے کہا: مسلمان عورتوں میں سے جو عورتیں مرتد ہو کر ان کفار کے پاس چلی گئیں جن کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے تھے تو کفار کو کہا جائے گا: ان عورتوں کے مہر دے دو (2)۔ جب کفار کی عورتوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آجائے تو مسلمانوں کو کہا جائے گا: کفار کو ان عورتوں کے مہر واپس کردو۔ یہ دونوں حالتوں میں عدل کی صورت ہے۔ اجماع امت یہی ہے کہ یہ حکم اس زمانہ میں ایک خاص واقعہ کے ساتھ خاص ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ (1)

- **کافر کی مسلمان پر عدم ولایت میں اجماع:**

---

[1]۔ تفسیر قرطبیؒ، سورہ ممتحنہ، بیروت

- علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ : اہل علم کے اجماع کے مطابق کافر مسلمان عورت کا کسی بھی حالت میں ولی نہیں بن سکتا۔ اور ابن منذرؒ سے بھی یہی کچھ منقول ہے۔(1)
- ا۔ اسلام ب۔ عقل، یعنی ولی عاقل ہونا چاہئے
- ج بلوغت، ولی بالغ ہونا چاہیے د۔ مذکر یعنی ولی مرد ہونا ضروری ہے
- علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ولی ہونے کی شروط میں اسلام، بلوغت، اور مذکر ہونا شرط ہے (2)
- ابن قدامہؒ کا یہ بھی کہنا ہے: سب علماء کرام کے ہاں صرف مرد ہی ولی بن سکتا ہے اور اس میں مرد ہونے کی شرط ہے۔ (3)
- مندرجہ ذیل شروط میں اختلاف ہے۔ ا۔ حریت، یعنی ولی صرف آزاد مرد ہی بن سکتا ہے۔ اکثر اہل علم کے ہاں حریت کی شرط ہے لیکن احناف اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ حریت کی شرط میں علت یہ ہے کہ: غلام کو تو اپنے آپ پر ولایت نہیں تو بالا ولی کسی دوسرے پر ولی نہیں بن سکتا۔(4)
- امام شافعی اور امام احمدؒ نے ولی کے عادل ہونے کی شرط لگائی ہے۔ یہاں پر عدالہ سے ظاہری عدل مراد ہے، یہ شرط نہیں کہ ولی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عادل ہو، اگر ایسی شرط لگائی جائے تو اس میں بہت حرج اور مشقت ہو گی، اور پھر یہ نکاح کے باطل ہونے کا باعث بن جائے گا۔(5)
- یہاں پر ایک تنبیہ کرنا ضروری ہے: ہو سکتا ہے کہ سائل عورت میں رغبت رکھتا ہو اور کسی مسئلہ میں اس کے ولی سے بحث کرے اور اس میں ان دونوں کا اختلاف ہو جائے جس کی بنا پر خاوند ولی کو الزام دے کہ وہ کتاب و سنت پر ایمان نہیں رکھتا! یہ ایک بہت ہی خطرناک مسئلہ گناہ ہے کیونکہ اس میں کسی مسلمان پر ایسی تہمت لگائی جا رہی ہے جس سے وہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو تا ہے۔
- -طلاق کا بیان

جب ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اولاد کس کے پاس رہے گی

---

[1]-(المغنی356-7)

[2]-بدایۃ المجتھد 2/12

[3]-المغنی لابن قدامہ 356-7

[4]-المغنی ابن قدامہ 356-7

[5]-کشاف القناع 30-3

أخبرنی أبی عن جدی رافع بن سنان أنه أسلم وأبت امرأته أن تسلم فأتت النبی صلی الله علیه وسلم فقالت ابنتی وهی فطیم........ أیبها فأخذها (1)

ابراہیم بن موسی، عیسی، عبدالحمید بن جعفر، حضرت رافع بن سنان سے روایت ہے کہ وہ مسلمان ہوئے لیکن ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا پس وہ (رافع کی بیوی) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی میری بیٹی مجھے دلا دیجئے اس کا دودھ چھوٹ چکا ہے یا چھوٹنے کے قریب تھا ابو رافع نے کہا میری بیٹی مجھے دلا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو رافع سے فرمایا تو ایک کونہ میں بیٹھ جا اور اس کی بیوی سے کہا تو دوسرے کونہ میں بیٹھ جا اور بچی کو ان دونوں کے بیچ بٹا دیا اور فرمایا تم دونوں اس کو بلاؤ پس وہ بچی اپنی ماں کی طرف بڑھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اس کو ہدایت دے اس کے بعد وہ اپنے باپ کی طرف بڑھی پس ابو رافع نے اسے لے لیا۔(2)

مسائل و معاملات:

- ### بچی کا باپ کی طرف متوجہ ہونے کا بیان:

- علامہ علاؤالدین حنفیؒ لکھتے ہیں کہ زمانہ پرورش میں باپ یہ چاہتا ہے کہ عورت سے بچہ لے کر کہیں دوسری جگہ چلا جائے تو اس کو یہ اختیار حاصل نہیں اور اگر عورت چاہتی ہے کہ بچہ کو لے کر دوسرے شہر کو چلی جائے اور دونوں شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ باپ اگر بچہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ کر رات آنے سے پہلے واپس آسکتا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہے تو خود بھی نہیں جاسکتی۔ یہی حکم ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں یا گاؤں سے شہر میں جانے کا ہے کہ قریب ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں اور شہر سے گاؤں میں بغیر اجازت نہیں لے جاسکتی ہاں اگر جہاں جانا چاہتی ہے وہاں اس کا میکا ہے اور ہیں اس کا نکاح ہوا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اگر اس کا میکا ہے مگر وہاں نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح کہیں اور ہوا ہے تو نہ میکے لے جاسکتی ہے اور نہ وہاں جہاں اس کا نکاح ہوا۔ ماں کے علاوہ کوئی اور پرورش کرنے والی لے جانا چاہتی ہو تو باپ کی اجازت سے لے جاسکتی ہے۔ مسلمان یا ذمی عورت بچہ کو دار الحرب میں مطلقاً نہیں لے جاسکتی اگرچہ وہیں نکاح ہوا ہو۔ (3)

- ### حق حضانت سے متعلق فقہی احکام کا بیان:

- علامہ علاؤالدین حنفیؒ لکھتے ہیں کہ بچہ کی پرورش کا حق ماں کے لئے ہے خواہ وہ نکاح میں ہو یا نکاح سے باہر ہوگئی ہو۔ ہاں اگر وہ مرتد ہوگئی تو پرورش نہیں کرسکتی یا کسی فسق میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے بچہ کی تربیت میں فرق آئے مثلاً زانیہ یا چور یا نوحہ کرنے والی ہے تو اس کی پرورش میں نہ دیا جائے بلکہ بعض فقہانے فرمایا کہ اگر وہ نماز کی پابند نہیں تو اس کی پرورش میں بھی نہ

1۔ تخریج تفرد ابو داود

2 - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 478 حدیث مرفوع مکررات 1

3 در مختار رد المختار عالمگیری، کتاب طلاق، بیروت ص 60

دیا جائے مگر اصح یہ ہے کہ اس کی پرورش میں اس وقت تک رہے گا کہ نا سمجھ ہو۔ جب کچھ سمجھنے لگے تو علیحدہ کر لیں کہ بچہ ماں کو دیکھ کر ہی عادت اختیار کرے گا جو اس کی ہے۔ یعنی ماں کی پرورش میں اس وقت بھی نہ دیا جائے جبکہ بکثرت بچہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر چلی جاتی ہو اگرچہ اس کا جانا کسی گناہ کے لئے نہ ہو مثلاً وہ عورت مردے نہلاتی ہے یا جنائی ہے یا اور کوئی ایسا کام کرتی ہے جس کی وجہ سے اسے اکثر گھر سے باہر جانا پڑتا ہے یا وہ عورت کنیز یا ام ولد یا مدبرہ ہو یا مکاتبہ ہو جس سے قبل عقد کتابت بچہ پیدا ہوا جب کہ وہ بچہ آزاد ہو اور اگر آزاد نہ ہو تو حق پرورش مولیٰ کے لئے ہے کہ اس کی ملک ہے مگر اپنی ماں سے جدا نہ کیا جائے۔(1)

- اگر بچہ کی ماں نے بچہ کے غیر محرم سے نکاح کر لیا تو اسے پرورش کا حق نہ رہا اور اس کے محرم سے نکاح کیا تو حق پرورش باطل نہ ہوا۔ غیر محرم سے مراد وہ شخص ہے کہ نسب کی جہت سے بچہ کے لئے محرم نہ ہو اگرچہ رضاع کی جہت سے محرم ہو جیسے اس کی ماں نے اس کے رضاعی چچا سے شادی کر لی تو اب ماں کی پرورش میں نہ رہے گا کہ اگرچہ رضاع کے لحاظ سے بچے کا چچا ہے مگر نسباً اجنبی ہے اور نسبی چچا سے نکاح کیا تو باطل نہیں۔

- ماں نے اگر پرورش سے انکار کر دیا پھر یہ چاہتی ہے کہ پرورش کرے تو رجوع کر سکتی ہے۔ ماں اگر نہ ہو یا پرورش کی اہل نہ ہو یا انکار کر دیا یا اجنبی سے نکاح کیا تو اب حق پرورش نانی کے لئے ہے یہ بھی نہ ہو تو نانی کی ماں اس کے بعد دادی پر دادی بشرائط مذکورہ بالا پھر حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر سوتیلی بہن پھر حقیقی بہن کی بیٹی پھر اخیافی بہن کی بیٹی پھر خالہ یعنی ماں کی حقیقی بہن پھر اخیافی پھر سوتیلی پھر سوتیلی بہن کی بیٹی پھر حقیقی بھتیجی پھر اخیافی بھائی کی بیٹی پھر سوتیلے بھائی کی بیٹی پھر اسی ترتیب سے پھوپیاں پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ پھر ماں کی پھوپھیاں پھر باپ کی پھوپھیاں اور ان سب میں وہی ترتیب ملحوظ ہے کہ پہلے حقیقی پھر اخیافی پھر سوتیلی۔ اور اگر کوئی عورت پرورش کرنے والی نہ ہو یا ہو مگر اس کا حق ساقط ہو تو عصبات بہ ترتیب وارث یعنی باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا پھر بھتیجے پھر چچا پھر اس کے بیٹے مگر لڑکی کو چچازاد بھائی کی پرورش میں نہ دیں خصوصاً جب کہ مشتہاۃ ہو اور اگر عصبات بھی نہ ہوں تو ذوی الارحام کی پرورش میں دیں مثلاً اخیافی بھائی پھر اس کا بیٹا پھر ماں کا چچا پھر حقیقی ماموں۔ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیوں کو لڑکے کی پرورش کا حق نہیں۔(2)

-طلاق کا بیان

لعان کا طریقہ

عن عبد الله بن مسعود قال إنا لليلة جمعة في المسجد....فجات به أسود جعدا ([3])

---

[1]- فتاویٰ عالمگیری در مختار رد المختار ص 60

[2]- در مختار ردّ المختار ص

[3]-

عثمان بن ابی شیبہ، جریر، اعمش، ابراہیم، علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں ایک دن جمعہ کی رات مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک انصاری شخص آیا اور کہنے لگا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے اور پھر وہ اس پر زنا کا الزام لگائے تو تم اس کو حد قذف میں کوڑے لگاؤ گے اور قتل کرنے پر اس کو قتل کر ڈالو گے اور اگر خاموشی اختیار کرے تو خون کے گھوٹ پئے خدا کی قسم میں یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور دریافت کروں گا جب اگلا دن ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا اور یہی کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے اور اس پر زنا کا الزام لگائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کوڑے لگائیں گے یا قتل کر دے تو اس کو قصاصا قتل کر دیں گے اور اگر خاموشی اختیار کرے تو خون کے سے گھونٹ پئے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے بارے میں کوئی حکم جاری فرما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کر ہی رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس ثبوت پیش کرنے کے لیے کوئی گواہ موجود نہ ہو سوائے اپنی ذات کے تو۔ پس وہ شخص جو اس مصیبت میں مبتلا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس کی بیوی بھی آئی پھر دونوں نے لعان کیا یعنی پہلے مرد نے چار مرتبہ اللہ کا نام لے کر گواہی دی کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے پھر پانچویں مرتبہ لعنت کرتے ہوئے کہا کہ اس پر خدا کی لعنت ہو جو جھوٹ بولے اس کے بعد عورت نے لعان کرنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جھڑک دیا لیکن وہ نہیں مانی اور اس نے بھی اسی طرح لعان کیا جب وہ دونوں وہاں سے چلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شاید اس عورت کے گھونگریالے بالوں والا بچہ سیاہ رنگ کا پیدا ہو گا پھر جب اس کے بچہ پیدا ہوا تو وہ گھونگریالے بالوں والا اور سیاہ رنگ کا تھا یعنی عورت پر زنا کا الزام درست نکلا۔ ([1])

-طلاق کا بیان

لعان کا طریقہ

عن ابن عباس قال جا هلال بن أمية وهو أحد الثلاثة الذين تاب الله عليهم وما يدعى لأب (2)

حسن بن علی یزید بن ہارون، عباد، بن منصور، عکرمہ، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ ان تین آدمیوں میں سے ایک ہے جن کا اللہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر (جہاد میں عدم شرکت کا) قصور معاف فرما دیا تھا پس ہلال بن امیہ رات کو اپنی زمین (کھیت) سے گھر آئے تو اپنی بیوی کے پاس ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے) پایا۔ پس اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ ہلال نے نہ اس کو ڈانٹا اور نہ دھمکایا۔ جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شام کو اپنے گھر گیا تو اپنی بیوی کے پاس ایک شخص کو پایا۔ پس میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور (ان کی آوازوں کو) اپنے کانوں سے سنا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔ ہلال پر یہ امر سخت گزرا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگاتے ہیں مگر ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہیں ہوتا تو ان میں سے ہر

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 487 حدیث مرفوع مکررات 7

[2]۔ تخریج: خ/الشھادات 37 (2513) ،و التفاسیر 39 (1819 جلد دوم) و الطلاق 31(284 جلد سوم)، د/الطلاق 18(2258)، ت/الطلاق 22(1102)

ایک پر چار گواہیاں ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی شدت جاتی رہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ہلال خوش ہو جا اللہ نے تیرے واسطے وسعت پیدا کی اور راستہ نکالا۔ ہلال نے کہا مجھے بھی اپنے رب سے ہی امید تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس عورت کو بلا بھیجو وہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے سامنے یہی آیت پڑھی اور نصیحت کی اور خبر دار کیا کہ آخرت کی تکلیف دنیا کی تکلیف سے شدید تر ہے۔ ہلال نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے سچ کہا اس کا حال۔ عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے اصحاب سے) فرمایا کہ ان دونوں کو لعان کر آؤ۔ پہلے ہلال سے کہا گیا کہ گواہیاں دیں کہ میں سچ کہتا ہوں۔ جب پانچویں گواہی کا نمبر آیا تو ہلال سے کہا گیا کہ اے ہلال اللہ سے ڈر کہ دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے ہلکی ہے اور یہی آخری گواہی ہے جو۔ جھوٹا ہونے پر تیرے اوپر عذاب کو واجب کر دے گی ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس عورت پر الزام کی بنا پر مجھے عذاب نہیں دے گا جس طرح اس نے میری پیٹھ کو کوڑے لگنے سے بچایا ہے۔ سو اس نے پانچویں گواہی بھی دیں دی کہ مجھ پر اللہ کی لعنت اگر میں جھوٹ بولوں۔ اس کے بعد عورت سے کہا گیا کہ تو بھی گواہیاں دے۔ اس نے بھی اللہ کا نام لے کر چار گواہیاں دیں کہ وہ (یعنی اس کا شوہر) جھوٹا ہے جب پانچویں گواہی کا نمبر آیا تو اس سے بھی کہا گیا کہ اللہ سے ڈر کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کم ہے اور یہی پانچویں گواہی تجھ پر جھوٹا ہونے کی صورت میں اللہ کا عذاب واجب کر دے گی یہ سن کر وہ عورت ایک لمحے کے لیے ہچکچائی۔ پھر بولی خدا کی قسم میں اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی۔ اور یہ کہہ کر اس نے پانچویں گواہی بھی دیں دی کہ اگر اس کا شوہر الزام میں سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کے بچہ کو باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس عورت کو زنا کے الزام سے متہم کیا جائے گا اور نہ اس کے بچہ کو ولد الزنا کہا جائے گا اور جو شخص اس عورت پر زنا کی اور اس کے بچہ پر ولد الزنا ہونے کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف جاری کی جائے گی اور یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ مرد کے ذمہ عورت کے لیے ٹھکانا فراہم کرنا اور نان و نفقہ دینا لازم نہیں ہے کیونکہ کہ یہ دونوں بغیر طلاق کے جدا ہوئے ہیں اور نہ اس کے شوہر کی وفات ہوئی نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اگر اسکے بچہ بھورے بالوں والا پتلے سرین والا چوڑے پیٹ والا اور دبلی پنڈلیوں والا ہو تو یہ بچہ ہلال کا ہے اور اگر گندمی رنگ بال فربہ موٹی پنڈلیوں اور بڑی سرین والا پیدا ہو تو اس شخص کا ہے جس کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی گئی ہے پس جب اسکے بچہ پیدا ہوا تو وہ گندم گوں گھنگریالے بال فربہ موٹی پنڈلیوں والا اور بھاری سرین والا پیدا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر پہلے گواہیاں نہ ہو چکی ہوتیں تو میں اس عورت کو سزا دیتا عکرمہ کہتے ہیں کہ بعد میں (وہ بچہ بڑا ہو کر) مصر کا حاکم بنا لیکن اسکو باپ کی طرف منسوب کر کے نہ پکارا جاتا تھا۔[1]

مسائل و معاملات:

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے۔ علامہ سید مرتضےٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنی ہے دھتکارنا اور خیر سے دور کرنا، اور جب مخلوق کی طرف سے ہو تو یہ بد دعا کا کلمہ ہے، اور لکھتے ہیں کہ لعان کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے اور مرد سے ابتداء کرے۔ مرد چار بار یہ کہے کہ

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 490 حدیث مرفوع مکررات 9

میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت پر صادق ہوں، جب چار بار یہ قسم کھالے تو پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہو، تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر تہمت لگائی ہے یہ اس تہمت میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہو جائے گی اور کبھی اس شخص کے لیے حلال نہیں ہو گی۔ اگر حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔(1)

مسائل: لعان کے حوالے سے سورۃ النور کی آیت 6 تا 9 ہے۔

- والذین یرمون ازواجھم.....من الصادقین(2) " جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ بجز ان کی ذات کے نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کے کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو"۔
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ کیونکہ اس سے کسی مسلمان مرد یا عورت کی پردہ دری ہوتی ہے یا کسی بے حیائی کے کام کی اشاعت ہے۔ اور یہ کسی مسلمان مرد یا عورت کی برائی کا ذکر ہے البتہ جن مسائل میں مسلمان مبتلا ہوں اور وہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے سوال کریں تو اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا کراہت جواب دیتے تھے۔
- مسجد میں لعان کرنا جائز ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے پہلے ہی اُس شخص نے عورت کو طلاق دے دی۔ (دوسری حدیث میں کہ تین طلاقیں دے دیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ لعان از خود طلاق نہیں بلکہ الگ سے طلاق دینا ضروری ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔
- لعان کے بعد مرد اور عورت میں تفریق ڈال دی جائے گی اور وہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔(3)
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہر لعان کرنے والے کے درمیان تفریق کی یہی صورت ہے۔
- لعان کے بعد اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ ماں کو دیا جائے گا اور وہ اپنی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔
- میراث میں وہ عورت اس بچے کی اور بچہ اپنی ماں کا وارث ہو گا۔
- جب بچہ پیدا ہوا تو وہ باپ کی طرح نہیں تھا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ عورت جھوٹی تھی۔

زانی کو از خود قتل کرنے کا حکم:

---

[1] زبیدی، تاج العروس شرح القاموس: 334/9

[2] النور 6 تا 9

[3] بیہقی: 410/7

- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو پائے اور یہ متحقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کریں۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو۔ یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہو گا۔ بعض شوافع کا یہ قول ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کر دے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (1)
- امام ابو حنیفہؒ کا قول جمہور کے موافق ہے۔ اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمدؒ کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (2)

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء:

- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں: کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے، لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔ امام مالکؒ اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا یہ قول ہے نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔ (3)

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء:

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد بچہ ماں کے ساتھ لاحق کر دیا۔ (4)
- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں: کہ جمہور فقہاء و تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منتفی ہو گا۔ امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ عامر شعبی، محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو۔ ایک اور مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منتفی ہو گا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ نے دن مقرر نہیں کیے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہو گا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہو گا۔ (5)

---

1. شرح مسلم للنوی: 488/1
2. فتح الباری لابن حجر: 449/9
3. عمدۃ القاری: 295/20
4. مسلم: حدیث نمبر: 3642
5. عمدۃ القاری: 302/20

- آجکل تو DNA ٹیسٹ سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ تخم کس کا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت کے طور پر جو کہا کہ اگر ایسا ہوا تو باپ کی طرح ہو گا یعنی باپ کے سلب سے ہو گا تو اس طرح ہو گا اور اگر زانی کی طرح ہوا تو عورت جھوٹی ہو گی۔ یہ مشابہت کا اثر تھا کہ بچہ زانی کی طرح ہوا۔ اس طرح عورت جھوٹی ثابت ہو گئی۔

-طلاق کا بیان

جب بچہ کے بارے میں شک پیدا ہو جائے تو کیا حکم ہے

عن أبي هريرة قال جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم من بني ....أن يكون نزعه عرق (1)

ابن ابی خلف، سفیان، زہری، سعید، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی کے کالا بچہ پیدا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ان اونٹوں کا رنگ کیسا ہے؟ اس نے کہا۔ سرخ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا ان اونٹوں میں کوئی بھورے رنگ کا بھی ہے؟ وہ بولا شاید یہ رنگ کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ (2)

مسائل و معاملات:

- اس حدیث میں ایک شخص کا اپنے نومولود بچے کے کالے رنگ کی وجہ سے اس کے بارے میں شک ہوا کہ شاید یہ اس کا لڑکا نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کو بیوی پر تہمت گردانا۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خوبصورت انداز کہ اُس کو اُسی ماحول کی خوبصورت مثال سے سمجھا دیا کہ اونٹوں میں اگر ایسا ہو جاتا ہے تو انسانوں میں ایسا کیوں نہیں۔
- بچوں کا رنگ مختلف ہونے کی وجہ سے بیوی پر تہمت زنا لگانا جائز نہیں۔ (جب تک کہ زنا کا ثبوت نہ ہو)

- **بچے کی نفی کی صورت میں لعان کا طریقہ**

- اگر زنا کا یہ الزام، بچے کے نسب کی نفی کی صورت میں ہو، تو قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کر دے گا، اور اسے اس کی ماں کے ساتھ شامل کر دے گا۔ لعان کی صورت یہ ہو گی: حاکم مرد سے یہ کہے گا: وہ یہ کہے: میں اللہ تعالیٰ کے نام (کی قسم اٹھا کر) اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں سچا ہوں جو میں نے بیوی پر یہ الزام لگایا ہے جس میں بچے کے نسب کی نفی کی ہے۔ اسی طرح عورت کی طرف سے بھی یہی بات کی جائے گی۔ اگر مرد عورت پر زنا کا الزام لگائے اور بچے کی نفی بھی کر دے، تو وہ لعان میں ان دونوں کا ذکر کرے گا، اور قاضی بچے کے نسب کی نفی کر کے اسے ماں کے ساتھ شامل کر دے گا اس کی دلیل یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات منقول ہے: آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کی، ہلال سے نسبت کی نفی کر دی تھی اور اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا تھا۔ نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی

1۔ تخریج: خ/الطلاق/26(5305)، والحدود41(6847)، والاعتصام12(7314)، م/اللعان1(1500)، د/الطلاق28(2660)، ن/الطلاق36 (3509)، ق/النکاح58(2200) حم(2/ 234،،239،409)(صحیح)

2 – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 494 حدیث مرفوع مکررات 16

ہے: لعان کا اصل مقصد یہ ہے: بچے کے نسب کی نفی کی جائے تا کہ شوہر کا مقصد پورا ہو سکے تو نسب کی نفی کے لیے قاضی کا اتنا کہنا کافی ہو گا میں نے دونوں کے درمیان لعان کی تفریق کر دی۔ امام ابو یوسف سے یہ روایت منسوب ہے: قاضی علیحدہ طور پر ذکر کرے گا اور یہ کہے گا: میں اسے ماں کے ساتھ ملا رہا ہوں، میں اسے باپ کے نسب سے نکال رہا ہوں، اس کی دلیل یہ ہے: اس کو، باپ کے نسب سے علیحدہ کرنا ضروری ہے تو اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہو گا۔ اگر شوہر رجوع کرے اور اپنی بات کی تکذیب کر دے تو قاضی اس پر حد جاری کرے گا، کیونکہ اس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جس کے نتیجے میں حد واجب ہو جاتی ہے۔ مرد کے لیے یہ بات جائز ہو گی کہ وہ اسی عورت کے ساتھ شادی کر لے، یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔

- اس کی دلیل یہ ہے: جب اس پر حد جاری ہو گئی تو وہ لعان کا اہل نہیں رہا، لہٰذا لعان کا حکم اُٹھ جائے گا اور وہ حکم دائمی حرمت کا ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی دوسری عورت پر زنا کا الزام لگاتا ہے تو اس کے نتیجے میں حد جاری ہوتی ہے (تو یہی حکم ہے) اس کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ عورت زنا کرتی ہے تو اس پر حد جاری ہوتی ہے۔ (تو یہی حکم ہوتا) اس کی دلیل یہ ہے: عورت کی طرف سے لعان کی اہلیت ختم ہو گئی۔[1]

- **بچے کے انکار کی صورت میں لعان کا فقہی بیان**

- علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو اور ان دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہو گا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔
- جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مر گیا اور اُس نے اولاد چھوڑی اب لعان کرنے والے نے اُس کو اپنا پوتا پوتی قرار دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی اجنبی نے عورت پر تہمت لگائی اور اُس بچہ کو حرامی کہا اس پر حد قذف قائم ہوئی تو اب اُس کا نسب ثابت ہے اور کبھی منتفی نہ ہو گا۔ عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا یہ میرا نہیں، یا یہ زنا سے ہے اور کسی دلیل سے لعان ساقط ہو گیا تو نسب منتفی نہ ہو گا حد واجب ہو یا نہیں۔ یونہی اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منتفی نہ ہو گا۔ (2)
- شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جس نے نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھا بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اُس سے انکار کیا تو لعان ہو سکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذمہ ہو گا اور مہر پورا دینا ہو گا۔ (3)

-طلاق کا بیان

جب ایک بچہ کے کئی مدعی ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے

---

[1] -(ہدایہ، کتاب طلاق، ص 24

[2]- علامہ علاؤالدین حنفی، درمختار، ج5، ص170، بیروت

[3]-نظام الدین، فتاویٰ عالم گیری، باب لعان ص:240

عن زيد بن أرقم قال كنت جالسا عند النبي صلى الله عليه وسلم فجا رجل من ....حتى بدت أضراسه أو نواجذه

مسدد، یحییٰ، اجلح، شعبی، عبداللہ بن خلیل، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں یمن سے ایک شخص آیا اور بولا کہ تین آدمی ایک بچہ کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے۔ اور ان تینوں نے ایک عورت سے ایک ہی طہر میں جماع کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے دو کو الگ کر کے کہا کہ تم دونوں اس بچہ کو تیسرے شخص کو دیدو لیکن انھوں نے یہ بات نہیں مانی اور چیخنے چلانے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے دوسرے دو کو الگ کر کے یہی بات کہی لیکن انھوں نے بھی ماننے سے انکار کر دیا اور ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ حضرت علی نے فرمایا تم سب جھگڑنے والے شریک ہو میں قرعہ ڈالوں گا جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ بچہ لے لے اور اپنے دو بقیہ ساتھیوں کو دیت کا ایک ایک تہائی ادا کر دے پس انھوں نے قرعہ ڈالا اور جس کے نام پر قرعہ نکلا تھا انھوں نے بچہ اسی کے حوالے کر دیا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔([1])

مسائل و معاملات:

علامہ ابن قیم الجوزیہ سنن ابو داؤد پر اپنی تعلیقات میں اس حدیث پر لکھتے ہیں:

- "حافظ ابن حزم نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس بچے کے بارے میں فیصلہ نہ ہو تو اس کو قرعہ کے ذریعے کسی ایک سے الحاق کر دیا جائے۔ یہ اسحٰق بن راہویہ اور امام شافعی کا پہلا قول ہے۔ جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد کے نزدیک اس کے بجائے حدیث القیافۃ کی بنا پر قیافہ شناس سے کام لینا زیادہ بہتر ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ سے اس بارے میں قرعہ یا قیافہ دونوں کے بارے میں کچھ بھی منقول نہیں ہے"۔
- اس مسئلہ کو قیافہ کی بجائے قرعہ اندازی سے حل کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قیافہ شناس وہاں موجود نہ ہوں یا قیافہ شناس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو، جیسا کہ نسائی پر حاشیہ سندی میں اس کا رجحان ظاہر کیا گیا ہے۔
- جہاں تک قرعہ کے ذریعے والد قرار دیے گئے شخص پر دیت کے دو تہائی عائد کرنے کا تعلق ہے تو اس کی توجیہ کے بارے میں مسند حمیدی میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

فقال علی لا ثنین منهم أَطِيبان به نفسًا لصاحبكما قالا: لا ثم قال لآخَرَين أتطيبان به نفسا لصاحبكما قالا: لا فقال علی: أنتم شركاء متشاكسون اننى مُقرع بينكم فأيكم أصابته القرعة ألذمتُه الولد وأغرمتُه ثُلُثَى قيمة الجارية لصاحبه. (47)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باری باری دو سے پوچھا: کیا تم دو اپنے ساتھی کے لیے اس سے بخوشی دستبردار ہوتے ہو۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر آپ نے باقی دو سے یہی پوچھا، اُنہوں نے بھی نفی میں جواب دیا تو آپ نے کہا کہ اب تم سب برابر کے شریک ہو۔ میں تمہارے درمیان قرعہ اندازی کرتا ہوں، جس کے نام قرعہ نکل آیا، اس کو یہ بچہ میں حوالے کر دوں گا اور اس کو کہوں گا کہ وہ لونڈی کی دو تہائی الجوزیہ کہتے ہیں کہ

---

[1] - سنن ابو داؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 503 حدیث مرفوع مکررات 9

لما لحق بہ صارت أمّ ولد ولہ فیہا ثلثہا فغرمہ قیمۃ ثلثیہا الذین أفسدہما علی الشریکین بالاستیلا دفلعل ہذا ہوا المحفوظ وذِکرُ ثلثی دیۃ الولد وہم أویکون عَبَّر عن قیمۃ الجاریۃ بالدیۃ لأنہا ہی التی تؤدیٰ بہا فلا یکون بینہما تناقض

"جب وہ بچہ اس سے منسوب ہو گیا تو گویا یہ لونڈی اس کی اُم ولد بن گئی جبکہ اس کا اس لونڈی میں صرف تیسرا حصہ تھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر اس باقی دو تہائی کی ادائیگی عائد کر دی جن کا اب اس لونڈی سے صحبت کرنا (اُمّ ولد بن جانے کی بناپر ملنے والے آزادی کی بناپر) ممنوع ہو گیا۔ اور اسے بچے کی دو تہائی دیت قرار دینا وہم ہے یا یہاں لونڈی کی قیمت کو دیت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اسی کی ادائیگی کی جانا تھی۔ ایسی صورت میں کوئی تضاد باقی نہ رہا۔"

- احادیث میں زیادہ تر واقعات لونڈیوں کے آئے ہیں، اس سے یہ مطلب سمجھنا درست نہیں کہ یہ احکام لونڈیوں سے ہی مخصوص ہیں۔ دراصل ایسی کوتاہی زیادہ تر انسان لونڈیوں کے بارے میں ہی کرتا ہے، جہاں تک آزاد عورت کا معاملہ ہے تو مکمل حقوق رکھنے کی وجہ سے اور اس سے عزت و شرف کو زیادہ منسوب سمجھنے کی وجہ سے ایسی بے احتیاطی وہاں کم ہوتی ہے۔

-طلاق کا بیان

بچہ صاحب فراش کا ہے

عن عائشة اختصم سعد بن أبي وقاص وعبد بن زمعة ...هو أخوك يا عبد [1]

سعید بن منصور، مسدد، سفیان، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زمعہ کی باندی کے بچہ کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے جھگڑا کیا۔ سعد کہتے تھے کہ میرے بھائی عتبہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ جاؤں تو زمعہ کی باندی کے بچہ کو دیکھوں اور اسے اصل کروں کیونکہ وہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زمعہ کا کہنا تھا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے کی باندی کا بیٹا ہے جو میرے کے گھر میں پیدا ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کو دیکھا تو واضح طور پر عتبہ کے مشابہ پایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ سے فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر) ہر چند کہ سودہ بنت زمعہ کا وہ بچہ بھائی قرار پایا مگر چونکہ وہ عتبہ کا نطفہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا) اور مسدد نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد بن زمعہ یہ بچہ تیرا بھائی ہے۔[2]

مسائل و معاملات:

- لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہے۔
- حضرت سودہ کو اُس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔

---

[1]۔ تخریج: م/الرضاع(10(1458)،ن/الطلاق 47(3512)،ق/النکاح59(2006)،حم(239 /2)ت/النکاح8(1157)، صحیح و اخرجہ کل من: خ/الفراءض17(6750)،والحدود23(2818)،حم(280 /2،386،409،492)

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 507 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 19

زمانہ جاہلیت میں باندیوں کی اولاد کے نسب کے ثبوت کا طریقہ:

- علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی لونڈیاں زنا کراتی تھیں۔ اس دوران ان کے مالک بھی ان سے وطی کرتے تھے۔ جب لونڈیوں کے پاس بچہ ہوتا تو کبھی مالک اس بچہ کا دعویٰ کرتا اور کبھی زانی اس بچہ کا دعویٰ کرتا، اگر مالک اس حال میں مر جاتا کہ اس نے بچہ کا دعویٰ کیا تھا نہ اس کے نسب کا انکار کیا تھا، لیکن اس کے ورثاء اس بچے کا دعویٰ کرتے تو اس بچے کو مالک کی نسب سے لاحق کر دیا جاتا مگر اس کو وارث نہیں قرار دیتے تھے۔ اِلا یہ کہ وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کو نسب کے ساتھ لاحق کر دیا جائے اور اگر مالک مرنے سے پہلے اس کا انکار کر دیتا تو بچے کو اس کے نسب کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاتا تھا۔

اسلام میں ثبوتِ نسب کا طریقہ:

زمعہ بن قیس اُم المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے والد تھے۔ ان کی لونڈی زمانہ جاہلیت کی لونڈیوں کی طرح تھی، زمعہ بھی اس سے وطی کرتے تھے، وہ حاملہ ہو گئی جس کے بارے میں یہ گمان کیا گیا کہ یہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا حمل ہے۔ عتبہ حالت کفر میں مر گیا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی حضرت سعد کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی سے جو بچہ پیدا ہو گا اس کو میرے نسب کے ساتھ لاحق کر دینا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضرت سعد نے اس بچہ کو اپنے بھائی کے نسب کے ساتھ لاحق کرنا چاہا تو زمعہ کے بیٹے عبد بن زمعہ نے اختلاف کیا۔ حضرت سعد زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق کہتے تھے کہ ہ میرے بھائی کا بیٹا ہے (اس حدیث میں مشابہت بھی بتائی ہے) اور اس نے مرنے سے پہلے اس کی وصیت کی ہے اور عبد بن زمعہ کہتے تھے کہ وہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ اور ان کا استدلال اس کے اس اصول پر مبنی تھا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اصول کے مطابق عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کر دیا ار رسم جاہلیت کو مٹا دیا۔(1)

- **جب متنازع شخص کو حضرت سودہ کا بھائی قرار دے دیا گیا تو پھر حضرت سودہ کو اس سے پردہ کا حکم کیوں دیا؟**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور اس لڑکے کو عبد بن زمعہ کے پاس رہنے دیا اور حضرت سودہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا۔ اس میں تحقیق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کا نسب حقیقتاً عتبہ سے لاحق تھا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کا حکم دیا۔ ورنہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حقیقۃً زمعہ کا بیٹا قرار دیتے تو وہ حضرت سودہ کا حقیقی بھائی ہوتا۔ ہر چند کہ امام بخاری نے مغازی میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

''ھو لک ھوا خوک یا عد بن زمعۃ''۔(2)

ترجمہ: یہ تمہارا ہے، تمہارا بھائی ہے، لیکن اس کے برخلاف سند صحیح کے ساتھ مسند حمد اور سنن نسائی میں یہ الفاظ ہیں:

لیس لک باخ "آپ نے حضرت سودہ سے فرمایا یہ تمہارا بھائی نہیں تھا۔(3)

---

[1] عمدۃ القاری: 169/11

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، الجامع الصحیح، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، 1381ھ، ص: 616/2

[3] امام احمد بن حنبل، المسند، 5/4، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، سنن نسائی: 92/2، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

- در حقیقت وہ عتبہ بن ابی وقاص کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا۔
- در حقیقت وہ عتبہ بن ابی وقاص کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا۔

بعض علماء نے یہ کہا کہ چونکہ اس لڑکے کا معاملہ حضرت سودہؓ کے محرم یا نہ محرم ہونے کے درمیان متردد تھا اس لیے آپؐ نے سد ذرائع کی خاطر حضرت سودہؓ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ حضرت سودہؓ کے لیے نامحرم کو دیکھنے کی سبیل نہ نکل سکے۔ لیکن یہ وجہ صحیح نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعاً علم تھا کہ وہ حضرت سودہ کا بھائی نہیں ہے اور نطفہ زنا سے پیدا ہوا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی سد ذرائع کی توجیہ کو مستبعد قرار دیا ہے۔(1)

- امام شافعیؒ نے یہ کہا کہ مرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو بیوی کو منع کر دے کہ وہ اپنے بھائی کو نہ دیکھے اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی مرد کے دیکھنے کے ذریعہ کو قطع کرنے کے لیے اور ذرائع کی روک تھام کے لیے ظاہر کے اعتبار سے منع کیا۔(2)
- اس سے ثبوت ملا کہ زانی کے لیے صرف کوڑوں کی سزا نہیں بلکہ سنگسار کرنا ثابت ہے۔

حدیث مذکورہ سے حرمت مصاہرۃ کے جواز یا عدمِ جواز پر استدلال:

ان احکام میں سے امام ابو حنیفہؒ کا استنباط کردہ حکم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو زمعہ کے بیٹے سے پردہ کا حکم دیا لہٰذا جو شخص کسی کی بیوی سے زنا کرے، تو وہ عورت اس کی اولاد پر حرام ہو جاتی ہے، امام احمدؒ، اوزاعی اور سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے اور یہ حرمت مصاہرۃ کی وجہ سے ہے اور امام مالک، امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: وہ عورت اس کی اولاد پر حرام نہیں ہو گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو جو پردہ کا حکم دیا تھا وہ تنزیہ کی بناء پر تھا یعنی شبہ کے مواقع سے احتراز کے لیے تھا اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور حضرت سودہ پر اس سے پردہ کرنا واجب تھا۔

علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ظاہر شریعت کی بناء پر تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر ہو اور اس کی عتبہ کے ساتھ مشابہت کا اعتبار نہیں کیا۔ اور جاہلیت کے مکروہ طریقہ کے مطابق جو بچہ پیدا ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم کا حکم کسی باطل چیز کو حلال نہیں کرتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو اس سے پردہ کا حکم دیا تھا۔(3)

امام ابو حنیفہؒ اور دیگر فقہاء کے نزدیک نطفہ زنا سے بھی مصاہرت کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے جمہور کے قول پر استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ اگر نطفہ زنا کا اعتبار نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کو اس لڑکے سے پردہ کا حکم نہ دیتے۔ علامہ نوویؒ نے اس دلیل پر اعتراض کیا ہے کہ جب وہ نطفہ زنا سے پیدا ہوا تو وہ حضرت سودہ کے حق میں اجنبی قرار پایا۔ اس کا اس مسئلہ سے کیا تعلق کہ زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کی ماں زانی پر حرام ہو

---

1. ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ص: 493/4
2. نعمۃ الباری، 583/4
3. سعیدی، غلام رسول، نعمۃ الباری شرح صحیح بخاری، ص: 584/4

جاتی ہے لیکن علامہ نوویؒ نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس استدلال کا نقطہ یہ ہے کہ اس حدیث میں نطفہ زنا کا احکام شرعیہ میں اعتبار کیا گیا ہے۔

-طلاق کا بیان

ماں اور باپ میں سے بچہ کی پرورش کا زیادہ حقدار کون ہے؟

عبد الله بن عمرو أن امرأة قالت يا رسول الله إن ابني هذا كان بطني له .....أحق به ما لم تنكحي (1)

محمود بن خالد، سلمی ولید، ابی عمرو، اوزاعی، عمرو بن شعیب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے۔ زمانہ حمل میں میرا پیٹ اسکا غلاف تھا اور زمانہ رضاعت میری چھاتی اسکے پینے کا برتن اور میری گود اسکا ٹھکانا۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور چاہتا ہے کہ اس بچہ کو مجھ سے چھین لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ (2)

-طلاق کا بیان

ماں اور باپ میں سے بچہ کی پرورش کا زیادہ حقدار کون ہے؟

عن علي رضى الله عنه قال خرج زيد بن حارثة إلى مكة فقدم بابنة حمزة ...ا وإنما الخالة أم

عباس بن عبدالعظیم، عبدالملک، عبدالعزیز بن محمد، یزید بن ہاد، محمد بن ابراہیم، نافع، ابن عجیر، حضرت علی سے روایت ہے کہ زید بن حارثہ مکہ گئے تو وہاں سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کی بیٹی کو لے کر آئے۔ جعفر نے کہا اس کو تو میں لوں گا میں ہی اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے نکاح میں اس کی خالہ بھی ہے اور خالہ تو ماں ہوتی ہے حضرت علی نے کہا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میرے نکاح میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہیں اور وہ بھی اس کی زیادہ حقدار ہیں۔ زید بولے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میں ہی اس کی خاطر گیا اور اس کو لے کر آیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو فرمایا لڑکی جعفر کو ملے گی کیوں کہ اس طرح وہ اپنی خالہ کے پاس رہے گی جو ماں کے درجہ میں ہوتی ہے (3)

مسائل معاملات:

- حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں: جب ہم مکہ سے روانہ ہونے لگے، تو حضرت حمزہؓ کی بچی ہمارے پیچھے "اے چچا! اے چچا!" پکارتی ہوئی آئی حضرت علیؓ نے اس کو لیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور (سیدہ فاطمہؓ سے) کہا: اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو، تو سیّدہ فاطمہؓ نے اسے اٹھالیا (اس کے بعد راوی نے پوری روایت بیان کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں) حضرت جعفرؓ نے کہا: یہ

---

[1]۔ تفرد بہ ابو داود

[2] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 510 حدیث مرفوع مکررات 1

[3] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 512 حدیث مرفوع مکررات 3

میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے اس بچی کے بارے میں اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا: خالہ، ماں کی جگہ ہوتی ہے۔

- حق حضانت کے معنی و مفہوم کا بیان:

- حضانت کا کا لغوی معنی پرورش کرنا، کہا جاتا ہے۔ حضن الطائر بیضہ، جب پرندہ اپنے پروں کے نیچے انڈے رکھ رک انہیں گرمائش دے۔
- حضنت المراۃ صبیھا، جب کوئی عورت اپنے بچے کو گود میں لے یا اس کی پرورش کرے۔(1)

شرعی معنی:

- جو اپنے امور کو بذات خود انجام نہ دے سکے اس کا خیال رکھنا، اور مصالح کے مطابق اس کی تربیت کرنا۔(2)
- بچوں کی حضانت ایک شرعی حق ہے جو متعلقہ افراد کو ملتا ہے اس حق میں اس ناسمجھ بچے کی بہتری پیش نظر ہوتی ہے جو خود سے اپنے آپ کو سنبھال سکتا ہے اور نہ تربیت کرنے والے کی تربیت و پرورش کے مراحل سے گذرے بغیر عمدہ اوصاف کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کھانے پینے، پہننے، سونے، جاگنے اور صفائی کرنے میں کوئی اس کی ہر وقت نگرانی کرے اور مناسب اوقات پر مناسب انتظامات کے لیے ہر وقت مستعد رہے۔
- دیگر حقوق کے برعکس حق حضانۃ (پرورش کے حق) میں عورتیں مردوں پر مقدم ہوتی ہیں، ان کو یہ حق مردوں کی نسبت ترجیحاً ملتا ہے، کیونکہ عورتوں میں شفقت وہ مہربانی کے ساتھ بچوں کی پرورش کے اس حق کو انجام دینے کا نمایاں ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:
- ان امرأۃ قالت: یارسول اللہ، ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء وثدیی لہ سقاء وحجری لہ حواء وان اباہ طلقنی واراد ینتزعہ منی فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "انت احق بہ مالم تنکحی"۔(3)
- ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آکر عرص کرنے لگی، یارسول اللہ ﷺ میرا یہ بیٹا، میرا شکم اس کا برتن بنا رہا، میرے سینے سے یہ سیر اب ہوتا رہا اور میری گود اس کی پرورش گاہ رہی، اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اب مجھ سے بیٹا بھی چھیننا چاہتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو بیٹے کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو آگے کہیں نکاح نہیں کرتی۔
- حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں: کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ام عاصم کو طلاق دے دی، ام عاصم کی گود میں بچہ تھا،

---

[1]۔ لسان العرب، مادہ حضن

[2]۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ج 17، ص 299

[3]۔ ابوداؤد، ج 1، ص 317

حضرت عمرؓ آئے اور عاصم بچے کو لینا چاہا، حضرت عمرؓ اور ام عاصم دونوں نے اس بچہ کو اپنی جانب کھینچا، وہ بچہ رونے لگا، یہ دونوں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس (فیصلہ کے لیے) چلے گئے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: عمر! اس کی ماں کا ہاتھ پھیرنا، گود اور خوشبو بھی بچے کے لیے تیرے سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ بچہ بڑا ہو جائے اور اپنے لیے کچھ اختیار کر سکے۔(1)

- مندرجہ بالا روایات سے یہ واضح ہے کہ حق حضانت میں عورتیں مردوں پر مقدم ہوتی ہیں، البتہ حق ولایت (ولی اور سرپرست ہونے کا حق) مردوں کو حاصل ہوتا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، ہمارے پیش نظر فقط حق حضانت سے متعلقہ امور کو ذکر کرنا ہے۔

- ## حق حضانت کی ترتیب:

- جب بچہ کے والدین رشتہ زوجیت سے منسلک ہوں تو بچہ دونوں کی تربیت میں پرورش پاتا ہے، لیکن اگر طلاق یا وفات وغیرہ کی وجہ سے دونوں کے درمیان تفریق ہو جائے تو بالاتفاق ماں کو حق حضانت حاصل ہوتا ہے اگر ماں موجود نہ وہ تو مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق یہ حق منتقل ہو جاتا ہے۔

- ماں کے بعد نانی، اس کے بعد دادی، پر حقیقی بہن، اس کے بعد ماں شریک بہن، پھر باپ شریک بہن، اس کے بعد حقیقی بہن کی بیٹی، اس کے بعد ماں شریک بہن کی بیٹی اس کے بعد حقیقی خالہ، اس کے بعد ماں کے اعتبار سے خالہ، اس کے بعد باپ کے اعتبار سے خالہ اس کے بعد باپ شریک بہن کی بیٹی، اس کے بعد حقیقی بھائی کی بیٹی پھر ماں شریک بھائی کی بیٹی، اس کے بعد باپ شریک بھائی کی بیٹی، اس کے بعد حقیقی پھوپھی، پھر ماں کے اعتبار سے پھوپھی، پھر باپ کے اعتبار سے پھوپھی، پھر ماں کی خالہ، اس کے بعد باپ کی خالہ اس کے بعد ماں اور باپ کی پھوپھیاں، اس کے بعد وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبات کو حق حضانت حاصل ہوگا، چنانچہ سب سے پہلے باپ کو یہ حق حاصل ہوگا۔ اس کے بعد دادا کو، پھر حقیقی بھائی کو یہ حق ملے گا آخر تک... عصبات کی ترتیب کے مطابق، اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں یہ حق ذوی الارحام کی طرف منتقل ہو جائے گا، جس کی تفصیل فقہ کی کتب میں موجود ہے۔(2)

- امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک بھی حق حضانت میں سب سے مقدم ماں ہے، ماں کے بعد حضانت کے استحقاق میں ان کے نزدیک صورتیں قدرے مختلف ہیں جس کی تفصیل ان کی کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

- ## حضانت کے استحقاق کی شرائط:

- استحقاق حضانت کی درج ذیل شرائط ہیں:

---

[1]-ابن شیبہ بحوالہ زیلعی ج 2، ص 52

[2]- ملخص: رد المختار مع الدر المختار 2/ 292 -294

- پرورش کرنے والے کا بالغ اور عقلمند ہونا ضروری ہے اگر وہ بالغ یا عقلمند نہیں تو وہ خود پرورش اور دیکھ بھال کا محتاج ہے وہ دوسرے کی پرورش کس طرح کرے گا؟
- اگر پرورش کرنے والی عورت کافرہ ہے تو اس کو حق حضانت اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک بچہ دین کی سمجھ نہ رکھتا ہو، اور جب یہ اندیشہ ہو کہ بچہ کافرانہ طریقوں سے مانوس ہونے لگا ہے تو پھر اس بچہ کو کافرہ کی پرورش سے نکال کر کسی مسلمان کی پرورش میں دے دیا جائے گا۔
- اگر پرورش کرنے والا ایسا فاسق ہو کہ اس کے فسق کا ضرر بچہ پر پڑے اور بچے کی تربیت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا لیکن اگر اس کے فسق و فجور کی طرف مائل ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر فاسق شخص سے لے لیا جائے گا۔
- پرورش کرنے والا بچہ کی دیکھ بھال کی استطاعت رکھتا ہو۔ بوڑھا، بیمار، نابینا اور کام کاج کے لیے زیادہ اوقات گھر سے باہر گزارنے والا شخص، بچہ کی دیکھ بھال بہتر طریقہ سے نہیں کر سکتا، جس کی وجہ سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو گا لہٰذا ایسے بے استطاعت لوگوں کا حق حضانت بھی ساقط ہو جائے گا۔
- پرورش کرنے والی عورت کا استحقاق اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب وہ اجنبی مرد سے شادی کرلے، ہاں اگر وہ بچہ کے قریبی رشتہ دار سے شادی کرتی ہے تو اس کا حق حضانت ختم نہیں ہوتا۔
- **حضانت کے دوران بچہ کو دوسرے مقام پر لے جانا:**
- اگر بچہ کی ماں شوہر کی عدت میں ہے تو دورانِ عدت وہ خود بھی شوہر کے گھر میں رہے گی اور بچہ کو بھی وہیں رکھے گی۔ لیکن عدت ختم ہونے کے بعد وہ مندرجہ ذیل مقامات کی طرف مدت حضانت کے دوران بچہ کو لے جاسکتی ہے۔
- ا کسی قریبی شہر کی طرف لے جاسکتی ہے جس شہر کا ماحول شوہر کی جائے سکونت کے ماحول جیسا ہو، اور جہاں باپ دادا وغیرہ اگر چاہیں تو دن دن میں بچہ کو مل کر رات ہونے سے قبل واپس گھر آسکیں۔
- ایسے دور شہر کی طرف بھی لے جاسکتی ہے جو شہر اس عورت کا وطن ہو اور شوہر نے اس شہر میں اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہو لیکن عورت بچہ کو کافروں کے ملک کے شہر کی طرف نہیں لے جاسکتی۔ (1)
- بچہ جب والدین میں سے کسی ایک کے پاس ہو تو وہ دوسرے کو بچے سے ملاقات کرنے سے منع نہیں کر سکتا، لیکن اس کو اس بات پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بچہ کو اس کے ساتھ دوسری جگہ بھیج دے۔

حضانت کا معاوضہ:

- اگر بچہ کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو پھر حضانت کی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور اگر

---

[1]۔ رد المختار ج 2، ص 698، بدائع ج 4، ص 44

پرورش کرنے والی عورت ماں کے علاوہ ہو یا ماں ہو لیکن اس کی عدت ختم ہو چکی ہو یا وہ طلاق بائن کی عدت میں ہو تو وہ حضانت کی اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے، بشرطیکہ بچہ کی کوئی دوسری محرم رشتہ دار حضانت کے لیے میسر نہ ہو، اگر بچہ کا ذاتی مال موجود ہو تو اس میں سے اس کو اجرت دی جائے گی اور اگر بچہ کا مال موجود نہ ہو تو باپ کے مال میں سے اس کو جارت ملے گی یا جن لوگوں پر بچہ کا خرچہ واجب ہو گا ان کی جانب سے اجرت وصول کرے گی۔(1)

مکان کا کرایہ:

- اگر پرورش کرنے والی عورت بچہ کے باپ کی رہائش گاہ میں رہ رہی ہے یا اپنی ذاتی رہائش میں پرورش کر رہی ہے تو اس کو مکان کے کرایہ کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں لیکن اگر پرورش کرنے والی کا کوئی گھر نہیں اور اسے کرایہ پر مکان لے کر رہنا پڑے تو مدت حضانت کے دوران مکان کا کرایہ اس شخص پر واجب ہو گا جس پر بچہ کا خرچہ واجب ہے۔ (2)

حق حضانت کا اختتام:

- بچوں کی حضانت (پرورش) کا آغاز ولادت کے بعد ہو جاتا ہے، جیسے ہی بچہ پیدا ہوا اس کی حضانت سابق میں ذکر کردہ ترتیب کے مطابق شروع ہو جائے گی، اور یہ بات گذر چکی ہے کہ بچہ کی حضانت کا حق مردوں کو ترجیحاً حاصل ہوتا ہے، اگر زوجین کے درمیان رشتہ زوجیت موجود ہو تو ظاہر ہے کہ بچہ گھر میں ماں کی حضانت اور باپ کی ولادت میں پرورش پاتا ہے، لیکن اگر دونوں میں جدائی ہو جائے تو بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہو گا اور یہ حق کب تک حاصل رہے گا اور کب اس کا اختتام ہو گا؟ اس بارے میں حضرات آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں ان کو بالتفصیل یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔
- (ا) فقہ حنفی کے مطابق لڑکا ماں کی پرورش میں رہے گا یہاں تک کہ وہ پرورش سے مستغنی ہو جائے، خود کھا پی سکے، کپڑے وغیرہ پہن سکے اور استنجا وغیرہ کر سکے اور بچہ تقریباً سات سال کی عمر میں یہ باتیں سیکھ جاتا ہے، اس لیے سات سال کی عمر تک بچہ ماں کی پرورش میں رہے گا اور ایک قول کے مطابق بچہ نو سال تک ماں کی پرورش میں رہے گا۔
- اگر پرورش کرنے والی ماں، نانی یا دادی ہو تو بچی بالغ ہونے تک ان کی پرورش میں رہے گی اور ان کے علاوہ کوئی اور پرورش کرنے والا ہو تو بچی نو سال تک ان کی پرورش میں رہے گی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بچی خواہ ماں وغیرہ کی پرورش میں ہو یا کسی اور کی پرورش میں بہر حال جب وہ نو سال کی ہو جائے تو اس کی حضانت ختم ہو جائے گی۔
- جب ماں، نانی اور دادی وغیرہ کی حضانت کا حق ختم ہو جائے تو بچہ یا بچی باپ دادا وغیرہ کو دے دیئے جائیں گے تاکہ وہ ان کی تعلیم وتربیت اور شادی وغیرہ کا بندوبست کریں۔

---

[1] - ردالمختار ج2، ص689، ص691

[2] - ردالمختار ج2، ص692

- بچہ یا بچی کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جائے گا کہ وہ ماں اور باپ میں سے جس کے پاس رہنا پسند کریں اس کے پاس رہیں کیونکہ ان بچوں کو وہ بالغ نظری حاصل نہیں کہ وہ دینی اور دنیاوی بھلائیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی ایک طرف کا بہتر انتخاب کر سکیں بلکہ یہ تو ابھی کھیل کود کو پسند کرتے ہیں اور جس کی طرف ان کو کھیل تماشا زیادہ ملے گا وہ ادھر جائیں گے اور جس طرف تعلیم و تعلم اور سیرت و اخلاق کی تعمیر کی بات ہو گی وہ اس طرف سے بھاگیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

- جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو (مناسب انداز سے) مارو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔
- ظاہر ہے کہ بچوں کو مذکورہ بالا آداب سکھانے کا حکم سرپرستوں کو دیا جارہا ہے کہ وہ بچوں کی تربیت اس نہج پر کریں کہ وہ خدا کے فرمانبردار بن جائیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں، ہاں اگر بچہ کا کوئی مرد سرپرست زندہ نہ رہا ہو تو پھر یہ حکم ماں، نانی وغیرہ کے لیے ہو گا اور ان کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ بچہ کی عمدہ تربیت کریں۔
- تجربہ اور مشاہدہ اس بات پر شاہد ہے کہ جو بچے ماں کی گود سے ہمیشہ کے لیے چمٹے رہیں وہ مردوں کی نسبت عورتوں کے مزاج سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور مردانہ طریقوں پر ان کو کچھ زیادہ عبور نہیں ہوتا وہ صنف نازک کی لطافت سے متاثر ہو کر مردانہ وقار سے محروم رہتے ہیں ہاں ماں کی گود بیٹی کی پرورش کے لیے زیادہ مفید ہے اس لیے وہ بالغ ہونے تک ماں کی پرورش میں رہے گی۔
- حدیث میں ہے کہ جب حضرت حمزہؓ کی بیٹی کی پرورش کے بارے میں حضرت علی، حضرت جعفر اور زیدؓ نے اختلاف کیا تو نبی کریم ﷺ نے بچی کو اختیار دیئے بغیر حضرت جعفرؓ کی پرورش میں دے دیا کیونکہ وہاں ان کی خالہ حضرت جعفرؓ کے گھر میں موجود تھیں اور خالہ کو اس بچی کی پرورش کا حق حاصل تھا۔(1)
- جب بچہ بالغہ ہو جائے اور عقلمند اور سمجھدار بھی ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہ سکتا ہے اب وہ اپنے نفع اور نقصان کا خود ذمہ دار ہے، لیکن اگر سرپرست یہ دیکھیے کہ اس کو بااختیار کر کے چھوڑ دینے سے اس کا ناقابل تلافی نقصان ہو گا تو اس کو اپنے ساتھ بھی رکھ سکتا ہے۔ اور لڑکی بالغ ہونے کے بعد والد یا دادا کے پاس رہے گی، ہاں جب وہ ایسی عمر میں پہنچ جائے کہ اب اس کے بارے میں کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہ ہو تو اس کو بھی اختیار ہو گا کہ وہ جس کے پاس رہنا چاہے رہ سکتی ہے۔(2)

---

[1] -اعلاء السنن، ج11، ص669- 671

[2] -ردالمختار ج2، ص696

- (۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے پاس بچہ کی پرورش کا حق بالغ ہونے تک رہتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے بچی کی پرورش کا حق اس کی شادی اور رخصتی تک عورتوں کے پاس ہی رہتا ہے۔(۱)

- امام شافعیؒ فرماتے ہیں بچہ یا بچی دونوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل رہے گا اور جب بچہ یا بچی سن تمیز کو پہنچ جائیں یعنی سات یا آٹھ سال کے ہو جائیں تو ان کو والد یا والدہ کے پاس رہنے میں اختیار دیا جائے گا وہ جس کو اختیار کر لیں گے تو اسی کو تربیت میں دے دیئے جائیں گے، اگر وہ کسی کو بھی اختیار نہ کریں تو وہ والدہ کی پرورش میں دے دیئے جائیں گے، کیونکہ ماں زیادہ شفیق اور مہربان ہے اور بچہ پہلے سے اس کی تربیت میں پرورش پاتا چلا آرہا ہے اور اگر بچہ دونوں کو اختیار کر لے تو پھر قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کیا جائے گا اور قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے بچہ کو اس کی تربیت میں دے دیا جائے گا اور بلوغت کے بعد وہ با اختیار ہے وہ دونوں میں سے جس کے پاس رہنا چاہے وہ رہ سکتا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ ساتھی ہی رہے تاکہ اسے احسان اور نیکی کرنے کا ثواب ملتا ہے۔(2)

- امام احمدؒ فرماتے ہیں لڑکا سات سال کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گا اس کے بعد اگر والدین اتفاق رائے سے کسی ایک کے پاس بچہ کے رہنے پر رضامند ہوں تو وہ اس کو اپنی پرورش میں رکھ سکتا ہے اور اگر دونوں میں سے ہر ایک اسکو اپنے پاس رکھنے پر مصر ہو تو بچہ کو اختیار دیا جائے گا وہ جس کو اختیار دیا جائے گا وہ جس کو اختیار کر لے اس کے پاس رہے گا، اگر بچہ سوئِ اختیار کی وجہ سے اس کو اختیار کرنے لگے جہاں اس کی تعلیم و تربیت اور سیرت و اخلاق کا واضح نقصان نظر آتا ہو تو بچہ کو اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس شخص کے حوالے کیا جائے گا جو اس کو بہتر پرورش کے ساتھ عمدہ تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکے۔

- اور لڑکی جب سات سال کی ہو جائے تو اس کو اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ لازمی طور پر والد کے حوالے کی جائے گی اور شادی بلکہ رخصتی تک والد کے پاس رہے گی۔(3)

- مندرجہ بالا سطور میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ بچہ کو اختیار دینے کے قائل نہیں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے قائل ہیں۔

- امام شافعی اور امام احمد مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

---

[1]۔ دسوقی علی شرح الدردیر، ج2، ص632- 633
[2]۔ مغنی المحتاج ج3 ص656- 659
[3]۔ المغنی ج7، ص614- 616

- (۱) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو والد یا والدہ میں سے جس کے پاس چاہے رہنے کا اختیار دیا۔ (1)

- (۲) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبیکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا شوہر مجھسے میرا بیٹا چھیننا چاہتا ہے حالانکہ وہ (میرا بیٹا) مجھے ابو ابو عتبہ کے کنویں سے پانی پلاتا ہے اور مجھے فائدہ دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دونوں قرعہ اندازی کرلو، شوہر نے کہا، میرے بیٹے کا میرے سے زیادہ کون حق رکھتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے سے فرمایا یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے، تم جس کا چاہو ہاتھ پکڑ لو، بیٹے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ (2)

- (۳) عبد الحمدی بن جعفر انصاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کے دادا اسلام لے آئے مگر دادی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے دادا اپنے چھوٹے بیٹے کو لے کر جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو ایک طرف بٹھا دیا اور ماں کو دوسری طرف بٹھا دیا پھر بچے سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے، تم اختیار کرو اور ساتھ دُعا فرمائی: اللھم اھدہ۔ اے اللہ! اس بچے کی راہنمائی فرما وہ بچہ باپ کے پاس چلا گیا۔ (3)

- مندرجہ بالا احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچہ کو اختیار دینا منقول ہے۔ لیکن تفصیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو اختیار دینے سے قبل والدین کو لڑائی جھگڑا ختم کرنے کی ترغیب دی اور جانبین کی رضامندی سے بچہ کو اختیار دیا، اگر اختلاف کو اس مصالحت کے طریقہ سے رفع کرنا ممکن ہو تو یہ سب سے بہتر طرزِ عمل ہو گا۔

- چنانچہ امام طحاویؒ مشکل الآثار میں ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے سے قبل اس کے والدین کو اس بات پر رضامند کیا کہ وہ بچہ کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیں۔ (4)

- اور حدیث (۳) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا فرمانے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے بچہ میں اپنے لیے بہتر انتخاب کی ہدایت عطا فرما دی اور بچہ نے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بہر حال بچہ یا بچی کو اختیار دینا کوئی ایسی بات نہیں جو شریعت کے ضابطہ کے طور پر منقول ہو اور جس کے خلاف کبھی نہ کیا جا سکتا ہو اگر یہ بات ضابطہ کے طور پر منقول ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ کی بیٹی کو اختیار دیئے بغیر حضرت جعفرؓ کے حوالے نہ کرتے۔

---

[1] -زاد المعاد ج4، ص149 بحوالہ ترمذی

[2] -ایضاً

[3] -زاد المعاد ج4، ص149 بحوالہ نسائی

[4] -مشکل الآثار ج۴، ص180 بحوالہ اعلاء السنن ج11، ص271

- خلاصہ کلام یہ ہے کہ بچی یا بچہ سمجھدار ہونے سے قبل ماں کی پرورش میں رہیں گے، اور سمجھدار ہونے کے بعد کس کے پاس رہیں گے؟ اس میں حضرت آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں جن کی تفصیل سابقہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں، جس سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے جس میں فقہائے متبوعین کی مختلف آراء موجود ہیں۔ ایسے اجتہادی مسائل میں کسی ایک جانب کو قطعی اور فیصلہ کن قرار دیتے ہوئے باقی آراء کو غلط قرار دینا مناسب نہیں۔

- نزاع کو ختم کرنے کے لیے سب سے پہلے جانبین کو ترغیب دی جائے کہ وہ بچے کے بہتر مستقبل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر اپنی آراء کو چھوڑ کر ایثار کا اظہار کریں تو یہ باہمی منازعت کو ختم کرنے کے لیے ایک عمل خیر ہو گا اور اگر دونوں اس بات پر رضامند ہو جاتے ہیں کہ بچہ کو ہی اختیار دے دیا جائے کہ وہ کس کا ہاتھ تھامتا ہے تو یہ بھی کوئی غلط فیصلہ نہیں (دیکھئے اعلاء السنن ج۱۱، ص۲۷۱) لیکن اگر فریقین کسی صورت بھی اپنی آراء سے پیچھے نہ ہٹیں اور نہ ہی بچہ کو اختیار دینے پر رضامند ہوں تو پھر بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر بیٹا سات سال کی عمر تک والدہ کی پرورش میں رہنے دیا جائے گا اور والدہ اپنے والدین کے گھر میں لے جا کر بھی بچے کی پرورش کر سکتی ہے اور سات سال کے بعد بیٹا سرپرست کی تربیت میں دے دیا جائے گا اور بیٹی بالغ ہونے تک والدہ کی پرورش میں رہے گی اور بلوغت کے بعد شادی وغیرہ کے انتظامات کے لیے سرپرستوں کی ذمہ داری میں دے دی جائے گی۔

- اس کے لغوی معنی ہیں پرورش، حفاظت، اصطلاح میں بچے کی سرپرستی کا حق۔ شرعی ضابطہ کے مطابق اولاد کی پرورش کا حق مندرجہ ذیل عورتوں کو حاصل ہے۔ سب سے پہلے بچوں کی ماں، پھر نانی، پھر دادی، پھر سگی بہنیں، پھر مادری بہنیں، پھر پدری بہنیں۔ پھر حسب ترتیب سابق خالائیں علی الترتیب اور پھر باپ کی حقیقی مادری پدری خالائیں علی الترتیب حق دار ہوں گی۔ ماں لڑکے کی پرورش سات برس کی عمر اور لڑکی کی نو برس کی عمر تک کرے گی۔ اس کے بعد باپ یا باپ کے ورثہ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اولاد کی ماں نے اگر ایسے شوہر نکاح کر لیا جو اولاد کا محرم نہیں تو ماں کا حق حضانت ختم ہو جاتا ہے۔

- ## حق حضانت سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ کا بیان:

- حنفیوں کے نزدیک حضانت اصولاً ماں کا حق ہے۔ باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ ماں کی سرپرستی کے بغیر اور اس کی مرضی کے خلاف بچے کو سفر پر بھی ساتھ لے جائے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ماں کا حق حضانت اس عمر تک کے لیے ہوتا ہے جب لڑکا خود کھانے پینے، لباس پہننے اور استنجا کرنے لگے اور لڑکی کے لیے اس کے بالغ ہونے تک ہے۔ امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے ہے۔ امام محمد کے نزدیک جب لڑکی میں جنسی خواہش ظاہر ہو۔ امام مالک کے نزدیک حق حضانت اسی وقت تک ہے جب لڑکا اچھی طرح بول سکے اور لڑکی کی بلوغت تک۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ماں کا حق حضانت لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے سات سال کی عمر تک ہوتا ہے۔ شیعہ مسلک کے مطابق یہ حق حضانت لڑکے کے لیے دو سال کی عمر تک اور لڑکی کے لیے سات سال کی عمر ہوتا ہے۔

-طلاق کا بیان:

اس عورت کے نفقہ کا بیان جس کو طلاق بتہ دی گئی

عن فاطمة بنت قيس أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو ......واغتبطت به (1)

قعنبی، مالک، عبداللہ بن یزید، اسود بن سفیان، ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن، حضرت فاطمہ بن قیس سے روایت ہے کہ ابوعمرو بن حفص نے ان کو طلاق بتہ دی اس حال میں کہ وہ موجود نہیں تھے (سفر میں تھے وہیں سے طلاق دی) اور فاطمہ بن قیس کے پاس اپنے وکیل کو کچھ جو دے کر بھیجا وہ یہ تھوڑے سے جو دیکھ کر وکیل پر ناراض ہوئیں وکیل نے کہا بخدا ہمارے لیے آپ کو کچھ دینا ضروری نہ تھا فاطمہ بن قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ قصہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے ذمہ تیرا نفقہ نہیں ہے نیز فرمایا شریک کے گھر میں عدت گزار پھر فرمایا نہیں اس کے پاس نہیں کیونکہ اس کے پاس ہمارے اصحاب جاتے رہتے ہیں (وہاں دقت ہو گی) بلکہ ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزار کیونکہ وہ نابینا شخص ہے تو کپڑے اتارے گی تو پردہ کی ضرورت نہیں ہوگی جب تیری عدت پوری ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ میرے پاس معاویہ بن سفیان اور ابوجہم کا پیغام نکاح پہنچا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں ہے (یعنی وہ عورتوں کو مارتا ہے) اور معاویہ نادار مفلس ہے اس کے پاس کچھ مال نہیں ہے تو اسامہ بن زید سے نکاح کر لے وہ بولیں مجھے وہ پسند نہیں ہے (کیونکہ وہ آزاد کردہ غلام تھے اور سیاہ رنگ کے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسامہ بن زید سے نکاح کر لے پس میں نے انہیں سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اسامہ میں میرے لیے خیر فرمائی اور عورتیں مجھ پر رشک کرنے لگیں۔ (2)

مسائل معاملات:

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث متعدد اسانید کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ اس حدیث سے جو اہم مسائل مستنبط ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

- غائب شخص کا طلاق دینا،
- طلاق اور نفقہ میں کسی کو وکیل بنانا۔
- فتویٰ طلب کرنے کے لیے اجنبی مرد یا اجنبی عورت کا کلام سننا۔
- ضرورت کی بناء پر عدت کی جگہ سے دوسری جگہ جانا۔
- نیک عورتوں کی زیارت کے لیے مردوں کا جانا بشرطیکہ خلوت محرمہ نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام شریک کا گھر تو میرے صحابہ سے بھرا رہتا ہے۔
- مطلقہ عورت کو نکاح کا پیغام دینا۔

---

[1] ۔ تخریج : م/الطلاق 6 (1480)، د/الطلاق 39 (2284،2285، 2286، 2287،2289)، (تحفۃ الاشراف: 18036، 18038)، ط/الطلاق 23 (67)، حم (6/412،413،416) ویاتی عندالمولف بارقام 3434،3576 (صحیح الاسناد)

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 518 حدیث مرفوع مکررات 59

- ایک پیغام پر دوسرے کا پیغام دینا جبکہ پہلے پیغام کو قبول نہ کیا ہو۔
- حضرت معاویہؓ کی فضیلت اور ان کے ایمان اور اسلام کا بارگاہ رسالت میں مقبول ہونا، کیونکہ آپ نے حضرت معاویہؓ کا پیغام صرف اس لیے مسترد کیا کہ وہ غریب ہیں اگر انمیں کوئی شرعی عیب ہوتا تو اس کا ذکر فرماتے۔
- خیر خواہی اور مشورہ کے وقت کسی کا عیب بیان کرنا اور یہ غیبت محرمہ نہیں ہے۔
- مجاز اور کنایہ کا استعمال کرنا کیونکہ آپ نے فرمایا ابو جہم اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اُتارتا۔
- کسی انسان کی خیر خواہی کے یے اس سے بااصرار کسی چیز کو کہنا جیسے حضور نے بااصرار اُسامہ کا رشتہ حضرت فاطمہ پر پیش کیا۔
- بزرگوں کی کہی ہوئی بات اگرچہ وقتی طور پر ناپسند ہو لیکن اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس نے انجام کار حضرت اُسامہ کے رشتہ کو اچھا جانا۔
- جب عورت اور اس کا ولی راضی ہو تو غیر کفو میں نکاح کا جواز کیونکہ حضرت فاطمہ قرشیہ تھیں اور حضرت اسامہؓ غلام زادے تھے،
- اہل تقویٰ کا نسب اگرچہ کم درجہ کا ہو پھر بھی ان کی مصاحبت پر حرص کرنا۔
- کسی راوی کی روایت اگر اصول اسلام اور کتاب و سنت کے خلاف ہو تو مسترد کر دی جائے گی۔ جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہ بن قیس کی روایت کو کتاب و سنت کے خلاف ہو تو مسترد کر دی جائے گی جیسے حضرت عمر نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیا۔
- دلیل کی بناء پر ایک مفتی کا دوسرے مفتی کے قول کو رد کر دینا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قول کو رد کر دیا۔
- مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی کا ثابت ہونا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات سے ثابت ہے۔
- مہمانوں کی کھانے پینے سے خاطر تواضع کرنا جیسا کہ حضرت فاطمہ نے شعبی اور ان کے ساتھیوں کی تازی کھجوروں سے خاطر کی۔
- بوقت ضرورت عورت کا مردوں کو دیکھنے کا جواز جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو نابینا کے گھر عدت گذارنے کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے۔
- ضرورت کی وجہ سے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی اور گھر میں عدت گزارنا۔

چونکہ اس باب کی احادیث میں بیوی کے نان و نفقہ کی بحث کی گئی ہے۔ اسلیے ہم ایک ایسا مسئلہ اُٹھا رہے ہیں جو اس زمانے میں بکثرت پیش آتا ہے۔ بعض اوقات شوہر بیوی کے روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ اُٹھانے سے لاچار اور عاجز ہوتا ہے، اور بیوی کو طلاق بھی نہیں دیتا، بعض مرتبہ شوہر بیوی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور اس کا مال نہیں ہوتا جس سے بیوی روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ اُٹھا سکے۔ بعض دفعہ شوہر مال دار ہوتا ہے اور موجود بھی ہوتا ہے لیکن تنگ کرنے کے لیے بیوی کو روٹی، کپڑے اور مکان کا خرچ نہیں دیتا نہ اس کو طلاق دے کر آزاد کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ عورت کیا کرے؟ امام ابو حنیفہ ان تینوں صورتوں میں شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتے البتہ باقی ائمہ کے ہاں بعض صورتوں میں بالاتفاق اور بعض صورتوں میں اختلاف کے ساتھ اس مسئلہ کا حل ہے۔ ہم اس مسئلہ اور اس کے حل کو ترتیب وار پیش کر رہے ہیں۔

اس حدیث کی رو سے مطلقہ بائنہ کو نان و نفقہ اور رہائش نہیں ملے گی۔

طلاق ثلاثہ کے بعد نفقہ اور سکنی کے استحقاق میں مذاہب:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر پر ہر حال میں نفقہ اور سکنی (کھانے اور رہائش کا خرچ) لازم ہے۔ خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لیے نفقہ اور سکنی لازم ہے۔ ورنہ کچھ لازم نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنی ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس صورت میں لازم ہے جب حاملہ ہو۔

علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ حسن بصری، عمرو بن دینار، طاؤس عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، شعبی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور غیر مقلدین کے نزدیک، جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے ورنہ اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی۔ اور حماد، شریح، نخعی، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی ابو عبیدہ، امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنی تو ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس وقت لازم ہو گا جب وہ حاملہ ہو گی۔ (1)

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے پتا نہیں وہ مسئلہ سے ناواقف ہے یا بھول گئی ہے۔ (2)

خلاصہ:

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنی واجب ہے۔ اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے لیے سکنی واجب ہے نفقہ نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں۔ (واللہ اعلم)

اس عورت کے نفقہ کا بیان جس کو طلاق بتہ دی گئی

أن فاطمة بنت قيس حدثته أن أبا حفص بن المغيرة طلقها ثلاثا وساق الحديث فيه وأن خالد بن الوليد ونفرا من بني مخزوم أتوا النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا يا نبي الله....وحديث مالك أتم (3)

موسیٰ بن اسماعیل، ابان بن یزید، یحییٰ بن کثیر، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، حضرت فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ ابو حفص بن مغیرہ نے ان کو تین طلاقیں دیں پھر راوی نے یہی حدیث بیان کی اور کہا کہ خالد بن ولید اور چند دوسرے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ عمدۃ القاری: 307-308/20

2۔ شرح مسلم للنوی: 483/1

3۔ تخریج: م/الطلاق 6 (1480)، د/الطلاق 39 (2287،2289،2286،2284،2285)، (تحفۃ الاشراف: 18038،18036)، ط/الطلاق 23 (67)، حم (6/412،413،416) ویاتی عند المولف بارقام 3576،3434 (صحیح الاسناد)

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوحفصہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں اور اس کے لیے بہت کم نفقہ (خرچ) چھوڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے واسطے نفقہ نہیں ہے راوی نے آگے حدیث بیان کی ابوداؤد کہتے ہیں کہ مالک کی حدیث اتم ہے۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- دوران عدت دن میں معتدہ کا گھر سے نکلنا جائز ہے۔ اسکی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی: کیونکہ قریب ہے کہ تو صدقہ یا اور کوئی نیکی کا کام کرے گی۔

دوران عدت دن میں معتدہ کے گھر سے نکلنے میں مذاہب:

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ معتدہ بوقت ضرورت دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عدت وفات میں امام ابو حنیفہؒ بھی جمہور کے موافق ہیں اور جو عورت عدت طلاق ثلاثہ گزار رہی ہو اس بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ دن اور رات کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے۔ (2)

- حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس روایت کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جابرؓ کی خالہ نے اپنے شوہر سے خلع کیا ہو اور خلع میں عدت کا نفقہ معاف کر دیا ہو اس وجہ سے وہ تلاش معاش میں باہر گئی ہوں اور اس قسم کے مسائل میں احناف کے نزدیک رخصت ہے۔

ہدایہ اور فتح القدیر میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہو اور اب منسوخ ہو چکا ہے۔ آیت ولا یخرجن [طلاق: 6] اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ اس حدیث کے راوی ہیں خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام طحاویؒ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابوالزبیر نے حضرت جابر سے پوچھا کیا مطلقہ اور بیوہ اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا، نہیں الحدیث، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اپنی خالہ کے دوران عدت گھر سے باہر نکلنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے۔(3)

8-طلاق کا بیان

عدت گزارنے والی عورت کو کن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے

أخبرتني أم حكيم بنت أسيد عن أمها أن زوجها توفي.........تغلفين به رأسك (4)

احمد بن صالح، ابن وہب، مخرمہ، مغیرہ بن ضحاک، ام حکیم بنت اسید کی والدہ سے روایت ہے کہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور ان کی آنکھیں دکھتی تھیں تو وہ جلا (ایک قسم کا سرمہ) لگاتی تھیں انہوں نے اپنے خادمہ کو حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا کہ وہ سرمہ لگایا

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 519 حدیث مرفوع مکررات 59

[2] شرح مسلم للنوی: 486/1

[3] طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، شرح معانی الآثار، لاہور مطبوعہ مجتبائی پاکستان، 1404ھ، ص: 46/2

[4]- تخریج: /د/الطلاق 46(2305،)، (تحفۃ الاشراف: 1730)، ن/الطلاق 66(35679)

کریں یا نہیں؟ حضرت ام سلمہ نے فرمایا نہیں ہاں اگر ضرورت شدید ہو تو رات کو لگائیں اور دن میں پونچھ ڈالیں پھر حضرت ام سلمہ نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ انتقال کر گئے تو وہ اپنی آنکھوں میں ایلوا لگایا کرتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایلوا ہے اس میں خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو چہرہ کو جوان کر دیتا ہے (یعنی خوشنما بنا دیتا ہے) لہٰذا اس کو نہ لگا مگر یہ کہ رات کو لگا اور دن کو نکال ڈال اسی طرح خوشبو یا مہندی لگا کر کنگھی نہ کر کیونکہ یہ خضاب ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر میں اپنا سر کس چیز سے دھوؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیری کے پتے سے لتھیڑ کر اپنا سر دھو۔([1])

مسائل و معاملات:

ایام عدت میں زیب و زینت پر فقہی مذاہب اربعہ

- حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے جس کی دلیل سے وہ عدت میں ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگادوں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس عورت نے یہ دو بار یا تین بار پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ نہیں پھر فرمایا کہ عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جبکہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت یعنی بیوہ سال بھر کے بعد مینگنیاں چھینکتی تھی۔(2)
- یہ حدیث بظاہر امام احمد کی دلیل ہے کہ کیونکہ ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے جس کا خاوند مر گیا ہو اور وہ عدت میں بیٹھی ہو خواہ آنکھیں دکھنے کی دلیل سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو اور خواہ وہ محض زینت یا عادت کی بناء پر لگانا چاہے جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مجبوری کی حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے اور حضرت امام شافعی بھی آنکھیں دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگائے اور دن میں پونچھ لے۔
- اس حدیث کے بارے میں حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لیے سرمہ لگانا چاہا ہوگا مگر بہانہ کیا ہوگا آنکھ دکھنے کا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوگا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار فرمادیا ہے۔
- حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مر جاتا وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھی رہتی اور بہت خراب کپڑے جو اکثر و بیشتر ٹاٹ اور نمدے کی صورت میں ہوتا تھا پہنے رہا کرتی تھی زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی غرض کہ پورے ایک سال تک اسی حالت میں رہتی پھر جس دن سال ختم ہوتا اس دن اس کے پاس گدھا یا بکری اور یا کوئی بھی جانور و پرندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کے بعد اس کوٹھری سے باہر نکلتی پھر اس کے ہاتھ میں چند مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ چھینکتی اور

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 541 حدیث مرفوع مکررات 2

[2] -بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 524

اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس میں خرابیاں اور پریشانیاں بھی بہت تھیں جبکہ اسلام میں عدت کی مدت بھی بہت کم ہے یعنی چار مہینہ دس دن زیادہ تھی اور اس میں خرابی اور پریشانی بھی نہیں ہے تو پھر اتنا اضطراب کیوں ہے؟

- حضرت ام سلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زدلیل مطہرہ ہیں روایت کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے لہٰذا تم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر کسی دلیل سے لگانا ضروری ہی ہو تو رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگھار کا گمان ہوتا ہے۔ اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی سرخ رنگ لیے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جبکہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔ (1)
- خوشبودار تیل کے بارے میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون و تل کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے سے بھی منع کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام احمد اور علماء ظواہر نے عدت والی عورت کے لیے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔
- اور حضرت ام سلمہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرہ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔ (ابو داؤد نسائی)
- اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو پہننا بھی درست ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلاً کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی دلیل سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔
- حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ حضرت ام سلمہ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ چار ماہ دس دن ہیں اور زمانہ جاہلیت میں تم ایک سال گزارنے پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتی تھیں اس باب میں فریعہ بنت مالک بن

---

[1] - ابو داؤد نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 527

سنان (جو ابو سعید خدری کی بہن ہیں) اور حفصہ بنت عمر سے بھی روایت ہے حدیث زینب حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ خوشبو اور زیبائش سے پرہیز کرے۔ سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے۔(1)

-طلاق کا بیان

جس عورت تین طلاقیں ہو جائیں وہ سابقہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتی تاوقتیکہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے

عن عاشة قالت سل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته يعني ثلاثا ..... ويذوق عسيلتها (2)

مسدد، ابو معاویہ، اعمش، ابراہیم، اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی اور اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا وہ اسکے پاس گیا مگر اس نے جماع سے قبل ہی طلاق دیدی تو کیا وہ اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ عورت پہلے شوہر کے لیے اسوقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ دوسرے شوہر سے اور وہ شوہر اس سے لذت جماع حاصل نہ کر لے۔

حلالہ شرعیہ کا مطلقہ عورت کے ساتھ دوسرے خاوند کی مجامعت پر توقف

- صحیح البخاری: 5261، میں از حضرت عائشہؓ روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پس اس نے (دوسرا) نکاح کر لیا، پھر اس نے بھی اس کو طلاق دے دی تو نبی ﷺ سے سوال کیا گیا، کیا یہ اب پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ وہ اس سے اس طرح تھوڑا سا شہد چکھ لے جس طرح پہلے خاوند نے اس کا تھوڑا سا شہد چکھا تھا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

- اس حدیث میں العُسَیلہ کا لفظ جماع سے کنایہ ہے اور العسل (شہد) بعض اوقات بعض لغات میں مونث کا لفظ ہے اور اس کی تصغیر عُسَیلَۃ ہے (تھوڑا سا شہد)۔
- امام احمد روایت کرتے ہیں: ہمیں مروان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عبد الملک المکی نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہؓ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: العسیلۃ (تھوڑا سا شہد) سے مراد جماع ہے۔(3)
- میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ایک راوی ابو عبد الملک المکی ضعیف ہے، علامہ الزیلعی نے لکھا ہے کہ المکی مجہول ہے۔ (نصب الرایہ ج3 ص238) حافظ نورالدین الہیثمی متوفی 807ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ

---

[1] -جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1209

[2] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 545 حدیث مرفوع مکررات 26

[3] - مسند احمد ج6 ص62، مسند احمد: 24331، موسسۃ الرسالہ، بیروت، 1421ھ

نے روا یت کی ہے اور اس کی سند میں ابو عبد الملک المکی ہے اور میں اس راوی کو اس حد یث کے بغیر نہیں پہچانتا اور اس حدیث کے باقی راوی صحیح ہیں۔(1)

- علامہ عینی لکھتے ہیں: اس حدیث کی امام الدار قطنی نے بھی روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ المکی مجہول ہے۔(2)
- التہ لو یح میں مذکور ہے کہ تمام قرآن عظیم میں جہاں بھی نکاح کا لفظ ہے اس سے مراد عقد نکاح ہے وطی نہیں ہے سوا اس آیت کے:

حَتّٰى تَنكِحَ زَوجًا غَيرَهُ۔

یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔(3)

- کیونکہ اس آیت میں لفظ نکاح سے مراد عقد اور وطی دونوں ہیں اور اس کی دلیل حدیث اَلعُسَیلَۃَ ہے کیونکہ اَلعُسیلہ سے یہاں پر مراد وطی ہے (یعنی جماع)۔
- علامہ عینی فرماتے ہیں: صاحب التلویح کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ نکاح کا اسناد عورت کی طرف ہے، پس اگر اس آ یت میں نکاح سے وطی مراد ہو تو اس کا معنی یوں ہو گا: "حتیٰ کہ وہ عورت کسی اور خاوند سے وطی کر لے" اور یہ معنی فاسد ہے کیونکہ عورت موطوءہ ہے واطۂ نہیں ہے۔ واطی تو صرف مرد ہوتا ہے بلکہ اس آیت میں بھی نکاح کا معنی عقد ہے وطی نہیں ہے اور وطی کا وجوب حد یث العسیلہ سے ثا بت ہے کیونکہ یہ حد یث مشہور ہے اور حد یث مشہور سے نص قرآن پر اضافہ کرنا جائز اور صحیح ہے۔ اور اس میں سعید بن المسیب کے علاوہ اور کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ انہوں نے کہا: عقد نکاح صحیح ہے اور کافی ہے اور اس عقد سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور خوارج کی ا یک جما عت کے سوا اور کسی نے سعید بن الم سیب کی موافقت نہیں کی۔ اور ابوالرجاء مختار بن محمود الزاہدی نے "کتاب القنہ یہ شرح المنہ یہ" میں لکھا ہے کہ سعید بن الم سیب نے اپنے اس مذہ ہب سے رجوع کر لیا تھا اور اگر کسی قاضی نے سعید بن المسیب کے قول کے مطابق فیصلہ کیا تو اس کی قضاء نافذ نہیں ہو گی اور اگر کسی مفتی نے سعید بن المسیب کے قول پر فتویٰ دیا تو اس مفتی کو تعزیر لگائی جائے گی۔
- الحسن البصری نے کہا ہے کہ شرعی حلالہ کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کے بعد جماع سے انزال شرط ہے اور عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ دوسرا خاوند اس سے وطی نہ کر لے اور اس کو انزال نہ ہو جائے اور ان کا یہ زعم ہے کہ اَلعُسَیلہ کا معنی انزال ہے اور باقی تمام فقہاء نے حسن بصری کی مخالفت کی ہے، پس کہا ہے کہ التقاءِ الختنین (یعنی دو شرم گاہوں کے ملنے) سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور التقاء الختنین سے ہی روزہ اور حج فاسد ہو جاتا ہے اور اسی سے حد واجب ہو جاتی ہے اور غسل واجب ہو جاتا ہے اور اسی سے مہر واجب ہو جاتا ہے اور شوہر اور بیوی محصن ہو جاتے ہیں اور مہر مکمل ہو جاتا ہے۔

---

[1]-(مجمع الزوائد ج 4 ص 341)

[2]-(سنن دار قطنی ج 3 ص 252)

[3]-البقرۃ: 230

- علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اگر عورت سوئی ہوئی یا بے ہوش ہو اور اس حالت میں مرد اس سے وطی کر لے اور عورت کو پتا نہ چلے تو پھر وہ عورت اس پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہو گی حتی کہ وہ مرد اور عورت دونوں تھوڑا سا شہد چکھ لیں اور یہ قول بھی درست نہیں ہے کیونکہ تھوڑا سا شہد چکھنے میں دونوں کی مساوات جائز نہیں ہے بلکہ ان میں سے کوئی ایک تھوڑا سا شہد چکھ لے تو عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرنے کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کے متعلق اختلاف فقہاء

- علامہ ابن بطال مالکی متوفی 449ھ نے کہا ہے کہ مُحَلِّل (حلالہ کرنے والا) کے عقد نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو امام مالک نے کہا ہے: وہ اس وقت مطلقہ کو سابق شوہر کے لیے حلال کرے گا جب وہ اپنی رغبت سے نکاح کرے، پس اگر اس نے حلالہ کے قصد سے نکاح کیا تو وہ عورت سابق شوہر پر حلال نہیں ہو گی خواہ زوجین (شوہر اور بیوی) کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور دخول سے پہلے اور دخول کے بعد یہ نکاح فسخ ہو جائے گا اور اللیث، سفیان بن سعید، الاوزاعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔
- اور القاسم، سالم، عروہ اور الشعبی نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس عورت کو سابق شوہر کے لیے حلال کرنے کی خاطر اس سے نکاح کر لے جب کہ سابق شوہر اور اس کی بیوی اس کا علم نہ ہو اور اس کو اس کار خیر پر اجر ملے گا اور ربیعہ اور یحییٰ بن سعید کا بھی یہی قول ہے۔
- اور امام شافعی اور ابو ثور کا یہ مذہب ہے کہ جو نکاح وہ حلال کرنے کے قصد سے کرے اس نیت کے ساتھ کہ وہ نکاح کر کے عورت کو سابق شوہر پر حلال کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے گا تو یہ نکاح فاسد ہے اور جس نے بعد میں طلاق دینے کی شرط نہیں لگائی تو پھر یہ عقد نکاح صحیح ہے۔ اور بشر بن الولید نے از ابو یوسف از ابو حنیفہ اسی کی مثل روایت کی ہے اور امام محمد نے از امام ابو یوسف از امام ابو حنیفہ یہ روایت کی ہے کہ جب دوسرے شوہر نے پہلے شوہر کے لیے عورت کو حلال کرنے کی نیت کی تو وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی اور یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔ اور حسن بن زیاد نے از زفر از امام ابو حنیفہ یہ روایت کی ہے کہ اگر مُحَلِّل نے نفس عقد میں یہ شرط عائد کی کہ وہ صرف اس لیے نکاح کر رہا ہے تا کہ وہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے اور اس کی شرط باطل ہو گی اور مُحَلِّل کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے۔

حلالہ کی صحت کی بعض شرائط

- اور "القنیہ شرح المنیہ" میں علامہ زاہدی حنفی نے لکھا ہے: جب محلل یعنی زوج ثانی اس عورت کی دبر میں دخول کرے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی اور اگر اس نے اس عورت کی فرج میں دخول کیا تو پھر وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی اور موت اور خلوت صحیحہ تحلیل کے حق میں دخول کے قائم مقام نہیں ہیں۔

حلالہ کرنے کی ممانعت اور مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

- اگر اعتراض کیا جائے کہ امام ترمذی اور امام نسائی نے متعدد سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ (یعنی حلالہ کرنے والا اور جس کے لے ی حلالہ کیا جائے) دونوں پر لعنت کی گئی ہے"۔ اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(1)
- نیز ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرمائی ہے"۔(2)
- اور امام عبدالرزاق نے از ثوری از عبداللہ بن شریک العامری روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے سنا وہ حضرت عمرؓ سے سوال کر رہے تھے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر وہ اس پر نادم ہوا، پھر کسی اور مرد نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس مطلقہ سے نکاح کرلے تاکہ وہ اس عورت کو اپنے سابق شوہر کے لیے حلال کر دے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ دونوں زانی ہیں خواہ وہ بیس سال تک اس نکاح پر قائم رہیں۔(3)

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی التوفی 235ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

- قبیصہ بن جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میرے پاس جب بھی کسی محلل اور محلل لہ کو لایا گیا تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔ (4)
- عبدالملک بن المغیرہ بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ کوئی مرد کسی عورت کو اس کے شوہر کے لیے حلال کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ زنا ہے اگر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی شخص یہ کام کرتا تو وہ اس کو عبرت ناک سزا دیتے۔(5)
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے "مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرمائی ہے"۔(6)
- حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔(7)

حلالہ کی ممانعت اور مذمت کے متعلق احادیث کی تحقیق

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

---

[1]- مسند احمد ج1 ص451، مسند احمد: 4308، مسند ابویعلیٰ: 5206-5054، شرح السنہ: 2293، مسند البزار: 488، سنن دار قطنی ج1 ص341، مجمع الزوائد ج2 ص110، سنن ابوداؤد: 826، سنن ترمذی: 312، سنن نسائی ج2 ص141-140، صحیح ابن حبان: 1849

[2]- مسند احمد ج2 ص223، مسند احمد: 8287، مسند البزار: 1442، سنن بیہقی ج7 ص208)، اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت ہے۔ سنن ابن ماجہ: 1934

[3]- مصنف عبدالرزاق: 10820، دارالکتب العلمیہ 1421ھ/ج2 ص265، مکتبہ اسلامیہ، بیروت

[4]- مصنف ابن ابی شیبہ: 17363، المجلس العلمی، بیروت، 1427ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: 17080، دارالوطن، بیروت، 1418ھ

[5]- مصنف ابن ابی شیبہ: 17365، المجلس العلمی، بیروت، 1427ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: 17080، دارالوطن، بیروت، 1418ھ

[6]- مصنف ابن ابی شیبہ: 37343، مجلس علمی، بیروت، 1427ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: 36190، دارالوطن، بیروت، 1418ھ)

[7]-(مصنف ابن ابی شیبہ: 37345، مجلس علمی بیروت: 1427ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: 36190، دارالوطن بیروت: 1418ھ)

- یہ تمام احادیث اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس نکاح میں حلالہ کی شرط لگائی گئی ہو وہ نکاح مکروہ ہے اور ان احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ حلالہ کرنا حرام ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں اس کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ لفظ مُحَلِّل نکاح کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مُحَلِّل وہ شخص ہے جو کسی حلال کام کو ثابت کرنے والا ہو اور اگر حلالہ فاسد ہوتا تو پھر حلالہ کرنے والے کا نام مُحَلِّل نہ رکھا جاتا اور ان میں سے کوئی شخص بھی لعنت کا مصداق نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ حرام کو حلال کرنے کا قصد کرے، رہی حضرت علیؓ کی حدیث تو اس کو امام ابوداؤد نے اس طرح روایت کیا ہے:
- ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل نے حدیث بیان کی از الحارث از حضرت مولیٰ علیؓ، اسماعیل نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ حضرت علی نے اس حدیث کی نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ پر لعنت فرماتا ہے"۔ (1)
- اس حدیث کی نبی ﷺ سے روایت ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے کہا: اسماعیل نے بیان کیا کہ میرا یہ گمان ہے کہ یہ نبی ﷺ سے روایت ہے، نیز یہ حدیث معلول ہے کیونکہ اس کی سند میں الحارث ہے اور وہ بہت شدید ضعیف راوی ہے۔
- رہا وہ اثر جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے (مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہ دونوں زانی ہیں) جس کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے تو امام طحاوی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ تشدید اور تغلیظ (سختی) پر محمول ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے متعلق فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (2)

حلالہ شرعیہ کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی 235ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

- عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پس دوسرا مرد اس بستی کے لوگوں میں سے آیا اور اس کا علم نہ طلاق دینے والے مرد کو تھا اور نہ اس کی بیوی کو سو اس نے اپنے مال میں سے کچھ نکالا اور اس مطلقہ عورت سے نکاح اس قصد سے کر لیا تا کہ وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے تو عمرو بن دینار نے کہا: یہ جائز نہیں، پھر بتایا کہ نبی ﷺ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: "یہ جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ مرد صرف اپنی رغبت سے اس عورت سے نکاح کرے (آپ نے یہ جملہ دو بار فرمایا)، سو جب اس نے اس طرح کر لیا تو وہ مطلقہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے اس وقت حلال ہو گی جب دوسرا شوہر اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لے"۔ (3)

اس حدیث کے حاشیہ میں علامہ محمد عوامہ لکھتے ہیں:

1- سنن ابوداؤد: 2076، دار الفکر، بیروت، 1421ھ، سنن ترمذی: 1119، دار المعرفہ، بیروت، 1422ھ

2- صحیح مسلم: 251، سنن ابوداؤد: 548، سنن ترمذی: 217، سنن نسائی: 848، سنن ابن ماجہ: 791) (عمدۃ القاری ج20 ص336، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

3-(مصنف ابن ابی شیبہ: 17373، مجلس علمی، بیروت، 1427ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: 17090، دار الوطن، بیروت، 1418ھ)

- یہ حدیث عمرو بن دینار کی مراسیل میں سے ہے، امام حاکم نے بھی اس کی تائید میں روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے۔(1)
- شعبہ بیان کرتے ہیں: میں نے حکم اور حماد سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے کسی مطلقہ عورت سے اس لیے نکاح کیا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے تو حکم نے جواب دیا: وہ اس عورت کو اپنے پاس رکھے اور حماد نے جواب دیا کہ مستحب یہ ہے کہ وہ اس کو طلاق دے کر الگ کر دے (تاکہ وہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکے)۔(2)
- معمر از ہشام بن عروہ از والد خود وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک عروہ حلالہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ بہ شرطیکہ مطلقہ عورت اور اس کے خاوند کو اس کا علم نہ ہو۔(3)
- اس حدیث کی ابن حزم ظاہری نے بھی امام عبدالرزاق سے روایت کی ہے۔(4)
- معمر از ہشام بن عروہ از والد خود از جابر از شعبی انہوں نے (یعنی شعبی نے) کہا: حلالہ کرنے میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب مطلقہ عورت کے خاوند نے اس کا حکم نہ دیا ہو۔(5)
- میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں حلالہ سے منع کیا ہے اور اس کی مذمت کی ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ جب مطلقہ عورت کا خاوند کسی کو حلالہ کرنے کے لیے کہے اور اگر مطلقہ عورت کا خاوند کسی کو حلالہ کرنے کے لیے نہ کہے اور کوئی مرد از خود اپنی رغبت سے اس مطلقہ عورت سے نکاح کر لے تو پھر یہ حلال شرعیہ ہے اور جائز ہے اور جب دوسرا خاوند اس مطلقہ عورت سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے گا تو وہ پہلے شوہر کے لیے بلا کراہت حلال ہو جائے گی

حدثنا حماد بن زيد قال قلت لأيوب هل علمت أحدا قال في أمرك بيدك أنها ثلاث غير الحسن......هذا حديث منكر (6)

علی بن نصر بن علی، سلیمان بن حرب، حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ایوب سے دریافت کیا کہ کیا تم اس شخص سے واقف ہو جو کہ جملہ امرک بیدک بولنے سے تین طلاق کے واقع ہونے کا قائل ہو علاوہ حضرت حسن کے وہ فرماتے ہیں اس جملہ کے کہنے سے تین طلاق واقع ہو جاتیں ہیں۔ حضرت ایوب نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کو اس طریقہ سے کہتے ہوئے نہیں سنا۔ وہ کہہ رہے ہیں اس جملہ کے کہنے سے تین طلاق (یعنی طلاق مغلظہ) واقع ہو جاتی ہے۔ یہ بات سن کر خدا ان کی مغفرت فرما دے اگر ان سے غلطی ہو گئی ہو لیکن وہ حدیث شریف جو کہ مجھ سے حضرت قتادہ نے نقل کی۔ حضرت کثیر کی روایت ہے اور کثیر نے حضرت ابو سلمہ سے اور حضرت ابو سلمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے

---

[1] المستدرک ج 2 ص 199

[2] -(مصنف ابن ابی شیبہ: 17368، مجلس علمی، بیروت، 1427ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: 17058، دار الوطن، بیروت، 1418ھ

[3] -(مصنف ابن ابی شیبہ: 10824، دار الکتب العلمیہ، طبیروت، 1421ھ/ مصنف عبدالرزاق ج 6 ص 266، مکتبہ اسلامی، بیروت)

[4] -المحلی بالآثار ج 10 ص 82

[5] -مصنف عبدالرزاق: 10831، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ/ مصنف عبدالرزاق ج 6 ص 268، مکتبہ اسلامی، بیروت

[6] - تخریج: د/الطلاق 49 (2309)، تحفۃ الاشراف: 15958)، وقد اخرجہ: خ/الطلاق 4 (5260)، م/النکاح 17 (1433)، حم (6/42) صحیح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طریقہ سے بیان کیا کہ وہ تین طلاقیں ہوتی ہیں۔ راوی کہتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے ان سے یہ حالت نقل کی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ وہ بھول گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن جو کہ اس کتاب کے مصنف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔([1])

مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء

- امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مطلقہ کی متاع میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک خادم دیا جائے، اس سے کم درجہ یہ ہے کہ چاندی دی جائے اور اس سے کم یہ ہے کہ کپڑے دیئے جائیں۔
- شعبی نے کہا: متوسط مطلقہ کی متاع دوپٹہ، قمیص، چادر اور ملحفہ ہے۔(2)
- علامہ ماوردی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مطلقہ کی متاع حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے۔ (3)
- علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جتنے کپڑوں کے ساتھ عورت نماز ادا کرسکے وہ مطلقہ کی متاع ہے۔(4)
- علامہ قرطبیؒ مالکی لکھتے ہیں: امام مالک نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک مطلقہ کی متاع کی کوئی معین مقدار نہیں ہے قلیل متاع کی کوئی حد ہے نہ کثیر کی اور ائمہ کا اس کی حد میں اختلاف ہے۔(5)
- علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: جس عورت سے بلا مہر نکاح کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے اور یہ قمیص، دوپٹہ اور ملحفہ ہے (سر سے قدم تک اوڑھے جانے والی چادر، علامہ شامی نے لکھا ہے اس کے ساتھ ازار بھی ضروری ہے) یہ متاع نصف مہر مثل سے زائد نہیں ہونی چاہیے، خواہ زوج، خوشحال ہو، اور نہ پانچ درہم سے کم ہو، تنگ دستی اور خوشحالی میں عورت کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، اس کے سوا باقی مطلقہ عورتوں کے لیے متاع مستحب ہے، البتہ جس عورت کا مہر مقرر کیا گی ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا مستحب نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مبسوط، محیط، کنز اور ملتقی وغیرھا میں لکھا ہے کہ اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے اور یہی صحیح ہے۔(6)

مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء

- علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں: مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم میں صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ حضرت علی، حسن بصری، ابوالعالیہ اور زہری کا مذہب یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے، حضرت ابن عمر، قاسم

---

[1] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1348 حدیث مرفوع مکررات 4

[2] - جامع البیان ج 2، ص 228، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، 1409ھ

[3] - النکت والعیون ج 1، ص 305، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

[4] - زادالمیسر ج 1، ص 280، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1407ھ

[5] - الجامع الاحکام القرآن ج 3، ص 301، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، 1387ھ۔

[6] - درمختار علی ھامش الرد ج 2 ص 236-235 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ۔

بن محمد، شریح اور ابراہیم کا یہ نظریہ ہے کہ جس مطلقہ کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور مباشرت سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کے سوا ہر مطلقہ کے لیے متاع واجب ہے، اور اس مطلقہ کے لیے نصف مہر و واجب ہے، امام اوزاعی، ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کے لیے متاع واجب ہے اور اگر اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو تو پھر اس کو متاع نہیں دی جائے گی۔ امام مالک لیث بن سعد، حکم اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک متاع مستحب ہے اور کسی عورت کے لیے واجب نہیں ہے خواہ اس عورت کا مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہیں اور اس کے ساتھ مباشرت کی گئی ہو یا نہیں۔ (1)

- علامہ ماوردی شافعی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے۔ (2)
- قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں: ہمارے علماء کے نزدیک مطلقہ کی متاع واجب نہیں ہے، اولا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے متاع کی مقدار بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کو دینے والے کے اجتہاد پر معلق فرمایا: ثانیاً اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "حقا علی المحسنین" (3)

یہ محسنین پر واجب ہے اگر مطلقہ کی متاع واجب ہوتی تو مطلّقاً تمام مسلمانوں پر واجب ہوتی۔ (4)

متاع کے وجوب پر فقہاءِ احناف کے دلائل

- علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، اور امام زفر کے نزدیک جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کو متاع دینا واجب ہے، وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فمتعوھن" ان کو متاع دو۔ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے الا یہ کہ اس کے خلاف استحباب پر کوئی دلیل قائم ہو اور وہ یہاں نہیں ہے، نیز فرمایا: "وللمطلقت متاع بالمعروف"۔ (البقرہ: 241) دستور کے مطابق متاع مطلّقات کی ملکیت ہے۔ کیونکہ لام تملیک کے لیے ہے اور جو چیز کسی کی ملکیت اور اس کا حق ہو اس کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "حقا علی المحسنین" اور "حق علی المتقین" یہ وجوب کی تاکید ہے۔ (5)
- علامہ ابن عربی مالکی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو ہر مسلمان پر واجب ہوتی صف متقین اور محسنین پر واجب نہ ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وجوب کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متاع محسنین اور متقین پر حق ہے اور حق سے زیادہ اور کوئی وجوب کے لیے موکد نہیں ہے، جس طرح "ھدی للمتقین"۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت نہ ہو اسی طرح "حقا علی المتقین" سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقہ کی متاع، ہر مسلمان پر

---

[1]-زادالمیسر ج1 ص: 28، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1407ھ
[2]-النکت والعیون ج1 ص306، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت
[3]-البقرہ: 236
[4]-احکام القرآن ج1 ص280، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1408ھ
[5]-احکام القرآن ج1 ص428، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

واجب نہ ہو، نیز اس کا معنی ہے جو تقویٰ اور احسان کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور ہر مسلمان تقویٰ اور حسان کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ باقی یہ جو کہا ہے کہ اگر متاع واجب ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی مقدار معین نہیں کی جاسکتی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خوشحال پر (یہ متاع) اس کے (حال کے) موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق ہے۔

- اللہ کا ارشاد ہے: البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے۔ (تو درست ہے)۔ (1)

-طلاق سے متعلقہ احادیث

جس وقت شوہر اور بیوی دونوں ہی غلام اور باندی ہوں پھر وہ آزادی حاصل کر لیں تو اختیار ہو گا

قال كان لعائشة غلام وجارية قالت فأردت أن أعتقهما فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابدی بالغلام قبل الجارية (2)

اسحاق بن ابراہیم، حماد بن مسعدہ، ابن موہب، حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس غلام اور باندی تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارادہ ہوا کہ ان دونوں کو آزاد کر دیں پھر انہوں نے اس بات کا تذکرہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تم باندی سے قبل غلام کو آزاد کرنا۔ (3)

مسائل و معاملات:

مذاہب فقہاء

- باندی کی آزادی کے وقت اگر اس کا شور غلام ہوت و بالاتفاق باندی کو خیار ملتا ہے کہ وہ شوہر کو اختیار کرنا چاہے تو اختیار کرلے اور چھوڑنا چاہے تو چھوڑ دے اس خیار کو خیار عتق کہا جاتا ہے۔
- اور اگر باندی کا شوہر آزاد ہو باندی کو خیار عتق کے ملنے کے بارے میں اختلاف ہے (1) حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی خیار عتق ہے (2) ائمہ ثلاثہؒ اس آزادی کے واقعہ سے ہے:

حنفیہ کا استدلال

- حضرت بریرہؓ کی آزادی کے واقعہ سے ہے:

عن الاسود عن عائشہ قالت کان زوج بریرۃ حرا فخیر ھار رسول للہ ﷺ

ائمہ ثلاثہ کا استدلال:

1- البقرہ: 237

2- تخریج: د/الطلاق 22 (2237)، ق/العتق 10 (2532) (تحفۃ الاشراف: 17534)

3 - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1385 حدیث مرفوع مکررات 3

بھی حضرت بریرہؓ ہی کے واقعہ سے ہے جو اس باب میں ھشامہ بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ کے طریق سے۔

جواب :ولَوْ كانَ حرالم يُخَيِّرْ هَا کا جملہ حدیث کا جزء نہیں بلکہ عروہ کا قول ہے چنانچہ نسائی اور ابن حبان میں تصریح ہے۔

قال:عروة ولو كان حرالم يخيرها ہے اور یہ قول ان کے اجتہاد کی حیثیت رکھتا ہے جو مجتہد پر حجت نہیں۔

آصل منشاء اختلاف: یہ ہوا کہ بوقت عتق بریرہؓ کا خاوند آزاد تھا یا غلام تھا احناف فرماتے ہیں کہ حر تھے شوافع فرماتے ہیں کہ عبد تھے احناف کی طرف سے حدیث عائشہؓ کا جواب۔ حدیث عائشہؓ بطریق اسود میں تصریح ہے کہ حضرت بریرہؓ کے زوج آزاد تھے اور حدیث عائشہؓ بطریق عروہ میں تصریح ہے کہ غلام تھے دونوں میں تعارض ہے اور اگر تطبیق کا طریقہ اختیار کیا جائے ت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔ کہ رواۃ کا ایسی دو صفتوں میں اختلافات ہے جو بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں یعنی حریت اور عبدیت اس لیے ہم ان دونوں صفتوں کو علیحدہ علیحدہ حالتوں میں مانیں گے اور کہیں گے کہ انہ کان عبداً فی حالۃ وحرافی حالۃ اخری۔ اس صورت میں یقیناایک حالت مقدم ہو گی اور دوسری مئوخر اور یہ امر متعین ہے کہ رقیت کے بعد حریت آسکتی ہے لیکن حریت کے بعد رقیت نہیں آسکتی جس کا تقاضہ یہ ہے کہ رقیت مقدم ہو اور حریت مئوخر ہو ثابت ہوا کہ جس وقت حضرت بریرہؓ کو خیار ملا اس وقت ان کے شوہر آزاد تھے۔ اور اس سے قبل غلام۔

جواب(2): حدیث عائشہؓ اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو اسود کی روایت راجح ہے جس کی تحقیق علامہ ابن القیمؒ کے بیان کے مطابق اس طرح ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے تین راویوں نے روایت کیا ہے۔ اسود، عروہ اور قاسم بن محمدؒ ان میں سے عروہؒ سے دو صحیح متعارض روایات مروی ہیں: ایک زوج بریرہؓ کے آزاد ہونے کی اور دوسرے ان کے غلام ہونے کی۔

- قاسم بن محمدؒ سے بھی دو روایت مروی ہیں ایک حر ہونے کی اور دوسری روایر میں حر یا عبد ہونے میں شک ہے ان دونوں کے مقابلہ میں اسود کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اس میں زوج بریرہؓ کے صرف حر ہونے کا ذکر ہے لہٰذا اسود کی حر ہونے کے متعلقہ روایت واجح ہے۔

وجہ ترجیح(2): یہ بات متفق علیہ ہے کہ زوج بریرہؓ پہلے عبد تھا اب جھگڑا ہے اس میں ہے کہ بریرہؓ کی آزادی کے وقت ان کی حریت ثابت ہے یا نہیں؟ تو حدیث عائشہؓ بطریق اسود یہ حریت کو نقل کر رہے ہیں لہٰذا امر زائد کو اسود ثابت کر رہے ہیں تو بطریق اسود مثبت لل۔زیادتہ ہونے کی وجہ سے واجح ہو گی۔

وجہ ترجیح(3): حدیث عائشہؓ بطریق اسود میں حریت کی تصریح ہے اور یہ روایت حریت میں محکم ہے اور حدیث عائشہؓ بطریق عروہ میں عبد ہونا محتمل ہے یہ احتمال ہے کہ مجاز پر محمول ہو یعنی اس کو عبد کہنا ما کان کے اعتبار سے ہو لہٰذا محکم واجح ہو گی۔

حدیث ابن عباس کا جواب: اس میں عبد کہنا ما کان کے اعتبار سے ہے۔

جواب (2): ہماری حدیث بطریق اسود کو مثبت للزیادہ ہونے کی وجہ سے ترجیح ہوئی۔

جواب(3): کہ حضرت ابن عباسؓ کو حریت کا علم نہ ہو گا اور ان کا بیان حضرت عائشہؓ کے بیان کا معارضہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ بریرہؓ کی معتقہ اور صاحب معاملہ تھیں۔

- پھر واضح وہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مغیثؓ حضرت بریرہؓ کی آزادی کے وقت غلام تھے تب بھی اس سے حنفیہ کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ اس صورت میں حنفیہ کا مسلک قیام سے ثابت ہو گا اور وہ اس طرح کہ حضرت بریرہؓ کو اختیار دینے کی علت یہ تھی کہ نکاح کہ وقت ان کی مرضی عقد میں موثر نہ تھی بلکہ مولی کی مرضی سے نکاح ہوا تھا آزادی کے وقت ان کو اپنی مرضی استعمال کرنے کا حق کیا گیا اور یہ علت اس صورت میں بھی پائی جاتی ہے جبکہ زوج حر ہو۔ واللہ اعلم

-طلاق سے متعلقہ احادیث

باندی کو اختیار دینے سے متعلق

عن عاشة قالت كان فی بریرة ثلاث قضیات أراد......وهو لنا هدیة (1)

محمد بن آدم، ابو معاویہ، ہشام، عبدالرحمٰن بن قاسم، ابیہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے تین سنتیں جاری ہوئیں چنانچہ جس وقت ان کے آقاؤں نے ان کو آزادی دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے وراثت (خود) وصول کرنے کی شرط مقرر کی تو میں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کو خرید کر آزاد کر دو اور وراثت تو اس کا حق ہے جو کہ آزاد کرتا ہے پھر ان کو آزاد کر دے گا۔ پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اختیار عطا فرمایا کہ تمہارا دل چاہے تو تم اپنے شوہر ہی کے نکاح میں رہو اور تمہارا دل چاہے تو تم کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لو چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کو اختیار کیا۔ پھر ان کو صدقہ دیا جاتا تو وہ اس صدقہ میں سے ہدیہ تحفہ کے طور پر کچھ بھیجا کرتی تھی جس وقت میں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو بھی اس میں سے کھانے کے واسطے دو اس لیے کہ اس کے واسطے صدقہ اور ہمارے واسطے ہدیہ ہے۔[2]

مسائل و معاملات:

- عین میں تبدیلی سے متعلق قاعدہ فقہیہ کا بیان
  تبد ل الملک یوجب تبدلآ فی العین-(3)
- سبب ملکیت کی تبدیلی ذات میں تبدیلی کو واجب کرتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے سبب ملکیت یں تبدیلی آجائے یعنی وہ سبب جس کی وجہ سے ملکیت تھی وہ سب بھی تبدیلی ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کی ذات میں تبدیلی ہو جائے گی اور حکم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔
- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبرہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گوشت صدقہ دیا گیا تھا انہوں نے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کیا، آپ نے فرمایا: یہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے ہدیہ

---

[1]- تخریج: م/الزکاۃ 52 (1075)، العتق 2 (1504)، (تحفۃالاشراف: 17528)، حم (6/45)، د/الطلاق 15 (2336، 2337) (صحیح)

[2] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1387 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 22

[3]-نور الانوار، ص230

ہے۔(1)

کیونکہ جب تم نے اسے حاصل کیا تو وہ تمہارے لئے صدقہ تھا اور جب تمہاری ملکیت میں آگیا اور پھر تم نے ہمیں دیا تو وہ ہمارے لئے ہدیہ ہو گا کیونکہ ملکیت کی تبدیلی عین یعنی ذات میں تبدیلی کو واجب کرتی ہے۔(2)

- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی غلام دیکھے اور پھر اسے خرید کر آزاد کر دے۔(3)
- فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ ہر ذی رحم محرم جب ملکیت میں آئے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالعموم فرمایا: جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ آزاد ہے۔(4)
- ذی رحم محرم پر ملکیت حاصل ہونے پر وہ سب جو عام غلاموں میں ہوتا ہے وہ تبدیل ہو گیا کیونکہ سبب غلامیت سے زیادہ قوی سبب ذی رحم محرم ہونا اور قوی سبب کے ہوتے ہوئے ضعیف سبب ساقط ہو جاتا ہے۔اس لئے وہ لوگ جو ذی رحم محرم ہوں گے وہ اپنے رشتہ دار کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائیں گے۔

ایلاء سے متعلق

حدثنا ابن عباس قال أصبحنا يوما ونسا النبى صلى الله عليه وسلم يبكين ......ثم نزل فدخل على نساه (5)

محمد بن عبداللہ بن حکم، مروان بن معاویہ، حضرت ابویعفور سے حضرت ابوضحیٰ سے حضرت ابویعفور روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ ابوضحیٰ کے نزدیک ذکر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مہینہ کی مدت تیس روز ہے اور بعض حضرات فرماتے تھے کہ 29 دن ہے۔اس دوران حضرت ابوضحیٰ نے نقل کیا مجھ سے حضرت ابن عباس ایک دن اٹھ گئے صبح کے وقت تو کیا معاملہ دیکھتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رو رہی ہیں اور ہر ایک زوجہ مطہرہ کے پاس ان کے گھر کے لوگ موجود تھے۔پھر میں مسجد میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بالاخانہ میں تشریف رکھتے تھے۔حضرت عمر نے سلام فرمایا یعنی کسی شخص نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔انہوں نے پھر سلام کیا لیکن کسی نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔انہوں نے تین مرتبہ اسی طریقہ سے کیا پھر وہ واپس تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا۔وہ اوپر تشریف لے گئے جناب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اور کہا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق دے دی؟ یعنی کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی محترم اہلیہ کو طلاق دے دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں لیکن میں نے ان سے ایک ماہ کا ایلاء کیا جسے راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

1۔ صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۵، قدیمی کتب خانہ کراچی

2۔ نور الانوار

3۔ مسلم ج ا ص ۴۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی

4۔ سنن ابن ماجہ، ج ا، ص ۱۸۱، قدیمی کتب خانہ کراچی) (ہدایہ اخیرین ج ۴، ص ۴۴۹، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

5۔ تخریج: خ/النکاح 92 (5203)، (تحفۃ الاشراف: 6455) (صحیح)

وسلم اس مکان میں 29 روز ٹھہرے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے نیچے اتر آئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے مکان میں ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- بیوی یا بیویوں سے ایک مہینہ تک صحبت نہ کرنے یا اُن کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا جائز ہے۔ اسے ایلاء کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایلاء کی آیت سورۃ البقرۃ: 227-226 ہے۔ للذین یولون من نسآئھم تر بص اربعۃ اشھرفان فآء فان اللہ غفور الرحیمoوان عزمو الطلاق فان اللہ سمع علیم۔(2)

ترجمہ: "جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت ہے، اگر اُنھوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ اور اگر اُنھوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا ہے۔"

- قمری مہینہ اُنتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔
- ایلاء کے سلسلے میں یہاں دو مسئلے ہیں:

ایلاء کی مدت کیا ہے؟

- دوسرا یہ کہ مدت گزرنے کے بعد طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی یا علیحدہ طلاق دینا ہو گی۔

ایلاء کی مدت میں اختلاف اور ائمہ کی آراء:

- جمہور کے نزدیک ایلاء صرف چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کی قسم کو کہتے ہیں۔ اس سے کم مدت میں ایلاء نہیں۔ امام ابن سیر بن امام ابن ابی لیلیٰ، امام قتادہ، امام حسن اور امام نخعی رحمھم اللہ اجمعین وغیرہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ ایلاء چار ماہ سے کم مدت میں بھی ہو جاتا ہے کیونکہ مقصود عورت کو تکلیف پہنچانا ہے اور وہ اس میں موجود ہے۔ یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ماہ ایلاء کرنا منقول ہے اور اگر چار ماہ سے کم ایلاء نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا واقع نہ ہوتا۔ (3)
- دوسرا مسئلہ: چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع نہیں ہو گی یہ امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کا مسلک ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مجرد مدت ایلاء گزرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعود کا بھی یہی مسلک ہے۔ (4)

-طلاق سے متعلقہ احادیث:

لفظ قرء سے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] - سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1394 حدیث مرفوع مکررات 19 بدون مکرر

[2] - سورۃالبقرۃ: 227-226

[3] نیل الاوطار: 354/4

[4] الام: 256/5، المغنی: 30/11، نیل الاوطار: 354/4

أن فاطمة ابنة أبي حبيش حدثته أنها أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فشكت إليه الدم ..... ثم صلی ما بين القر إلى القر (1)

عمرو بن منصور، عبداللہ بن یوسف، لیث، یزید بن ابوحبیب، بکیر بن عبداللہ بن اشج، منذر بن مغیرہ، عروہ بن زبیر، حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے (شدت سے) خون جاری ہونے کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کسی ایک رگ کی وجہ سے ہے یعنی کوئی رگ کھل جاتی ہے اسی رگ سے خون آ رہا ہے اس وجہ سے تم اس کا خیال رکھو کہ جس وقت تمہارے قرو (حیض) کے دن آ جائیں تم اس زمانہ میں نماز (روزہ) چھوڑ دیا کرو اور جس وقت (حیض) پورے ہو جائیں تو پاک ہو کر غسل کر لو۔ راوی نقل کرتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک حیض سے دوسرے حیض کے دوران تم نماز پڑھ لیا کرو۔ (2)

مسائل و معاملات:

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

- امام عبدالرزاق، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب نے کہا: الا قراء سے مراد حیض ہے۔
- امام ابن جریر اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ "ثلاثۃ قروء" سے مراد تین حیض ہیں۔
- امام بعد بن حمید نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔
- وکیع نے حسن سے روایت کیا ہے کہ عورت حیض کے ساتھ عدت گزارے خواہ اس کو ایک سال کے بعد حیض آئے۔
- امام عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں، طہر نہیں ہیں۔
- امام عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ الاقراء حیض ہیں طہر نہیں ہیں۔
- امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ طلاق دینا مردوں پر موقوف ہے اور عدت عورتوں پر موقوف ہے۔ (3)
- فقہاء احناف نے "ثلاثۃ قروء" میں لفظ "ثلٰثۃ" سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کیا جائے گا یا نہیں، اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو دو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی اڑھائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین قروء صرف اسی صورت میں عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

1- تخریج: د/ الطھارة 108 (280، 281)، و110 (286)، ق/ فیہ 115 (260)، حم (42/ 463، و آعادہ المولف بارقام: 212، 350، 358، 362، 3583، صحیح

2- سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1494 حدیث مرفوع مکررات 5

3- الدر المنثور، ج 1 ص 275-274 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران

- فقہاء احناف نے قرء بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استقرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خالی اور صاف ہے، سو اگر عورت کو حیض آگیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔
- فقہاء شافعیہ اور مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: "فطلقوھن لعدتھن"۔ (الطلاق: 1) انہوں نے کہا: اس آیت میں لام توقیت کے لیے ہے اور آیت کا معنی ہے: ان کو حدت کے وقت میں طلاق دو، اور چونکہ حیض میں طلاق دینا مشروع نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عدت کا وقت طہر ہے اس لیے "ثلثۃ قروء" میں قروء بہ معنی طہر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لام توقیت کے لیے نہیں بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی طلاق عدت کے ساتھ مختص ہے اور عدت حیض سے شروع ہوتی ہے، اس لیے طلاق حیض سے پہلے دینی چاہیے کہ کہ دوران حیض، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک قرأت میں ہے: نبی کریم ﷺ نے اس آیت کو یوں بھی پڑھا ہے: "فی قبل عدتھن" (روح المعانی ج 1 ص 132) یعنی ان کو عدت سے پہلے طلاق دو، نیز قرء بہ معنی حیض پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ثلثۃ قروء" کے بعد فرمایا ہے: "عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے" اور یہ واضح ہے کہ اس کا تعلق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے۔

قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء کا بیان

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

- قروء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ ضحاک، عکرمہ، سدی، امام مالک اور ابو حنیفہ کا قول ہے (علامہ ماوردی کو نقل میں تسامح ہوا ہے، امام مالک کے نزدیک اس کا معنی حیض نہیں، طہر ہے، البتہ امام احمد کے نزدیک اس کا معنی حیض ہے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی طہر ہے، یہ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، زہری، ابان بن عثمان، امام شافعی اور اہل حجاز کا قول ہے۔ (1)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

- اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین ادوار یا تین انتقالات تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں، اور مطلقہ کبھی حیض سے طہر کی طرف اور کبھی طہر سے حیض کی طرف منتقل ہوتی ہے، اور یہاں طہر سے حیض کی طرف انتقال تو قطعاً مراد نہیں ہے کیونکہ حیض میں طلاق دینا تو اصلا مشروع نہیں ہے، اور جب کہ طلاق دینا طہر میں مشروع ہے تو پھر عدت تین انتقالات ہے اور پہلا انتقال اس طہر سے ہے جس میں طلاق واقع ہے۔ (2)

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

---

[1] النکت والعیون ج 1 ص 291-190، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

[2] -(الجامع الاحکام القرآن ج 3 ص 115-114، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، 1387ھ

- اقراء کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہ، حضرت بو موسیٰ رضی اللہ عنہ نہ، حضرت عبادہ بن الصامت، رضی اللہ عنہ نہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نہ، عکرمہ، ضحاک، سدی، سفیان ثوری، اوزاعی، حسن بن صالح، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل کا یہی قول ہے، امام احمد نے کہا: میں پہلے یہ کہتا تھا کہ قرء بہ معنی طہر ہے، اور اب میرا مذہب یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقراء سے مراد اطہار ہیں، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ، حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زہری، ز، بان بن عثمان، امام مالک بن انس اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ (1)

- کفاروں کا بیان۔

قسم اٹھالی پھر خیال ہوا کہ اس کے خلاف کرنا بہتر ہے تو۔

أبي موسى قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط من الأشعريين نستحمله ....وكفرت عن يميني[2]

احمد بن عبدہ، حماد بن زید، غیلان بن جریر، ابی بردہ، حضرت ابو موسی فرماتے ہیں کہ میں اشعریین کی ایک جماعت کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے آپ سے سواری مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میرے پاس جانور نہیں ہیں کہ تمہیں سواری دوں۔ فرماتے ہیں ہم جتنا اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے پھر کہیں سے اونٹ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لئے تین اچھی کوہان والے سفید اونٹوں کا حکم دیا جب ہم چلے تو ہمارے بعض ساتھیوں نے دوسروں سے کہا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری مانگنے گئے تھے تو آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ ہمیں سواری نہ دیں گے پھر آپ نے ہمیں سواری دے دی۔ اس لئے واپس چلو ہم واپس رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس سواری مانگنے آئے تھے تو آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ ہمیں سواری نہ دینگے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے تو تمہیں سواری دی ہی نہیں اللہ تعالی نے تمہیں سواری دی اللہ کی قسم! اللہ چاہے تو جب بھی میں کوئی قسم اٹھاؤں پھر اس کے خلاف کرنے کو بہتر سمجھوں تو میں اسکے خلاف کرلیتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں یا فرمایا کہ میں بھلائی کی طرف رجوع کرلیتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں ۔(3)

مسائل و معاملات:

---

[1] -زادالمیسر ج1 ص،26۔259، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1407ھ

[2] - **تخریج:** بخاری: 375/2، 1515/2، 1546/2، 481/3، 482/3، 1533/3، 1557/3، 1582/3، 1584/3، 1622/3، 1623/3، 1625/3، 1626/3، 1627/3، 2399/3، مسلم: 1769/2، 1770/2، 1771/2، 1772/2، 1773/2، 1774/2، 1775/2، 1776/2، ترمذی: 1883/1، 1884/1، ابوداؤد: 1489/2، نسائی: 109/3، 110/3، 648/3، 649/3، ابن ماجہ: 264/2۔

[3] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 265　　حدیث مرفوع　　مکررات 31

- خود سواریاں دے کر اللہ کی طرف نسبت کرنا سنت نبویؐ ہے۔
- جو شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور قسم پورا کرنے سے قسم کو توڑنا بہتر ہو تو اس قسم کو توڑ دے اور اس قسم کا کفارہ ادا کرے۔

خود سواریاں دے کر اس کی اللہ کی طرف نسبت کرنے کی توجیہات:

مذکورہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اشعریوں سے فرمایا: "میں نے تم کو سواری نہیں دی لیکن یہ سواری تم کو اللہ نے دی ہے"۔

شارحین نے اس کی کئی توجیہات کی ہیں:

- ایک یہ کہ نبیؐ نے یہ قسم کھائی تھی کہ اپنی ملکیت میں سے کوئی اونٹ نہیں دیں گے۔ اور جو اونٹ آپؐ نے عطا فرمائے وہ اپنی ملکیت میں سے نہیں دیئے تھے بلکہ بیت المال سے دیئے تھے اور وہ اللہ کا مال ہے۔ اس لیے یہ فرمایا یہ سواریاں تمہیں اللہ نے دی ہیں۔ اس توجیہ کا مآل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم نہیں توڑی اور یہ جو فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کام کی قسم کھاؤں پھر اس کے خلاف کو بہتر خیال کروں تو میں وہ بہتر کام کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا اس جملہ کا اس قصہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ آپؐ نے بر سبیلِ ہدایت ایک حکم یا قاعدہ بیان فرمایا ہے۔ (1)
- دوسری توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم توڑنے کی نفی نہیں کی، بلکہ یہ بتلایا ہے کہ آپؐ کا اونٹ دینا اونٹ نہ دینے کی قسم پوری کرنے سے بہتر ہے۔ اور آپؐ کا اونٹ عطا کرنا نسیان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ کے حکم کی وجہ سے ہے اسی لیے فرمایا میں نے تم کو سواریاں نہیں دیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ گویا یہ اسناد الی السبب ہے۔
- تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ارشاد "**وما رمیت اِذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ**" کے طریقہ پر ہے یعنی جب آپؐ نے کنکریاں ماری تھیں تو وہ کنکریاں آپؐ نے نہیں ماریں بلکہ اللہ نے ماری تھیں۔
- چوتھی توجیہ یہ ہے کہ سواریوں کا دینا اگرچہ ظاہراً اور کسباً آپؐ کا فعل تھا لیکن حقیقۃً اور خلقاً وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

قسم توڑنے پر کفارہ ادا کرنے میں مذاہبِ فقہاء:

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور قسم پورا کرنے سے قسم کو توڑنا بہتر ہو تو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے قسم توڑنا مستحب ہے۔ اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ واجب نہیں ہوگا اور یہ کہ قسم توڑنے کے بعد کفارے کو مؤخر کرنا جائز ہے اور یہ کہ کفارے کو قسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا قسم کھانے کے بعد اور قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ، امام شافعیؒ اور چودہ صحابہ اور فقہاء تابعین اس کو جائز کہتے ہیں۔ سو یہ جمہور کا قول ہے، لیکن ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ قسم توڑنے کے بعد کفارہ دیا جائے۔ امام شافعیؒ نے روزے کے کفارے کا استثناء کیا ہے، اور کہا ہے کہ روزہ توڑنے سے پہلے روزے کا

---

1. فتح الباری: 565/1

کفارہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بدنی عبادت ہے اور بدنی عبادت کو وقت سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نماز وقت سے پہلے جائز ہے نہ رمضان کے روزے اور مالی کفارہ کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے جس طرح زکوۃ کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔

بعض شافعیہ نے معصیت کی قسم کا استثناء کیا ہے تاکہ معصیت پر اعانت لازم نہ آئے لیکن جمہور نے معصیت کے کفارے کی تقدیم کو جائز کہا ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب اور اشہب مالکیؒ نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارے کا ادا کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

جمہور کا استدلال ان احادیث کے ظاہری مفہوم سے اور زکوۃ پر قیاس کرنے سے ہے۔(1)

علامہ ابن ہمام نے مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عن عبداللہ بن عمروقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمین فرای غیرھا خیراً منھا فلیات الذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ[2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کام کی قسم کھائی پھر یہ خیال کیا کہ اس کا خلاف بہتر ہے، وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے امام ابو حنیفہؒ کے موقف پر استدلال کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ذٰلک کفارۃ ایمانکم اِذا حلفتم**۔

"یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم توڑ دو"۔

علامہ عینی نے جمہور اور امام شافعیؒ کے موقف پر تین اعتراض کیے ہیں:

- اللہ تعالیٰ نے اس کو کفارہ فرمایا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے کوئی ایسی چیز نہیں جس کا کفارہ دیا جائے۔
- احادیث میں کفارہ دینے کے لیے جو امر کا صیغہ وارد ہے اس کا تقاضا ہے کہ کفارہ ادا کرنا واجب ہو اور صرف قسم توڑنے کے بعد ہوتا ہے قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جمہور کے نزدیک صرف جائز ہے پس قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں امر کے صیغہ کو بلاوجہ اس کی حقیقت سے پھرنا ہے۔
- امام شافعیؒ کے نزدیک بھی روزہ کے کفارہ کو روزہ توڑنے سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس اعتبار سے بھی یہ ظاہر کے خلاف ہے۔(3)

قسم کا کفارہ:

اگر کسی نے اپنی جائز قسم توڑ ڈالی، یا غیر شرعی قسم تھی اور شریعت کے حکم سے اس کے توڑ ڈالنے پر مجبور ہوا تو ہر صورت میں اس کو کفارہ دینا پڑے گا۔ قرآن مجید میں قسم کے کفارے کی ترتیب یہ بیان کی گئی ہے۔

جس کو استطاعت ہو وہ دس محتاجوں کو دونوں وقت کھانا کھلا دے، یا صدقہ فطر میں جتنا غلہ دیا جاتا ہے، اتنا دس فقیروں کو دے دے، یعنی پونے دو سیر گیہوں، یا ساڑھے تین سیر جو، یا اس کی قیمت، اگر کھانا کھلانے میں دقت محسوس کرتا ہو، تو دس مستحقین کو

---

[1] شرح مسلم للنووی: 46-47/2

[2] فتح القدیر 369/4

[3] عمدۃ القاری: 225/23

کپڑا پہنا دے اگر مرد کو کپڑا پہنائے تو ایسا جوڑا دے کہ اس کا جسم ڈھک جائے، یعنی کرتہ، پائجامہ، یا پائجامہ کی بجائے لنگی، اگر عورت کو کپڑے دے تو ایسے دے کہ اس کو پہن کر وہ نماز پڑھ سکے، اتنا دینا واجب ہے۔ اگر اس سے زیادہ دے تو بہتر ہے۔ اگر کسی نے صرف ایک چادر دی تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔

اگر کھانے یا کپڑے کی استطاعت نہیں رکھتا، یعنی وہ خود محتاج ہے تو اس کو یہ اجازت ہے کہ وہ مسلسل تین روزے رکھ لے، اگر تین روزے مسلسل نہ رکھے، بلکہ درمیان میں ناغہ کر دے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا نہ ہو گا یعنی جس طرح روزے اور ظہار کے کفارے کا حکم ہے، اسی طرح اسکا بھی ہے مگر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ مسلسل روزہ رکھنے کی قید کو ضروری نہیں سمجھتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ روزے اور ظہار وغیرہ کے سلسلے میں بلا ناغہ روزہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کا حکم تسلسل کی قید کے ساتھ آیا ہے۔ شَهرَينِ مُتَابِعين: یعنی دو مہینے مسلسل روزے، مگر یہاں تسلسل کی قید نہیں۔

فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام ذالک کفارۃ ایمانکم۔ (1)

جو شخص کھانا کپڑا دینے کی استطاعت نہیں رکھتا، وہ تین دن روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ (2)

---

1 المائدہ:

2 ندوی، مجیب اللہ، مولانا، اسلامی فقہ، پروگریسوس بکس، لاہور 1991ء

باب سوم

خرید وفروخت کا بیان

کسی چیز کی قیمت معینہ مدت تک ادھار کرنا جائز ہے۔

عن عائشة قالت كان على رسول الله صلى الله عليه وسلم ثوبان قطريان غليظان ......قال أبو عيسى أي إعجابا بهذا الحديث (1)

ابو حفص، عمرو بن علی، یزید بن زریع، عمارہ بن ابی حفصہ، عکرمہ، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر قطر کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے تھے جب آپ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو یہ آپ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اسی اثناء میں ایک یہودی کے پاس شام سے قیمتی کپڑا آیا میں نے عرض کیا کہ آپ کسی کو بھیجیں کہ وہ آپ کے لیے اس سے دو کپڑے خرید لائے۔ جب ہمیں سہولت ہو گی ہم ان کی قیمت ادا کر دیں گے آپ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس نے جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ آپ چاہتے ہیں کہ میرا کپڑا اور پیسے دونوں چیزوں پر قبضہ کر لیں۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اسے معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیز گار بھی ہوں اور امانت دار بھی اس باب میں حضرت ابن عباس، انس، اسماء بنت یزید سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح غریب ہے شعبہ بھی اس حدیث کو عمارہ بن ابی حفصہ سے نقل کرتے ہیں محمد بن فراص بصری، ابوداؤد، طیالسی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ شعبہ سے کسی نے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو وہ فرمانے لگے کہ میں اس حدیث کو اس وقت تک بیان نہیں کروں گا جب تک تم کھڑے ہو کر حرمی بن عمارہ کے سر کا بوسہ نہیں لو گے اور حرمی اس وقت وہاں موجود تھے (اس سے مراد حرمی کی تعظیم ہے کیونکہ شعبہ نے یہ حدیث حرمی بن عمارہ سے سنی ہے) (2)

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک معینہ مدت تک کے لیے ادھار سودا کرنا درست ہے، کیونکہ آپ نے اس طرح کی بیع پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اس یہودی کے پاس اس کے لیے آدمی بھیجا، اسی سے اس باب پر استدلال ہے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے اور ان سے قرض لینا بھی جائز ہے۔
- آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ پرہیز گار اور امانت دار ہیں۔
- ادھار خریدنا بالاتفاق جائز ہے اور ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا بھی بالاجماع جائز ہے مثلاً ایک کتاب نقد دس روپے کی ہے اور کوئی ادھار خریدے اور بائع بارہ روپے کی دے تو یہ جائز ہے اگرچہ یہ سود کے مشابہ ہے البتہ ادھار میں ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنا ضروری ہے اور اس میں مقررہ وقت سے پہلے بائع ثمن طلب نہیں کر سکتا اس طرح جو چیز قسطوں پر خریدی جاتی ہے وہ بھی شراء الی الاجل (آدھار) ہے اس میں بھی مقررہ قسط ہی کا بائع مطالبہ کر سکتا ہے اس سے پہلے اور اس سے زیادہ کا

1۔ تخریج: ن/البیوع 70 (4632)، حم (6/147) تحفۃ الاشراف: (1740) (صحیح)

2۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1229 حدیث مرفوع مکررات 2

مطالبہ نہیں کر سکتا اور اس طرح خریدنا کہ مشتری کہے ابھی میرے پاس پیسے نہیں جب آئیں گے دے دوں گا یا کہے بعد میں دیدوں گا یہ نقد خریدنا ہے اس صورت میں بائع کو ہر وقت قیمت طلب کرنے کا حق ہے وہ جب تک چشم پوشی کرے اس کا احسان ہے اسی طرح کسی نے دوماہ کے وعدہ پر قرض لیا تو قرض دینے والا ہر وقت قرض کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ قرض میں ادھار نہیں ہوتا اور جو دوماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے وہ محض وعدہ اور احسان ہے اس کی وجہ سے قرض ادھار نہیں ہو جاتا البتہ دوماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت تک قرض دینے والا چشم پوشی کرے اور قرض طلب نہ کرے تو یہ اس کا احسان ہے جبکہ حدیث باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے قیمت کی ادائیگی کے وقت کے لیے میسرہ کا لفظ استعمال فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قیمت اس وقت ادا کی جائے گی جب وسعت اور آسانی ہو گی ظاہر ہے کہ اس میں وقت کی تعیین نہیں ہوئی لہٰذا یہ بیع موجل ناجائز ہونی چاہیے۔

- اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھانے حضور ﷺ کو مشورہ دیتے ہوئے میسرہ کا لفظ فرمایا ہو لیکن بعد میں جب حضور ﷺ نے اس یہودی سے معاملہ کیا اس وقت آپ نے اداء ثمن کے لیے کوئی وقت معین فرمادیا ہو۔
- اس حدیث کی عمارۃ بن ابی حفصہ رضی اللہ عنھا سے اوپر یہی ایک سند ہے اور معارۃ رضی اللہ عنھا سے اس حدیث کا یزید کے علاوہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن فراس بصری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں تلامذہ نے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث سنانے کی فرمائش کی اتفاق سے عمارۃ کے لڑکے حرمی بھی مجلس میں موجود تھے۔ امام عبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب تک سب حرمی کے سر کو بوسہ نہیں دوگے حدیث نہیں سناؤں گا چنانچہ سب نے حرمی کو چوما تب امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث سنائی مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث بہت پسند تھی اور عمارۃ کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے صاحبزادے کی تقبیل کرا کر استاذ کی تعظم کی۔
- **اعتراض:**
- آپ ﷺ کا پسینہ تو خوشبودار ہوتا تھا تو بطیعت پر بوجھل کیسے ہو جاتا تھا؟
- **جواب:**
- کوئی تدافع نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا پسینہ دوسروں کے حق مین اطیب ہو اور آپ ﷺ کی طبعیت پر بوجھل ہو طبیعت کے خلاف ہو؟
- **اعتراض:**

- حدیث الباب سے تو اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کہتی ہیں کہ شام سے کپڑے آئے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ دو کپڑے خرید لیں آسانی کے وقت تک تو یہ شراء الی الجل مجہول ہے معلوم ہوا کہ شراء الی اجل مجہول بھی جائز ہے؟
- **جواب 1:**
- یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی تجویز بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جب قاصد بھیجا تھا تو اس وقت اجل بیان کر دی۔
- **جواب 2:**
- عرف کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں ممکن ہے یسر کا وقت اس زمانہ میں معلوم ومعروف ہو مثلاً اموال صدقہ کی آمد ہوا الغرض نبی کریم ﷺ نے اس تجویز کے مطابق کپڑے خریدنے کے لیے قاصد بھیجا اس یہودی نے کہ میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہارے پیغمبر کا ارادہ میرے مال کو ہڑپ کرنے کا ہے جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں سب سے زیادہ امین میں ہوں لیکن اس نے باوجود جاننے کے محض فساد کی وجہ سے ایسا کہا ہے۔
- اھالۃ کا کیا معنی ہے اس میں چار احتمال ہیں: (1) مطلق چربی (2) پگھلائی ہوئی چربی (3) شوربہ (4) زیتون کا تیل نسخۃ متغیر الرائحۃ یعنی اس کی بو قدر تبدیل ہو گئی تھی باسی چربی۔ باقی یہ کیوں پیش کی جواب ممکن ہے اور نہ ہو نبی کریم ﷺ کے اخلاق بھی عالیہ تھے معمولی چیز بھی دلجوئی کے لیے قبول فرما لیتے تھے۔

- ## شوہر کے مال سے خرچ کرنے کی ممانعت کا بیان

- حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں سے کچھ خرچ نہ کرے۔ (خواہ صراحۃ ہو یا دلالۃ) عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! کیا کھانے میں سے بھی خرچ نہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھانا ہمارے اموال میں نفیس ترین چیز ہے۔ (1)
- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر کی اجازت کے بغیر ان چیزوں کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے جو کھانے سے کم تر درجہ کی ہیں تو کھانا خرچ کرنا کیسے درست ہو گا جب کہ یہ افضل ترین چیز ہے۔ بظاہر اس حدیث میں اور اس بارے میں ذکر کی گئی گزشتہ احادیث میں تعارض نظر آتا ہے لیکن ان احادیث کی تشریحات اگر سامنے ہوں تو پھر کوئی تعارض نظر نہیں آئے گا کیونکہ ان تشریحات کے ذریعے احادیث میں تطبیق بیان کر دی گئی ہے۔

-خرید وفروخت کا بیان

---

[1] -ترمذی، مشکوۃ المصابیح، جلد دوم: رقم الحدیث 451

عن أنس قال غلا السعر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا يا رسول الله سعر لنا ......هذا حديث حسن صحيح (1)

محمد بن بشار، حجاج بن منہال، حماد بن سلمہ، قتادہ، ثابت، حمید، حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مہنگائی ہوئی تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ قیمتیں مقرر کر دیجیے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نرخ مقرر کرنے والا تنگ کرنے والا کشادہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے اپنے خون یا مال میں ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(2)

مسائل و معاملات:

قیمت مقرر کرنا (قیمتوں کا کنٹرول)

- اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیاد معاشی آزادی پر ہے جس میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اسلام نظام کی حدود کی پاسداری کرے اور اس میں سب سے اہم شے انصاف، قناعت اور پاکیزہ جائز منافع کے اصول کی پابندی ہے کہ منافع ایک تہائی کی حدود میں ہو، کیوں کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے کے ذریعے رزق دیتا ہے۔" (3)
- اسی بناء پر قائدہ یہ ہے کہ قیمتیں مقرر نہ کی جائیں اور حاکم لوگوں کے لئے قیمتیں مقرر نہ کرے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔
- شافعیہ اور حنابلہ نے اس اصل کو لازمی قرار دیا ہے۔[4] حنابلہ کہتے ہیں ک حاکم کو اختیار نہیں ک لوگوں کے لئے اشیاء کی قیمتیں مقرر کرے اور بلکہ لوگ اپنا مال جیسے چاہیں فروکت کریں۔ شافعیہ کہتے ہیں: قیمتیں مقرر کرنا حرام ہے خواہ گرانی کا زمانہ ہو۔ یعنی یہ جائز نہیں کہ حاکم بازار والوں سے کہے کہ اپنا مال اس قیمت پر فروخت کرو، کیوں کہ یہ لوگوں کو ان کے مال کے بارے میں تنگی میں مبتلا کرنا ہے، البتہ اس کا تعلق غذائی اجناس سے نہیں ہے۔ اگر حاکم قیمت مقرر کر دے تو اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو تعزیری سزا دی جائے، یعنی اگر مرر کردہ قیمت سے زیادہ پر فروخت کرے، کیوں کہ اس میں کھلم کھلا حاکم کی مخالفت ہے، البتہ خرید و فروکت کا معاہدہ صحیح ہوگا کیوں کہ کسی شخص پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی ملکیتی اشیاء متعین قیمت پر فروخت کرے۔ ابن الرفعہ الشافعی اور دوسرے علماء نے گرانی کے زمانے میں قیمتیں مقرر کرنے کو جائز قرار دیا۔

---

1 ۔د/البیوع 51 (3451)،ق التجارات 27 (2200)،(تحفۃ الشراف:318،614،1185)حم(3/286)

2 - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1336 حدیث مرفوع مکررات 6

3 طبرانی نے ابولسائب سے ان الفاظ سے روایت کی: "لوگوں کو رہنے دو، تا کہ ایک دوسرے سے نفع اٹھائیں اگر کوئی تم سے مشورہ مانگے تو اسے مخلصانہ مشورہ دو" نیل الاوطار، 5: 164 میں ہے، لوگوں کو رہنے دو اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے کے ذریعے سے رزق دیتا ہے۔

4 مغنی المحتاج، 2: 38 :المغنی4: 217

- جو علماء قیمتوں کے کنٹرول کو جائز قرار نہیں دیتے انہوں نے حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک بار قیمتیں بہت زیادہ ہو گئیں، لوگوں نے کہا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیمتیں مقرر کر دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشائش دینے والا ہے، وہی رازق ہے اور وہی قیمتیں مقرر کرنے والا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ سے اس حالت میں ملوں کہ کسی شخص کا میرے اوپر کسی ظلم کا کوئی مطالبہ نہ ہو، نہ جان میں، نہ مال میں"[1]۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمتیں مقرر نہیں کیں، اگر کام جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا مطالبہ پورا کرتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمتوں کو کسی چیز کے اس قیمت پر فروخت کرنے سے نہیں روکا جاسکتا جس پر خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق متفق ہوں، فقہاء کی جماعت اس اصول پر متفق ہے۔ نیز قیمتیں مقرر کرنے میں لوگوں کا نقصان ہے۔ اگر قیمت زیادہ ملے گی تو دوکان دار اپنا مال فروخت کرنے کے کاروبار جاری رکھیں گے اور اگر قیمت کم ہو گی تو دوکان داروں کا نقصان ہو گا۔
- مالکیہ اور حنفیہ[2] نے حاکم کو اجازت دی ہے کہ اشیاء ضرورت کی قیمت مقرر کر دے تا کہ لوگوں کو نقصان سے بچایا جاسکے۔ یعنی اگر دوکان دار معمول کی قیمت سے بہت زیادہ قیمت وصول کر رہے ہوں تو اس صورت میں اہل رائے اور تجربہ کار افراد کے مشورے سے قیمتیں مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ لوگوں کی مصلحتوں کی نگہداشت ہو سکے، قیمتوں کو بڑھنے سے روکا جاسکے اور لوگوں کو نقصان سے بچایا جاسکے۔ ان کی دلیل فقہی قواعد ہیں کہ "اور" عام نقصان کو روکنے کے لئے خاص نقصان برداشت کر لیا جائے۔"

لوگوں کو مال فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا البتہ انہیں حاکم کی اس مقرر کردہ قیمت جو اس نے دوکان دار اور گاہک دونوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقرر کی ہے سے ہٹ کر قیمت وصول کرنے سے روکا جاسکتا ہے۔ فروخت کرنے والے کو نفع حاصل کرنے سے روکنا جائز نہیں، اور نہ ہی اتنے نفع کی اجازت دی جاسکتی ہے جس سے لوگوں کو نقصان ہو۔

- ابن حبیب مالکی کی رائے میں قیمتیں مقرر کرنے کا تعلق ان اشیاء سے ہے جو ماپ یا تول کر فروخت کی جاتی ہیں خواہ کھانے پینے کی اشیاء ہوں یا دوسری، جو اشیاء ماپ تول کر نہیں بیچی جاتیں ان کی قیمت مقرر کرنا درست نہیں کیوں کہ ماپ تول والی اشیاء مثلی ہوتی ہیں اور ان میں مثل سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جب کہ دوسری اشیاء قیمی ہوتی ہیں اور ان کا تعلق قیمت سے ہے۔ مختلف اشیاء سے لوگوں کی ضروریات کا تعلق بھی مختلف ہوتا ہے اس لئے لوگوں کو ایک قیمت پر متفق کرنا ممکن نہیں۔
- قیمت مقرر کرنے میں اوپر مذکور حدیث کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اس میں مذکورہ نص کی تطبیق ہے جس کے لئے اجتہادی دانش کو بروئے کار لا کر اس حکم کی حکمت پر دار و مدار رکھا گیا اور ایسی علت یا مصلحت کے مطابق اس کی تفسیر کی گئی جو خود

1- احمد: نسائی کے سوا اصحاب سنن نے روایت کی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا اور ابو سعیدؓ نے اسی طرح کی روایت کی۔ نیل الاوطار، 5: 219

2- الدر المختار 5: 283 تبین الحقائق 6: 28 البدائع 5:129 تکملۃ الفتح 8: 127

نص سے ظاہری طور پر سمجھ آتی ہے، باہر سے کوئی علت تلاش نہیں کی گئی[1]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمت مقرر کرنے سے اس لئے انکار نہیں کیا کہ اس کا تعلق پرائس کنٹرول سے ہے بلکہ اس کی اصل وجہ تاجروں کی طرف سے ظلم (ناجائز منافع خوری) کا فقدان ہوتا تھا، کیوں کہ وہ قیمت مثلی پر مال فروکت کرتے تھے چنانچہ گرانی کا سبب تاجر نہیں تھے بلکہ قانون طلب ورسد کے باعث گرانی ہوگئی تھی، جب رسد کم ہوگئی اور طلب بڑھ گئی تو قیمتیں بڑھ گئیں۔ اگر مارکیٹ میں مال وافر ہو اور قیمت مثل پر فروخت ہورہا ہو اور کسی قسم کے لالچ اور ظلم کا عمل دخل نہ ہو تو بلاضرورت نرخ بندی نہ کی جائے۔(2)

-خرید وفروخت کا بیان

محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت

عن عبد اللہ بن یزید أن زیدا أبا عیاش سأل سعدا عن البیضا بالسلت ....فنھی عن ذلک (3)

قتیبہ، مالک، حضرت عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ زید ابوعیاش نے سعد سے گیہوں کے جو کے عوض خریدنے کے بارے میں پوچھا سعد نے کہا کہ ان دونوں میں سے افضل کون سی چیز ہے زید نے کہا گندم۔ پس انہوں نے منع کر دیا یہ جائز اور فرمایا میں نے کسی کو رسول اللہ سے سوال کرتے ہوئے سنا کہ کھجوروں کو کچی کھجوروں کے عوض خریدنے کا کیا حکم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ جب کچی کھجوریں پکتی ہیں تو کیا وزن میں کم ہو جاتی ہیں انہوں نے کہا جی ہاں پس آپ نے منع فرمایا۔([4])

مسائل و معاملات:

- حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کا میوہ تازہ پھل اگر وہ کھجور ہو تو خشک کھجوروں کے بدلے پیمانہ کے ذریعہ مثلاً دس پیمانے کے بقدر بیچے یعنی ایک شخص کے باغ میں تازہ کھجوریں لگی ہوئی ہوں اور ایک دوسرے شخص کے پاس خشک کھجوریں رکھی ہوئی ہوں تو باغ والا شخص اس دوسرے شخص سے دس پیمانے بھر کر خش کھجوریں لے لے اور اس کے عوض اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں اس پیمانے کے مطابق

1- اگر بازار میں مال باافراط ہو اور قیمتیں اعتدال پر ہوں اور بیچنے والے کو مارکیٹ کی قیمت کا علم ہو اور قیمت مثلی یا زیادہ پر فروکت کرے تو مالکیہ نے شہر سے باہر جاکر قافلوں سے مال خریدنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی ممانعت اس صورت میں برقرار رہے گی جب کہ عام مارکیٹ والوں کو اس سے نقصان ہو، مال باافراط نہ ہو یا بیچنے والے کو قیمتوں کا علم نہ ہو، اس صورت میں عام لوگوں کی مصلحت کی رعایت ضروری ہے اور فروخت کرنے والے کے ذاتی مفادات تحفظ بھی کرنا ہوگا۔

2- مؤلف، اصول الفقہ، طبع دار الفکر، 2: 815

3- تخریج: د/البیوع 18 (3359) ،ن/البیوع 36(4549)،ق التجارات 45 (2464)، تحفۃ الاشراف: 3854)،ط/البیوع 12(22)، حم(171،1/115) صحیح

4 – جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1241 حدیث مرفوع مکررات 6

اندازہ کر کے بیچ دے اور اگر میوہ انگور ہو تو اس کو خشک انگور کے بدلے پیمانہ کے ذریعہ بیچے (حاصل یہ کہ بیع مزابنہ کا مطلب ہے درخت پر لگے ہوئے تازہ میوہ کو خواہ وہ کھجور ہو یا کوئی اور پھل رکھے ہوئے خشک میوہ کے عوض بیچنا اور مسلم میں یہ بھی ہے کہ اگر کھیتی ہو تو اس میں بیع مزابنہ کی شکل یہ ہے کہ اس کو غلہ کے عوض پیمانہ کے ذریعہ بیچے یعنی کھیت میں کھڑی ہے اور ایک دوسرے شخص کے پاس گیہوں رکھا ہوا ہے تو پہلا شخص اپنے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کا اندازہ کر کے اس کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچے اور اس کے عوض اس شخص سے وہ رکھا ہوا گیہوں اپنے اندازے کے مطابق پیمانہ بھر کے لے لے آنحضرت ﷺ نے بیع کی ان تمام قسموں سے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے نیز فرمایا کہ بیع مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کو کسی شخص کو ہاتھ اس کے پاس رکھی ہوئی خشک کھجوروں کے عوض پیمانہ معین کر کے بیچے اور خریدار سے کہہ دے کہ اگر درخت کی کھجوریں معین پیمانہ سے زائد ہوں گی تو میری ہیں یعنی اسے لے لوں گا اور اگر کم نکلیں تو اس کا میں ذمہ دار ہوں کہ اس کمی کو میں پورا کروں گا۔[1]

- مزابنہ لفظ زبن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دفع کرنا دور کرنا بیع مزابنہ سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس بیع کی بنیاد قیاس اور اندازے پر ہوتی ہے اس میں فریقین کے لئے زیادتی اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے اس کی وجہ سے دونوں یعنی بیچنے والے اور خریدار کے درمیان نزاع و فساد بھی پیدا ہو سکتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے دفعیہ اور دوری کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ یہاں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں مزابنہ کی تعریف لفظ ثمر کے ذکر سے کی گئی ہے جو عمومیت کے لئے ہوئے ہے۔
- دوسری روایت میں مزابنہ کی تعریف لفظ تمر کے ذکر سے کی گئی ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع مزابنہ کا تعلق صرف کھجور سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں بھی عمومیت ہی مراد ہے خاص طور پر کھجور کا ذکر محض تمثیل ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مخابرۃ محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کھیتی کو سو فرق گیہوں کے بدلے میں بیچ دے اور مزابنہ یہ ہے کہ کوئی شخص درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو سو فرق رکھی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں بیچ دے اور مخابرۃ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کو ایک معین حصہ جیسے تہائی یا چوتھائی پر کاشت کے لئے دیدے۔
- فرق راء کے زبر کے ساتھ ایک پیمانہ کا نام تھا جس میں سولہ رطل یعنی تقریباً سات سیر غلہ آتا تھا اور فرق راء کے جزم کے

---

[1]۔ مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث 47

ساتھ اس پیمانے کو کہتے تھے جس میں ایک سو بیس رطل غلہ آتا تھا حدیث میں سو فرق کا ذکر محض تمثیل کے طور پر آتا ہے مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ کٹنے سے پہلے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کو رکھے ہوئے گیہوں کے عوض بیچنا محاقلہ کہلاتا ہے۔ یہی مفہوم گذشتہ حدیث میں مزابنہ کے ضمن میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے لیکن مزابنہ وسیع وعام کا حامل ہے کہ اس کا اطلاق میووں اور پھلوں پر بھی آتا ہے اور کھیتی اور غلوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ محاقلہ کا استعمال صرف کھیتی اور غلوں ہی کے لئے کیا جاتا ہے اگرچہ بعض مواقع پر مزابنہ بھی صرف میووں اور پھلوں ہی کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ مخابرۃ کا مطلب ہے کہ اپنی زمین کو بٹائی پر کاشت کے لئے کسی دوسرے کو دیدینا مثلاً کوئی شخص اپنی زمین کسی دوسرے کو اس شرط کے ساتھ دیدے کہ اس زمین کو جوتنا بونا اور جو کچھ اس میں پیدا ہو اس میں سے تہائی یا چوتھائی مجھے دیدینا۔

- حدیث بالا میں اس کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ اول تو یہ اجرت کی ایک شکل ہوتی ہے اور اس میں اجرت مجہول رہتی ہے دوسرے حاصل ہونیوالی چیز معدوم ہوتی ہے اور جو چیز معدوم ہوتی ہے اس کا کوئی معاملہ مقرر نہیں ہوتا مخابرت کو مزارعت بھی کہتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مخابرت کی صورت میں تو تخم و بیج کاشت کرنیوالے کا ہوتا ہے اور مزارعت میں زمین کے مالک کا مزارعت اور مخابرت بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں حکم ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک درست ہے حنفی مسلک میں فتویٰ صاحبین ہی کے قول پر ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع اور بہت زیادہ احتیاج کی چیز ہے اس کو جائز نہ رکھنے کی صورت میں لوگوں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلت مزابنت مخابرت معاومت اور ثنیا سے منع فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اجازت دی ہے۔
- محاقلت مزابنت اور مخابرت کے معنی تو بیان کئے جا چکے ہیں معاومت کے معنی یہ ہیں کہ درختوں کے پھلوں کو نمودار ہونے سے پہلے ایک سال دو سال تین سال یا زیادہ مدت کے لئے فروخت کر دیا جائے اور ثنیا کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر موجود پھلوں کو بیچا جائے لیکن ان میں سے ایک غیر معین مقدار مستثنیٰ کر لی جائے یعنی اسے نہ بیچا جائے۔ عرایا جمع ہے عریت کی اور عریت کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک کسی محتاج وفقیر کو پھل کھانے کے لئے عاریتاً دیدے عرایا کی اجازت دی ہے کی وضاحت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے باغ میں سے ایک درخت یا دو درخت کسی محتاج کو پھل کھانے کے لئے ددیدیا کرتے تھے جیسا کہ معمول تھا وہ باغ کا مالک اپنے اہل وعیال کے ساتھ جب باغ میں آتا ہے اور ان سب لوگوں کی موجودگی میں وہ محتاج آجاتا تو اپنے باغ میں ایک شخص کے آجانے کی وجہ سے ان کو کچھ کبیدگی ہوتی اس لئے اس محتاج کو وہ اس درخت کی بجائے اپنے پاس سے کچھ پھل دے کر رخصت کر دیتے اور اس درخت کا پھل خود رکھ لیتے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روا رکھا لیکن یہ پانچ وسق سے کم میں تو جائز ہے اس سے زیادہ میں درست نہیں جیسا کہ آگے حضرت ابوہریرہ کی روایت میں

آجائے گا۔ حضرت سہل ابن ابی حثمہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے عریہ کسی محتاج کو دیئے گئے درخت کے متعلق یہ اجازت دی ہے کہ اس درخت پر لگے ہوئے پھل کو اس کے خشک ہونے کے بعد کی مقدار کا اندازہ کر کے بیچا جائے یعنی یہ اندازہ کر لیا جائے کہ اس درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی اور پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں اس محتاج کو دے کر اس درخت پر لگی ہوئی کھجوریں لے لی جائیں اس طرح اس کے مالک اس درخت کا تازہ پھل کھائیں۔(1)

-خرید وفروخت کا بیان

جو چیز بیچنے والے کے پاس نہ ہو اس کو بیچنا منع ہے

عن حكيم بن حزام قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يأتيني الرجل يسألني من البيع ما ليس عندي أبتاع له من السوق ثم أبيعه قال لا تبع ما ليس عندك (2)

قتیبہ، ہشیم، ابی بشر، یوسف بن ماہک، حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ میرے پاس آکر ایسی چیز طلب کرتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہوتی کیا میں بازار سے خرید کر انہیں بیچ سکتا ہوں آپ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اسے فروخت نہ کرو۔([3])

مسائل و معاملات:

مجہول چیز کی بیع میں مذاہب اربعہ کا بیان

- ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لاتا ہوں یعنی میں اس چیز کا معاملہ اس سے کر لیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لاتا ہوں اور اس شخص کے حوالے کر دیتا ہوں آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم کسی ایسی چیز کو نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید وفروخت کا معاملہ کرتے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اسے نہیں بیچنا چاہیے اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ اپنے پاس موجود ہی ہو اس صورت میں تو اس چیز کی بیع صحیح ہی نہیں ہو گی دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے ایک

1-بخاری ومسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد سوم: رقم الحدیث 47

2- تخریج: د/البیوع 70 (3503)، ن/البیوع 60 (4617)، ق/التجارات 20 (2187)، تحفۃ الاشراف: (3436)، حم (3/402، 437) صحیح

[3] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1249 حدیث مرفوع مکررات 11

دوسرا شخص اس کا مالک ہے لیکن ہے اپنے ہی پاس اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع نہیں کرنی چاہئے اور اگر مالک کی اجازت لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کر دی جائے گی۔

- حضرت امام ابو حنیفہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے مسلک کے مطابق وہ بیع مالک کی منظوری پر موقوف رہے گی اگر منظور دیدے گا تو صحیح ہو جائے گی نہیں تو کالعدم ہو جائے گی لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں ہو گی مالک خواہ منظوری دے یا نہ دے۔ پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو یا وہ چیز گم ہو گئی ہو یا مفرور ہو جیسے غلام وغیرہ اور یا اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتا ہوا جانور اور وہ مچھلی جو ابھی پانی یعنی دریا وغیرہ سے نہ نکالی گئی ہو لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت بیع السلم کے علاوہ صورت میں ہے کیونکہ بیع السلم متعینہ و معروف شرائط کے ساتھ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے۔
- اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح جو چیز انسان کے پاس موجود نہ ہو، اس کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہے اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:
- حضرت حکیم بنؓ حزام بیان کرتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہے، آیا میں بازار سے وہ چیز خرید کر اس کو فروخت کر دوں؟ آپ نے فرمایا: اس چیز کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔(1)
- حضرت حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ میں اس چیز کو فروخت کروں جو میرے پاس نہیں ہے(2)
- حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرض اور بیع جائز نہیں ہے اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا جائز ہے اور اس چیز کا نفع جائز نہیں ہے جس کی ضمانت نہ ہو اور نہ اس چیز کو فروخت کرنا جائز ہے جو تمہارے پاس نہ ہو۔(3)

- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں:
- اسحاق بن منصور نے کہا: میں نے امام احمد سے پوچھا: قرض اور بیع کی ممانعت کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک شخص کسی کو معین رقم قرض دے، پھر اس کو کوئی چیز قرض کی مقدار سے زیدہ قیمت پر فروخت کر دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو کوئی چیز قرض دے، پھر کہے: اگر تم یہ چیز نہ دے سکو تو پھر اس کی تم سے بیع ہے۔

---

[1]۔ سنن ترمذی: رقم الحدیث 1232 ، سنن ابو داؤد: 3503، سنن نسائی، 4624، سنن ابن ماجہ: 2747، مسند احمد ج3 ص402

[2]۔ سنن ترمذی: حدیث نمبر 1237

[3]۔ (سنن ترمذی: 1238، سنن ابوداؤد: 3504، سنن نسائی: 2642، سنن ابن ماجہ: 2188، مسند احمد ج2 ص174

- اسحاق بن منصور نے امام احمد سے پوچھا: جس بیع کی ضمان نہ ہو، اس کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: یہ صرف اس غلّہ کی بیع ہے جس پر قبضہ نہ ہو اور یہ ہر وہ چیز ہے جس کی ناپ اور تول سے بیع کی جائے
- امام احمد نے کہا: دو شرطوں کے ساتھ بیع کا یہ معنی ہے کہ جب کوئی شخص کہے: میں تم کو یہ کپڑا اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اس کی سلائی اور دھلائی میرے ذمہ ہے تو یہ بیع میں دو شرطیں ہیں اور اگر وہ یہ کہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا فروخت کرتا ہوں اور اس کی سلائی میرے ذمہ ہے یا کہے کہ میں یہ کپڑا تم کو فروخت کرتا ہوں اور اس کی دھلائی میرے ذمہ ہے تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں صرف ایک شرط ہے۔
- نیز امام ترمذی لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ آدمی اس چیز کو فروخت کرے جو اس کے پاس نہ ہو۔

-خرید وفروخت کا بیان

بیع صرف کے بارے میں

عن ابن عمر قال کنت أبیع الإبل بالبقیع فأبیع بالدنانیر..........وغیرهم ذلک (1)

حسن بن علی، یزید بن ہارون، حماد بن سلمہ، سماک بن حرب، سعید بن جبیر، حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ میں بقیع کے بازار میں دیناروں کے عوض اونٹ فروخت کیا کرتا تھا۔ پس دیناروں کے عوض بیچنے پر دراہم میں بھی قیمت وصول کرلیتا ہے اور اسی طرح دراہم کے عوض بیچنے میں دیناروں میں بھی پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ حفصہ کے گھر سے نکل رہے تھے میں نے آپ سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا قیمت طے کرلینے میں کوئی حرج نہیں اس حدیث کو ہم صرف سماک بن حرب کی روایت مرفوعا جانتے ہیں سماک بن حرب کی روایت سے مرفوعا جانتے ہیں سماک بن حرب سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں داؤد بن ابوہند یہی حدیث سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عمر سے موقوفا نقل کرتے ہیں بعض علماء کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے لین دین میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد، اور اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء نے اسے ناپسند کیا ہے۔ (2)

مسائل و معاملات:

- بعض اہل علم کا اعمل اسی حدیث پر ہے کہ اگر کوئی سونا کے بدلے چاندی لے یا چاندی کی کے بدلے سونا لے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔
- یہی احمد اور اسحاق کا بھی قول ہے
- بعض صحابہ کرام وغیرہم میں سے بعض اہل علم نے اسے مکروہ جانا ہے۔

سونے کو چاندی کے بدلے اندازے سے بیچنے کا بیان

---

[1] - تخریج: د/البیوع 14(3354)، ن/البیوع 50 (4586)، ق التجارات 51 (2662)، تحفۃ الاشراف: (7053) حم 2/33 59، 101، 139)

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1259 حدیث مرفوع مکررات 9

- اور سونے کو چاندی کے بدلے میں اندازے سے بیچنا جائز ہے کیونکہ اس میں برابری کی شرط نہیں ہے جبکہ مجلس عقد میں قبضہ شرط ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں جبکہ اسی کے یہ خلاف کہ ہم جنس کو اندازے سے بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے۔
- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عریہ کی اجازت دی کہ وہ اندازے سے بیچی جا سکتی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ عرایا کچھ معین درخت جن کا میوہ تو اترے ہوئے میوے کے بدل خریدے۔(1)

اختلاف جنس کے سبب کمی بیشی کے جواز کا بیان

- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے چاندی، چاندی کے بدلے میں اور سونا سونے کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر یہ کہ برابر برابر ہو۔ البتہ سونا چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہیں خریدیں۔ اسی طرح چاندی سونے کے بدلے جس طرح چاہیں خریدیں۔
- اس حدیث میں ہاتھوں ہاتھ کی قید نہیں ہے مگر مسلم کی دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھوں ہاتھ یعنی نقدا نقد ہونا اس میں بھی شرط ہے اور بیع صرف میں قبضہ شرط ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ جب جنس ایک ہو تو کمی بیشی درست ہے یا نہیں، جمہور کا قول یہی ہے کہ درست نہیں ہے اور اگر جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔

-خرید وفروخت کا بیان
جو آدمی بیع میں دھوکہ کھا جائے

عن أنس أن رجلا كان في عقدته ضعف وكان يبايع ....أن يحجر على الحر البالغ (2)

یوسف ابن حماد، عبدالاعلی، سعید، قتادہ، حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص خرید وفروخت میں کمزور تھا اور وہ خرید وفروخت کرتا تھا چنانچہ اس کے گھر والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے بیع سے روک دیں آپ نے اسے بلایا اور تجارت سے منع کیا تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس کے بغیر صبر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تم خرید وفروخت کرو تو اس طرح کہہ دیا کرو کہ برابر برابر لین دین ہے اس میں فریب اور دھوکہ نہیں اس باب میں حضرت ابن عمر سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح غریب ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ

---

1. صحیح بخاری، رقم الحدیث، 2912

2. تخریج: د/البیوع 68 (3501)، ن/البیوع 12 (4490)، ق/الاحکام 2353) تحفۃ الاشراف: 1175) حم 3/217) صحیح

فرماتے ہیں کہ کمزور عقل والے کو خرید و فروخت سے روکا جائے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایک آزاد اور بالغ آدمی کو خرید و فروخت سے روکنا جائز نہیں۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- دین میں دھوکہ نہیں، کیونکہ دین تو نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے

- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بیع میں دھوکہ دینا منع ہے۔ اگر بیع میں دھوکا دینا مکروہ نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو یہ کہنے کی تلقین نہ فرماتے کہ کوئی دھوکہ نہ ہو۔
- علامہ بدرالدین عینیؒ متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام حبان بن منقذ ہے یہ صحابی ابن صحابی انصاری مازنی ہیں۔ یہ غزوہ اُحد اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر رہے اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ کسی غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک پتھر قلعہ پر مارا گیا تھا جو ان کے سر پر لگا۔ اس سے ان کے دماغ پر چوٹ آئی اور ان کی عقل اور زبان میں فرق آگیا لیکن چیزوں کے درمیان امتیاز کر لیتے تھے اور بیع میں ہمیشہ ان کے ساتھ غبن کیا جاتا تھا۔ اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہہ دیا کرو "لاخلابة" (یعنی کوئی دھوکہ نہ ہو) اُنہوں نے طویل عمر پائی اور ایک سو تیس سال تک زندہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جو چیز فروخت کرو تین دن تک تم اسے واپس لینے کا اختیار ہے۔ (2)

حدیث مذکورہ کی بناء پر غبن فاحش، خیار شرط اور کم عقل پر بیع کی پابندی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا تبصرہ:

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس کو صحیح قیمت کا علم نہ ہو، اور وہ اس کو غبن فاحش (بہت مہنگی) خرید لے تو وہ اس کو واپس کر سکتا ہے، یہ امام مالکؒ کا قول ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبان بن منقذؓ کو ان کی کمزور عقل کی وجہ سے یہ اختیار دیا تھا اگر غبن کی وجہ سے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہو تو پھر خیار شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ ابن العربی مالکیؒ نے کہا کہ یہ خاص واقعہ ہے، عام قاعدہ نہیں ہے۔

- اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ خیار شرط کی مدت تین دن سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ خیار شرط اصل کے خلاف ہے اس لیے اپنے مورد میں منحصر رہے گا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے مصراۃ کی بیع میں بھی فسخ بیع

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1267   حدیث مرفوع   مکررات 5

[2] - عمدۃ القاری: 332/11

کے لیے تین دن کا اختیار دیا تھا۔اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ خیار شرط کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے اور یہ کہ خیر شرط صرف خریدار کے لیے ہوتی ہے۔(1)

غبن فاحش کی وجہ سے بیع فسخ کرنے اور کمزور عقل والے پر بیع کی پابندی لگانے کے متعلق مذاہب فقہاء:

- علامہ بدر الدین عینیؒ حنفی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ بیع میں غبن لازمی نہیں ہے، اس لیے اسکے سبب سے خریدار کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا خواہ غبن کم ہو یا زیادہ، امام مالک کی بھی صحیح روایت یہی ہے۔

- امام مالکؒ کے اصحاب میں بغدادیوں نے کہا کہ اگر بن کسی چیز کی تہائی قیمت تک پہنچ جائے تو خریدار کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے اور اگر اس سے کم ہو تو پھر نہیں۔ بعض حنبلی فقہاء نے بھی یہی حد بیان کی ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا کہ غبن فاحش میں عقد باطل ہے۔امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر خریداری کے وقت خریدار کو چیز کی قیمت اور اس کے نرخ کا علم تھا، پھر اس نے غبن فاحش سے چیز خرید لی تو بیع فسخ نہیں کی جائے گی۔(2)
- علامہ ابو الحسن علی بن خلف مالکی قرطبیؒ نے امام مالکؒ کا غبن کے معاملہ میں وہی موقف بیان کیا ہے جس کو علامہ عینی نے نقل کیا ہے۔(3)
- ابن قدامہ حنبلیؒ متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

جب خریدار کو بیع میں اتنا زیادہ غبن کیا گیا جو عادت سے خارج ہو، یعنی اس سے عام معمول سے زیادہ قیمت لی گئی ہو تو اس کو اختیار ہے خواہ بیع فسخ کر دے یا برقرار رکھے، امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو اس صورت میں فسخ بیع کا اختیار نہیں ہے۔(4)

- علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

فقہاء احناف اور شوافع کہتے ہیں کہ حضرت حبان بن منقذ کی حدیث کا یہ جواب ہے کہ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے اور اس حال کی حکایت ہے، ابن العربی مالکی نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ واقعہ اس صاحب کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسروں کی طرف متعدی نہیں تھا۔ اسی طرح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص کم عقل ہو اور بیچنے اور خریدنے میں اچھی طرح تصرف نہ کر سکتا ہو، اس پر خریدنے اور بیچنے میں تصرف پر پابندی لگا دینی جائز ہے۔اس کا بھی یہی جواب ہے کہ اس حدیث میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے۔ قاعدہ کلیہ کا بیان نہیں ہے۔اس وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عقل کی کمی کی وجہ سے بیع پر پابندی لگانا جائز نہیں۔(5)

1۔ فتح الباری: 574/3

2۔ عمدۃ القاری: 333/11

3۔ شرح ابن بطال: 210/6

4۔ المغنی: 319/5

5۔ عمدۃ القاری: 333/11

- علامہ نووی لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس حدیث میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے اس کے حکم کو حضرت حبانؓ کے ساتھ خاص رکھا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی نظریہ ہے اور امام مالکؒ سے بھی صحیح روایت یہی ہے اور بغداد کے مالکی علماء، اس حدیث کی بنا پر مسترسل (نا تجربہ کار) کے لیے خیار فسخ کے قائل ہیں۔(1)

-خرید وفروخت کا بیان

ایسا ہار خریدنا جس میں سونے اور ہیرے ہوں

عن فضالة بن عبيد قال اشتريت يوم خيبر قلادة باثني عشر دينارا ....حتى تفصل (2)

قتیبہ، لیث، ابی شجاع، سعید بن یزید، خالد، ابی عمران، حنش صنعانی، حضرت فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے بارہ دینار کا ایک ہار خریدا جس میں سونا اور نگینے جڑے ہوئے تھے میں نے انہیں الگ کیا تو بارہ دینار سے زیادہ (سونا) پایا۔ پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا سونا الگ کیے بغیر نہ بیچا جائے۔(3)

قتیبہ، ابن مبارک، ابی شجاع، سعید بن یزید سے اسی اسناد سے اسی حدیث کی مثل۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کسی تلوار یا کمربند وغیرہ جس میں چاندی لگی ہوئی ہو اس کا ان چیزوں سے الگ کیے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں ابن مبارک، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے، بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

مسائل و معاملات:

- بیع القلادۃ ایسا ہار کہ جس میں سونا بھی ہو نگینہ بھی ہو اور موتی بھی جڑے ہوئے ہوں تو ایسے ہار کی بیع جائز ہے یا نہیں اس کو تعبیر کر لیں ذھب مرکب کے ساتھ جیسے یہاں ہار ہے ایسے کمر بند بھی ہے تو ذھب مرکب اور فضہ مرکب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ تو احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے۔
- ذھب مرکب ہو سونا جو کسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا ہو اور فضہ مرکب وہ چاندی جو کسی چیز کے ساتھ جڑی ہوئی ہو اس کی بیع تب جائز ہو گی جب کہ اس کے عوض میں دیا جانے والا سونا زیادہ ہو اس سونے سے جو ہار کے ساتھ لگا ہوا ہے تو پھر بیع جائز ہو گی اور اگر اس کے برابر ہو یا کم ہو یا مجہول المقدار ہو تو کل چار صورتیں ہوں گی:

(1) عوض میں دیا جانے والا سونا زائد ہو۔

(2) برابر ہو۔

1۔ شرح مسلم للنووی: 7/2

2۔ تخریج: م/المساقاۃ 17 (البیوع 38)، د/البیوع 13 (3351)، ن/البیوع (4577)، تحفۃ الاشراف: 11027) حم (21،6/19) (صحیح)

3 – جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1273، 1272 حدیث مرفوع مکررات 12

(3) کم ہو۔

(4) مجہول المقدار ہو مثال کے طور پر ہار میں لگا ہوا سونا تین تولے ہے اور عوض میں دیا جانے والا چار تولے ہے یا ساڑھے تین تولے ہے تو بیع جائز ہو گی باقی تینوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہے اور دوسری اور تیسری صورت میں حقیقۃ ربو الازم آئے گا اور چوتھی صورت میں احتمال ربوا ہے اور معاملات میں جس طرح حقیقۃ ربوا حرام ہے اسی طرح احتمال ربوا بھی حرام ہے پس احناف کہتے ہیں کہ اسی پر قیاس کو لو تمام اشیاء متجانسہ کی جو مرکب مع الغیر ہوں اس کی بیع تب جائز ہو گی جبکہ اس کے عوض میں دی جانے والی جنس کی مقدار زیادہ ہو۔

- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک بیع جائز نہیں ہو گی جب تک مرکب سونا چاندی کو دوسری چیز سے الگ نہ کر لیا جائے اس کے بعد سونے کی بیع سونے کے ساتھ ید ابید کرے اور دوسری چیز جس طرح چاہے بیچ دے۔

جمہور کی دلیل:

یہی واقعہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے ہار خریدا بارہ دینار کے عوض اس میں سونا بھی تھا نگینے بھی تھے تو میں نے اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا تو میں نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لاتباع حتی تفصل کہ اس کو نہ بیچا جائے یہاں تک کہ جدا کر دیا جائے تمام اشیاء متجانسہ کی جب بیع ہو رہی ہو اپنی جنس کے ساتھ اور وہ شئ مرکب ہو کسی دوسری چیز کے ساتھ تو اس کی بیع اس وقت جائز ہو گی کہ جب اس کو دوسری چیز سے الگ کر دیا جائے۔

- حتی تفصل سے فصل حسی مراد نہیں کہ نگینہ الگ ہو جائے اور سونا الگ ہو جائے بلکہ یہ کنایہ ہے تمیز تمام سے اور اس بات سے کہ عوض میں دیا جانے والا سونا اور چاندی اس کی مقدار زیادہ ہو اس سونے اور چاندی سے جو غیر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے کیونکہ اگر فصل حسی مراد ہو تو بعض صورتوں میں منفعۃ ختم ہو جائے گی کیا خیال ہے جب سونا الگ کر لیا جائے تو صرف نگینے کو کوئی خریدے گا اس لیے احناف کہتے ہیں کہ اصل مدار ربوا کے لازم آنے اور نہ آنے پر ہے خواہ حقیقۃ لازم آئے یا شبہ لازم آئے۔

۔خرید و فروخت کا بیان

عن عروۃ البارقی قال دفع إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینارا .... أهل الكوفة مالا [1]

احمد بن سعید، حبان، ہارون بن موسی، زبیر بن خریت، ابی لبید، حضرت عروہ بارقی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے ایک دینار دیا اور حکم دیا کہ ان کے لیے ایک بکری خرید لاؤں۔ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار کی فروخت کر کے دوسری بکری اور دینار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر آپ کے سامنے قصہ بیان کیا تو نبی نے فرمایا اللہ

---

[1] ۔تخریج: خ/المناقب 28(3642)، د/البیوع 28(3384)، ق/الاحکام 7 (2402)، تحفۃ الاشراف: 9898)(صحیح)

تمہارے دائیں ہاتھ میں برکت دے اس کے بعد حضرت عروہ کوفہ میں کناسہ کے مقام پر تجارت کیا کرتے اور بہت زیادہ نفع کمایا کرتے پس حضرت عروہ کوفہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے۔ (1)

مسائل و معاملات:

مضاربت کی لغوی تعریف

- لغت کی رو سے مضاربت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنا مال کسی کو اس شرط پر تجارت کی غرض سے دے کہ نفع میں باہمی قرارداد کے مطابق دونوں شریک ہوں گے اور نقصان مالا والا (صاحب مال) برداشت کرے گا۔
- لفظ "مضاربت" مادہ ضرب سے نکلا ہے جس کے معنی "سفر" کے ہیں کیونکہ کاروبار تجارت میں بالعموم سفر کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ اور جب تم زمین پر سفر کرو۔
- اس کو قراض اور مقارضہ بھی کہتے ہیں یہ لفظ قرض سے مشتق ہے جس کے معنی جدا کرنے کے ہیں۔ (وجہ تسمیہ) یہ ہے کہ مالک اپنے مال کا ایک حصہ الگ کر دیتا ہے تاکہ نفع کے ایک حصہ کے عوض اس سے کاروبار کیا جائے۔

اصلاحی تعریف

- فقہاء کے نزدیک مضاربت دو فریق کے درمیان اس امر پر مشتمل ایک معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے دے گا کہ وہ نفع میں سے ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا تہائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرائط کے ساتھ اس مال کو تجارت (یا کاروبار) میں لگائے۔
- دو یا زائد افراد کے درمیان ایسا معاملہ جس میں ایک فریق سرمائی فراہم کرتا ہے اور فریق ثانی اس سرمائے سے اس معاہدے کے تحت کاروبار کرتا ہے کہ اسے کاروبار کے منافع میں سے ایک متعین نسبت سے حصہ ملے گا۔

مضاربت کی مختلف صورتیں

- پہلی صورت: دو افراد معاہدہ مضاربت کریں ایک رب المال اور دوسرا مضارب۔

دوسری صورت: دو سے زیادہ افراد مضاربت کریں اس کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

(الف) پہلی صورت: ایک سے زائد افراد (رب المال) سرمایہ فراہم کریں اور ایک سے زائد افراد (مضارب) اس سرمایہ پر محنت کریں۔

(ب) دوسری صورت: سرمایہ ایک فرد (رب المال) فراہم کرے اور ایک سے زائد افراد (مضارب) اس سے کاروبار کریں۔

(ج) تیسری صورت: سرمایہ چند افراد مل کر فراہم کریں اور محنت ایک فرد کرے۔

نوٹ: مضاربت کی مندرجہ بالا تمام صوتیں جائز ہیں۔

---

1 - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1277 حدیث مرفوع مکررات 25

مضاربت کے بارے میں احادیث

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی وہ مثل قیدی کے ہے لہٰذا اے اللہ کے بندوں! اس کے ساتھ مضاربت کرو اسے قرض دو۔(المبسوط)
- حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مخصوص شرائط کے ساتھ مضاربت کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار پسندیدگی فرمایا۔(المبسوط)

کلیم ابن خرام رضی اللہ عنہ اپنی شرائط کیساتھ مضاربت کرتے تھے۔(المبسوط)

- ابو نعیم راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے مال کو مضاربت کے طور پر حاصل کر کے شام میں تجارت کی۔(المبسوط)
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ مضاربت میں برکت ہے۔(ابوداؤد)
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مضاربت کیا کرتے تھے۔(التبرکات فی الفقہ الاسلامی)
- ام المومنین حضرت عائشہؓ اپنے پاس لوگوں کو جمع شدہ سرمائی مضاربت کے طور پر کاروبار کے لئے دیا کرتی تھیں۔(1)
- حضرت عمرؓ نے بھی زید بن خلیدہ کے ساتھ مضاربت کی۔(المبسوط)
- حضرت عمرؓ نے بیت المال سے بھی مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے رقم دی۔(المبسوط)

آپ یتیموں کا مال مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے دیتے تھے تاکہ اس میں اضافہ ہو۔(المبسوط)

مضاربت کے احکام

- مضارب کو مال کرنے کے بعد اور کاروبار شروع کرنے سے پہلے تک اس مال کی حیثیت امانت کی ہے۔ اور امانت کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اور جب رب المال اس رقم کو واپس مانگے تو اس کی واپسی بھی مضارب کی ذمہ داری ہے۔ مال ضائع ہو جانے کی صورت میں مضارب پر جرمانہ نہیں ہو گا۔
- کاروبار شروع ہو جانے کے بعد مضارب کی حیثیت رب المال کے وکیل (نمائندہ) کی ہو جاتی ہے۔

کاروبار میں منافع ہونے کی صورت میں مضارب کی حیثیت مالیتا معاہدہ کے شریک کی ہو جاتی ہے اور ہر شریک کاروبار کو معینہ اور طے شدہ نسبت سے منافع کی تقسیم کی جائے گی۔

- اگر کسی وجہ سے معاہدہ مضاربت منسوخ ہو جائے تو اس صورت میں یہ معاہدہ مضاربت نہیں بلکہ معاہد روزگار کی شکل اختیار کرے گا اور مضارب کی حیثیت ملازم کی ہو جائیگی۔ نفع یا نقصان رب المال کا ہو گا جبکہ مضارب کو اس کی اجرت ملے گی۔

اگر مضارب، معاہدہ مضاربت کی شروط کو تسلیم نہ کرے تو اس کی حیثیت غاصب ہو گی اور اس پر اصل سرمایہ کی واپسی کی ذمہ داری ہو گی۔

---

[1]- التبرکات فی الفقہ الاسلامی 34/2

اگر معاہدہ مضاربت کی ایک شرط یہ ہو کر سارا کا سارا منافع مضاربت کو ملے گا یہ معاہدہ مضاربت نہیں بلکہ مضارب کی حیثیت مقروض کی ہو گی اور یہ معاملہ قرض کا معاملہ ہو گا۔ نفع و نقصان کی ذمہ داری اس کی اپنی ہو گی۔ اور سرمایہ کے ضیاع کی صورت میں سرمایہ کی رب المال کو واپسی کی ذمہ داری ہو گی۔

- اگر شرط یہ ہو کہ سارا کا سارا منافع مالک کا ہو گا تو یہ معاملہ عقد البضاعۃ کا ہو گا۔ مصاربہ نہ ہو گا، مضارب ملازم ہو جائے گا۔

مضاربت کے ارکان

- مضاربت کے دو ارکان ہیں۔ ایجاب قبول

ارکان کے لئے الفاظ کی ضرورت ہے جو جانبین کے معاہدہ مضاربت پر رضامندی کو ظاہر کریں مثلاً ایک فریق کہتا ہے۔ یہ مال (سرمایہ) لو اور اس سے "مضاربت" یا "معاملہ" کرو۔ یا یہ مال مضارب کے لئے لو۔ اس پر جو منافع ہو گا، وہ ہم نصف نصف یا دو تہائی اور ایک تہائی کے حساب سے تقسیم کرلیں گے اور جواب میں مضارب کہے کہ میں نے یہ سرمایہ حاصل کیا یا "میں اس معاہد پر راضی ہوں" یا "میں نے قبول کیا۔"

مضاربت کی شرائط

- معاہدہ مضاربت کی درج ذیل شرائط ہیں۔

راس المال (یعنی سرمایہ) نقدی یا زر یا سونے چاندی کی صورت میں ہونا چاہئے۔ باقی مال تجارت (عروض التجارۃ) کے ساتھ مضاربت جائز نہیں ہے۔ نقدی ہونا ضروری ہے کیونکہ مال تجارت کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے جس کی وجہ سے قدر سرمایہ اور منافع کی مقدار بھی تبدیل ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کپاس یا کپڑا ایک ہزار روپے کا ہے۔ یہ لو اور مضاربت کی بنا پر اس کی بیچو تو معاملہ درست نہیں ہے۔ البتہ اگر مضارب سے کہا جائے کہ یہ مال تجارت لو اور اس سے جو سرمایہ حاصل ہو۔ اس کے ساتھ مضاربت کرو تو حنفی اور حنبلی فقہ کے مطابق جائز ہے جبکہ ایک مکتبہ فکر (حنبلی) کے مطابق مشینری اور اوزاروں کی صورت میں سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ شکست وریخت کے اخراجات رب المال کے ذمہ ہوں۔

[1] معاہدہ مضاربت کے وقت راس المال (سرمایہ) معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کا تنازعہ پیدا نہ ہو سکے۔

- معاہدہ مضاربت کے موقع پر رب المال کے پاس سرمایہ کی موجودگی ضروری ہے۔ مضارب پر اگر قرض ہو تو اس کی بنیاد پر معاہدہ مضاربت نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر مضاب کو کسی اور شخص سے قرض وصول کرنے اور اس کے بعد کاروبار شروع کرنے کے لئے کہا جائے۔ اس صورت میں مضارب رب المال کا نمائندہ ہو گا۔
- معاہدہ کے وقت سرمایہ مضارب کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اسی پر تصرف کر سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رب المال مضارب کے ساتھ کاروبار میں حصہ لے گا تو معاہدہ منسوخ ہو جائے گا۔
- متوقع منافع میں سے مضارب کا حصہ (شرح یا فیصد) معلوم ہونا چاہئے۔ مثلاً نصف یا تیسرا حصہ وغیرہ۔ اگر وہ یہ کہا جائے کہ

اس سرمایہ سے کاروبار کرو، منافع میں سے تمہیں دو ہزار یا (کم و بیش) رقم ملے گی تو مضاربت کا معاملہ منسوخ ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ نصف اور اس کے علاوہ ایک ہزار روپے تو یہ صورت بھی درست نہیں۔

- مضارب کا حصہ منافع میں سے طے کیا جائے گا۔ راس المال (سرمایہ) میں سے نہیں۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ نصف مال تمہارا اور منافع میں سے بھی اتنا اور اتنا حصہ یہ درست نہیں۔ اسی طرح یہ شرط بھی درست نہیں کہ مضارب کو نصف یا تیسرا حصہ منافع کے علاوہ ماہانہ تنخواہ بھی ملے گی۔ یہ شرط باطل ہے جبکہ معاہدہ دست ہے۔ مضارب صرف منافع میں سے حصہ کا مالک ہے لیکن اگر شرط یہ ہو کہ مضارب کو رہنے کو مکان یا زراعت کے لئے زمین بھ دی جائے گی تو معاہدہ فاسد ہو گا۔
- اگر مضارب کے پاس رب المال کا مال یا مالی ذرائع بطور رہن موجود ہوں اور اب راب المال نے مضارب سے قرض لے کر رکھا ہو تو ایسے سرمایہ پر مضارب درست نہیں ہے۔

معاہدہ مضاربت کی مدت

- مالک سرمایہ یا مضارب دونوں میں سے کوئی ایک فریق یا دونوں معاہدہ کو کسی وقت بھی منسوخ کر سکتے ہیں۔ اگر معاہدہ میں دو سے زائد افراد ہیں تو ان میں معاہدہ برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

مضاربت کا معاہدہ ایک خاص عرصہ وقت کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے اور لا محدود مدت کے لئے بھی۔

معاہدہ مضاربت کسی ایک فریق کی موت سے ختم ہو جاتا ہے البتہ دو سے زائد افراد کی صورت میں معاہدہ کو باقی فریق جاری رکھ سکتے ہیں۔

معاہدہ مضاربت سے پہلے طے شدہ شرائط پر مسلسل جاری رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً مضاربت کا معاملہ ایک معین عرصہ کے لئے کیا گیا اور جو کام شروع کیا گیا وہ مقررہ مدت سے پہلے ہی ختم ہوگیا اس صورت میں مضاربت سرمایہ کو بقیہ عرصہ کے لئے دوسرے کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ البتہ اس صورت میں نفع و نقصان کے حوالے سے کچھ اختلافات رائے ہے۔

نفع و نقصان کے احکام

- شراکت کے معاملہ میں نقصان کاروبار میں لگائے گئے سرمایہ کے تناسب سے سرمایہ کے مالکوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے چونکہ مضاربت میں سرمایہ ایک فریق لگاتا ہے اس لئے فریق لگاتا ہے اس لئے نقصان کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے یعنی کاروبار جو بھی ہو گا وہ رب المال کو پورا کرنا ہو گا۔
- نفع کی تقسیم معاہدہ مضاربت میں طے شدہ نسبتوں سے ہوگی کسی بھی فریق کے لئے کوئی متعین رقسم پیشگی طے نہیں کی جا سکتی۔ حنفی فقہ کے مطابق راس المال رب المال کے حوالے کرنے سے پہلے نفع کی تقسیم درست نہیں۔

مسلسل جاری کاروبار میں نقصانات کی تلافی نفع سے کی جاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ کاروبار ختم کر کے حساب صاف کر لئے جائیں۔

فریقین نے نفع و نقصان کی مقداروں کا تعین کاروبار ختم ہونے پر ہی کی جائے گی۔

کاروبار میں نفع کے حق دار نفع کے مالک اس وقت قرار پائیں گے جب اصول سرمایہ رب المال کو واپس جائے خواہ اپنے سرمایہ

پر اس کا قبضہ عملا ہو یا قانوناً مثلاً اگر ایک فرد کی بنک کے ساتھ مضاربت کا معاہدہ کرے تو اس معاہدے کے اختتام اور نفع کی تقسیم کے لئے یہ کافی ہو گا کہ اصول سرمایہ اس فرد کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے یہ قانونی قبضہ ہے۔

- نفع سرمایہ میں اضافہ کا باعث ہو گا حقیقی منافع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کی محنت کا ازالہ ضروری ہے۔

کاروبار میں کسی قسم کے اختیارات کا حصول یا مختلف تصرفات اور معاہدات کی اجازت یا کسی قسم کی پابندیاں باہمی رضامندی سے عائد کی جاسکتی ہیں۔

-خرید وفروخت کا بیان

مسلمان کسی ذمی کو شراب بیچنے کے لیے نہ دے

عن أبي سعيد قال كان عندنا خمر ليتيم فلما نزلت ....اسمه جبر بن نوف (1)

علی ابن حشرم، عیسیٰ بن یونس، مجالد، ابی الوداک، حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی کہ سورت مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم سے اس کے متعلق پوچھااور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم لڑکے کی ہے آپ نے فرمایااس کو بہا دو۔ اس باب میں حضرت انس بن مالک سے بھی روایت ہے ابوسعید کی روایت حسن ہے اور کئی سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے بعض علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے شاید اس لیے کہ واللہ اعلم مسلمان شراب سے سرکہ بنانے کے لیے اپنے گھروں میں نہ رکھنے لگیں بعض اہل علم خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب کو رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔[2]

مسائل و معاملات:

- بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں، یہ لوگ شراب کا سرکہ بنانے کو مکروہ سمجھتے ہیں، اس وجہ سے سے اسے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ مسلمان کے گھر میں شراب رہے۔ یہاں تک کہ وہ سرکہ بن جائے۔
- اس حدیث کی روسے شراب کا رکھنا جائز نہیں اس کا بہادینا ضروری ہے۔
- اس بارے میں حضرت انس بن مالکؓ سے منقول ہے۔
- یہی روایت دیگر حوالوں سے بھی نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔
- اہل علم نے اس کے مطابق فتویٰ دیاہے۔وہ یہ فرماتے ہیں: شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے۔
- (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں)اس کو حرام اس صورت میں قرار دیا گیاہے، ویسے اللہ بہتر جانتاہے کہ کسی مسلمان کے گھر میں شراب موجود ہو اور پھر وہ سرکہ بن جائے، جبکہ بعض اہل علم نے شراب کے سرکے کی اجازت دی ہے۔ جبکہ وہ ایسی حالت میں پائی جائے کہ خود بخود سرکہ بن چکی ہو۔

---

[1] ۔ تخریج: تفرد بہ المولف (تحفۃ الاشراف: 3991) صحیح

[2] – جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1283 حدیث مرفوع مکررات 1

- ابو وداک نامی راوی کا نام جبیر بن نوف ہے۔
- حدیث باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ شراب قطعی حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ مسلمان نہ خود فروخت کر سکتا ہے اور نہ غیر مسلم کے ذریعے اسے فروخت کرا سکتا ہے۔ اسے ضائع کر دینا یا اس کا سرکہ تیار کر لینا چاہیے۔ سرکہ تیاری کرنے صورت میں اس کا استعمال کرنا حلال ہو جائے گا کیونکہ کسی چیز کی ہیئت بدلنے سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ شراب کو بہانے یا اسے ضائع کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اسلام کی نظر میں یہ مال نہیں ہے۔

- **خمر سے سرکہ بنانے میں مذاہبِ آئمہ**

- خمر سے سرکہ تیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں آئمہ فقہ کا اختلاف ہے۔
- 1 حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ شراب سے سرکہ تیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اسے ضائع کرنا اور بہا دینا ضروری ہے۔ انہوں نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے کہ اگر خمر سے سرکہ بنانا جائز ہوتا تو حضور اقدس ﷺ سائل کو بہانے کا حکم نہ دیتے بلکہ سرکہ بنانے کا حکم دیتے حالانکہ آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، جس سے عیاں ہوتا ہے کہ خمر سے سرکہ تیار کرنا منع ہے۔
- حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر ہے کہ خمر سے سرکہ بنانا جائز ہے اور سرکہ کا استعمال میں لانا بھی حلال ہے، کیونکہ چیز کی ہیئت تبدیل ہونے سے اس کا حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:
  - خیر الخل خل الخمر" بہترین سرکہ خمر کا سرکہ ہے۔ آپ کی طرف سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی دلیل کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق ابتداء اسلام سے ہیں۔ اس دور میں خمر سے نفرت پیدا کرنے کے لیے اس بارے میں سخت اور قابل گرفت احکامات جاری کیے گئے تھے حتیٰ کہ خمر کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا گیا لیکن بعد میں ایسے احکام منسوخ ہو گئے اور اس سے تیار کردہ سرکہ کو احلال و جائز قرار دیا گیا ہے۔([1])

-خرید و فروخت کا بیان
جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال غصب کر

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حلف على يمين وهو فيها فاجر ليقتطع بها مال امر مسلم لقى الله وهو عليه غضبان.......وحديث ابن مسعود حديث حسن صحيح (2)

---

[1] -المغنی لابن قدامہ، جلد: 8، ص: 319

[2] ۔تخریج: خ/الشرب والمساقاۃ 4 (2356)، والخصومات 4(2416)، والرھن 6(2515)، والشھادات 19(2666)، و 20 (2669)، و 23 (2673) و 25 (2676)، و تفسیر آل عمران 3(5449)، والایمانوالنذور 11(6669)، و 17 (6676)، والاحکام 30 (7183)، والتوحید 24 (7445)، م /الایمان 61 (220)، د/الایمان و النذور 2 (3243)، ق/الاحکام 8 (2373)، حم (1/377) صحیح

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، شقیق، ابن سلمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کا مال غصب کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے اشعث بن قیس فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم یہ تو مجھ ہی سے متعلق ہے۔ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین میں شرکت تھی لیکن اس نے میرے حصے کا انکار کیا تو میں اسے لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے کہا کہ تم قسم کھاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی (اِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا) 3۔ ال عمران : 77) اس باب میں وائل بن حجر، ابوموسی، ابوامامہ بن ثعلبہ اور عمران بن حصین سے بھی روایت ہے حدیث ابن مسعود حسن صحیح ہے۔([1])

مسائل و معاملات:

- جس نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعہ کسی کے مال کا مستحق ہو جائے تو اللہ اس سے ناراض ہوگا۔
- مدعی پر دلیل پیش کرنا (گواہ پیش کرنا) لازم ہے اور قسم وہ اُٹھائے گا جس نے انکار کیا۔(2)
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعٰی علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔(3)
- جو شخص جھوٹی قسم اُٹھا کر کسی کے مال کا ناحق مالک بنے تو اللہ کو اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غصہ ہوگا۔ اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔(4)

جو شخص حق پر ہونے کے باوجود قسم نہ کھائے اُس کی جزاء:

- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عدی بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ امراء القیس اور صرف موت کے ایک شخص کے درمیان تنازع تھا۔
- امراء القیس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شخص حق پر ہونے کے باوجود قسم نہ کھائے اور اپنا حق ترک کردے اس کی کیا جزاء ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت "اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں قسم کو ترک کرتا ہوں، عدی بن عمیرہ نے بیان کیا: پھر آل عمران: 77 نازل ہوئی۔(5)

جھوٹی قسم کھانے والوں کی سزا:

- حدیث مذکورہ میں ہے کہ اللہ اُن پر غصہ ہوگا اور جن پر اللہ غصہ ہوگا ان کا انجام کتنا برا ہو سکتا ہے۔

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1289 حدیث مرفوع مکررات 20

[2] بیہقی فی السنن الکبری 252/10

[3] عمدۃ القاری: 279/12

[4] آل عمران: 77

[5] جامع البیان، دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، ص: 228/3

- مسلم حدیث نمبر 261 میں ہے۔ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر مسلمان کے حق پر قبضہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کو واجب اور جنت کو حرام کر دیتا ہے۔(1)

علامہ شرف الدین نوویؒ لکھتے ہیں:

- اس حدیث میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کے اس نظریہ پر دلیل ہے کہ حاکم کے فیصلہ سے کسی شخص کے لیے وہ چیز مباح نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس گواہ نہیں ہیں تو اس شخص کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ اس کے باوجود قسم کھانے والے کے لیے فرمایا اگر اس نے جھوٹی قسم کھا کر ناحق مال لیا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلہ سے اس لیے وہ چیز مباح نہیں ہوتی اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب حاکم فیصلہ کر دے تو وہ چیز اس کے لیے مباح ہو جاتی ہے۔(2)

۔خرید و فروخت کا بیان

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینے کی ممانعت

عن أنس بن مالک أن رجلا من کلاب سأل النبی صلی الله علیه وسلم عن عسب الفحل ....بن عروة (3)

عبدہ، عبداللہ، خزاعی، یحییٰ بن آدم، ابراہیم بن حمید، ہشام بن عروہ، محمد بن ابراہیم، حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو کلاب کے ایک شخص نے رسول اللہ سے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت کے متعلق پوچھا تو آپ نے منع فرمایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جب نر کو مادہ پر چھوڑتے ہیں تو لوگ بطور انعام کچھ نہ کچھ دیتے ہیں۔ پس آپ نے اسے اس کی اجازت دی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف ابراہیم بن حمید کی ہشام بن عروہ سے روایت پہچانتے ہیں۔([4])

مسائل و معاملات:

زیر بحث باب میں عسب الفحل سے منع کیا گیا ہے عسب الفحل سے مراد یہ ہے کہ نر مادہ کے ساتھ جفتی کرے مثلاً مادہ کا مالک یہ چاہتا ہے کہ میری مادہ حاملہ ہو جائے لیکن اس کے پاس نر موجود نہیں وہ نر کے مالک سے مطالبہ کرے کہ اپنے نر کو چھوڑ دو تاکہ میری مادہ کو حاملہ کرے اور وہ اس پر اجرت کا مطالبہ کرے اس سے منع کیا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں البتہ اگر اکرام کے طور پر کچھ دے دیا جائے تو یہ جائز ہے جیسے زیر بحث باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ پہلے سے کوئی اجرت مقرر نہیں جب نر کا مالک اپنا نر لے کر آیا تو مادہ کے مالک نے اس کی خاطر تواضع کر دی یا کوئی ہدیہ دے دیا تو اس کی اجازت ہے۔

1۔ مسلم: کتاب الایمان، رقم الحدیث: 261

2۔ شرح مسلم للنووی: 81/1

3۔ تخریج: ن/البیوع 94 (4676)،، تحفۃ الاشراف: 1450) (صحیح)و اخرجه کل من خ/الاجارۃ 21(2284)،د/البیوع 42 (3429)،ن/البیوع94 (4675)،حم(2/4)(صحیح)

4 – جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1294 حدیث مرفوع مکررات 2

سانڈ سے مادہ کو جفتی کرانے کی اُجرت لینے کی ممانعت

- لفظ "فحل" واحد ہے اور اس کی جمع ہے: فحول، افحل، فحال، فحالتہ اور فحولتہ۔ اس کا معنی ہے: بجار، سانڈ اور وہ جانور جو نسل کشی ہے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الفظ "عسب" کا معنی ہے اجرت مگر یہاں سانڈے سے جفتی کرانے کا معاوضہ مراد ہے۔ سانڈ کو مادہ سے جفتی کے لیے دے کر اس کی اجرت حاصل کرنا منع ہے۔ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ سانڈ کے جفتی کرنے سے مادہ حاملہ نہ ہوئی ہو۔ کسی بھی مشکوک معاملہ میں اُجرت حاصل کرنا منع ہے اور اسے اجارہ فاسد بھی کہتے ہیں۔ البتہ سانڈ کی خدمت کے طور پر کوئی مالک کو نذرانہ پیش کرے تاکہ سانڈ کو گھاس، کھل اور دانہ وغیرہ کھلایا جائے تو جائز ہے۔
- سوال: پہلی حدیث باب سے سانڈ کی جفتی کی اُجرت وصول کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور دوسری حدیث باب سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں احادیث میں تعارض ہوا؟
- جواب: پہلی حدیث سے سانڈ کے جفتی کرانے کی اُجرت مراد ہے جو مادہ کے مجہول الحمل ہونے کی وجہ سے منع ہے۔ دوسری حدیث سے اُجرت مراد نہیں ہے بلکہ نذرانہ مراد ہے جس کے جواز میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس طرح دونوں روایات کے مضامین میں منافات اور تعارض نہیں ہے۔

-خرید وفروخت کا بیان
پچھنے لگانے والے کی اجرت

عن ابن شهاب عن ابن محيصة أخا بني حارثة عن أبيه أنه استأذن النبي صلى الله عليه وسلم في إجارة الحجام فنهاه عنها فلم يزل يسأله ويستأذنه حتى قال اعلفه ناضحک وأطعمه .... بهذا الحديث ([1])

قتیبہ، مالک، ابن شہاب، ابن محیصہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھنے لگانے پر اجرت لینے کی اجازت چاہی تو آپ نے منع فرمادیا لیکن بار بار پوچھتے رہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے اونٹ کے چارے یا غلام کے کھانے پینے کے لیے استعمال کرلو۔ اس باب میں رافع بن خدیج، ابوجحیفہ، جابر اور سائب سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث محیصہ حسن ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر پچھنے لگانے والا مجھ سے اجرت مانگے تو میں اسے منع کردوں گا امام احمد نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ([2])

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، حضرت حمید کہتے ہیں کہ انس سے حجام کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ابوطیبہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگائے تو آپ نے انہیں دو صاع غلہ دینے کا حکم دیا اور ان کے مالکوں سے گفتگو فرمائی۔ پس انہوں نے ابوطیبہ کے خراج سے کچھ کم کردیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے بہترین علاج پچھنے لگوایا ہے یا فرمایا

---

[1]-- تخریج: م/المساقاۃ11 (البیوع32 (1577)، تحفۃ الاشراف: 580) (صحیح)

[2]- جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1297 حدیث مرفوع مکررات 3

بہترین دوائی پچھنے لگوانا ہے۔ اس باب میں حضرت علی، ابن عمر سے بھی روایات منقول ہیں حدیث انس حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء نے سینگی لگانے والے کی کمائی کو جائز کہا ہے امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔([1])

مسائل و معاملات:

- فصد لگانے کی اجرت کی ممانعت تنزیہی ہے
- اس باب کی حدیث میں خون کی قیمت یعنی فصد لگانے کی اجرت سے منع کیا گیا ہے۔ اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فصد لگوائی اور فسد لگانے والے کو اجرت عطا فرمائی۔
- اس کے متعلق درج ذیل حدیث ہے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فصد لگانے کی اجرت کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فصد لگوائی اور ابو طیبہ نے فصد لگائی تو آپ ﷺ نے اس کو دو صاع (آٹھ کلو) گندم دینے کا حکم فرمایا اور اس کے مالکوں سے فرمایا: اس سے روز رقم لینے کی جو مقدار مقرر کی ہے اس میں کمی کر دو اور فرمایا تم جن چیزوں سے علاج کرتے ہو۔ ان میں سب سے افضل فصد لگوانا ہے۔(2)

- امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد لکھا: نبی ﷺ کے اصحاب میں سے اہل علم نے فصد لگانے کی اجرت کی رخصت دی ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔ (امام ابو حنیفہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔(3)
- اکثر صحابہ کی ملکیت میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی جن میں سے کچھ غلاموں کو وہ پچھنے لگانے کے کام پر مامور کر دیتے تھے اور پھر ان کی اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لاتے تھے چنانچہ ایک صحابی حضرت محیصہ نے آنحضرت ﷺ سے یہ جاننا چاہا کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی آیا جائز ہے یا نہیں اور یہ اجازت مانگی کہ میرا غلام پچھنے لگانے کی جو اجرت حاصل کرتا ہے چونکہ اس میں سے کچھ حصہ میری ملکیت میں آتا ہے اس لئے میں اپنے اس حصہ کو اپنے استعمال میں لاؤں یا نہیں آنحضرت ﷺ نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی چونکہ صحابہ اپنے بعض غلاموں سے پچھنے لگانے کی حاصل ہونے والی اجرت میں سے اپنا حصہ لے کر اسے اپنی ضروریات میں صرف کرتے تھے اور اسے وہ پسند بھی کرتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ سے اس کی اجازت نہ دینے سے محیصہ اس بارے میں دشواری محسوس ہوئی اور اس امید کی بناء پر کہ آپ اجازت دے دیں وہ بار بار اجازت طلب کرتے تھے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اتنی اجازت دیدی کہ وہ اس اجرت کو اپنے اونٹوں کے گھاس اور چارے میں اور اپنے غلاموں

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1298 حدیث مرفوع مکررات 17

[2]۔ سنن ترمذی: 1282، صحیح مسلم: 1577

[3]۔ سنن ترمذی ص 392-393، دار الفکر، بیروت، 1422ھ

لونڈیوں پر صرف کر لیں اور اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف تو اشارہ فرمایا کہ پچھنے لگانے سے جو اجرت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ جائز مال ہے مگر چونکہ وہ خون نکالنے کی کمائی ہے اس لئے اس کو شرفاء کے لئے استعمال کرنا مکروہ اور ان کی شان کے خلاف ہے اور لونڈی غلام چونکہ آزاد لوگوں کے برخلاف ایسا شرف نہیں رکھتے جو اس پیشہ کی دنائت کے منافی ہو اس لئے پچھنے لگانے کی کمائی کھانا اس کی شان سے فروتر نہیں ہے۔

- دوسری طرف آپ ﷺ نے اس کے ذریعہ گویا اولوالعزمی اور عالی ہمتی کی ترغیب بھی دی ہے کہ شرفاء کو باوقار پیشہ اور اپنے دست وبازو کی محنت کی ہی کمائی کھانی چاہئے۔ بہر کیف آنحضرت ﷺ نے حضرت محیصہ کو جو اجازت نہیں دی وہ محض نہی تنزیہی کے طور پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت مال حرام ہے کیونکہ اگر یہ مال حرام ہوتا تو آپ ﷺ ان کو اسے اپنے جانور اور اپنے غلام لونڈی پر خرچ کی اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ آقا کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جانوروں یا اپنے غلام لونڈی کو حرام مال کھلائے لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔
- حضرت انس کہتے ہیں کہ ابوطیبہ نے رسول کریم ﷺ کے پچھنے لگائے تو آپنے اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ وہ ابوطیبہ کی کمائی میں سے کم لیا کریں۔
- اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو مختلف پیشوں میں لگا دیتے تھے اور ان سے یہ طے کر دیتے تھے کہ اجرت کے طور پر حاصل ہونے والے مال میں سے اتنا حصہ ہمارا ہوگا اور باقی کے تم حقدار ہو گے چنانچہ ابوطیبہ نے جو بنی بیاضہ کے غلام تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری کی تو آپ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے مالکوں سے کہا کہ تم لوگ ابوطیبہ کی کمائی میں جو کچھ روزانہ لیا کرتے ہو اس میں کمی کر دو۔
- یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پچھنے لگانے کا پیشہ ایک حلال پیشہ ہے اور اس کی اجرت دینا جائز ہے نیز اس حدیث سے چند اور مسائل ثابت ہوتے اول یہ کہ علاج کرنا اور علاج کرانے کی اجرت دینا مباح ہے دوم یہ کہ مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے غلام کو کمائی پر لگا دے اور اس کے کمائے ہوئے مال میں سے اپنا کوئی حصہ مقرر کرے سوم یہ کہ صاحب حق اور صاحب مطالبہ سے سفارش کرنا جائز ہے۔
- یہ حدیث پچھنے لگانے کی آمدنی کی جواز کی دلیل ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے اجازۃ الشئی اجازۃ لما یحصلہ یعنی اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے تو جو اس کا موقوعد علیہ ہوتا ہے اس کی خود بخود اجازت ہو جاتی ہے جب نبی ﷺ نے پچھنے لگانے کو بہترین علاج قرار دیا تو پچھنے لگوانا جائز ہوا پس اسکی اجرت بھی جائز ہوئی۔

- خرید وفروخت کا بیان

راہ گزرنے والے کے لیے راستے کے پھل کھانے کی اجازت

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم سل عن الثمر المعلق فقال من أصاب منه من ذي حاجة غير متخذ خبنة فلا شي عليه قال أبو عيسى هذا حديث حسن (1)

قتیبہ، لیث، ابن عجلان، حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی ضرورت مند جمع کیے بغیر کھالے تو کوئی حرج نہیں یہ حدیث حسن ہے۔(2)

مسائل و معاملات:

زیر بحث باب کی روایت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ در حقیقت عرف کے تابع ہے اگر اس علاقہ کے عرف کے مطابق اجازت ہے تو کھالے ورنہ نہ کھائے اور اس کی تین صورتیں ہیں:

- بعض علاقوں کا عرف یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی باغ کے اندر آیا اور اس باغ کا مالک پھل کھانے سے منع نہیں کرتا ایسے علاقوں میں پھل کھانا جائز ہے۔
- بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جو پھل زمین پر گر جاتا ہے اس کے کھانے کی تو اجازت ہوتی ہے لیکن درخت سے توڑنے کی اجازت نہیں ہوتی ایسے علاقوں میں اسی کے مطابق حکم ہو گا بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ جو پھل نیچے گر گیا اس کو کھالو لیکن درخت سے توڑ کر نہ کھاؤ جیسے زیر بحث باب کی دوسری روایت میں یہی مذکور ہے۔
- بعض علاقوں میں کسی بھی قسم کے پھل کھانے کی اجازت نہیں ہوتی ایسی صورت میں کوئی بھی پھل کھانا جائز نہیں ہو گا۔

الف۔ باغوں کے پھل کھانا

- جو شخص کسی باغ کے پاس سے گزرے جس میں پھل دار درخت ہوں تو بوقت ضرورت وہ اس کے تازہ پھل کھا سکتا ہے، خواہ باغ کے ارد گرد دیوار ہو لیکن شرط یہ ہے کہ قیمت ادا کرے۔
- اگر کھانے کی ضرورت نہ ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک(3) وہاں سے گزرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر کوئی چیز کھانے یا اپنے ساتھ لے جائے کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ”کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لئے اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔“(4) نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ”تمہارے

---

[1] ۔ تخریج: د/اللقطہ 10 (1710) والحدود 12 (3490)، ن/ قطع السارق 11 (4961)، تحفۃ الاشراف: 8798) (حسن)

[2] ۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1308 حدیث مرفوع مکررات 11

[3] ۔ ردالمحتار، 5 : 238المھذب، 2 :251، المیزان للشعرانی، 2 :90

[4] ۔ حاکم اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں ابو حمید الساعدی سے ان الفاظ میں روایت کی: ”کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی چھڑی اس کی دلی رضامندی کے بغیر لے۔“

خون، تمہارے مال، تمہارے عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا دن حرام ہے۔"(1) یہ رائے تقویٰ، ورع اور دینی احتیاط پر مبنی ہے۔

- حنابلہ کہتے ہیں(2) کہ بھوک اور ضرورت کی حالت میں باغ کے پاس سے گزرنے والے کے لئے اس کے پھل کھانے جائز ہیں البتہ ساتھ نہ لے جائے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اگر باغ کی دیوار نہیں ہے اور انسان بھوکا تو وہاں سے کھالے، اور اگر بھوکا نہیں ہے تو نہ کھائے۔ کئی ایک اصحاب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کیا، اگر باغ کے گرد دیوار ہو تو نہ کھائے کیونکہ یہ محفوظ کی ہوئی اشیاء کی مانند ہو جاتا ہے، اور ابن عباسؓ کا قول بھی ہے کہ اگر باغ کے گرد دیوار ہو تو وہ محفوظ کیا ہوا ہے، وہاں سے نہ کھائے اور اگر دیوار نہیں ہے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ پھلوں کے ارد گرد دیوار کھینچ لینے سے مالک کی حرص اور در گزر نہ کرنے کا اظہار ہوتا ہے۔
- اگر باغ کی دیوار نہ ہو تو حاجت کے وقت کھالینے کے جواز کی دلیل یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:"جو کوئی ضرورت مند اس سے کھالیتا ہے، سمیٹ کر نہیں لے جاتا(3) تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو لے جاتا ہے اس پر دگنا تاوان ہے اور سزا بھی"(4)، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:"جب تم کسی باغ میں پہنچو (اور بھوک لگی ہو) تو تین بار مالک کو آواز دو اگر وہ جواب دے تو فبہا ورنہ کھالو لیکن ضائع نہ کرو۔"(5) ابو زینب التیمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ، عبد الرحمن بن سمرہؓ اور بو بردہؓ کے ساتھ سفر کیا، وہ پھلوں کے پاس سے گزرتے تو جتنا منہ میں آتا کھالیتے۔ حضرت عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابو بردہؓ کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں:"کھالے لیکن جھولی نہ ڈالے۔"(6)
- امام احمد سے ایک اور رایت یہ ہے کہ انہوں نے ایسے باغات سے جن کے ارد گرد دیوار نہیں ہوتی مطلقاً کھانے کی اجازت دی ہے، خواہ راہ گیر بھوکا ہو یا نہ ہو، الاقناع کے متن اور کشاف القناع میں ہے(7)۔ جو شخص کسی ایسے باغ کے پھل دار درخت کے نیچے پڑے ہوئے پھلوں کے پاس سے گزرے، جس کی دیوار نہ ہو اور کوئی نگران بھی نہ ہو تو راہ گیر خواہ مسافر اور مضطر نہ بھی ہو، اس کے لئے مفت کھانا جائز ہے، خواہ اسے کھانے کی ضرورت نہ ہو۔ اسی طرح کوئی چیز مار کر پھل گرائے اور درخت پر چڑھ کر پھل توڑے بغیر ٹہنیوں سے توڑ کر کھانا بھی جائز ہے کیوں کہ ابو سعید خدریؓ کی اوپر مذکور روایت میں ہے"، جب تو

---

[1] - بخاری، مسلم؛ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:"ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، مال اور عزت"۔

[2] - المغنی، 597:8

[3] - الخبنة: اپنے دامن میں ڈال لو۔

[4] - ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی، ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، یحیٰی بن سلیم کی حدیث کے سوا ہم اسے نہیں پہچانتے۔

[5] احمد اور ابن ماجہ نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی، اس کے راوی ثقہ ہیں، سعید نے حسن کے واسطے سے سمرہؓ سے اسی طرح کی حدیث روایت کی۔

[6] المغنی، 598:8

[7] کشاف القناع، 6: 198

کسی باغ کے پاس جائے۔۔۔۔۔”

حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا دار و مدار لوگوں کے عرف پر ہے، عام طور پر راہ گیر کے پھل کھالینے یا گرے ہوئے پھل بلا اجازت کھالینے کی لوگ پرواہ نہیں کرتے۔ ہاں اگر کوئی شخص گرے ہوئے پھل اُٹھانے کے لئے کھڑا ہے یا لوگوں کو لینے سے روک رہا ہو تو لینا جائز نہیں ہو گا۔(1)

ب۔ کھیتی میں سے کھانا

- امام احمد کی اس شخص کے بارے میں دو روایات ہیں جو کسی دوسرے کی کھیتی کے پاس سے گزرتا ہے اور حاجت کی وجہ سے کھانا چاہتا ہے۔(2)
- ایک روایت یہ ہے کہ نہ کھائے، کیوں اجازت پھلوں کے بارے میں ہے، غلے کے بارے میں نہیں، انہوں نے کہا کہ ہم نے کھیتی کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی۔ پھل اور غلے میں فرق یہ ہے کہ پھل اللہ تعالیٰ نے تازہ کھانے کے لئے پیدا کئے اور دل میں انہیں کھانے کی اشتہاء پیدا ہوتی ہے جب کہ غلے کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔
- دوسری روایت یہ ہے کہ ہاتھوں میں مسل کر کھانے کی صورت میں اجازت ہے، کیوں کہ تازہ غلہ کھانے کا لوگوں میں رواج ہے پس غلہ بھی پھل کی طرح ہے۔
- ابن قدامہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ پھل وغیرہ مالک کی اجازت کے بغیر نہ کھائے، کیوں کہ اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء میں کافی اختلاف ہے اور کئی روایات سے اس کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔

ج۔ دوسرے کے جانور کا دودھ دوہنا

- کسی کے جانور کا دودھ دوہنے کے بارے میں بھی امام احمد سے دو روایات ہیں:(3)
- ایک یہ کہ محتاج کے لئے جائز ہے کہ دوسرے کے جانور سے دودھ دوہ کر پی لے لیکن ساتھ نہ لے جائے کہ حضرت سمرۃؓ کی روایت میں ہے:”جب تم میں سے کوئی مویشیوں کے پاس سے گزرے تو ان کا مالک موجود ہے تو اس سے اجازت لے، اگر وہ اجات دے دے تو دودھ دوہ کر پی لے، اگر وہاں کوئی نہ ہو تو تین بار بلند آواز سے پکارے، اگر کوئی جواب دے تو اجازت لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ دوہ کر پی لے لیکن ساتھ نہ لے جائے۔”(4)

دوسری یہ دودھ دوہنا اور پینا جائز نہیں کیوں ک ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ”کوئی شخص کسی دوسرے کے جانوروں سے اس کی اجازت کے بغیر دودھ نہ دوھے، کیا تم میں سے کسی کو پسند ہے کہ کوئی شخص اس کے دودھ کے برتنوں کے پاس آئے، انہیں توڑے اور اس کی خوراک نکال کرلے جائے۔ لوگوں کے جانور اس کی اجازت کے بغیر نہ ددھے۔” ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ”جانوروں کے تھنوں میں

1۔ الاشباہ، والنظائر للسیوطی، 81

2۔ المغنی، 599:8

3 المغنی، 599:8

4 ترمذی نے کہاہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دودھ اسی طرح ہے جیسے دودھ کے برتنوں میں" (1)

-خرید وفروخت کا بیان

شراب بیچنے کی ممانعت

عن أبي طلحة أنه قال يا نبي الله إني اشتريت خمرا لأيتام في حجري قال أهرق الخمر ....حديث الليث (2)

حمید بن مسعدہ، معتمر بن سلیمان، یحییٰ بن عباد، انس، حضرت ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ان یتیموں کے لیے شراب خریدی تھی جو میری کفالت میں ہیں آپ نے فرمایا شراب بہا دو اور برتن کو توڑ ڈالو۔ اس باب میں جابر، عائشہ، ابوسعید، ابن مسعود، ابن عمر، اور انس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوطلحہ کی حدیث ثوری، سدی سے وہ یحییٰ بن عباد سے اور وہ انس سے نقل کرتے ہیں کہ ابوطلحہ ان کے نزدیک تھے یہ حدیث لیث کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ (3)

مسائل و معاملات:

واکسر الدنان:

- بروزن کتاب دن کی جمع ہے مٹکے کو کہتے ہیں چونکہ ان میں شراب تھی اس لیے توڑنے کا حکم دیا کہ دونوں نجس ہیں یا پھر زجر و تنفیر میں مبالغہ کے لئے فرمایا پھر اخیر میں ان اوانی کے استعمال کی اجازت ثابت ہے
- یہ حدیث شراب کی حرمت کے شروع دنوں کی ہے۔ اب تو اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔
- شراب کی حرمت کے ابتدائی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے برتنوں سے منع فرمایا تھا۔ جن میں شراب وغیرہ بنائی جاتی تھی۔ جب شراب کی حرمت پر لوگ اچھی طرح کاربند ہو گئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ کیونکہ اب لوگ شراب نہیں بناتے تھے۔ مسلم کی حدیث میں ہے:
- **كنت نهتكم عن الاشربة الا فى ظروف الادم فاشر بوا فى كل وعا غير ان تشربو مكرا۔**
- ترجمہ: میں نے تمہیں چمڑے کے برتنوں کے سوا تمام برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا تو اب تم نشہ آور چیز پینے کے علاوہ ہر برتن میں پی سکتے ہو۔
- لیکن سونے چاندی کے برتنوں میں اب بھی کھانے پینے کی اجازت نہیں ہے۔ (4)
- ایسے برتن جو مزفت نہ ہوئے ہوں ان کا استعمال جائز ہے۔

---

1 متفق علیہ

2 تخریج: تفرد بہ المولف (تحفۃ الاشراف: 3772) (حسن)

3 جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1313 حدیث مرفوع مکررات 4

4 بخاری: کتاب الاطعمۃ: باب الاکل فی اناء مفقض، رقم الحدیث: 5426

اس کی وجہ یہ ہے کہ روغن لگے برتنوں میں چیزیں بھگونے سے اُن میں جلد خمر کے پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے جس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اس سے منع فرمایا تھا۔ لیکن جب بعد میں شراب کی حرمت پر لوگ پکے ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ کیونکہ اب تو ہر نشہ کو حرام ٹھہرا دیا گیا تھا۔ اس لیے ایسے گھڑے یا چمڑے کے برتنوں کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمائی۔

-خرید وفروخت کا بیان

شراب بیچنے کی ممانعت

عن أنس بن مالک قال سل النبی صلی الله علیه وسلم أیتخذ الخمر خلا قال لا ......حسن صحیح [1]

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، سفیان، سدی، یحییٰ بن عباد، حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا شراب سے سرکہ بنالیا جائے آپ نے فرمایا نہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ([2])

مسائل و معاملات:

شراب کی تعریف اور اس کی بیع کا حکم

- انگور کے کچے شیرے یا کھجور کے شیرے سے کشید کردہ نشہ آور شربت کو شراب کہا جاتا ہے۔ تمام آئمہ فقہ کے نزدیک شراب حرام ہے۔ اس کی بیع باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ مسلمان کے لیے مال نہیں ہے۔ اگر شراب کو ثمن قرار دے کر بیع کی جائے تو بیع فاسد ہوگی۔

شراب خور لوگوں کی مذمت

- شراب کشید کرنا، اسے فروخت کرنا، اسے نوش کرنا، دوسرے کو پیش کرنا اور اس کی خرید وفروخت کرنا حرام ہے۔ شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

(1) شراب کشید کرنے والے پر (2) جس کے لیے شراب کشید کی گئی ہو (3) شراب نوشی کرنے والے پر (4) شراب اُٹھانے والے پر (5) جس کے لیے شراب اُٹھا کر لائی جائے (6) شراب پلانے والے (ساقی) پر (7) شراب فروخت کرنے والے پر (8) شراب کا ثمن کھانے والے پر (9) شراب خریدنے والے پر (10) جس کے لیے شراب خریدی گئی ہو۔ (3)

شراب سے سرکہ بنانے میں مذاہبِ آئمہ

- شراب سے سرکہ بنانے کے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے تفصیلی بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے، جس کا خلاصہ

---

[1]۔ تخریج: م/الاشربۃ 2 (1983)، د/الاشربۃ 3 (3675) ص، (تحفۃ الاشراف: 1668)، ود/الاشربہ 17 (2161) (صحیح)

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1314 حدیث مرفوع مکررات 4

[3]-جامع ترمذی، حدیث: 1216

درج ذیل ہے:

- حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے۔
- حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا مئوقف ہے کہ شراب سے سرکہ بنانا حرام ہے۔ انہوں نے حدیث باب سے اس کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔
- حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مئوقف ہے کہ شراب میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنانا جائز نہیں ہے اور ایسا سرکہ پلید ہو گا۔ البتہ شراب جگہ تبدیل کرکے اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر سرکہ بنایا تو جائز ہے اور اس صورت میں وہ پاک ہو گا۔
- حضرت امام مالک رحمہ اللہ اتعالیٰ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں جن سے راجح قول یہ ہے: شراب سے سرکہ بنانا تو جائز نہیں ہے مگر شراب از خود سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو وہ پاک ہے اور اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

-خرید وفروخت کا بیان

جانوروں کی کھال اور بتوں کو فروخت کرنا

عن جابر بن عبد الله أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح........عند أهل العلم ([1])

قتیبہ، لیث، یزید، ابی حبیب، عطاء، ابی رباح، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بت فروخت کرنے سے منع کیا ہے پس آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو ملا جاتا ہے اور چمڑوں پر بطور تیل استعمال کی جاتی ہے اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ بھی حرام ہے پھر آپ نے ارشاد فرمایا یہودیوں پر اللہ کی مار ہو۔ اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔ اس باب میں حضرت عمر اور ابن عباس سے بھی روایات منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔([2])

مسائل و معاملات:

- شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام ہے۔
- مردار کی چربی کا استعمال اور بیع حرام ہے۔

آیا مردار کا صرف گوشت حرام ہے یا اس کے تمام اجزاء:

- علامہ بدر الدین عینیؒ لکھے ہیں:

---

[1]۔ تخریج: خ/البیوع 112(2236)، والمغازی 51 (4296) و، و تفسیر سورۃ الانعام 6 (4673)، م/المساقاۃ 13 (1581)، د/البیوع 66 (2486)، ن/الفرع والعتیرۃ 8(4267)، والبیوع 93 (4673)، ق/ التجارات 11 (2168)، (تحفۃ الاشراف: 2494)، حم (3/324)،326،370) صحیح

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1317 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 15

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ کا نظریہ ہے کہ مردار کا گوشت، اس کے بال، ناخن اور ہڈی تمام اجزاء نجس ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا نظریہ یہ ہے کہ جن اجزاء میں حیات نہیں ہوتی وہ موت سے نجس نہیں ہوتے۔ مثلاً بال، ناخن، سینگ، کُھر وغیرہ۔(
علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: فقہاء کا اجماع ہے کہ مردار کی بیع حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام فرمادیا ہے۔
امام طبری نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مردار حرام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قیمت بھی حرام فرمادی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے، ان پر چربی حرام کی گئی تھی، اُنہوں نے اس کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھالیا۔ حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور ان کی قیمت کو حرام نہیں کیا۔ جیسے پالتو گدھوں کا کھانا حرام ہے لیکن ان کی بیع حرام نہیں اسی طرح پھاڑنے والے پرندے جیسے عقاب اور باز وغیرہ ان کا کھانا حرام ہے۔ لیکن بیع حرام نہیں۔(2)

- مردار کی چربی کی خرید وفروخت یا استعمال اُمت مسلمہ کے لیے بھی یہود کی طرح ممنوع ہے۔ اس پر اجماع ہے۔
- شریعت میں مردار، مورتی، خنزیر اور شراب قطعا حرام ہیں ان سے کسی بھی طرح انتفاع جائز نہیں شراب اور خنزیر تو نجس العین ہیں اور مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں۔ بتوں کی بیع میں دو حیثیتیں ہیں صنم کی بیع صنم ہونے کی حیثیت سے تاکہ گھر میں رکھ دی جائے صبح وشام سلام کریں گے تو بالا جماع لا یجوز اور اگر مادۃ من المواد ہونے کی حیثیت سے ہو کہ اس کو توڑ کر زیورات بنائیں گے تو بالا جماع جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شکل وصورت بدل دی جائے۔
- اور مراد ناپاک ہے البتہ اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء:

- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردار کی کھال کی بیع مطلقاً جائز ہے۔
- باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔ اور احادیث نہی کا محمل بھی یہی ہے جلود میتۃ کی بیع کہ قبل از دباغۃ ہو گی اگر قبل از دباغۃ ہو تو لا یجوز اور اگر بعد از دباغۃ ہو تو پھر یجوز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

- یہ حدیث ہے نبی ﷺ ایک مردہ بکری پر سے گزرے آپ ﷺ نے اس کے مالکون سے کہا:

هلا استمتعتم باهابها؟ آپ لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟

---

[1]- عمدۃ القاری: 56/12

[2]- نعمۃ الباری شرح بخاری: 793/4

تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کھانا ہی تو حرام ہے (1)

- اهاب کچی کھال کو کہتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نبی ﷺ نے اجازت دی ہے اور انتفاع کی دو ہی صورتیں ہیں رنگ کر یا رنگوا کر استعمال کی جائے یا فروخت کر دی جائے کیونکہ بیچ کر ثمن حاصل کرنا بھی اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

مردار کی چربی کا حکم:

- کسی نے سوال کیا یارسول اللہ ہمیں بتائیے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس کی چربی سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور وہ چمڑے پر ملا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ لوگ (چراغ جلا کر) روشنی حاصل کرتے ہیں۔
- استصباح کے معنی ہیں روشنی حاصل کرنا۔

جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ مردار کی چربی حرام ہی ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کو مار ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر شحم چربی حرام کی گئی ہے اور لفظ شحم کا اطلاق چربی پر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو پگھلایا نہ ہو گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو شحم نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ودک کہتے ہیں جب ہم نے اس کو پگھلا لیا تو اب یہ شحم نہیں رہی بلکہ ودک ہو گئی اور یہ ہمارے لیے حرام نہیں حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

-خرید وفروخت کا بیان

تلوار کا قبضہ جو چاندی کا ہو اسے دراہم (روپوں) کے بدلہ میں بیچنا

عن فضالة بن عبيد قال أتى النبي صلى الله عليه وسلم عام خيبر بقلادة........فقال التجارة (2)

محمد بن عیسی، ابو بکر بن ابی شیبہ، احمد بن منیع، ابن مبارک، ابن علاء، سعید بن یزید خالد بن ابی عمران، حنش، حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ جس سال خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ہار آیا۔ جس میں سونا بھی تھا اور نگ بھی تھے۔ حضرت ابو بکر اور ابن منیع کا کہنا ہے کہ اس میں نگ تھے جو سونے سے جڑے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے اس ہار کو نو یا سات

---

[1] - محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح بخاری حدیث نمبر 2221

[2] - تخریج: م/المساقاة 17 (البیوع 38)، د/البیوع 13 (3351)،، ن/البیوع (4577)، تحفة الاشراف: (11027) حم (21،6/19) (صحیح)

دینار کے بدلہ میں خرید لیا۔ آپ نے فرمایا یہ بیع درست نہیں جب تک کہ سونے اور نگ کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ کر لیا جائے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے پتھر لینے کا ہی ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ بیع درست نہیں۔ جب تک کہ سونے اور نگ کو الگ الگ نہیں کر لیا جاتا۔ پھر اس نے وہ ہار واپس کر دیا یہاں تک کہ سونا اور نگ الگ الگ کر لیے گئے۔ ابن عیسیٰ نے اَرَدْتُ التِّجَارَةَ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ابن عیسیٰ کی کتاب میں تو اَرَدْتُ الْحِجَارَةُ تھا مگر اس کو بدل دیا اور کہا اَرَدْتُ التِّجَارَةَ۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- بیع القلادۃ ایسا ہار کہ جس میں سونا بھی ہو نگینہ بھی ہو اور موتی بھی جڑے ہوئے ہوں تو ایسے ہار کی بیع جائز ہے یا نہیں اس کو تعبیر کر لیں ذھب مرکب کے ساتھ جیسے یہاں ہار ہے ایسے کمر بند بھی ہے تو ذھب مرکب اور فضہ مرکب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ تو احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے۔
- ذھب مرکب ہو سونا جو کسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا ہو اور فضہ مرکب وہ چاندی جو کسی چیز کے ساتھ جڑی ہوئی ہو اس کی بیع تب جائز ہو گی جب کہ اس کے عوض میں دیا جانے والا سونا زیادہ ہو اس سونے سے جو ہار کے ساتھ لگا ہوا ہے تو پھر بیع جائز ہو گی اور اگر اس کے برابر ہو یا کم ہو یا مجہول المقدار ہو تو کل چار صورتیں ہوں گی:
- عوض میں دیا جانے والا سونا زائد ہو۔
- برابر ہو۔
- کم ہو۔
- مجہول المقدار ہو مثال کے طور پر ہار میں لگا ہوا سونا تین تولے ہے اور عوض میں دیا جانے والا چار تولے ہے یا ساڑھے تین تولے ہے تو بیع جائز ہو گی باقی تینوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہے اور دوسری اور تیسری صورت میں حقیقۃ ربوا لازم آئے گا اور چوتھی صورت میں احتمال ربوا ہے اور معاملات میں جس طرح حقیقۃ ربوا حرام ہے اسی طرح احتمال ربوا بھی حرام ہے پس احناف کہتے ہیں کہ اسی پر قیاس کو لو تمام اشیاء متجانسہ کی جو مرکب مع الغیر ہوں اس کی بیع تب جائز ہو گی جبکہ اس کے عوض میں دی جانے والی جنس کی مقدار زیادہ ہو۔
- ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک بیع جائز نہیں ہو گی جب تک مرکب سونا چاندی کو دوسری چیز سے الگ نہ کر لیا جائے اس کے بعد سونے کی بیع سونے کے ساتھ یداً بید کرے اور دوسری چیز جس طرح چاہے بیچ دے۔
- **جمہور کی دلیل:**

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1575 حدیث مرفوع مکررات 12

- یہی واقعہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے ہار خرید ا بارہ دینار کے عوض اس میں سونا بھی تھا نگینے بھی تھے تو میں نے اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا تو میں نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا تباع حتی تفصل کہ اس کو نہ بیچا جائے یہاں تک کہ جدا کر دیا جائے تمام اشیاء متجانسہ کی جب بیع ہو رہی ہو اپنی جنس کے ساتھ اور وہ شئی مرکب ہو کسی دوسری چیز کے ساتھ تو اس کی بیع اس وقت جائز ہو گی کہ جب اس کو دوسری چیز سے الگ کر دیا جائے۔
- حتی تفصل سے فصل حسی مراد نہیں کہ نگینہ الگ ہو جائے اور سونا الگ ہو جائے بلکہ یہ کنایہ ہے تمیز تمام سے اور اس بات سے کہ عوض میں دیا جانے والا سونا اور چاندی اس کی مقدار زیادہ ہو اس سونے اور چاندی سے جو غیر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے کیونکہ اگر فصل حسی مراد ہو تو بعض صورتوں میں منفعۃ ختم ہو جائے گی کیا خیال ہے جب سونا الگ کر لیا جائے تو صرف نگینے کو کوئی خریدے گا اس لیے احناف کہتے ہیں کہ اصل مدار ربوا کے لازم آنے اور نہ آنے پر ہے خواہ حقیقۃ لازم آئے یا شبہۃ لازم آئے

-خرید وفروخت کا بیان
کھجور کو کھجور کے بدلہ میں بیچنا

أن زيدا أبا عياش أخبره أنه سأل سعد بن أبي وقاص عن البيضا بالسلت ....نحو مالك (1)

عبداللہ بن مسلمہ، مالک، عبداللہ بن یزید، حضرت زید ابو عیاش سے روایت ہے کہ انھوں نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا کہ گیہوں کو سلت کے بدلہ میں برابر بیچنا کیسا ہے؟ (سلت ایک طرح کا غلہ ہے) انھوں نے پوچھا ان میں کون بہتر ہوتا ہے؟ زید نے کہا گیہوں۔ تو انھوں نے اس سے منع فرما دیا اور کہا میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا تر کھجور کے بدلہ میں خشک کھجور خریدنے کے بارے میں تو آپ نے پوچھا کہ کیا تر کھجور جب خشک ہو جاتی ہے تو وہ کم ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا! جی ہاں تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ ابوداؤد نے فرمایا کہ اس حدیث کو مالک کی طرح اسماعیل بن امیہ نے بھی روایت کیا ہے۔([2])

مسائل و معاملات:

- پھلوں کو پکنے (ظہور صلاحیت) سے پہلے بیچنا منع ہے۔
- پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے قدرتی آفات سے پھلوں کے ضیاع پر تاوان کا ذمہ بائع ہو گا۔

---

[1]۔ تخریج: د/البیوع 18(2359)،ن/البیوع 36(4549)، ق/ التجارات 45(2464)،ط/البیوع 12(22)،حم(115 /1، 171) (صحیح)

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1583 حدیث مرفوع مکررات 6

- سوکھی کھجور کے بدلے درخت پر لگی کھجور کو نہ بیچو۔

قدرتی آفات سے پھلوں کے ضیاع پر تاوان میں مذاہب فقہاء:

- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

یحیٰی بن سعید انصاریؒ، امام مالکؒ، ابو عبیدؒ اور محدثین کی ایک جماعت اور اہل مدینہ نے کہا ہے کہ قدرتی آفات سے پھلوں کو جو نقصان پہنچے اس کا فی الجملہ بائع ذمہ دار ہوتا ہے۔
ظاہر مذہب یہ ہے کہ قدرتی آفات قلیل ہو یا کثیر ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

- امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اگر دس یا بیس پھلوں کو نقصان ہو تو میں اس کو آفت نہیں کہتا لیکن جب درخت کے تہائی یا چوتھائی یا پانچویں حصہ کے پھلوں کو نقصان پہنچے تو بائع اس کا ضامن ہوگا۔ امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے، کیونکہ پرندے ضرور کچھ کھا لیتے ہیں اور کچھ پھل آندھی سے گر جاتے ہیں اور ان کا کوئی ضابطہ نہیں ہے۔
- جمہور متقدمین، سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کا قول جدید، امام ابو جعفر طبریؒ، داؤد ظاہریؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ خریدار کے قبضہ کرنے کے بعد فروخت شدہ پھلوں کو جو قدرتی آفت پہنچتی ہے اس کا خریدار ضامن ہوگا۔ خواہ نقصان قلیل ہو یا کثیر اور خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے فروخت شدہ پھلوں کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کا بائع ضامن ہوگا اور نقصان کے حساب سے قیمت کم لی جائے گی۔ (1)

تازہ کھجوروں کی چھوہاروں کے عوض بیع میں مذاہب فقہاء:

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عرایا کے سوا تازہ کھجوروں کی چھوہاروں کے بدلہ میں بیع کرنا ناجائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر تازہ کھجوریں درخت سے اُتاری ہوئی ہوں تو ان چھوہاروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے۔ (2)
- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بطال مالکی قرطبی لکھتے ہیں:
- علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کٹائی سے پہلے کھیت کی بیع گندم کے عوض جائز نہیں ہے اور نہ انگور کی بیع کشمش کے عورض جائز ہے اور نہ کھجور کے درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کی بیع چھواروں کے عوض جائز ہے کیونکہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس منع فرمایا ہے اور اس کا نام مزابنہ رکھا ہے اور اس میں غرر اور دھوکا ہے کیونکہیہ ایک جنس میں مجھول کی بیع معلوم کے عوض ہے لیکن تازہ پھلوں کی خشک پھلوں کے عوض بیع جب کہ تازہ پھل درخت سے کٹ چکے ہوں اور ان میں مماثلت ممکن ہو تو جمہور علماء اس بیع کی ایک جنس میں اجازت نہیں دیتے، خواہ وہ ایک دوسرے کے مقدار میں برابری ہوں یا کوئی ایک دوسرے سے زائد ہو، کیونکہیہ وہ مزابنہ ہے جس کو حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔
- تازہ پھلوں کی خشک پھلوں کے عوض بیع کے جواز کے قول کی وجہ سے علامہ ابن بطال مالکی کا امام ابو حنیفہ پر اعتراض

1۔ عمدۃ القاری: 10/12۔9

2۔ شرح مسلم: 9/2، عرایا کی تفصیل دیکھیے شرح مسلم از غلام رسول سعیدی: 198/4

- امام ابو حنیفہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے تازہ گندم کی خشک گندم کے عوض اور تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے عوض بیع کی اجازت دی ہے جب کہ دونوں عوض برابر برابر ہوں اور اگر کوئی ایک عوض زائد ہو تو پھر وہ اس کی اجازتگ نہیں دیتے، ابو ثور نے بھی امام ابو حنیفہ کی موافقت کی ہے۔
- امام طحاوی نے امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ تازہ پھلوں کی تازہ پھلوں کے عوض برابر برابر بیع جائز ہے اگرچہ ایک عوض میں رطوبت کم ہوتی ہے اور دوسرے میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے وزن میں کمی ہوتی ہے جو دوسرے سے کمی میں مختلف ہوتی ہے اور انہوں نے اس اختلاف کو ملحوظ نہیں رکھا اور اس سے بیع کو نہیں کیا بلکہ انہوں نے بیع کے وقت ان کے حال کو مد نظر رکھا، پس نظر کا تقاضہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کے کٹنے کے بعد ان کی خشک کھجوروں کے عوض بیع اسی طرح جائز ہو۔
- علامہ ابن بطال کہتے ہیں کہ یہ قیاس فاسد ہے کیونکہ تازہ کھجوروں ی جب تازہ کھجوروں کے عوض بیع ہوتی ہے تو اگرچہ ان یں بھی سوکھنے کے بعد کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن وہ کمی بہت کم ہوتی ہے اس لیے وہ کمی اپنی قلت کی وجہ سے معاف ہے اور بیوع میں تھوڑا سا غرر جائز قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں تقریباً بیع خالی نہیں ہوتی اور تازہ کھجوروں کی چھواروں کے مقابلہ میں جو کمی ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان دونوں میں فرق ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث میں جمہوری کی دلیل ہے اوعر اس پر دلیلیہ حدیث ہے:
- عبد اللہ ابن یزید بیان کرتے ہیں کہ زید ابو عیاش نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے سوال کیا: آیا جَوے خوشوں میں جو کی صاف جَو سے بیع جائز ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے سنا: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا: رسول اللہ ﷺ سے چھواروں کی تازہ کھجوروں کے عوض بیع کے متعلق سوال کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تازہ کھجوریں سوکھنے کے بعد کم ہو جاتی ہیں؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں! تو نبی ﷺ نے ان کی بیع سے منع فرما دیا۔(1)
- اس حدیث میں نبی ﷺ نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے منع فرمادیا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ تازہ کھجوریں سوکھنے کے بعد کم ہو جاتی ہیں۔(شرح ابن طبال ج۶ ص۲۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)
- تازہ پھلوں کی خشک پھلوں کے عوض بیع کے جواز کے قول کی وجہ سے حافظ ابن حجر شافعی کا امام ابو حنیفہ پر اعتراض
- حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
- امام طحاوی نے جو کہا ہے کہ تازہ کھجوروں کی تازہ کھجوروں کے عوض بیع جائز ہے حالانکہ ان کی رطوبت بھی مختلف ہوتی ہے اس لیے تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے عوض بیع بھی جائز ہونی چاہیے سو یہ استدلال اس حدیث کی نص کے خلاف ہے اس لیے یہ استدلال فاسد ہے اور تازہ کھجورں کی آپس میں جو بیع ہوتی ہے اور ان کسی جانب رطوبت کم ہوتی ہے تو چونکہ یہ

---

[1]-(سنن ابوداؤد: 3359 سنن ترمذی: 1225، سنن نسائی: 4559، سنن ابن ماجہ: 2264، موطا امام مالک۔ کتاب البیوع۔ باب: مایکرہ من بیع التمر۔ حدیث: 22، المکتبۃ التوفیقیہ، موطا امام مالک ج2 ص110

فرق بہت کم ہوتا ہے اس لیے معاف ہے اور تازہ کھجوروں اور خشک کھجوروں میں فرق بہت زیادہ ہوتا ہے۔(1)

- مذکورہ اعتراضوں کا امام ابو حنیفہ کی طرف سے مصنف کا جواب
- میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال نے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ میں امام طحاوی کی پوری عبارت نقل نہیں کی ورنہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا اور امام ابو حنیفہ کا مئوقف بے غبار ہو جاتا، امام طحاوی نے مذکور الصدر حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ دوسری حدیث میں یہ قید ہے کہ اس طرح کی بیع ادھار منع ہے اور مذکور الصدر حدیث میں ممانعت ادھار پر محمول ہے سو وہ حدیث مجمل ہے اور مفصل حدیثیہ ہے:
- حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔(2)
- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ اس حدیث کی روایت کے بعد لکھتے ہیں۔:
- پس اس مسئلہ میں یہ حدیث اصل ہے جس میں ادھار بیعی ممانعت کا ذرک ہے اس ھدیث میں ادھار کا اضافہ یحییٰ بن ابن کثیر نے کیا ہے پس یہ حدیث اولیٰ ہے نیز یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔
- عمران بن ابی انس سے مروی ہے کہ بنو امحروم کے مولیٰ نے حدیث بیان کی کہ حضرت بن ابی وقاصؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض مدتِ معینہ کے ادھار پر فروخت کرتا ہے آیا یہ جائز ہے؟ تو حضرت سعد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسی بیع سے منع فرمایا ہے۔(3)
- امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ان مختلف آثار میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عبد اللہ بن یزید کی حدیث کو عمران بن انس کی حدیث پر محمول کیا جائے گا گویا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے ممانعت کی جو روایت کی ہے، اسکی علت ادھار بیع ہے اس طرح یہ مختلف احادیث موافق ہو جائیں گی۔(4)
- علامہ ابن بطال مالکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے امام طحاوی کی ادھوری عبارت نقل کر کے امام ابو حنیفہ پر حدیث کی مخالفت کرنے کا اعتراض کر دیا حالانکہ یہ لوگ خود حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں حدیث میں تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع کی ممانعت ہے اور یہ لوگ اس بیع کی مطلقاً ممانعت کو ثابت کر رہے ہیں۔

-خرید و فروخت کا بیان

اگر کوئی شخص دوسرے کے مال سے بغیر پوچھے تجارت کرے اور اس کا فائدہ مقصود ہو تو جائز ہے

---

[1]-فتح الباری ج 3 ص 628، دار المعرفہ، بیروت، 1462ھ

[2]- سنن ابو دائود: 3360، شرح معانی الآثار: 5367

[3]-شرح معانی الآثار: 5368

[4]-شرح معانی الآثار: ج 3 ص 264، قدیمی کتب خانہ، کراچی

أخبرنا سالم بن عبد الله عن أبيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ......فاستاقها (1)

محمد بن علاء، ابواسامہ، عمرو بن حمزہ، سالم بن عبد اللہ، حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو شخص یہ چاہے کہ وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جس کے پاس ایک فرق چاول تھے (اور پھر وہ مالا مال ہو گیا تھا) تو وہ ایسا ہو سکتا ہے۔ (فرق ایک پیمانہ کا نام ہے) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! چاول والے کا کیا قصہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار کا واقعہ سنایا جب کہ (ان تین شخصوں پر جو ایک غار میں تھے) ان پر پہاڑ گر پڑا (یعنی غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی جس سے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔) تو ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے کسی اچھے عمل کے واسطہ سے دعا کرے تو (سب نے اپنا اپنا عمل بیان کیا۔ ان میں) تیسرے شخص نے کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک شخص سے مزدوری کرائی تھی ایک فرق چاول کے عوض۔ پھر جب شام ہوئی تو میں نے اس کی مزدوری دینی چاہی لیکن اسنے نہ لی اور چلا گیا۔ میں نے اس کے چاولوں سے زراعت کی اور بڑھتے بڑھتے اس زراعت سے میں نے کئی بیل اور ان کو چرانے والے غلام جمع کر لیے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ مجھ سے مال اور بولا لا اب میری مزدوری دے۔ میں نے کہا جا اور اپنے بیل اور ان کے چرانے والے غلام سب لے جا۔ پس وہ ان سب کو لے گیا۔ (2)

مسائل و معاملات:

مضاربت کے اشتقاق و مفہوم کا بیان

- مضاربت ضرب سے مشتق ہے اس کا معنی ہے زمین میں چلنا، اور مضارب اس عقد کو اس لئے کہتے ہیں کہ مضارب اپنی محنت کے سبب فائدے کا حقدار بنتا ہے اور مضاربت کا عقد مشروع ہے کیونکہ اس کی ضرورت ثابت ہے۔ کیونکہ عوام میں بعض لوگ مال کے اعتبار سے غنی بن جاتے ہیں لیکن تصرف میں سادہ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں میں مال کے تصرف کی قوت ہوتی ہے لیکن ان کے پاس مال نہیں ہوتا پس اس قسم کے تصرف کی ضرورت ثابت ہو جائے گی۔ تاکہ سادہ، مالدار اور فقیر لوگوں کی ضرورت پوری ہو جائیں۔
- اور عقد کے جواز کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو شان نبوت و رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار کی حالت کے بعد بھی عقد مضاربت باقی رہنے دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مضاربت کا عقد کیا کرتے تھے۔
- ہاں البتہ مضاربت میں مال دیا جانے والا یہ اس شخص کے قبضہ میں بطور امانت ہوتا ہے کیونکہ مال کے مالک کے حکم سب مضارب اس مال پر قبضہ کرنے والا ہے۔ جبکہ یہ قبضہ کسی بدل یا رہن کے طور پر نہیں ہے۔ اور مضارب اس مال میں رب المال کا وکیل ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ مال کے مالک کی اجزت سے اس میں تصرف کرنے والا ہے۔ اور جب اس سے نفع ہو گا تو

---

[1] ۔ تخریج: خ/البیوع 23 (2093)، 2146، 2200، م/الرقاق جلد سوم حدیث نمبر 2449، 2450، 2451

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1611 حدیث مرفوع مکررات 9

مضارب بھی اس نفع میں شریک بنے گا۔ کیونکہ وہ اپنے کام کے سبب مال کے حصے کے مالک بناہے۔ اور جب مضارب رب المال کے خلاف کوئی کام کرے تو وہ غصب کرنے والا ہو گا۔ کیونکہ دوسرے کے مال پر اس کی جانب سے ظلم پایا گیا ہے۔

- یہ تجارت میں ایک قسم کی شرکت ہے کہ ایک جانب سے مالک ہو اور ایک جانب سے کام، مال دینے والے کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب اور مالک نے جو دیا اُسے راس المال کہتے ہیں اور اگر تمام نفع رب المال ہی کے لئے دینا قرار پایا تو اُس کو ایضاع کہتے ہیں اور اگر کل کام کرنے والے کے لئے طے پایا تو قرض ہے، اس عقد کی لوگوں کو حاجت ہے کیونکہ انسان مختلف قسم کے ہیں بعض مالدار ہیں اور بعض تہی دست۔ بعض مال والوں کو کام کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا تجارت کے اُصول و فروع سے ناواقف ہوتے ہیں اور بعض غریب کام کرنا جانتے ہیں مگر ان کے پاس روپیہ نہیں لہٰذا تجارت کیونکر کریں اس عقد کی مشروعیت میں یہ مصلحت ہے کہ امیر و غریب دونوں کو فائدہ پہنچے مال والے کو روپیہ دیکر اور غریب آدمی کو اُس کے روپیہ سے کام کرکے۔
- مضاربت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترکہ ہو اور ان میں سے کوئی فریق نفع سے معین دراہم کا حقدار نہ ہو گا کیونکہ یہ شرط ان کے درمیان شرکت کو ختم کرنے والی ہے حالانکہ شرکت ضرورت بھی ہے جس طرح عقد شرکت میں شرکت ضروری ہوا کرتی ہے۔

عقد مضاربت کے فساد کا بیان

- جب کسی کے لئے سو میں سے دس دراہم لینے کی شراط کو بیان کیا گیا ہے تو عامل کو مثلی اجرت ملے گی۔ کیونکہ یہ عقد مضاربت فاسدہ ہو چکا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف اسی مقدار میں نفع میں شرکت ختم ہو جائے۔ اور اجرت مثلی کا جواب اس دلیل کے سبب ہو گا کہ مضارب نے اپنے نفع کا بدل لینا چاہا ہے حالانکہ جب وہ عقد ہی فاسد ہو چکا ہے تو بدلہ نہیں پایا گیا لہٰذا پورا نفع رب المال کا ہو گا کیونکہ یہ افزائش اس کی ملکیت سے ہوئی ہے اور یہ حکم اس مقام پر جاری ہو گا جہاں مضاربت درست نہ ہوئی ہو۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اجرت مثلی شرط میں متعین کردہ مقدار سے زائد نہ ہو گی جبکہ اس میں امام محمد علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے جس طرح شرکت کے باب میں ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔

- فاسد مضاربت میں اجرت واجب ہو گی خواہ مضارب نفع نہ کمایا ہو اور یہ مبسوط کی روایت ہے کیونکہ نفع یا کام کو حوالے کے سبب سے مزدور کی اجرت ثابت ہوتی ہے اور کام یہاں پایا جا رہا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے اس طرح روایت کیا گیا ہے۔ کہ مضاربت صحیح پر قیاس کرتے ہوئے اجرت ثابت نہ ہو گی حالانکہ مضاربت صحیحہ مضاربت فاسدہ سے بلند تر ہے۔ اور مضاربت صحیحہ پر قیاس کرتے ہوئے مضاربت فاسدہ میں ہلاکت مال کے سبب ضمان نہیں ہوا کرتا۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ جو مال مضارب کے قبضہ میں ہوتا ہے اور وہ امانت کے طور پر رہتا ہے اور ہر وہ شرط جو نفع میں جہالت کا سبب بنے وہ عقد مضاربت کو فاسد کرنے والی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

کیونکہ اس کے سبب نفع کے مقاصد مختلف ہو جاتے ہیں اور اس کے سوا میں شرائط فاسدہ کے سبب مضاربت کا عقد فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی فاسد ہو جاتی ہے جس طرح مضارب کے لئے نقصان کی شرط لگائیں تو وہ فاسد ہو جائے گی۔ (ہدایہ)

عقد مضاربت کی شرائط کا فقہی بیان

- علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مضاربت کے لئے چند شرائط ہیں۔(۱) راس المال از قبیل ثمن ہو۔ عروض کے قسم سے ہو تو مضاربت صحیح نہیں پیشوں کو راس المال قرار دیا اور چلتے ہوں تو مضاربت صحیح ہے۔ اسی طرح نکل، کی اِکنیاں، دوانیاں، راس المال ہو سکتی ہیں جب تک اِن کا چلن ہے۔ اگر اپنی کوئی چیز دیدی کہ اسے بیچو اور ثمن پر قبضہ کرو اور اُس سے بطور مضاربت کام کرو اُس نے اُس کو روپیہ یا اشرفی سے بیچ کر کام کرنا شروع کر دیا یہ مضاربت صحیح ہو گی۔

(۲) راس المال معلوم ہو۔ اگرچہ اس طرح معلوم کیا گیا ہو کہ اُس کی طرف اشارہ کر دیا۔ پھر اگر نفع کی تقسیم کرتے وقت راس المال کی مقدار اختلاف ہو تو گواہوں سے جو ثابت کر دے اُس کی بات معتبر اور دونوں کے گواہ ہوں تو رب المال کے گواہ معتبر ہیں اور اگر کسی کے پاس گواہی نہ ہوں تو قسم کے ساتھ مضارب کی بات معتبر ہو گی۔

(۳) راس المال عین ہو یعنی معین ہو دین نہ ہو جو غیر معین واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ مضاربت اگر دین کے ساتھ ہوئی اور وہ دین مضاربت پر ہے یعنی اُسے کہہ دیا کہ تمہارے ذمہ جو میرا روپیہ ہے اُس سے کام کرو یہ مضاربت صحیح نہیں جو کچھ خریدے گا اُس کا مالک مضارِب ہو گا اور جو کچھ دَین ہو گا اُس کا ذمہ ہو گا اور اگر دوسرے پر دَین ہو مثلاً کہہ دیا کہ فلاں کے ذمہ میرا اتنا روپیہ ہے اُس کو وصول کرو اور اُس سے بطور مضاربت تجارت کرو یہ مضاربت جائز ہے اگرچہ اِس طرح کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ کہا تھا کہ فلاں پر میرا دَین ہے وصول کر کے پھر اُس سے کام کرو اُس نے کل روپیہ قبضہ کرنے سے پہلے ہی کام کرنا شروع کر دیا ضامن ہے یعنی اگر تلف ہو گا ضمان دینا ہو گا اور اگر یہ کہا کہ مضاربت پر کام کرنے کے لئے اُس سے روپیہ وصول کرو تو کل وصول کرنے سے پہلے کام کرنے کی اجازت نہیں یعنی ضمان دینا ہو گا۔(1)

- فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں بلکہ یہ خود باطل ہو جاتی ہیں۔ نہایہ میں یوں ہے۔ قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے۔ تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی، اور جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلاً دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(2)

شرط کے سبب بطلان مضارب میں مذاہب اربعہ

- علامہ ابن منذر کا کہنا ہے: اہل علم میں سے جس سے بھی ہم نے علم حاصل کیا ہے ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ جب مضارب کے شراکت داروں میں سے کوئی ایک یا دونوں اپنے لئے معلوم دراہم کی شرط رکھیں تو یہ مضاربت باطل ہو گی اور جس سے ہم نے علم حاصل کیا ہے وہ امام اوزاعی، امام شافعی اور ابو ثور اور اصحاب الرائے ہیں۔
- علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ دو معنوں کی بنا پر صحیح نہیں: بلکہ یکہ کہ: جب وہ معلوم درہم مقررہ کریگا تو اس کا احتمال ہے کہ دوسرے شریک کو نفع حاصل نہ ہو، اور سارا نفع وہ خود ہی حاصل کر لے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے نفع ہی نہ ہو اور وہ راس المال سے مقرر کردہ درہم لے لے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ نفع ہو تو جس نے مقررہ درہم کی شرط رکھی ہے اسے نقصان اٹھانا پڑے۔
- اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: عامل یعنی کام کرنے والا کا حصہ مقدار میں معلوم ہونا مشکل ہے تو پھر اجزاء میں معلوم ضروری ہے،

1۔ بحر الرائق، کتاب مضاربہ، بیروت 265/3

2۔ فتاوٰی ہندیہ، کتاب المضارب، بیروت 266/3

اور جب اجزاء ہی معلوم نہ ہوں تو پھر شراکت فاسد ہو جائیگی۔(1)

شریک سے بائع کے مطالبہ ثمن کا بیان

- علامہ ابن عابد بن حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک نے کوئی چیز خریدی تو بائع ثمن کا مطالبہ اسی سے کر سکتا ہے اس کے شریک سے نہیں کر سکتا کیونکہ شریک نہ عاقد ہے نہ ضامن پھر اگر خریدار نے مال شریک نہ عاقد ہے نہ ضامن پھر اگر خریدار نے مال شرکت سے ثمن ادا کی جب تو خیر اور اگر اپنے مال سے ثمن ادا کی تو شریک سے بقدر اُس کے حصہ کے رجوع کر سکتا ہے اور یہ حکم اُس وقت ہے کہ مال شرکت نقد کی صورت میں موجود ہو اور اگر شرکت کا مال جو کچھ تھا وہ سامان تجارت خریدنے میں صَرف کیا جاچکا ہے اور نقد کچھ باقی نہیں ہے تو اب جو کچھ خریدے گا وہ خاص خریدار ہی کی ہے شرکت کی چیز نہیں اور اس کا ثمن خریدار کو اپنے پاس سے دینا ہو گا اور شریک سے رجوع کرنے کا حقدار نہیں۔ ایک نے کوئی چیز خریدی اس کا شریک کہتا ہے کہ یہ شرکت کی چیز ہے اور یہ کہتا ہے میں نے خاص اپنے واسطے خریدی اور شرکت سے پہلے کی خرید ہوئی ہے قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور اگر عقد شرکت کے بعد خریدی اور یہ چیز اُس نوع میں سے ہے جس کی تجارت پر عقد شرکت واقع ہوا ہے تو شرکت ہی کی چیز قرار پائیگی اگرچہ خریدتے وقت کسی کو گواہ بنالیا ہو کہ میں اپنے لئے خرید تا ہوں کیونکہ جب اِس نوع تجارت پر عقد شرکت واقع ہو چکا ہے تو اسے خاص اپنی ذات کے لئے خریداری جائز ہی نہیں جو کچھ خریدے گا شرکت میں ہو گا اور اگر وہ چیز اُس جنس تجارت سے نہ ہو تو خاص اس کے لئے ہو گی۔ اکثر ایسا ہو تا ہے کہ ہر ایک، شریک اپنی شرکت کی دوکان سے چیزیں خرید تا ہے یہ خریداری جائز ہے اگرچہ بظاہر اپنی ہی چیز خرید نا ہے۔(2)
- شرکت عنان میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی میعاد مقرر کر دیا جائے مثلاً ایک سال کے لئے ہم دونوں شرکت کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کے مال کم و بیش ہوں برابر نہ ہوں اور نفع برابر یا مال ہوں اور نفع کم و بیش اور کل مال کے ساتھ بھی شرکت ہو سکتی ہے اور بعض مال کے ساتھ بھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کے مال دو قسم کے ہوں مثلاً ایک کا روپیہ ہو دواسرے کی اشرفی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صفت میں اختلاف ہو مثلاً ایک کے کھوٹے روپے ہوں دوسرے کے کھرے اگرچہ دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہوااور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کے مال ایک میں خلط کر دیئے جائیں۔(3)
- اگر دونوں نے اس طرح شرکت کی کہ مال دونوں کا ہو گا مگر کام فقط ایک ہی کرے گا اور نفع دونوں لیں گے اور نفع کی تقسیم مال کے حساب سے ہو گی یا برابر لیں گے یا کام کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو جائز ہے اور اگر کام نہ کرنے والے کو زیادہ ملے گا تو شرکت ناجائز۔ اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ کل نفع ایک شخص لے گا تو شرکت نہ ہوئی اور اگر کام دونوں کریں گے مگر ایک زیادہ کام کریگا اور دوسرا کم اور جو زیادہ کام کرے گا نفع میں اس کا حصہ زیادہ قرار پایا برابر قرار پایا ی بھی جائز ہے۔ ٹھہرا یہ تھا

---

[1] - المغنی ابن قدامہ (146/7

[2] -رد مختار، کتاب شرکت، جلد نمبر 3 ص 266

[3] -در مختار، کتاب شرکت جلد نمبر 3 ص 266

کہ کام دونوں کریں گے مگر صرف ایک نے کیا دوسرے نے بسبب عذر یا بلا عذر کچھ نہ کیا تو دونوں کا کرنا قرار پائے گا۔(1)

2- خرید وفروخت کا بیان

مخابرہ کے بیان میں

عن زيد بن ثابت قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المخابرة قلت وما المخابرة قال أن تأخذ الأرض بنصف أو ثلث أو ربع (2)

ابو بکر بن ابی شیبہ، عمر بن ایوب، جعفر، بن برقان، ثابت بن حجاج، زید بن ثابت سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا مخابرہ سے۔ میں نے عرض کیا کہ مخابرہ کیا ہے؟ فرمایا کہ تو زمین کے نصف یا ثلث یا ربع حصہ کی پیدوار کے بدلہ میں زمین لے لے۔[3]

مسائل و معاملات:

- اس حدیث میں زمین کو کرائے پر دینے یعنی تہائی، چوتھائی یا نصف پیداوار پر دینے کے متعلق احکام ہیں۔
- خود کاشت کرے۔
- ہبہ کر دے یا ویسے ہی رہنے دے۔
- اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ آیا زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہو بلکہ یہ ایک نصیحت کا انداز تھا۔

زمین کو کرایہ پر دینے میں مذاہب فقہاء:

- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

عطاء، مجاہد، مسروق، شعبی، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین اور القاسم بن محمد کا مذہب یہ ہے کہ زمین کے ایک معین حصہ کی پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام زفرؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے۔(4)

- ایک طرف تو حدیث میں مطلق طور پر زمین کرایہ پر دینے کی ممانعت موجود ہے (نھی عن کراء الارض) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔(5)
- اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ کرام یہ عمل کرتے تھے۔ (1)

---

[1]- فتاویٰ ہندیہ، کتاب شرکت جلد نمبر 3 ص 276

[2]- تفرد بہ ابی داود

[3] – سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 14 حدیث مرفوع مکررات 1

[4]- مسلم: 1548، ابوداؤد: 3396، مسلم: 1536، 1547، عمدۃ القاری: 232/12

[5]- مسلم: حدیث نمبر: 1547

- تو اوپر ذکر کردہ مسئلہ سے یہ مراد ہے کہ ایک قطعہ زمین کا یہ کہا جائے کہ اس کی پیداوار میری اور دوسرے قطعہ کی کرایہ دار کی۔ تو اس صورت میں ناجائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کی پیداوار نہ ہو۔یعنی علیحدہ علیحدہ قطعہ زمین کو کرایہ کے لیے مختص کرنا ناجائز ہے۔
- علامہ نووی لکھتے ہیں:

مزروعہ زمین کی پیداوار کے علاوہ اور کسی جنس کے عوض جائز نہیں ہے، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز نہ ہو، ماسوا لکڑیوں اور بانسوں کے، امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔

- قاضی عیاضؒ نے کہا کہ زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ طاؤس اور حسن بصری نے کہا کہ یہ مطلّقاً ممنوع ہے۔ ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت ہے۔
- جمہور علماء نے یہ کہا کہ زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ وہ ایک قید سے مقید ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے یہ کہا ہے کہ زمین کی پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔
- بعض صحابہ اور بعض فقہاء نے یہ کہا کہ زمین کو کرائے پر دینا مضاربت کی مشابہت کی وجہ سے جائز ہے۔

- زمین کو طعام کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے۔ جب کہ اس طعام کو ادا کرنے کا التزام کیا گیا ہو، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے اس کی اجازت دی ہے۔(2)
- جمہور علماء کے نزدیک زمین کرائے پر دینا جائز ہے۔ اور ایسی احادیث جن میں اس کی بظاہر ممانعت لگتی ہے وہ یا تو مخصوص زمین کے قطعہ کی پیداوار کے لیے ہے یا اُس میں دوسروں کے سات مؤدت اور محبت کا درس دیا گیا ہے۔ جیسے ہبہ کر دینا وغیرہ تو ان سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود خیبر سے نصف پیداوار پر زمین کا معاملہ طے کر رکھا تھا۔ ولھم شطر مایخرج منھا۔(3)
- زمین کو کرایہ پر دینے میں آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ البتہ ربیعہ کی یہ رائے ہے کہ زمین صرف سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک طعام (غلہ، اناج) کے علاوہ سونے چاندی اور دوسری چیزوں کے عوض زمین کو کرائے پر دیا جاسکتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک زمین کو سونے چاندی، کرنسی، اناج اور دوسری چیزوں کے عوض کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔
- طاؤس، حسن بصریؒ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مسروق، شعبی، ابن سیرین، قاسم بن محمد اور شیخ ابن حزم کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔ شیخ ابن حزم کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے۔(4)

---

[1]- بخاری: حدیث نمبر: 2332

[2] عمدۃ القاری: 232/12

[3] بخاری: 2285

[4] شرح مسلم للنوی: 12/3

- علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

چونکہ احادیث کے الفاظ مختلف ہیں اور ان کے معانی متبائن ہیں، اس وجہ سے علماء کے مختلف الفاظ ہیں اور ائمہ کے مختلف مذاہب ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- حافظ ابو عمر ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ کسی بھی طعام کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا پینے کی کیونکہ یہ طعام کی طعام کے عوض ادھار بیع ہے۔ اسی طرح زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے عوض بھی زمین کو کرائے پر دینا۔

خرید وفروخت کا بیان

اجارہ کا بیان

عن عبادة بن الصامت قال علمت ناسا من أهل الصفة الكتاب والقرآن........من نار فاقبلها (1)

ابو بکر بن ابی شیبہ، وکیع، حمید بن عبدالرحمٰن، مغیر بن زیاد، عبادہ بن نسی، اسود بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ کے کچھ لوگوں کو قرآن کریم اور کتاب اللہ کی تعلیم دی ان میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کمان ہدیہ دی۔ میں نے کہا کہ اس کی مالیت تو کچھ نہیں اور میں اس سے اللہ کی راہ میں تیر اندازی کروں گا (مقصد یہ کہ اس ہدیہ کے قبول کرنے کا خیال تھا اس واسطے کہ اس کی مالیت تو کچھ خاص نہیں تھی کہ اس کو تعلیم کا معاوضہ خیال کرتا اور نیت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ راہ خدا میں تیر اندازی کروں گا) میں اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور سوال کروں گا، چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی نے مجھے کمان ہدیہ کی ہے ان میں سے کہ جنہیں کتاب اللہ اور قرآن کی تعلیم دیتا ہوں اور اس کمان کی کچھ مالیت بھی نہیں ہے اور اس کے ذریعہ میں راہ خدا میں تیر اندازی کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تجھے یہ بات پسند ہے کہ تیرے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے تو اسے قبول کرلے۔ (2)

مسائل و معاملات:

- ان دو احادیث کی رو سے قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینے کی ممانعت ہے۔
- علامہ نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ سے دم کرنے کی اُجرت کو صحیح قرار دیا، اس حدیث میں سورۃ فاتحہ اور دیگر اذکار سے دم کرنے کی اُجرت کے جواز کی تصریح ہے، یہ حلال ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح تعلیم قرآن پر بھی اُجرت لینا حلال اور جائز ہے۔ یہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد، اسحٰق اور ابو ثور اور دیگر سلف صالحین کا مذہب ہے اور یہی بعد والوں کا نظریہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے تعلیم قرآن کی اُجرت سے منع کیا ہے اور دم کی اُجرت کو جائز کہا ہے۔ (3)

---

[1] - تخریج-د/البیوع 20 رقم الحدیث 23، 24 جلد سوم

[2] - سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 23 حدیث مرفوع مکررات 2

[3] - شرح مسلم للنوی: 224/2

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جن چیزوں پر تم اُجرت لیتے ہو ان کی اُجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔ اس حدیث سے جمہور فقہاء نے تعلیم قرآن کی اُجرت لینے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔(1)
- علامہ قرطبیؒ مالکی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

ولا تشتروا بأیاتی ثمناً قلیلا۔(2)

"اور میری آیات کے عوض میں تھوڑی قیمت نہ لو"۔

قرآن مجید اور علوم دینیہ کے عوض اُجرت لینے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔

زہری اور احناف نے اس کو ناجائز کہا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابو ثورؒ اور اکثر فقہاء نے کہا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر اُجرت لینا جائز ہے۔(3)

- علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: جن عبادات کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے مثلاً امامت، اذان، حج اور تعلیم قرآن وغیرہ ان پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اس کی امام احمدؒ نے تصریح کی ہے۔ امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے۔(4)
- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

دم کرنے اور تعلیم قرآن کی اُجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء اور ابو قلابہ نے اس کو جائز کہا ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ابو ثورؒ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے دم کو جائز کہا، اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ امام زہری نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو مکروہ کہا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔(5)

- علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اُمور دینیہ میں سستی ظاہر ہو چکی ہے اور اس پر اُجرت لینے کو منع کرنے سے قرآن مجید کا حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔(6)

عن عبادة بن الصامت نحو هذا الخبر والأول أتم فقلت ما ترىٰ فيها يا رسول الله فقال جمرة بين كتفيك تقلدتها أو تعلقتها (7)

---

[1] - فتح الباری: 4/454-453

[2] - سورۃ البقرۃ: 14

[3] الجامع لاحکام القرآن: 1/37-335

[4] المغنی: 2/324-323

[5] عمدۃ القاری: 12/95

[6] ہدایہ اخیرین: ص: 306

[7] - تخریج-د/البیوع 20 رقم الحدیث 23، 24 جلد سوم

عمرو بن عثمان، کثیر، بن عبید بقیہ، بشر بن عبداللہ بن یسار، عمرو عبادہ بن نسیان سند سے بھی مذکورہ حدیث منقول ہے لیکن پچھلی حدیث مکمل ہے جبکہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ آگ کا انگارہ ہے تیرے دونوں کندھوں کے درمیان جسے تو نے ہار بنالیا ہے یا لٹکا لیا ہے۔[1]

مسائل و معاملات:

دینی امور پر اجرت کا جواز کا بیان

- آج کل عذابِ قبر کے منکرین نے عذابِ قبر کے علاوہ دینی امور پر اجرت کے مسئلہ کو بھی اپنا ایشو بنا رکھا ہے اور اس بات کی وہ دن رات تبلیغ کر رہے ہیں کہ دینی امور پر اجر ناجزء ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ لٹریچر بھی شائع کیا ہے کہ جس میں کچھ روایات سے انہوں نے اجرت کے عدم جوز پر استدلال کیا ہے۔ یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ عذابِ قبر کی صحیح و صریح اور متواتر احادیث کو تو یہ فرقہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔
- لیکن دینی امور پر اجرت کے مسئلہ کے لئے ضعیف روایات کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جو روایت اجرت کے جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اور ان کا دوراز کار قسم کی تاویلات پیش کی گئی ہیں۔ حالانکہ ایسی باطل تاویلات ان محدثین کرام کے وہم و خیال میں بھی نہ تھیں کہ جنھوں نے ان احادیث کو روایت کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو صحیح احادیث ہیں انہیں پیش کیا جاتا ہے اور جن ضعیف روایات کو منکرین عذاب القبر نے پیش کیا ہے ان کی حقیقت بھی واضح کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز۔۔۔

دلیل نمبر:1

عن ابن سعید: انطلق نفر من اصحاب النبی ﷺ فی سفرة سافروها حتی نزلوا علی حی من احیائ العرب فاستضافوهم فابوا ان یضیفوهم ، فلدغ وسعینالہ بکل شئی لاینفہ فهل عنداحدمنکم من شئی؟ فقال بعضهم نعم الله ، انی لارقی ولکن والله لقد استضفنا کم فلمہ تضیفو نام فما انا براق لکم حتی تجعلو النا جعلا۔ فصالحوهم علی قطیع من الغنم ، فانطلق یتفل علیہ وقرائ: الحمد الله رب العالمین فکانما نشط من عقال، فانطق یمشی و مابہ قلبة۔
قال: فافوهم جعلهم الذی صالحو هم علیہ فقال بعضهم: اقسمو افقال الذی رقی: لا تفعلوا حتی نائ تی النبی ﷺ فنذ کرلہ الذی کان تفنظر مایائ مرنا فقد مواعلی رسول الله ﷺ فذکرو الہ فقال: وما یدریک انها رقیہ؟ ثم قال: قد اصبتم اقسمو ا واضربوالی معکم سهما فضهک رسول الله ﷺ قال ابوعبدالله وال شعبة: حثنا اوبو بشر سمعت ابا المتوکل بهذا(2)

- سیّدنا ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے۔ دورانِ سفر وہ عرب کے ایک قبیلہ میں اترے۔ صحابہ نے چاہا کہ قبیلہ والے انہیں اپنے مہمان بنالیں۔ لیکن انہوں نے مہمانی نہیں کی بلکہ صاف انکار کر دیا۔ اتفاق سے اسی قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے ہر طرح کوشش کر دائی، لیکن ان کا سردار اچھا نہ ہوا۔ ان کے کسی آدمی نے کہا چلو ان لوگوں سے پوچھیں جو یہاں آکر اترے ہیں، ممکن ہے کہ ان کے پاس کوئی چیز موجود ہو۔ چنانچہ قبیلہ والے ان کے پاس آئے اور کہا کہ بھائیو! ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے اس کے لئے ہم نے ہر قسم کی کوشش کر ڈالی

---

[1] – سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 24 حدیث مرفوع مکررات 2

[2] ۔رواہ البخاری: 5007،5749۔

ہے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز موجود ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اسے جھاڑوں گا۔ لیکن ہم نے تم سے میزبانی کے لئے کہا تھا اور تم نے اس سے انکار کر دیا۔ اس لئے اب میں بھی اجرت کے بغیر نہیں جھاڑ سکتا۔ آخر بکریوں کے گلے پر ان کا معاملہ طے ہوا۔ وہ صحابی وہاں گئے اور "الحمد اللہ رب العالمین" پڑھ پڑھ کر دم کیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی کی رسی کھول دی گئی ہو۔ وہ سردار اٹھ کر چلنے لگا۔ تکلیف و درد کا نام و نشان بھی باقی نہیں تھا۔ پھر انہوں نے طے شدہ اجرت صحابی کو ادا کر دی۔ کسی نے کہا کہ اسے تقسیم کر لو۔ لیکن جنہوں نے جھاڑا تھا وہ بولے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے ہم آپ سے اس کا ذکر کر لیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ سب صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ بھی ایک رُقیہ ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا۔ اسے تقسیم کر لو اور ایک حصہ میرا بھی لگاؤ۔ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے۔(1)

- اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام نے دم پر جو اجرت لی تھی اسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حصہ بھی مقرر کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ صحابہ کرام کو اس مال کے حلال وطیب ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر ہنس کر خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔
- عام روایات میں دم کرنے والے کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ مسند احمد (۱۰/۳) اور جامع الترمذی کی روایات میں ہے کہ دم کرنے والے خود راوی حدیث جناب سعید خدری ہی تھے۔ صحیح بخاری، مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات میں بکریوں کی تعداد تیس (۳۰) ذِکر کی گئی ہے اور مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات میں ہے کہ سورۃ فاتحہ کو ساتھ مرتبہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا گیا اور جو تھوک جمع ہو جاتا ہے اسے صحابی زخم کی جگہ پر تھتکار دیتے۔ بخاری کی اس روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعہ سننے کے بعد فرمایا: "قداصبتم" (تم نے بالکل ٹھیک کیا) اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: "احسنتم" (تم نے اچھا کیا) مسلم وغیرہ کی روایت میں یہ ہے کہ قبیلہ کی ایک خاتون نے صحابہ کرام کو یہ بتایا کہ ان کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ نیز قبیلہ والوں نے اجرت کے علاوہ صحابہ کرام کی دودھ سے تواضع بھی کی۔ (مسلم) اور اس طرح انہوں نے صحابہ کرام سے میزابانی کے معاملے میں جو بے اعتنائی برتی تھی اس کا انہوں نے ازالہ کر دیا۔
- اس حدیث کی زمدی وضاحت سیّدنا عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہوتی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ جس طرح قرآن حکیم کی ایک آیت کی وضاحت دوسری آیت کرتی ہے، اسی طرح ایک حدیث کی وضاحت بھی دوسری حدیث کرتی ہے۔ سیّدنا ابن عباس کی حدیث یہ ہے:

عن ابن عباس ان نفرا من اصحاب النبیﷺ مروابماءٔ فیھم لدیغ اوسلیم فعرض لھم رجل من اھل الماءٔ

---

[1]- صحیح بخاری کتاب ا جارۃ 113 باب 6 ما یعطی فی الرقیہ علی احیاء بفاتحۃ الکتاب 2287

فقال: هل فيكم من راق؟ ان فى المائ رجلا لديغا اوسليما ما نطلق رجل منهم فقرا بفاتحة الكتاب على شائ فبرائ بالشائ الى اصحابہ فكر هوا ذالک وقالو اخذت على كتاب الله اجرائ؟ حتى قدمو المدينة فقالوا: يارسول الله اخذ على كتاب الله اجر افقال رسول الله ﷺ ان احق ما اخذتم عليہ اجر كتاب الله(1)

- (عبد اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند صحابہ ایک پانی سے گزرے جس کے پاس کے قبیلہ میں سانپ یا بچھو کاٹا ہوا (لدیغ یا سلیم راوی کو ان دونوں الفاظ کے متعلق شک ہے۔) ایک شخص تھا۔ قبیلہ کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کیا آپ لوگوں میں کوئی دم کرنے والا ہے۔ ہمارے قبیلہ میں ایک شخص کو سانپ یا بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ چنانچہ صحابہ کی اس جماعت میں سے ایک صحابی اس شخص کو ساتھ گئے اور چند بکریوں کی شرط کے ساتھ اس شخص پر سورۃ فاتحہ پڑھی اس سے وہ اچھا ہو گیا وہ صاحب شرط کے مطابق بکریاں اپنے ساتھیوں کے پاس لائے تو انہوں نے اسے قبول کر لینا پسند نہیں کیا اور کہا کہ اللہ کی کتاب پر تم نے اجرت لی ہے۔ آخر سب لوگ مدینہ آئے تو (پورا واقعہ) عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان صاحب نے اللہ کی کتاب پر اجرت لی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ اس کی مستحق اللہ کی کتاب ہی ہے۔) (کہ اس پر اجرت حاصل کی جائے۔)
- اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب دم کرنے والے صحابی نے وہ بکریاں لے لیں تو دوسرے صحابہ کرام نے ان سے اختلاف کیا اور ان سے کہا کہ تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے۔ چنانہ صحابہ کرام نے یہ تمام واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "ان حق ما اخذ تم علیہ اجر اکتاب اللہ" (جن چیزوں پر تےم اجرت لیتے ہو ان میں کتاب اللہ سب سے زیادہ مستحق ہے (کہ اس پر اجرت لی جائے)۔ صحابی کرام کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب ان میں کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تو وہ اس کا فیصلہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کروایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر وہ راضی ہو جاتے۔ اور یہی ایمان خالص ہے کہ ایک مومن اللہ اور اس کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کر لے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس عمل کو درست قرار دیا اور فرمایا:

"قداصبتم" (تم نے بالکل دست کیا) (بخاری) اور ابو داؤد کی روایت میں ہے: "احسنتم" (تم نے اچھا کیا) اس حدیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

دم پر اجرت لینا جائز ہے اور یہ احادیث اس مسئلہ پر نص قطعی کا درجہ رکھتی ہیں۔

اس واقعہ کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عام اصول اور قاعدہ بھی بیان فرمایا اور وہ یہ ہے:

"ان احق ما اخذ تم علیہ اجر اکتاب اللہ"

جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اللہ کی کتاب سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اس پر اجرت لی جائے۔

اس حدیث میں یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ دم کے علاوہ تعلیم القرآن وغیرہ پر بھی اجرت لی جا سکتی ہے۔

---

[1]-(صحیح بخاری، کتاب الطلب باب الشرط فی الرقیۃ بفاتحۃ الکتاب(5737) موارد الظمان(1131)السنن الکبریٰ للبیھقی(1430) (6124)743)، شرح السنۃ للبغوی4/ 651))، الدار قطنی(3/ 65) مشکوۃ(7985)

ان احادیث، میں لدیغ اور سلیم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لدغ = ڈنگ مارنا لسع ہے۔ بعضوں نے سانپ کے کاٹے کو لسع کہتے ہیں اور بچھو کے کاٹے کو لدغ اور ہر ایک لفظ دوسرے میں مستعمل ہوتا ہے۔ (لغات القرآن ۴/۳۰) عموماً مالدغ بچھو کے ڈسنے اور سلم سانپ کے ڈسنے پر استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی یہ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

- حافظ ابن حجر العسقلانی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واستدل بہ للجمهور فی جواز اخذ الا جرة علی تعلیم القرآن ، وخالف الحنفیۃ فمنعوہ فی التعلیم واجازو ہ فی الرقی کالدو قالو لان تعلیم القرآن عبادة والا جرہ فیہ علی اللہ وھوالقیاس فی الرقی الا انھم اجازو وفیھا لھذا الخبر و حمل بعضھم الا جر فی ھذا الحدیث علی الثواب و سیاق القصۃ التی فی الحدیث یابی ھذا التاویل، واد عی بعضھم نسخہ بالا حادیث الوارده فی الوعید علی اخذ الا جرة علی تعلیم القرآن و قدر و اھا ابودائو د غیرہ ، و تعقب بانہ اثبات للنسخ بالا حتال و ھو مردود، وبان الا حادیث لیس فیھا تصریح بالمنع علی الا طلاق بل ھی وقائع احوال متجملۃ ویل لتوافق الا حادیث الصحیۃ کحدیثی الباب وبان الا حادیث المذکورة ایضالیس فیھا ماتقومہ بہ الحضۃ فلا تعارض الا حادیث الصحیۃ و سیکون لناعودة الی البحث فی ذلک فی کتاب لانکاح فیا لترزویج علی تعلیم القرآن(1)

- جمہور علماے ء کرام نے اس حدیث سے تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے جواز پر استدلال کر کے اجرت کو درست قرار دیا ہے۔ اور حنفیہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا درست نہیں ہے۔ البتہ جھاڑ پھونک پر اجرت لینا درست ہے۔ کیونکہ بھاڑ پھونک دوا کی طرح ہے (اور دوا علاج پر اجرت لی جاتی ہے) حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ تعلیم القرآن عبادت ہے اور اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ اس سے جھاڑ پھونک پر بھی اجرت نہ لی جائے، لیکن حنفیہ نے اس حدیث کی بنا پر اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اجر سے مراد ثواب ہے، لیکن اس حدیث کا سیاق اس تاویل کو رد کرتا ہے اور بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ احادیث ان احادیث کی وجہ سے منسوخ ہیں کہ جن میں تعلیم القرآن پر اجرت لینے پر وعید آئی ہے۔ اور جسے ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے لیکن ایسے لوگوں کا تعقب کیا گیا کہ انہوں نے نسخ کا دعویٰ صرف احتمال کی بناء پر کیا ہے اور احتمال سے نسخ ثابت کرنا مردود ہے اور ان احادیث میں مطلق منع کی صراحت نہیں ہے۔ بلکہ وہ مختلف اوقات سے متعلق ہیں کہ جو تاویل کا احتمال رکھتی ہیں تاکہ اس طرح وہ روایات صحیح احادیث کے مواقف ہو جائیں جیسا کہ اس باب کی حدیث ہے۔ نیز یہ احادیث اس قابل نہیں ہیں کہ ان (ضعیف روایات) کے ذریعے کوئی حجت قائم ہو سکے، پس وہ روایت احادیث صحیحہ کے معارض نہیں ہیں اور اس کی بحث ہم کتاب النکاح باب التزویج علی تعلیم القرآن (تعلیم القرآن کے عوض نکاح کرنے کا بیان) میں کریں گے۔

- امام نووی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قولہ ﷺ: (خذوا منهم واضربو الی بسهم معکم) ہذا تصریح بجواز اخذالا جرة علی الرقیۃ بالفاتحۃ والذکر وانها حلال کراهیۃ فیها و کذالا جرة علی تعلیم القرآن وهذاهب الشافعی ومالک واحمد واسحاق وابی ثورواخرین من السلف ومن بعد هم منعها ابواحنیفہ فی تعلیم القرآن واجاز ها فی الرقیۃ---- قولہ ﷺ واضربو الی بسهم فانما قالہ تطیبا لقلوبهم و مبالغهم فی تعریفهم انہ حلال لا شبۃ فیہ(2)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس مال کو لے لو اور اس میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔ اس فرمان میں وضاحت ہے کہ

1- فتح الباری کتاب الاجارۃ 454/4

2- شرح صحیح مسلم للامام نووی 224/2

سورۂ فاتحہ اور ذکر کے ذریعے جھاڑ پھونک پر اجرت جائز ہے۔ اور بلاشبہ یہ حلال ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اس طرح تعلیم القرآن پر بھی اجرت لینا جائز ہے اور یہ مذہب امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور کا سلف میں سے اور ان کے بعد لوگوں کا ہے اور امام ابو حنیفہ نے تعلیم القرآن پر اجرت سے منع کیا ہے اور رقیہ پر اجرت کی اجازت دی ہے (اور آگے فرماتے ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے "کہ اس میں میرا حصہ بھی لگاؤ" صحابہ کرام کے دلوں کو صاف کرنے کے لیے تھا اور اس مال کی تعریف میں مبالغہ کے لئے تھا کہ بلاشبہ یہ مال حلال ہے۔

ور خص الشافعی للمعلم ان یاخذ علی تعلیم القرآن اجر اویری لہ ان یشترط علی ذلک واحتج بھذا الحدیث(1)

- اور امام شافعی نے معلم کو تعلیم القرآن پر اجرت لینے کی رخصت دی ہے، اور اس بات کی بھی کہ وہ اسے مشروط کر سکتا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیائ العرب بفاتحۃ الکتاب

یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر عربوں پر پھونکنا اور اس پر اجرت لینا۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک دم پر شرط لگانا کہ اس کام پر اتنی بکریاں یا مال لوں گا بھی جائز ہے۔

- علاوہ ازیں امام بخاری نے کتاب النکاح میں بابا التزویج علی تعلیم القرآن (تعلیم القرآج کے عوض نکاح کرنے کا بیان) قائم کیا ہے۔

جس سے انہوں نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے تعلیم القرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔ امام بخارنے کتاب الاجارہ کے باب کے تحت سب سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عباس کی حدیث کے یہ آخری الفاظ نقل کئے ہیں۔

ان احق ما اخذتم علیہ اجر اکتاب اللہ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کتاب اللہ سب سے زیادہ اس کی مستحق ہے کہ تم اس پر اجرت کرو۔" پھر امام بخارنے امام الشعبی کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا یشترط المعلم الا ان یعطی شیئا فلیقبلہ

- معلم تعلیم پر کوئی شرط نہ لگائے البتہ جو کچھ اسے بن مانگے دیا جائے وہ اسے لے لے۔

اور امام حاکم کا قول ہے "لم اسمع احد کرہ اجر المعلم" میں سے کسی (عالم) شخص نے یہ نہیں سنا کہ معلم کی اجرت کو اس نے ناپسند کیا ہو، اور امام حسن بصری نے (معلم کو) دس درہم اجرت کے دیئے۔

ان احادیث اور آثار کو ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہی ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت جائز ہے۔

- امام ابن العربی المالکی (المتوفی ۵۴۳ھ) سیّدنا ابو سعید الخذری کی روایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جواز اخذا لا جرۃ علی القرآن وقف اتبعہ بقولہ فی الصحیح ان اھق ما اخذ تم علیہ اجرا کتاب اللہ (2)

- اس حدیث سے قرآن پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس کی تاکید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں کتاب

---

[1] - جامع ترمذی 2063

[2] - عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی 8/ 165، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت

اللہ سب سے زیادہ مستحق ہے کہ تم اس پر اجرت حاصل کرو۔

- امام بیہقی اس حدیث کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وھوعام فی جواز اخذ الا جرۃ علی کتاب اللہ تعالیٰ بالتعلیم وغیرہ واذاجاز اخذا لا جرۃ علیہ جاز ان یکون مھر اوحدیث ابن عباس اصح من حدیث عبادۃ(1)

اور اگر عدم جواز کی کوئی روایت ثابت بھی ہو تو وہ ابن عباسؓ کی حدیث سے منسوخ ہو گی، اور اسی طرح کی حدیث ابو سعید الخذری سے بھی مروی ہے اور عام اہل علم نے ان احادیث کے ظاہر کی وجہ سے ان (ضعیف) روایات کے ترک پر استدلال کیا ہے۔

احناف کا مؤقف:

- امام ابو حنیفہ دم کے علاوہ دیگر دینی امور پر اجرت کے قائل نہیں تھے۔ چونکہ اس دور میں بیت المال موجود تھا اور دینی امور انجام دینے والوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے لیکن جب بیت المال کا سلسلہ ختم ہو گیا تو علماء احناف نے بھی موؤقف میں تبدیلی پیدا کی اور وہ دینی امور پر اجرت کے قائل ہو گئے اور اس طرح اس مسئلہ پر گویا پوری امت کا اجماع ہو گیا۔ چنانچہ احناف کے بہت بڑی وکیل قاضی خان الحنفی فرماتے ہیں کہ:

نما کرہ المتقدمون الا ستیجار لتعلیم القرآن وکرھوا اخذ الا جر علی ذلک لانہ کان للمعلمین عطیات فی بیت المال الزمان وکان لھم زیادۃ رغبۃ فی امر الدین واقامۃ الحسبۃ وفی زماننا انقطعت عطیاتھم انتصت رغائب الناس فی امر الا خرۃ فلو اشتغلو ابالتعلیم بالحاضہ الی مصالح المعاش لا ختل معاشھم قلنا بصحۃ الا جارۃ ووجوب الا جرۃ للمعلم بحیث لو امتنع الوالدعنن اعطائ الا جر حبس فیہ اہ(2)

- بلاشبہ حضرات متقدمین نے تعلیم قرآن کریم پر کسی کو اجرت دے کر ملازم رکھنا مکروہ سمجھا ہے اور اس پر اجرت لینا بھی مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ اس زمانہ میں معلمین کے لئے بیت المال میں عطیات مقرر ہوتے تھے۔ نیز امورِ دین اور للہ فی اللہ کام کرنے میں ان حضرات کی رغب زیادہ تھی۔ اور ہمارے زمانہ میں عطیات بھی منقطع ہو چکے ہیں اور آخرت کے معاملے میں لوگوں کی رغبتیں بھی کم ہو چکی ہیں سو اگر ایسے لوگ لوگ ناداری کی حالت میں تعلیم کا شغل جاری رکھتے ہوئے روزی کمانے میں مصروف ہوئے تو ان کی کمائی میں سخت خلل پڑے گا۔ اس لئے ہم نے یہ کہا کہ یہ اجارہ صحیح ہے اور معلم کے لئے اجرت واجب ہے۔ اب اگر تعلیم پانے والے شاگرد کا والد (اور موجود اصطاح میں مدرسہ، ادارہ اور مہتمم) معلم کو تنخواہ دینے سے گریز کرے تو اسے گرفتار کیا جائے گا۔

- علامہ ابن النجیم الحنفی (الملقب بابی حنیفۃ الثانی) فرماتے ہیں:

اما عیل المختار للفتوی فی زماننا فیجوز اخذ لا جر للا ما مہ والمؤذن و المعلم والمفتی(3)

- بہر حال ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لئے مختار قول یہ ہے کہ امام اور مؤذن اور معلم اور مفتی کو اجرت لینا جائز ہے۔

اور صاحب ہدایہ بھی یہی تصریح فرماتے ہیں کہ اب فتویٰ جواز پر ہے۔([4])

اور اسی طرح علامہ بدر الدین العینی الحنفی صراحت فرماتے ہیں۔([1])

---

[1]- معرفۃ السنن والآثار 5/ 381

[2]- فتاویٰ قاضی خان 3 /434 طبع نولکشور، لکھنؤ

[3]- بحر الرائق، ج ا، ص 254

[4] - ہدایہ، ج ۴، ص ۱۵

دوسری دلیل:

- جناب سہل بن سعد الساعدی کی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاتون نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کرنے کے لئے پیش کیا لیکن آپ کو اس کی خواہش نہ تھی۔ ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس خاتون کے ساتھ نکاح کی درخواست پیش کی، لیکن اس کے پاس مہر میں دینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ بالآخر آپ نے اس سے پوچھا کہ اسے کچھ قرآن یاد ہے؟ آخر میں آپ نے فرمایا:

اذهب فقد مه انكحتكها بما معک من القرآن

جامیں نے اس خاتون کا نکاح تیرے ساتھ اس قرآن کے عوض کر دیا جو تیرے پاس ہے) اور جسے تو مہر کے عوض اسے سکھادے گا۔

دوسری روایت میں ہے: قدزو جتكها بما مع كل من القرآن

ایک روایت میں ہے: وقد زوجنا كها بما مع كل من القرآن

ایک اور روایت میں ہے: اذهب فقد ملكتكها بما مع كل من القرآن

جامیں نے تجھے اس خاتون کا مالک بنایا اس قرآن کے عوض جو تیرے پاس ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: املكنا كها بما مع كل من القرآن

اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں تیرہ مقامات پر ذکر کیا ہے اور ہر مقام پر اس حدیث سے کسی مسئلہ کا استخراج کیا ہے۔ ایک مقام پر امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب بھی قائم کیا ہے "باب التروىج على القرآن و بغيرصداق" (قرآن کے عوض نکاح کرنا اور بغیر مہر کے) حافظ ابن حجر العسقلانی اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مطلب یہ ہے کہ تعلیم القرآن کے عوض اور بغیر ظاہری مال کے نکاح کرنا۔"

- علامہ سندھی کہتے ہیں "على مامعک اى على تعليمها" یعنی جو قرآن آپ کے پاس ہے اور جس کی آپ اسے تعلیم دیں گے۔

- اس رویت کی تخریج ملاحظہ فرمائیں:

صحیح بخاری حدیث نمبر۴۳۱۷، ۵۸۱۷، ۵۱۵۰، ۵۱۴۹، ۵۱۳۱، ۵۱۳۵، ۵۱۳۲، ۵۱۲۶، ۵۱۲۱، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۲۳۱۰، ۵۰۲۹۔ **صحيح مسلم كتاب النكاح باب الصداق ، ابوداؤد كتاب النكاح باب فى التزويج على العمل يعمل ، الترمذى كتاب النكاح باب فى مهور النسائ النسائى كتاب النكاح باب هبۃ المراة نفسها بغير صداق۔**

- امام ترمذی فرماتے ہیں:

ۆهذا حديث حسن صحيح و قدذهب الشافعى الى هذا الحديث فقال ان لم يكن لہ شئى يصدقها فتزو جها على سورة من القرآن فالنكاح جائز، و يعلمها سورة من القرآن فالنكاح جائز، ويعلمها سورة من القرآن وقال بعض اهل العلم النكاح جائزو يجعل لها صداق مثلها وهو قول اهل الكوفہ واحمد واسحاق(2)

- یہ حدیث حسن صحیح ہے اور امام شافعی اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ اگر مہر موجود نہ ہو تو قرآن کی کسی سورۃ کے بدلے خاتون کا نکاح ہو سکتا ہے۔ پس یہ نکاح جائز ہے اور وہ شخص اس خاتون کو قرآن کی وہ سورۃ سکھائے اور بعض اہل علم کو کہنا ہے کہ یہ نکاح جائز

---

[1]- بنایہ شرح ہدایہ، ج۳، ص ۶۵۵

[2]- سنن الترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی امور النساء

اور وہ شخص اس خاتون کو مہر مثل دے گا اور یہ قول اہل کوفہ اور امام احمد اور امام اسحاق کا ہے۔

- اس مسئلہ کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھایا جاسکتا ہے۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ مالک اگر اپنی لونڈی کو غلامی سے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے اور اس آزادی کو مہر قرار دے ڈالے تو یہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ سیدنا انس سے روایت ہے:

ۏ ان رسو ل اللہ اعتق صفیۃ و جعل عتقیا صداقھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ کو آزاد فرمایا اور ان سے نکاح کر لیا اور ان کو آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

صحیح بخاری کتاب المغازی باب اتخاذ السراری، کتاب النکاح باب من اعتق جاریۃ ثم تنزوجھا، صحیح مسلم کتاب النکاح باب فضیلۃ اعتاق الامۃ ثم یزوجھا، ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الرجل یعتق امۃ ثم یزوجھا۔ (ترمضذی ابواب النکاح باب ماجاء فی الرجل یعتق الامۃ ثم یزوجھا، الدارمی کتاب النکاح مسند احمد ۳/۲۴۶،۲۸۰،۲۰۷،،۲۹۱،۹۹،۱۶۵،۱۸۱،۲۰۳،۲۳۹،۲۴۲)

لونڈی خود مال ہے اور اسے فروخت کر کے مال حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی آزادی کو اس حدیث میں مہر کا بدل قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح تعلیم القرآن کو بھی مہر بدل قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن پر اجرت جائز ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حدیث انس حدیث حسن صحیح والعمل علی ھذا عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرہ موھو قول الشافعی واحمد و اسحاق وکرہ بعض اھل العلم ان یجعل عتقھا صداقھا حتی یجعل لھا مھر ا سوہ العتق والقول الا ول اصح۔

- انس بن مالک کی حدیث صحیح ہے اور اس پر نبی ﷺ کے صحابہ کرام اور دیگر لوگوں میں بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہ امام شافعی اور امام احمد امام اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم نے اسے ناپسند کیا ہے کہ عورت کا مہر اس کی آزادی کو قرار دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس عورت کے لئے مہر مقرر کیا جائے، سوائے آزادی کے، لیکن قول اول زیادہ صحیح ہے۔

- جناب انس بن مالک سے ان کے شاگرد جناب ثابت نے دریافت کیا:

ۏیا ابا حمزۃ ما اصدقھا؟ قال نفسھا اعتقا وتزوجھا [1]

اے ابو حمزہ! یہ انس کی نیت ہے۔ صفیہ کا مہر کا تھا؟ انہوں نے فرمایا ان کا نفس (جان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

- ایک روایت میں ہے کہ ام سلیم کا مہر ابو طلحہ کا اسلام لانا قرار پایا:

ۏعن انس قال تزوج ابو طلحہ ام سلیم مکان صداق مای بینھا الا سلا اسمت ام سلیم قبل ابی طلحۃ فطبھا قالت انی قدامت اسلمت فان اسلمت نکحتک فاسلمہ فکان صداق ما بینھا(2)

انس فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیم سے نکاح کیا۔ ان کے درمیان ابو طلحہ کا اسلام لانا مہر قرار پایا۔ ام سلیم، ابو طلحہ سے پہلے اسلام لے آئیں تھیں۔ جب ابو طلحہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ پس ابو طلحہ نے اسلام قبول کر لیا۔ پس یہی ان کا مہر قرار پایا۔

ۏعن انس قال خطب ابو طلحۃ ام سلیم فقالت واللہ ما مثلک یا ابا طلحۃ یر دو لکنک رجل کافروانا امراۃ مسلمۃ ولا یحل لی

---

[1] -الجامع الصحیح بخاری حدیث نمبر 371

[2] -نسائی، کتاب النکاح، باب التزویج علی الاسلام، حدیث نمبر

ان اتزوجک فان تسلیم فذاک مھری والا اسالک غیرہ فاسلمہ فکان ذلک مھرھا(ایضاً)

- سیّدنا انس فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیم کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ابو طلحہ تمہاری طرح کے آدمی کو رد نہیں کیا جاتا لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمہ اور میرے لئے جائز نہیں کہ تم سے نکاح کروں، ہاں اگر تم اسلام قبول کرلو تو یہی میرا مہر ہو گا اور اس کے علاوہ میں تم سے کچھ نہ طلب کروں گی۔ چنانچہ ابو طلحہ نے اسلام قبول کرلیا اور یہی ان کا مہر رہا۔
- اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابو طلحہ کی راہ میں غربت حائل نہ تھی البتہ ام سلیم نے خود ہی ان کو اپنا مہر معاف کر دیا تھا اور ان کے اسلام لانے ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔ معترض نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے پر مال و دولت لینا جائز ہوا یا مال و دولت کے عوض اسلام قبول کرنا مستحسن قرار پایا۔
- اسلام قبول کرنے کی تو کوئی قیمت ہی نہیں لگائی جاسکتی اب یہ ام سلیمؓ پر ہی منحصر ہے کہ انہوں نے ابو طلحہ کو مہر کیوں معاف کر دیا اور ان کے اسلام لانے پر کیوں راضی ہو گئیں؟ قرآن میں ایک مقام پر آیا ہے:

''والمؤلفہ قلوبہم'' اس کا موصوف کیا مطلب لیں گے۔ اسلام کی طرف راغب کافر و مشرک یا نیا نیا اسلام قبول کرنے والوں کی اگر مالی اعانت کی جائے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ان لوگوں نے مال و دولت کے لئے اسلام قبول کیا تھا؟ معترض جیسے لوگوں کو اپنی نیتوں کا علاج کرنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کی اپنی نیتوں میں فتور ہے اور اس کا الزام یہ دوسروں پر لگا رہے ہیں۔ ایک دور وہ تھا کہ اسلام کے چاہنے ولوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی اسلام کو سینہ سے لگائے رکھا اور پھر ایک ایسا دور بھی آیا کہ انہی صحابہ کرام نے اسلامی برکت سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو حاصل کیا۔ قیصر کسریٰ کے خزانے لوٹنے والوں کے متعلق معترض کیا فتویٰ لگائیں گے؟ دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ اگر اہل ایمان کو مالا مال کر دے تو اس پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟ کیا جہاد کے ذریعے جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے معترض اس کے بھی منکر ہیں؟

- اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نکاح میں اسلام کو بھی بطور کیا جاسکتا ہے اور اسلام اسی طرح مہر مقرر ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہر کے طور پر مقرر فرمایا۔ اور قرآن گویا اس مال کا بدل ہے جو مہر میں مقرر کیا جاتا ہے اور چونکہ قرآن کے سکھانے میں محنت کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا اس محنت کے عوض مال و دولت (تنخواہ) لی جاسکتی ہے۔ اس کی ایک اور مثال جناب موسیٰؑ کے واقعہ بھی واضح ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا نکاح:

- حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے جب ایک قبطی ہلاک ہو گیا تو آپ گرفتاری کے خوف سے مصر سے نکلے اور مدین جا پہنچے۔ اور آکر کار شعیب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی بیٹیاں موسیٰ کی قوت و امانت کا مشاہد کر چکی تھیں۔ لہٰذا ایک بیٹی کہتے لگی۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

ان میں سے ایک بولی ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجئے بہتر آدمی جسے آپ نوکر رکھنا چاہیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو۔

شعیبؑ نے (موسیٰؑ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے اس شرط پر نکاح کر دوں کہ تم میرے ہاں آٹھ برس ملازمت کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو تمہاری مہربانی۔ میں اس معاملے میں تم پر سختی نہیں چاہتا ان شاء اللہ تم مجھ ایک خوش معاملہ آدمی پاؤ گے۔ موسیٰؑ نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی جو نسی مدت بھی میں پوری کروں مجھ پر کچھ دباؤ نہ ہو گا اور جو کچھ ہم قول و قرار کر رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔

- اس بیان سے معلوم ہوا کہ موسیٰ ﷺ کا نکاح اس شرط پر ہوا کہ وہ شعیبؑ کے ہاں آٹھ برس تک ملازمت کریں اور ان کی بکریاں چرائیں گے۔ اور اگر وہ دس سال پورے کریں تو یہ ان کا احسان ہو گا۔ گویا موسیٰؑ کا مہر شعیبؑ کے ہاں ملازمت کرنا قرار پایا۔ یہ واقعہ اوپر نقل کردہ احادیث کی پوری طرح وضاحت اور تشریح کرتا ہے اور اس مسئلہ کی اس سے زیادہ وضاحت ممکن نہیں ہے۔ البتہ جس نے نہ ماننا ہو تو" میں نہ مانوں" کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔
- جہاں تک گزر اوقات کی بات ہے اس کی ذمہ دار اسلامی حکومت ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور زندگی کے جھنھٹ بڑھ گئے تو پرائیوٹ سطح پر ان کی کفالت کے لئے جتن کئے گئے، ورنہ یہ عظیم سلسلہ ختم ہو کر دین کی نشر و اشاعت کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں موذن، امام، قراء اور علمو عربیہ کے معلمین کی تقرریاں کیں اور ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کئے۔
- **اِن عمر بن الخطاب و عثمان عفان کانا یرزقان المؤذنین والا ذنین والا ئمۃ والمعلمین (سیرۃ العمرین لابن الجوزی)وفی روایۃ: کانا یرزقان المؤذنین والأئمۃ(ایضاً) وقال الزیلعی فی نصب الرایۃ : وروی عن عمر بن الخطاب أنہ کان یرزق المعلمین ثم أنہ کان یرزق المعلمین ثم أسند عن ابراھیم بن سعد عن أبیہ أن عمر بن الخطاب کتب اِلی بعض عمالہ أن أعط الناس علی تعلیم القرآن(1)**
- قراء صحابہ کو قرآن کی تعلیم کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دور دراز مقامات پر تعینات کیا، وہ جا کر ان کو قرآن پڑھاتے اور تفقہ فی الدین کے لئے تیاری کراتے۔ ان میں سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا نام بالخصوص تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے امام ابن الجوزی نے تصریح کی ہے کہ باقاعدہ ان کی تنخواہیں دی گئی تھیں۔(2)

-خرید و فروخت کا بیان

طبیب کی کمائی کا بیان

عن أبی سعید الخدری أن رھطا من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انطلقوا فی سفرۃ ....معکم بسھم (3)

---

[1]- نصب الرایۃ)

[2]-(الفاروق جلد 2 ص138)

[3]تخریج: خ/الاجارۃ16(2276)، فضاء لالقرآن9(5007)والطب33(5736)،39(5749)،م/السلام23(2201)،د/الطب19(3900)،ت/20(2063)،ق/التجارات7(2156)حم(44/ 3 صحیح

مسند ابو عوانہ، ابی بشر ابی متوکل، ابو سعید سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت سفر میں جارہی تھی ایک عرب کے قبیلہ میں ان کا پڑاؤ ہوا تو انہوں نے ان قبیلہ والوں سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا لیکن اہل قبیلہ نے انکار کر دیا میز بانی سے۔ راوی کہتے ہیں کہ (اتفاقا) اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انہوں نے اس کا ہر چیز سے علاج معالجہ کیا لیکن اسے کسی چیز نے نفع نہیں دیا۔ ان میں سے بعض لوگ کہنے لگے کہ کاش تم اس جماعت کے پاس جاتے جس نے تمہارے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جو تمہارے سرادر کو نفع بخش دے (پس ان میں سے کچھ لوگ صحابہ کے پاس آئے) اور کہا کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے پس کہا تم میں سے کسی کے پاس کوئی تعویذ وغیرہ ہے جماعت میں سے ایک شخص نے کہا میں تعویز کرتا ہوں لیکن ہم نے تم سے مہمان نوازی چاہی تو تم نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کر دیا لہذا میں تعویز نہیں کروں گا حتی کہ تم کوئی اجرت وغیرہ مقرر کرو میرے لیے، انہوں نے ان کے واسطے بکریوں کا ایک ریوڑ اجرت کے طور پر مقرر کیا تو وہ ان کے سردار کے پاس آئے اور اس پر سورت فاتحہ پڑھی اور پڑھ کر پھونکنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اس کو شفاء ہو گئی گویا کہ کسی بندش سے چھوٹ گیا، راوی کہتے ہیں پھر انہوں نے جس پر معاہدہ کیا تھا اسے پورا کیا، ان لوگوں نے کہا کہ اسے تقسیم کر لو، لیکن تعویز کرنے والے صاحب نے کہا کہ ایسا نہ کرو یہاں تک کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پاس پہنچ جائیں اور ان سے اس کے حکم کے بارے میں معلوم کر لیں، پس اگلی صبح ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ ذکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں کہاں سے معلوم ہے کہ یہ سورت فاتحہ تعویز ہے تم نے اچھا کیا اپنے ساتھ میرا بھی حصہ مقرر کرو۔ ([1])

مسائل و معاملات:

حدیث مذکور کے فوائد:

- جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت لینے کی سب سے زیادہ حق دار اللہ کی کتاب ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

- اس حدیث میں کتاب اللہ کو پڑھ کر دم کرنے کا ثبوت ہے اور اس کے ساتھ دیگر منقول دعائیں بھی لاحق ہیں۔
- اس میں دیہاتیوں کا کسی دوسرے دیہات میں جانے اور وہاں ان کی ضیافت کا ثبوت ہے اور ان سے کھانا مانگنے کا ثبوت ہے۔
- جو لوگ مروّت اور تکریم نہ کریں، ان سے بھی جواب میں اسی طرح کرنا چاہیے کیونکہ جب اُنہوں نے صحابہ کے کھانا مانگنے کے باوجود ان کو کھانا نہیں دیا تو صحابہ نے کہا: ہم بھی اُجرت لیے بغیر تمہارے سردار پر دم نہیں کریں گے۔
- انسان اپنے اوپر کسی کام کے کرنے کا التزام کر سکتا ہے، جس طرح حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس پر میں دم کر دوں گا۔

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 25 حدیث مرفوع مکررات 17

- جب ایک جماعت کے کسی فرد کو ہدیہ دیا جائے تو وہ ہدیہ تمام جماعت میں تقسیم کیا جاتا ہے جیسے وہ بکریاں تمام صحابہ میں تقسیم ہوئیں۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں سے میرا حصہ نکالو، اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ طلب کرنا جائز ہے، جبکہ معلوم ہوا کہ وہ ہدیہ دینے میں رغبت کریں گے۔
- جب کوئی چیز بظاہر حلال ہو تو اس پر قبضہ کرنے کا جواز، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے ان بکریوں پر قبضہ کر لیا اور چونکہ ان میں شبہ تھا، اس لیے ان میں تصرف نہیں کیا۔
- جب کوئی نیا معاملہ پیش آئے تو اس میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ جیسے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے سورۃ فاتحہ کا دم کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کے دلوں میں قرآن مجید خصوصاً سورۃ فاتحہ کی بہت عظمت تھی۔
- ان دیہات والوں کے مال میں ان صحابہ کے رزق کا حصہ تھا، جب اُنہوں نے صحابہ کو کھانا نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے رزق کا یہ سبب بنایا کہ ان کے سردار کو بچھونے ڈس لیا اور یوں اُنہیں دم کرانے کی اُجرت میں تیس بکریاں دینی پڑیں۔(1)

دم کرنے میں فقہاء کے نظریات:

- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کتاب اللہ سے کچھ پڑھ کر دم کرنے کا ثبوت ہے اور جن دعاؤں کا قرآن اور حدیث میں ذکر ہے اور جو الفاظ ان کے مشابہہ ہیں وہ بھی اس کے ساتھ لاحق ہیں اور غیر عربی الفاظ جن کا معنی معلوم نہیں ان کو پڑھ کر دم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے شعبی، قتادہ، سعید بن جبیر اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ دم کرنا مکروہ ہے اور مومنین پر واجب ہے کہ وہ اللہ پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے دم کرانے کو ترک کر دے اور یقین رکھے کہ دم کرنے سے نفع نہیں ہوتا اور دم کو ترک کرنے سے ضرر نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مرض اور صحت کے ایام کا علم ہے اور اگر ساری مخلوق مل کر یہ کوشش کرے کہ صحت کے ایام زیادہ ہو جائیں اور بیماری کے ایام کم ہو جائیں تو وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔

حسن بصری، ابراہیم النخعی، الزہری، سفیان الثوری اور ائمہ اربعہ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ دم کرنا جائز ہے اور اُنہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور سورۃ الفاتحہ میں شفاء ہے اور اس کا ایک نام شافیہ ہے۔ (2)

- علامہ نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ سے دم کرنے کی اُجرت کو صحیح قرار دیا، اس حدیث میں سورۃ فاتحہ اور دیگر اذکار سے دم کرنے کی اُجرت کے جواز کی تصریح ہے، یہ حلال ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح تعلیم قرآن پر بھی اُجرت لینا حلال اور جائز ہے۔ یہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد، اسحٰق اور ابو ثور اور دیگر سلف صالحین کا

1۔ فتح الباری: 3/274۔273

2۔ عمدۃ القاری: 12/143

مذہب ہے اور یہی بعد والوں کا نظریہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے تعلیم قرآن کی اُجرت سے منع کیا ہے اور دم کی اُجرت کو جائز کہا ہے۔(1)

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جن چیزوں پر تم اُجرت لیتے ہو ان کی اُجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔ اس حدیث سے جمہور فقہاء نے تعلیم قرآن کی اُجرت لینے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔(2)

علامہ قرطبیؒ مالکی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلا۔(3)

"اور میری آیات کے عوض میں تھوڑی قیمت نہ لو"۔

قرآن مجید اور علوم دینیہ کے عوض اُجرت لینے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔

زہری اور احناف نے اس کو ناجائز کہا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابو ثورؒ اور اکثر فقہاء نے کہا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر اُجرت لینا جائز ہے۔(4)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: جن عبادات کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے مثلاً امامت، اذان، حج اور تعلیم قرآن وغیرہ ان پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اس کی امام احمدؒ نے تصریح کی ہے۔ امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے۔(5)

- علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں:

دم کرنے اور تعلیم قرآن کی اُجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء اور ابو قلابہ نے اس کو جائز کہا ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ابو ثورؒ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے دم کو جائز کہا، اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ امام زہری نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو مکروہ کہا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔(6)

- علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اُمور دینیہ میں سستی ظاہر ہو چکی ہے اور اس پر اُجرت لینے کو منع کرنے سے قرآن مجید کا حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔(1)

---

[1]۔ شرح مسلم للنوی: 224/2

[2]۔ فتح الباری: 453-454/4

[3]۔ سورۃ البقرۃ: 14

[4]۔ الجامع لاحکام القرآن: 335-37/1

[5]۔ المغنی: 323-324/2

[6]۔ عمدۃ القاری: 95/12

حاصل کلام:

- دم کرنے پر اُجرت لینا جائز ہے۔اور قرآن مجید کی تعلیم دینے پر بھی اُجرت لینا جائز ہے۔

-خرید وفروخت کا بیان

طبیب کی کمائی کا بیان

عن خارجة بن الصلت عن عمه أنه مر بقوم ......أكلت برقية حق (2)

عبیداللہ بن معاذ، شعبہ، عبداللہ بن ابی سفر، شعبی، خارجہ بن صلت، اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں وہ ایک قوم کے پاس گزرے اس قوم کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ تم بیشک اس آدمی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے خیر لے کر آئے ہو، پس ہمارے اس آدمی کیلئے تعویذ کر دو، پھر وہ ایک مغلوب الحواس شخص کو جکڑ کر لائے تو انہوں نے سورت فاتحہ کے ذریعہ اس پر تعویذ کیا تین دن تک صبح شام اور جب بھی سورت فاتحہ ختم کرتے تو منہ پر تھوک جمع کر کے اس آدمی کے اوپر تھوکتے وہ ایسا ہو گیا کہ بندشوں سے چھٹکارا پایا ہو، ان لوگوں نے انہیں کوئی چیز دی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور سارا واقعہ ذکر کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کھا، میری عمر کی قسم کوئی تو باطل تعویذ کر کے کھاتا ہے (تو وہ ہلاک ہو گیا) بیشک تو نے تو سچا کیا ہے (یعنی جو لوگ باطل رقیہ کرتے ہیں وہ ہلاکت میں پڑ گئے لیکن تمہارا تعویز تو بالکل حق ہے لہٰذا اس کے عوض میں ملنے والی چیز کھا سکتے ہو۔) (3)

مسائل و معاملات:

حدیث مذکور کے فوائد:

- جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو ان میں اجرت لینے کی سب سے زیادہ حق دار اللہ کی کتاب ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

- اس حدیث میں کتاب اللہ کو پڑھ کر دم کرنے کا ثبوت ہے اور اس کے ساتھ دیگر منقول دعائیں بھی لاحق ہیں۔
- اس میں دیہاتیوں کا کسی دوسرے دیہات میں جانے اور وہاں ان کی ضیافت کا ثبوت ہے اور ان سے کھانا مانگنے کا ثبوت ہے۔
- جو لوگ مروّت اور تکریم نہ کریں، ان سے بھی جواب میں اسی طرح کرنا چاہیے کیونکہ جب اُنہوں نے صحابہ کے کھانا مانگنے کے باوجود ان کو کھانا نہیں دیا تو صحابہ نے کہا: ہم بھی اُجرت لیے بغیر تمہارے سردار پر دم نہیں کریں گے۔
- انسان اپنے اوپر کسی کام کے کرنے کا التزام کر سکتا ہے، جس طرح حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس پر میں دم کر دوں گا۔

---

[1]- ہدایہ اخیرین: ص: 306

[2]- تخریج: د/الطب رقم الحدیث 506،510-511، جلد سوم

[3] - سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 27 حدیث مرفوع، مکررات 4

- جب ایک جماعت کے کسی فرد کو ہدیہ دیا جائے تو وہ ہدیہ تمام جماعت میں تقسیم کیا جاتا ہے جیسے وہ بکریاں تمام صحابہ میں تقسیم ہوئیں۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں سے میرا حصہ نکالو، اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ طلب کرنا جائز ہے، جبکہ معلوم ہوا کہ وہ ہدیہ دینے میں رغبت کریں گے۔
- جب کوئی چیز بظاہر حلال ہو تو اس پر قبضہ کرنے کا جواز، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے ان بکریوں پر قبضہ کر لیا اور چونکہ ان میں شبہ تھا، اس لیے ان میں تصرف نہیں کیا۔
- جب کوئی نیا معاملہ پیش آئے تو اس میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ جیسے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے سورۃ فاتحہ کا دم کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کے دلوں میں قرآن مجید خصوصاً سورۃ فاتحہ کی بہت عظمت تھی۔
- ان دیہات والوں کے مال میں ان صحابہ کے رزق کا حصہ تھا، جب اُنہوں نے صحابہ کو کھانا نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے رزق کا یہ سبب بنایا کہ ان کے سردار کو بچھونے ڈس لیا اور یوں اُنہیں دم کرانے کی اُجرت میں تیس بکریاں دینی پڑیں۔(1)

دم کرنے میں فقہاء کے نظریات:

- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کتاب اللہ سے کچھ پڑھ کر دم کرنے کا ثبوت ہے اور جن دعاؤں کا قرآن اور حدیث میں ذکر ہے اور جو الفاظ ان کے مشابہہ ہیں وہ بھی اس کے ساتھ لاحق ہیں اور غیر عربی الفاظ جن کا معنی معلوم نہیں ان کو پڑھ کر دم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے شعبی، قتادہ، سعید بن جبیر اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ دم کرنا مکروہ ہے اور مومنین پر واجب ہے کہ وہ اللہ پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے دم کرانے کو ترک کر دے اور یقین رکھے کہ دم کرنے سے نفع نہیں ہوتا اور دم کو ترک کرنے سے ضرر نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مرض اور صحت کے ایام کا علم ہے اور اگر ساری مخلوق مل کر یہ کوشش کرے کہ صحت کے ایام زیادہ ہو جائیں اور بیماری کے ایام کم ہو جائیں تو وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔

حسن بصری، ابراہیم النخعی، الزہری، سفیان الثوری اور ائمہ اربعہ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ دم کرنا جائز ہے اور اُنہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور سورۃ الفاتحہ میں شفاء ہے اور اس کا ایک نام شافیہ ہے۔(2)

- علامہ نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ سے دم کرنے کی اُجرت کو صحیح قرار دیا، اس حدیث میں سورۃ فاتحہ اور دیگر اذکار سے دم کرنے کی اُجرت کے جواز کی تصریح ہے، یہ حلال ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح تعلیم قرآن پر بھی اُجرت لینا حلال اور جائز ہے۔ یہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد، اسحٰق اور ابو ثور اور دیگر سلف صالحین کا

1۔ فتح الباری: 273-274/3

2۔ عمدۃ القاری: 143/12

مذہب ہے اور یہی بعد والوں کا نظریہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے تعلیم قرآن کی اُجرت سے منع کیا ہے اور دم کی اُجرت کو جائز کہا ہے۔ (1)

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جن چیزوں پر تم اُجرت لیتے ہو ان کی اُجرت کی سب سے زیادہ مستحق اللہ کی کتاب ہے"۔ اس حدیث سے جمہور فقہاء نے تعلیم قرآن کی اُجرت لینے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ (2)
- علامہ قرطبیؒ مالکی لکھتے ہیں: قرآن مجید میں ہے:

ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلا۔ (3)

"اور میری آیات کے عوض میں تھوڑی قیمت نہ لو"۔

قرآن مجید اور علوم دینیہ کے عوض اُجرت لینے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔

زہری اور احناف نے اس کو ناجائز کہا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابو ثورؒ اور اکثر فقہاء نے کہا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر اُجرت لینا جائز ہے۔ (4)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: جن عبادات کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے مثلاً امامت، اذان، حج اور تعلیم قرآن وغیرہ ان پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اس کی امام احمدؒ نے تصریح کی ہے۔ امام احمدؒ سے دوسری روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینا جائز ہے۔ (5)

- علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں: دم کرنے اور تعلیم قرآن کی اُجرت لینے میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطاء اور ابو قلابہ نے اس کو جائز کہا ہے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ابو ثورؒ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے دم کو جائز کہا، اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ امام زہری نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو مکروہ کہا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (6)

- علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن کی اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اُمور دینیہ میں سستی ظاہر ہو چکی ہے اور اس پر اُجرت لینے کو منع کرنے سے قرآن مجید کا حفظ کرنا ضائع ہو جائے گا اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ (7)

---

[1] ۔شرح مسلم للنوی: 224/2

[2] ۔فتح الباری: 453۔454/4

[3] ۔سورۃ البقرۃ: 14

[4] ۔الجامع لاحکام القرآن: 335۔37/1

[5] ۔المغنی: 323۔324/2

[6] عمدۃ القاری: 95/12

[7] ہدایہ اخیرین: ص: 306

حاصل کلام:

- دم کرنے پر اُجرت لینا جائز ہے۔اور قرآن مجید کی تعلیم دینے پر بھی اُجرت لینا جائز ہے۔

-خرید وفروخت کا بیان

پچھنے لگوانے کی اجرت کا بیان

عن ابن محيصة عن أبيه أنه استأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم في إجارة الحجام فنهاه عنها فلم يزل يسأله ويستأذنه حتى أمره أن أعلفه ناضحك ورقيقك

عبداللہ بن مسلمہ، قعنبی، مالک، ابن شہاب، ابن محصنہ، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجامت کی اجرت کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرما دیا، وہ مسلسل اصرار کرتے رہے، اور سوال کرتے رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اپنے اونٹوں سے چارہ کھلائے اور غلام کو کھلائے (یعنی خود استعمال نہ کرے۔) ([1])

مسائل و معاملات:

- فصد لگانے کی اجرت کی ممانعت تنزیہی ہے
- اس باب کی حدیث میں خون کی قیمت یعنی فصد لگانے کی اجرت سے منع کیا گیا ہے۔اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ ممانعت تنزیہ کے لیے ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فصد لگوائی اور فسد لگانے والے کو اجرت عطا فرمائی۔
- اس کے متعلق درج ذیل حدیث ہے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فصد لگانے کی اجرت کے متعلق سوال کیا گیا،انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فصد لگوائی اور ابو طیبہ نے فصد لگائی تو آپ ﷺ نے اس کو دو صاع (آٹھ کلو) گندم دینے کا حکم فرمایا اور اس کے مالکوں سے فرمایا: اس سے روز رقم لینے کی جو مقدار مقرر کی ہے اس میں کمی کر دو اور فرمایا تم جن چیزوں سے علاج کرتے ہو۔ان میں سب سے افضل فصد لگوانا ہے۔(2)

- امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد لکھا: نبی ﷺ کے اصحاب مین سے اہل علم نے فصد لگانے کی اجرت کی رخصت دی ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔(امام ابو حنیفہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔(3)

-خرید وفروخت کا بیان

---

[1] سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 29 حدیث مرفوع مکررات 3

[2]۔ سنن ترمذی: 1282، صحیح مسلم: 1577

[3]۔ سنن ترمذی ص 393-392، دار الفکر، بیروت، 1422ھ

معین درخت کے پھل میں سلم کا بیان

عن أبي إسحق عن رجل نجراني عن ابن عمر أن رجلا أسلف رجلا في نخل فلم ....حتی یبدو

محمد بن کثیر، سفیان، ابواسحاق سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے کے ساتھ کھجور کے درخت میں بیع سلم کی، اتفاق کی بات کہ اس سال اس درخت میں کچھ بھی پھل نہ لگا تو (دونوں میں جھگڑا ہوا) وہ اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائع سے فرمایا تو کس چیز کے عوض میں اس کا مال حلال کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا مال اسے واپس لوٹا دے، پھر آپ نے فرمایا کہ کھجور کے درخت میں بیع سلف نہ کیا کرو یہاں تک کہ اس کے پھل ظاہر ہو جائیں۔[2]

مسائل و معاملات:

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا اور کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ زرد نہ ہو جائے۔ زرد ہونے سے مراد سرخ ہونا (پک جانا) ہے۔

ظہور صلاحیت کی تفسیر میں اختلاف فقہاء:

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا معنی یہ ہے کہ پھل اتنی مقدار کے ہو جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آ جانا ہے۔[3]

پھلوں کے پک جانے سے پہلے پھلوں کی بیع میں مذاہب فقہاء:

- علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع کی تین صورتیں ہیں:

1۔ کوئی شخص درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کرے اور درختوں پر پھلوں کے لگے رہنے کی شرط لگائے یہ بیع بالاجماع باطل ہے۔

2۔ کوئی شخص پھلوں کی بیع اس شرط کے ساتھ کرے کہ ان پھلوں کو فوراً توڑ لیا جائے گا۔ یہ بیع بالاجماع صحیح ہے۔

3۔ خریدار پھلوں کی مطلقاً بیع کرے، پھلوں کو توڑنے کی شرط لگائے نہ درخت پر باقی رکھنے کی۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔(4)

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع فقہاء احناف کا موقف:

- علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

---

[1]۔ تخریج: خ/بیع السلم (2125)، ق/التجارات 442 جلد سوم

[2] – سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 74 حدیث مرفوع، مکررات 4

[3]۔ فتح القدیر: 489/5، المبسوط: 196/12

[4]۔ المغنی لابن قدامہ حنبلی: 72/4

پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے اُن کی بیع کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اگر شرط لگائی جائے کہ پھلوں کو درختوں پر رہنے دیا جائے گا اور توڑا نہیں جائے گا۔ تب بھی اس بیع کے عدم جوار میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ان کو توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع جائز ہے۔ اسی طرح اس میں بھی اتفاق ہے کہ صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد پھلوں کی بیع جائز لیکن ظہور صلاحیت کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پھل قدرتی آفات اور فساد سے محفوظ ہو جائیں (بور بننے کا مرحلہ گزر جائے اور پھل اپنی ہیئت اختیار کر لیں)۔ (1)

- پھلوں کو پکنے (ظہور صلاحیت) سے پہلے بیچنا منع ہے۔
- پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے قدرتی آفات سے پھلوں کے ضیاع پر تاوان کا ذمہ بائع ہو گا۔
- سوکھی کھجور کے بدلے درخت پر لگی کھجور کو نہ بیچو۔

قدرتی آفات سے پھلوں کے ضیاع پر تاون میں مذاہب فقہاء:

- علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں:

یحییٰ بن سعید انصاریؒ، امام مالکؒ، ابو عبیدؒ اور محدثین کی ایک جماعت اور اہل مدینہ نے کہا ہے کہ قدرتی آفات سے پھلوں کو جو نقصان پہنچے اس کا فی الجملہ بائع ذمہ دار ہوتا ہے۔
ظاہر مذہب یہ ہے کہ قدرتی آفات قلیل ہو یا کثیر ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

- امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ اگر دس یا بیس پھلوں کو نقصان ہو تو میں اس کو آفت نہیں کہتا لیکن جب درخت کے تہائی یا چوتھائی یا پانچویں حصہ کے پھلوں کو نقصان پہنچے تو بائع اس کا ضامن ہو گا۔ امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے، کیونکہ پرندے ضرور کچھ کھا لیتے ہیں اور کچھ پھل آندھی سے گر جاتے ہیں اور ان کا کوئی ضابطہ نہیں ہے۔
- جمہور متقدمین، سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کا قول جدید، امام ابو جعفر طبریؒ، داؤد ظاہریؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ خریدار کے قبضہ کرنے کے بعد فروخت شدہ پھلوں کو جو قدرتی آفت پہنچتی ہے اس کا خریدار ضامن ہو گا۔ خواہ نقصان قلیلھو یا کثیر اور خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے فروخت شدہ پھلوں کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کا بائع ضامن ہو گا اور نقصان کے حساب سے قیمت کم لی جائے گی۔ (2)

تازہ کھجوروں کی چھوہاروں کے عوض بیع میں مذاہب فقہاء:

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عرایا کے سوا تازہ کھجوروں کی چھوہاروں کے بدلہ میں بیع کرنا ناجائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر تازہ کھجوریں درخت سے اُتاری ہوئی ہوں تو ان چھوہاروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے۔ (3)

1- ابن ہمام، فتح القدیر، 5/489-488، مزید دیکھیے: المبسوط: 9/196، رد المختار، ابن عابدین شامی 5/53

2- عمدۃ القاری: 12/10-9

3- شرح مسلم: 2/9، عرایا کی تفصیل دیکھیے شرح مسلم از غلام رسول سعیدی: 4/198

-خرید وفروخت کا بیان

شراب اور مردار کی قیمت

عن جابر بن عبد الله أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح ....فأكلوا ثمنه (1)

قتیبہ بن سعید لیث یزید بن ابی حبیب، عطاء بن ابی رباح جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی خرید وفروخت کو حرام فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردار جانوروں کی چربی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، کیونکہ اس سے کشتیوں کو رنگ کیا جاتا ہے اور کھالوں کو اس سے تیل دیا جاتا ہے اور لوگ اس کے ذریعے روشنی حاصل کرتے ہیں؟آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مار پڑے یہود پر بیشک اللہ تعالیٰ نے ان پر مردار کی چربی حرام فرمائی تو انہوں نے اس چربی کو پگھلا کر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا بیٹھے۔(2)

مسائل و معاملات:

- شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام ہے۔
- مردار کی چربی کا استعمال اور بیع حرام ہے۔

آیا مردار کا صرف گوشت حرام ہے یا اس کے تمام اجزاء:

- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھے ہیں:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ کا نظریہ ہے کہ مردار کا گوشت، اس کے بال، ناخن اور ہڈی تمام اجزاء نجس ہیں۔اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا نظریہ یہ ہے کہ جن اجزاء میں حیات نہیں ہوتی وہ موت سے نجس نہیں ہوتے۔مثلاً بال، ناخن، سینگ، کُھر وغیرہ۔(3)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: فقہاء کا اجماع ہے کہ مردار کی بیع حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام فرمادیا ہے۔

امام طبری نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مردار حرام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قیمت بھی حرام فرمادی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے، ان پر چربی حرام کی گئی تھی، اُنہوں نے اس کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھالیا۔حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ بہت سی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور ان کی قیمت کو حرام نہیں کیا۔ جیسے پالتو گدھوں کا

---

[1]۔ تخریج: خ/البیوع 112(2236)،والمغازی 51 (4296) و،و تفسیر سورۃ الانعام 6 (4673) ،م/ المساقاۃ 13 (1581) ،د/البیوع 66 (2486) ،ن/الفرع والعتیرۃ 8(4267)،والبیوع 93 (4673)،ق/ التجارات 11 (2168)،(تحفۃ الاشراف: 2494) ،حم (3/324)،326،370 صحیح

[2] – سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 93 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 15

[3]- عمدۃ القاری: 56/12

کھانا حرام ہے لیکن ان کی بیع حرام نہیں اسی طرح پھاڑنے والے پرندے جیسے عقاب اور باز وغیرہ ان کا کھانا حرام ہے۔ لیکن بیع حرام نہیں۔ (1)

- مردار کی چربی کی خرید وفروخت یا استعمال اُمت مسلمہ کے لیے بھی یہود کی طرح ممنوع ہے۔ اس پر اجماع ہے۔

شریعت میں مردار، مورتی، خنزیر اور شراب قطعا حرام ہیں ان سے کسی بھی طرح انتفاع جائز نہیں شراب اور خنزیر تو نجس العین ہیں اور مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں۔ بتوں کی بیع میں دو حیثیتیں ہیں صنم کی بیع صنم ہونے کی حیثیت سے تاکہ گھر میں رکھ دی جائے صبح و شام سلام کریں گے تو بالاجماع لا یجوز اور اگر مادۃ من المواد ہونے کی حیثیت سے ہو کہ اس کو توڑ کر زیورات بنائیں گے تو بالاجماع جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شکل وصورت بدل دی جائے۔

اور مراد ناپاک ہے البتہ اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء:

(1) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردار کی کھال کی بیع مطلقاً جائز ہے۔

(2) باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔ اور احادیث نہی کا محمل بھی یہی ہے جلود میتۃ کی بیع کہ قبل از دباغۃ ہو گی اگر قبل از دباغۃ ہو تو لا یجوز اور اگر بعد از دباغۃ ہو تو پھر یجوز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

یہ حدیث ہے نبی ﷺ ایک مردہ بکری پر سے گزرے آپ ﷺ نے اس کے مالکون سے کہا:

ھلا استمتعتم باھابھا؟ آپ لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟

تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کھانا ہی تو حرام ہے (بخاری حدیث 2221) اھاب کچی کھال کو کہتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نبی ﷺ نے اجازت دی ہے اور انتفاع کی دو ہی صورتیں ہیں رنگ کر یا رنگوا کر استعمال کی جائے یا فروخت کر دی جائے کیونکہ بیچ کر ثمن حاصل کرنا بھی اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

مردار کی چربی کا حکم:

کسی نے سوال کیا یارسول اللہ ہمیں بتایئے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس کی چربی سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور وہ چمڑے پر ملا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ لوگ (چراغ جلا کر) روشنی حاصل کرتے ہیں۔

استصباح کے معنی ہیں روشنی حاصل کرنا۔

جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ مردار کی چربی حرام ہی ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کو مار ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی

1- نعمۃ الباری شرح بخاری: 793/4

قیمت کھالی یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر شحم چربی حرام کی گئی ہے اور لفظ شحم کا اطلاق چربی پر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو پگھلایا نہ ہو گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو شحم نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ودک کہتے ہیں جب ہم نے اس کو پگھلا لیا تو اب یہ شحم نہیں رہی بلکہ ودک ہو گئی اور یہ ہمارے لیے حرام نہیں حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی:

- اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور حلت و حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے مثلاً خمر کی ماہیت بدل کر خل بن گیا تو اس صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شئی طاہر اور حلال ہو جاتی ہے۔

ممانعت کی نص ہو تو بیع جائز نہیں:

- یہ جو اوپر عرض کیا کہ جس چیز کا جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے خلاف کوئی نص موجود نہ ہو لیکن اگر ممانعت کی نص موجود ہو تو اس صورت میں چاہے اس کے استعمال کی جائز صورت ممکن ہو تب بھی اس کی بیع جائز نہیں ہو گی۔

-خرید وفروخت کا بیان

جو باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے کا مال کھائے اس کا بیان

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إن لي مالا وولدا وإن والدي يحتاج مالي قال أنت ومالك لوالدك إن أولادكم من أطيب كسبكم فكلوا من كسب أولادكم (1)

محمد بن منہال، یزید بن زریع، حبیب، عمر بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ عمرو کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس مال و دولت بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے بیشک میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے، تمہاری اولادیں تمہاری پاکیزہ ترین کمائی ہیں اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔ (2)

- تجارت و معاملات کا بیان

مرد اپنی اولاد کا مال کس حد تک استعمال کر سکتا ہے۔

عن جابر بن عبد الله أن رجلا قال يا رسول الله إن لي مالا وولدا وإن أبي يريد أن يجتاح مالي فقال أنت ومالك لأبيك

---

[1] - تفرد بہ ابو داود

[2] - تفرد

ہشام بن عمار، عیسیٰ بن یونس، یوسف بن اسحاق، محمد بن منکدر، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرا تمام مال ہڑپ کر جائے۔ آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ہیں۔([1])

مسائل و معاملات:

- تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے باپ کے لئے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پر اپنے باپ کی خدمت و اطاعت واجب ہے اسی طرح تم پر بھی واجب ہے کہ اپنا مال اپنے باپ پر خرچ کرو اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرو نیز تمہارے باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ تمہارے مال میں تصرف کرے۔ گویا اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوتا ہے اس حدیث میں ضمن میں یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ چرا لے یا اس کی لونڈی سے جماع کر لے تو بسبب شبہ ملکیت اس پر حد شرعی سزا جاری نہیں ہوتی۔ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے کا مطلب یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے اس میں سب سے حلال اور افضل کمائی اس کی اولاد ہوتی ہے لہٰذا اولاد جو کچھ کمائے وہ باپ کے لئے حلال ہے اور وہ باپ کے حق میں اپنی کمائی کے مثل ہے اولاد کو باپ کی کمائی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دراصل اولاد باپ کے ذریعہ اور اس کی سعی و فعل کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔
- اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَاِنَّ اَوْ لَا دَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ۔
- ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پاکیزہ چیز جو تم کھاتے ہو وہ تمہاری اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔
- مذاہب فقہاء
- احناف یہ کہتے ہیں کہ والد کو اپنی اولاد کے مال میں تصرف کی اجازت ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت بشرطیکہ منقولات میں تصرف ہو غیر منقولات میں نہ ہو۔ حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں تصرف کر سکتا ہے۔
- احناف کی دلیل
- باپ اور بیٹے کی ملک میں تباین ہے باپ کی ملک علیحدہ ہے اور بیٹے کی ملک الگ ہے اور لایحل مال امر مسلم۔۔۔ الخ باقی تباین کی دلیل وراثت کا جاری ہونا ہے۔ نیز فقہائ یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ اگر والد فقیر ہو تو اس کا خرچہ بیٹے کے ذمے ہے اگر بیٹے کا مال الگ نہیں بلکہ باپ ہی کا ہے تو وہ فقیر کہاں سے بن گیا۔
- باقی ائمہ کی دلیل

---

[1] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 449 حدیث مرفوع مکررات 1

- ان اولاد کم من کسبکم۔
- جواب: حدیث کا مدلول یہی ہے کہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت تصرف کر سکتا ہے من کسبکم تمہارے لئے اطیب ہے اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید اولاد کا کمایا ہوا مال اطیب ہے یا نہیں تو حدیث میں بتلادیا کہ وہ بھی اطیب ہے باقی اطیب ہوگا؟ اس کا اس حدیث میں بیان نہیں ہے اس کے لئے فیصلہ دوسرے دلائل سے کیا جائے گا وہ ہے لایحل مال امر مسلم۔۔۔۔الخ۔
- اس اختلاف کا دارومدار اس پر ہے کہ انت ومالک لابیک الحدیث میں اضافت کونسی ہے تو قول اول کے مطابق تملیک کے لئے ہے جبکہ قول ثانی کی مطابق اباحت کے لئے ہے یعنی عندالحاجۃ۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے قال ابن ارسلان الکلام للا باحۃ لا للتملیک کیونکہ بیٹے کا مال تو اسی کی ملک ہوتا ہے اسی پر زکوۃ آتی ہے اور اسی کی میراث ہوتی ہے۔

خرید وفروخت کا بیان

کوئی آدمی اپنا مال بعینیہ کسی کے پاس پائے

عن عائشة أن هندا أم معاوية جاءت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت إن أبا سفيان رجل شحيح وإنه لا يعطيني ما يكفيني وبني فهل علي جناح أن آخذ من ماله شيئا قال خذي ما يكفيك وبنيك بالمعروف

احمد بن یونس، زہیر، ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہندہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہیں اور وہ مجھے ضرورت کے بقدر کفایت مال نہیں دیتے اور میرے بیٹے بھی ہیں پس اگر میں اس کے مال میں سے کچھ چوری لے لیا کروں تو میرے اوپر کوئی گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ جتنی تمہاری اور تمہارے بیٹوں کی ضرورت کو کافی ہو اتنا لے لیا کرو۔ رواج ودستور کے مطابق۔ ([1])

مسائل ومعاملات:

- بیوی اور بچوں کا خرچ شوہر کے ذمے ہے۔ اگر آدمی بخیل اور کنجوس ہو تو اس کی بیوی کا دستور کے مطابق چپکے سے تھوڑا بہت شوہر کے مال سے لے لینا جائز ہے۔
- علامہ کرمانی نے کہا کہ بیوی کا اور چھوٹے بچوں کا خرچ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے اور اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اگر کسی شخص کا کسی دوسرے آدمی پر حق نکلتا ہے اور وہ اس شخص کو اس کا حق نہ دیتا ہو تو وہ شخص اس آدمی کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر اپنے حق کے مطابق لے سکتا ہے۔ علامہ عینیؒ نے کہا کہ یہ قاعدہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں ہے جب اس کو اپنے حق کی جنس سے چیز مل جائے اور اگر وہ چیز اسکے حق کی جنس سے نہ ہو تو پھر اس کو لینے کے لیے اس آدمی کی یا حاکم کی اجازت لینی ضروری ہے۔

---

[1] ۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 139 حدیث مرفوع مکررات 18

- اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیوی اپنی ضرورت کے کام سے گھر کے باہر جا سکتی ہے جب اس کو معلوم ہو کہ اس کا شوہر اس پر راضی ہے۔ (1)

شادی شدہ سمجھ دار عورتوں کے اپنے اموال سے اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے کے بارے آئمہ فقہاء کی آراء:

- علامہ ابن بطال مالکی قرطبیؒ متوفی 449ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو شادی شدہ عورت خود اپنے مال کی مالک ہو اور عقل مند ہو، آیا وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے یا نہیں؟ ایک جماعت نے کہا کہ اس عورت کے درمیان اور عقل مند بالغ مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور جس طرح عقل مند بالغ مرد اپنے مال میں از خود تصرف کر سکتا ہے یہ عورت بھی تصرف کر سکتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ اور ابو ثورؒ کا مذہب ہے۔ دلیل قرآن کی آیت [النساء: 6] ہے۔

- جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے صدقہ نہیں دے سکتی، ہاں تہائی مال سے وہ صدقہ کر سکتی ہے جیسا کہ تہائی مال میں وہ از خود وصیت کر سکتی ہے۔
- جن احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے ان کی امام مالکؒ نے یہ تاویل کی ہے کہ ان سے مراد تھوڑے مال کا صدقہ کرنا ہے نہ کہ زیادہ مال کا۔ (2)

- خرید وفروخت کا بیان

ان جانوروں کا بیان جو کسی قوم کی کھیتی برباد کر دیں

عن البرا بن عازب قال کانت لہ ناقة ضاریة .... ماشیتھم باللیل (3)

محمود بن خالد، حرام بن محیصہ، براء بن عازب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک نقصان پہچانے والے اونٹنی تھی ایک مرتبہ وہ ایک باغ میں داخل ہو گئی اور اسے نقصان پہنچایا اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو ہوئی آپ نے فرمایا کہ باغوں کی دن میں حفاظت کرنا ان کے مالکان کے ذمہ ہیں جبکہ جانوروں کی رات کے وقت حفاظت کرنا ان کے مالکان پر ہے، اور اگر رات کے وقت اگر جانوروں سے کسی کھیت کو نقصان وغیرہ پہنچا تو ان کے مالکان سے لیا جائے گا۔ (4)

مسائل و معاملات:

- اگر اونٹنی نے رات کو نقصان پہنچایا ہے ہے تو اس کا مالک اس کا نقصان پورا کرے گا، اور اگر دن میں نقصان پہنچایا گیا تو باغ کا مالک اس کا نقصان برداشت کرے کیونکہ باغ کی حفاظت خود اسی کی ذمہ داری تھی۔

---

1. عمدۃ القاری: 26/12۔
2. شرح ابن بطال: 13/89-88
3. -تخریج: د/الاجارۃ (3569)، (3570)، ق/الاقضیہ جلد دوم رقم الحدیث 490
4. - سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 177 حدیث مرفوع مکررات 3

- : ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی جانور دن میں کسی کے باغ کو خراب کر دے تو اس کا تاوان جانور کے مالک پر نہیں آتا کیونکہ دن میں باغ کی حفاظت کرنا باغ والے کی ذمہ داری ہے لہٰذا یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے کہ اس نے اپنے باغ کی نگہبانی کیوں نہیں کی اور کسی جانور کو باغ میں کیوں گھسنے دیا۔
- اور اگر کوئی جانور رات کو کسی باغ کو نقصان پہنچائے تو اس کا تاوان اس جانور کے مالک پر واجب ہو گا کیونکہ یہ جانور کے مالک کا قصور ہے کہ جب رات میں اپنے جانوروں کی نگہبانی اس کے ذمہ ہے تو اس نے اپنے جانور کو آزاد چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے نقصان کا باعث کیوں بنا؟ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہوا اگر مالک جانور کے ساتھ ہو گا خواہ وہ جانور پر سوار ہو یا سے کھینچ کے لائے جا رہا ہو تو پھر دن میں بھی جانور کے پہنچائے ہوئے نقصان کا تاوان جانور کے مالک پر ہو گا چاہے وہ جانور اپنے ہاتھ پاؤں سے نقصان پہنچائے چاہے منہ سے۔
- یہ تو حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کا مسلک ہے اس بارے میں حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر جانور کے ساتھ نہ ہو تو پھر اس پر نقصان کا تاوان واجب نہیں ہوتا خواہ جانور دن میں نقصان پہنچائے خواہ رات میں۔ اور حضرت ابوہریرہ نبی اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا پاؤں کا روندا ہوا معاف ہے۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ آگ کا جلایا ہوا معاف ہے۔
- یعنی اگر کوئی جانور کسی کی چیز کو پاؤں سے روند کر تلف و ضائع کر دے تو اس کی وجہ سے اس جانور کے مالک پر تاوان واجب نہیں ہو گا بشرطیکہ وہ مالک جانور کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی برے مقصد مثلاً ایذاء رسانی وغیرہ کے بغیر محض اپنی ضرورت یا کسی اور وجہ سے آگ جلائی اور اس کی کوئی چنگاری ہوا میں اڑ کر کسی دوسرے کے سامان پر جا پڑی جس سے وہ سامان جل گیا تو اس صورت میں آگ جلانے والے پر نقصان کا تاوان واجب نہیں ہو گا بشرطیکہ اس نے جس وقت آگ جلائی ہو اس وقت ہوا ٹھہری ہوئی ہو اور آگ جلنے کے بعد چلی ہو اور اگر اس نے ایسے وقت آگ جلائی جب کہ ہوا چل رہی تھی اور اس کی وجہ سے آگ سے نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا تو پھر اس پر تاوان واجب ہو گا۔

فصل اجاڑنے والی بکریوں کا بیان

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا۔ کھیت کے مالک نے کہا: اس آدمی نے اپنی ساری بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تیری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا۔ پھر بکریوں والا حضرت سلمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا: اے اللہ کے نبی؛ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا؟ حضرت

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو تو معلوم ہے کہ ہر سال اس کی کتنی فصل ہوتی ہے۔ وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے وصول کرے اور بکریوں والا بکریوں کے بال، اون اور ان کے بچوں کو بیچ کردہ قیمت ادا کرے۔ جبکہ بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ یہی ہے۔(1)

- **خراب کردہ فصل کی مثل لازم ہونے کا بیان**

- 2332م- حدثنا الحسن بن علی ابن عفان حدثنا معاویہ بن ہشام عن سفیان عن عبداللہ بن عیسیٰ عن الزہری عن حرام بن محیصۃ عن البرآء بن عازب ان ناقۃ لآل البرآء افسدت شیئاً فقضیٰ رسول اللہ ﷺ بمثلہ
- حرام بن محیصہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کی ایک اونٹنی نے کوئی چیز خراب کر دی تو نبی اکرمؐ نے (اس خراب شدہ چیز) کی مثل کی ادائیگی لازم ہونے کا فیصلہ کیا۔

- **منفعت حقیقی و حکمی کے سبب ضمان ہونے کا بیان**

- حضرت مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا جس کی کمائی میں وصول کرتا رہا۔ پھر مجھے اس کے ایک ایسے عیب کا علم ہوا جو اس میں خریداری سے پہلے کا تھا اور بیچنے والے نے مجھے اس سے مطلع نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ وقت) کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کر دی جائے۔ پھر میں حضرت عروہ بن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا جو ایک جلیل القدر تابعی اور فقہاء میں سے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فیصلے سے انہیں آگاہ کیا۔ حضرت عروہ نے فرمایا کہ شام کے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے اسی قسم کے ایک معاملہ میں یہ فصلہ دیا تھا کہ منفعت ضمان یعنی تاوان کے ساتھ ہے۔
- چنانچہ حضرت عروہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے مطلع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لے لوں جسے دینے کے لیے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا۔(2)

---

[1]- جامع البیان، رقم الحدیث 18656

[2]- شرح السنۃ، مشکوۃ المصابیح، جلد سوم، رقم الحدیث، 104

- منفعت ضمان یعنی تاوان کے ساتھ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگر وہ غلام خریدنے والے کے پاس مر جاتا یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ اس خریدار کا نقصان ہوتا بیچنے والے کا کچھ نہ جاتا۔ اسی طرح غلام سے کوئی منفعت حاصل ہو گی تو اس کا حقدار خریدار ہی ہو گا بیچنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہو گا۔

-خرید وفروخت کے مسائل واحکام

أخبرني عمرو بن دينار وعامر بن مصعب أنهما سمعا أبا المنهال يقول .....فلا يصلح (1)

ابراہیم بن حسن، حجاج، ابن جریج، عمرو بن دینار و عامر بن مصعب، ابو منہال، براء بن عازب و زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ہم دونوں دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجارت کیا کرتے تھے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (بیع) صرف کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر بالکل نقد معاملہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگرچہ یہ معاملہ ادھار کا ہو تو جائز نہیں ہے۔(2)

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجارت کرنا جائز ہے۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تجارت کرتے تھے۔
- بیع صرف (سونے چاندی کی خرید وفروخت) اُدھار جائز نہیں البتہ نقد یعنی ہاتھوں ہاتھ جائز ہے۔
- بیع صرف سے کیا مراد ہے؟ سونے اور چاندی کی خرید وفروخت، بیع صرف بیع کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور یہ ثمن کی بیع ثمن کے عوض ہے۔ یعنی سونے اور چاندی اور کرنسی کی آپس میں خرید وفروخت اس حدیث میں دست بہ دست کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ بیع کی مجلس میں ان پر قبضہ کر لیا جائے۔اس میں "نساء" کا ذکر ہے، اس سے اُدھار بیع مراد ہے، یعنی کسی ایک بدل کو تاخیر سے دیا جائے تو پھر یہ بیع جائز نہیں ہے۔(3)
- سونے اور چاندی کی مصنوعات کی بیع میں اُدھار کا حکم:
- سونے اور چاندی کے زیورات اور دیگر مصنوعات کی بیع دینار اور درہم کے عوض اُدھار صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور نوٹ چونکہ بحثیت ثمن سونے کے حکم میں ہیں اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی نوٹوں کے عوض بیع، بیع صرف ہے نیز بہار شریعت کے حوالے سے ہے کہ نوٹ صرف میں داخل ہیں۔اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات اور

---

[1]- تخریج: خ/البیوع 8 (2060، 2061)، (2180،2181)، الشرکۃ 10 (2497، 2498)، مناقب الانصار 51 (3939، 3940)، م/المساقاۃ16 (البیوع 37)، (تحفۃالاشراف: 1788)، حم4/289،368،371،372،274) (صحیح)

[2] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 880 حدیث مرفوع مکررات 9

[3]- عمدۃالقاری: 250/11

دیگر مصنوعات کی نوٹوں کے عوض بیع میں یہ ضروری ہے کہ جس مجلس میں یہ بیع ہو اسی مجلس میں خریدار زیورات پر اور بائع نوٹوں پر قبضہ کر لے۔ اس لیے کہ اس بیع میں اُدھار جائز نہیں ہے۔ (1)

- فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔
- بیع صرف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مجلس چھوڑنے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کر لیا جائے عام ازیں کہ دونوں عوض متعین ہوں جیسے (سونے اور چاندی کی) مصنوعات یا غیر متعین ہوں جیسے (سونے اور چاندی کے) سکے درہم اور دینار اور نوٹ بھی انہی کے حکم میں ہیں یا ان میں سے ایک متعین ہو اور دوسرا غیر متعین۔ (2)

سونے اور چاندی کی بیع میں مجلس کے اندر قبضہ کی شرط کیوں ہے؟

- فقہاء احناف کے نزدیک بیع صرف کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ بائع ثمن پر اور خریدار قبیع پر مجلس میں قبضہ کر لیں۔ جبکہ دوسری بیوع میں مبیع اور ثمن کی صرف تعین کافی ہوتی ہے۔ اور مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔
- علامہ ابوالحسن مرغینانیؒ لکھتے ہیں: (بیع صرف میں) مجلس چھوڑنے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الذھب بانورق ربیً الاھاء وھاء الحدیث سونے کے بدلے میں چاندی کی بیع سود ہے مگر جو دست بہ دست ہو۔ (3)

سونے اور چاندی کی بیع میں عقد کے وقت قبضہ کرنے میں مذاہب:

- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں فقہاء نے کہا کہ جب ربوی (جس چیز میں سود ہو) کی ربوی سے بیع منع کی جائے تو اس میں دونوں کی طرف سے قبضہ کرنا ضروری ہے۔ بشرطیکہ دونوں بدل علت ربا میں متفق ہوں خواہ ان کی جنس متفق ہو یا نہ ہو، مثلاً سونے کی سونے کے ساتھ بیع یا سونے کی چاندی کے ساتھ بیع ہو، فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قبضہ کر لیا ہو تو ان کے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں ہے اور امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ جب مجلس میں قبضہ ہو جائے تو بیع صحیح ہے خواہ عقد سے موخر ہو اور اس حدیث سے فقہاء مالکیہ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ (4)
- شمش الائمہ السرخی بیع صرف کی تعریف میں لکھتے ہیں:
- ''ھو مبادلۃ الاثمان بعضھا ببعض'' بعض ثمن کی بعض دوسری ثمن کے ساتھ بیع کو بیع صرف کہتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ مال کی ایک قسم وہ ہے جو ہر حال میں ثمن ہے وہ درہم اور دینار ہیں، دوسری قسم وہ ہے جو ہر حال میں مبیع

---

[1] - احمد علی، مولانا، بہار شریعت، لاہور، غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص: 189/11

[2] - ملا نظام الدین، فتاویٰ عالمگیری، مصر، مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق، 1310ھ، ص: 217/3

[3] - بخاری: 290/1 مزید تفصیل دیکھیے: مرغینانی، ہدایہ اخیرین، ص: 105-104

[4] - شرح مسلم للنووی: 24/2، المبسوط: 2/14

ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ذوات الامثال نہ ہوں، جیسے مصنوعات اور مویشی وغیرہ، تیسری قسم وہ ہے جو کبھی ثمن اور کبھی مبیع ہوتی ہے۔(1)

کرنسی نوٹوں کی نوٹوں سے بیع میں اُدھار کا حکم:

- کرنسی نوٹ چونکہ فی نفسہ غیر متعین ہوتے ہیں اس لیے جب کرنسی نوٹوں کی کرنسی نوٹوں سے بیع کی جائے تو اس میں اُدھار جائز نہیں ہے خواہ ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کی اسی ملک کی کرنسی سے بیع ہو یا دوسرے ملک کی کرنسی نوٹوں سے بیع ہو کیونکہ جس طرح دینار اور درہم غیر متعین ہوتے ہیں اسی طرح کرنسی نوٹ بھی غیر متعین ہیں۔
- نوٹ کی نوٹ کے عوض بیع صرف اُسی وقت صحیح ہے جب مجلس عقد میں دونوں عوض موجود ہوں۔ مساوی ہوں اور ان کو تعین سے متعین کر لیا جائے۔

-خرید و فروخت کے مسائل واحکام

بیع میں اگر شرط خلاف ہو تو بیع صحیح ہو جائے اور شرط باطل ہو گی

أخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا محمد قال حدثنا شعبة قال سمعت عبد الرحمن بن القاسم قال سمعت القاسم يحدث عن عائشة أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق وأنهم اشترطوا ولاها فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اشتريها فأعتقيها فإن الولا لمن أعتق وأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بلحم فقيل هذا تصدق به على بريرة فقال هو لها صدقة ولنا هدية وخيرت (2)

محمد بن بشار، محمد، شعبہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، قاسم، عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ کے خریدنے کا ارادہ فرمایا آزاد کرنے کے واسطے لیکن ان کے مالک نے شرط مقرر کر دی ولاء کی (یعنی اس کا ترکہ ہم لوگ وصول کریں گے) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم خرید لو اور اس کو آزاد کر دو کیونکہ ولاء اس کو ملے گی جو آزاد کرے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گوشت حاضر کیا گیا لوگوں نے عرض کیا یہ گوشت صدقہ کا ہے جو کہ حضرت بریرہ کو ملا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے واسطے وہ صدقہ کا ہے اور ہمارے واسطے وہ تحفہ اور ہدیہ ہے (حضرت بریرہ کی جانب سے اور اختیار حاصل ہوا ان کو جس وقت وہ آزاد ہوئیں اپنے شوہر کے پاس رہنے سے)([3])

مسائل و معاملات:

---

[1]- المبسوط: 2/14

[2]- تخریج: خ/الھبۃ 13(2587)،م/الزکاۃ52 (1075)،العتق2 (1504)، تحفتہالاشراف:17391)، حم(6/ 172)و یاتی عندالموءلف برقم:4647)(صحیح)

[3] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 947 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 22

- کسی کو اگر کوئی چیز صدقہ کی ملے اور وہ آگے ہدیہ کر دے تو وہ کھانا سادات کے لیے جائز ہے کیونکہ اب وہ صدقہ نہیں رہی۔ کیونکہ کسی چیز کی ملکیت بدلنے سے اُس کے احکا بدل جاتے ہیں۔

-خرید و فروخت کے مسائل و احکام:

خنزیر کا فروخت کرنا

عن جابر بن عبد الله أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عام الفتح ....باعوه فأكلوا ثمنه (1)

قتیبہ، لیث، یزید بن ابی حبیب، عطاء بن ابی رباح، جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جس سال مکہ مکرمہ فتح ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں بلاشبہ خدا کے رسول نے حرام قرار دیا ہے شراب اور مردار اور خنزیر کو اور بتوں کے فروخت کرنے کو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مردہ کی چربی سے تو کشتیاں چکنی کی جاتی ہیں کھالیں چکنی کی جاتی ہیں اور لوگ اس کو جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں وہ حرام ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خداوند قدوس یہود کو تباہ اور برباد کرے جس وقت خداوند قدوس نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا تو ان لوگوں نے اس کو پگھلایا پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی۔

مسائل و معاملات:

- شریعت میں مردار، مورتی، خنزیر اور شراب قطعاً حرام ہیں ان سے کسی بھی طرح انتفاع جائز نہیں شراب اور خنزیر تو نجس العین ہیں اور مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں۔ بتوں کی بیع میں دو حیثیتیں ہیں صنم کی بیع صنم ہونے کی حیثیت سے تاکہ گھر میں رکھ دی جائے صبح و شام سلام کریں گے تو بالاجماع لا یجوز اور اگر مادۃ من المواد ہونے کی حیثیت سے ہو کہ اس کو توڑ کر زیورات بنائیں گے تو بالاجماع جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شکل و صورت بدل دی جائے۔

اور مراد ناپاک ہے البتہ اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء:

(3) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردار کی کھال کی بیع مطلقاً جائز ہے۔

(4) باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔ اور احادیث نہی کا محمل بھی یہی ہے جلودیۃ کی بیع کہ قبل از دباغۃ ہو گی اگر قبل از دباغۃ ہو تو لا یجوز اور اگر بعد از دباغۃ ہو تو پھر یجوز ہے۔

---

[1]- تخریج: خ/البیوع 112(2236)،والمغازی 51 (4296) و،و تفسیر سورۃ الانعام 6 (4673)،م/المساقاۃ 13 (1581)،د/البیوع 66 (2486) ،ن/الفرع والعتیرۃ 8(4267)،والبیوع 93 (4673)،ق/ التجارات 11 (2168)،(تحفۃ الاشراف: 2494) ،حم (3/324)،326،370) صحیح

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

یہ حدیث ہے نبی ﷺ ایک مردہ بکری پر سے گزرے آپ ﷺ نے اس کے مالکون سے کہا:
ھلاا ستمتعتم باھابھا؟آپ لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ؟

تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کھانا ہی تو حرام ہے (بخاری حدیث 2221)اھاب کچی کھال کو کہتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نبی ﷺ نے اجازت دی ہے اور انتفاع کی دو ہی صورتیں ہیں رنگ کر یا رنگوا کر استعمال کی جائے یا فروخت کر دی جائے کیونکہ بیچ کر ثمن حاصل کرنا بھی اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

مردار کی چربی کا حکم:

کسی نے سوال کیا یارسول اللہ ہمیں بتایئے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس کی چربی سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور وہ چمڑے پر ملا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ لوگ (چراغ جلا کر) روشنی حاصل کرتے ہیں۔

استصباح کے معنی ہیں روشنی حاصل کرنا۔

جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ مردار کی چربی حرام ہی ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کو مار ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر شحم چربی حرام کی گئی ہے اور لفظ شحم کا اطلاق چربی پر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو پگھلایا نہ ہو گیا ہو اور پگھلانے کے بعد س کو شحم نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ودک کہتے ہیں جب ہم نے اس کو پگھلا لیا تو اب یہ شحم نہیں رہی بلکہ ودک ہو گئی اور یہ ہمارے لیے حرام نہیں حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی:

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور حلت و حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے مثلاً خمر کی ماہیت بدل کر خل بن گیا تو اس صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شیئ طاہر اور حلال ہو جاتی ہے۔

ممانعت کی نص ہو تو بیع جائز نہیں:

یہ جو اوپر عرض کیا کہ جس چیز کا جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے خلاف کوئی نص موجود نہ ہو لیکن اگر ممانعت کی نص موجود ہو تو اس صورت میں چاہے اس کے استعمال کی جائز صورت ممکن ہو تب بھی اس کی بیع جائز نہیں ہو گی۔

-خرید و فروخت کے مسائل و احکام

قرض داری کی مذمت

عن محمد بن جحش قال كنا جلوسا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفع رأسه ....يقضى عنه دينه (1)

علی بن حجر، اسماعیل، العلاء، ابوکثیر، محمد بن جحش، محمد بن جحش سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھایا پھر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور فرمایا ! کس قدر شدت نازل ہوئی ہے چنانچہ ہم لوگ خاموش رہے اور گھبرا گئے جس وقت دوسرا روز ہوا تو میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! یہ سختی کیسی ہے ؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایک آدمی راہ خدا میں قتل کر دیا جائے پھر وہ جلایا جائے پھر قتل کر دیا جائے پھر جلایا جائے پھر قتل کر دیا جائے اور اس شخص کے ذمہ قرض ہو تو وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس وقت تک کہ وہ شخص اپنے قرض کو ادا نہ کرے۔[2]

مسائل و معاملات:

- اس حدیث مبارکہ میں قرض لینے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ مقروض شخص جنت میں نہیں داخل ہو گا۔ جس وقت تک کہ وہ شخص اپنے قرض کو ادا نہ کرے۔
- آپ ﷺ مقروض آدمی کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ اس میت کی طرف سے اس کے لواحقین اس کی ذمہ داری نہیں لیتے تھے۔

- تجارت و معاملات کا بیان

تجارت مختلف پیشے۔

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بعث الله نبيا .... كل شاة بقيراط (3)

سوید بن سعید، عمرو بن یحییٰ بن سعید، سعید بن ابی احصہ، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جسے بھی نبی بنا کر بھیجا اس نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے بھی؟ فرمایا اور میں بھی اہل مکہ کی بکریاں قیراطوں کے بدلے چرایا کرتا تھا۔ امام ابن ماجہ کے استاذ سوید کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ایک بکری کی اجرت ایک قیراط تھی۔ ([4])

مسائل و معاملات:

---

[1] - تخریج: تفرد بہ النسائی (تحفۃ الاشراف: 11226)، حم (5/289، 290) (حسن)

[2] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 988 حدیث مرفوع مکررات 1

[3] ۔ تخریج: اخرجہٗ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2262۔

[4] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 307 حدیث مرفوع مکررات 2

- اُجرت پر بکریاں چرانا درست اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
- تمام انبیاء کرام نے بکریاں چرائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بکریاں چرانے کی حکمت اور مصلحت:

- علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی عمر میں بکریاں چرائی تھیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن اسحاق اور علامہ واقدی کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر شریف بیس سال تھی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس کی حکمت کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بکریوں کی حفاظت اور نگہبانی کرا کر اُمت کی حفاظت اور نگہبانی کی تربیت دینا اور نبوت کی تمہید مقصود تھی۔ اور بکریوں کی تخصیص اس لیے تھی کہ وہ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت زیادہ اطاعت شعار ہوتی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بکریاں چرانے کا ذکر فرمایا، اس کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب کے سامنے تواضع کا اظہار کرنا مقصود تھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے نزدیک مخلوق سے زیادہ مکرم تھے اور اپنی امت کو اس پر متنبہ کرنا تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے رب کے سامنے تواضع کریں اور تکبر سے اجتناب کریں خواہ ان کا دنیا کا سب سے بڑا مرتبہ حاصل ہو۔ اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرا کر انبیاء سابقین کی سنت کی پیروی کی۔ (1)

امام ابن حزم بیان کرتے ہیں کہ اونٹ والوں اور بکریوں والوں نے ایک دوسرے کے سامنے اظہار فخر کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰؑ کو مبعوث کیا گیا اور وہ بکریاں چرانے والے تھے اور حضرت داوٗد علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور وہ بکریاں چرانے والے تھے اور مجھے مبعوث کیا گیا اور میں اپنے گھر والوں کے لیے اجیاد میں بکریاں چراتا تھا۔ (2)

ذاتی مشاہدہ:

- اس میں میرا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ بکری سب سے زیادہ کھپا دینے والا جانور ہے۔ آپ اس کو ادھر سے موڑیں اُدھر بھاگ جائے گی۔ ادھر سے ہٹائیں تو ادھر بھاگ کھڑی ہو گی۔ غالباً انبیاء کرام میں صبر و استقامت زیادہ بڑھانے کے لیے ایسا کیا گیا۔ کیونکہ جو بندہ بکریوں کے ریوڑ کو قابو کر لے وہ بڑی ہمت والا ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام سابقہ انبیاء کو بھی شاید اسی غرض سے یہ ذمہ داری سونپی جاتی تھی۔ (واللہ اعلم)

- تجارت و معاملات کا بیان

مقررہ ناپ تول میں مقررہ مدت تک سلف کرنا۔

یوسف بن عبد الله بن سلام عن أبيه عن جده عبد الله بن سلام قال جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ....من حاط بني فلان (3)

---

[1] - عمدۃ القاری: 114/12

[2] - السنن الکبریٰ للنسائی: 172/10، رقم الحدیث: 11262، امام بخاری: الادب المفرد، ص: 577

[3] - تفرد بہ ابن ماجہ

یعقوب بن حمید بن کاسب، ولید بن مسلم، محمد بن حمزہ حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں یہودی قوم مسلمان ہو گئی ہے اور وہ بھوک میں مبتلا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں (العیاذ باللہ) مرتد نہ ہو جائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس کچھ مال ہو وہ مجھ سے سلم کر لے تو ایک یہودی مرد نے کہا میرے پاس اتنا اتنا ہے مال کی مقدار بتائی میرا گمان ہے کہ تین سو دینار کہے اس نرخ پر غلہ لوں گا فلاں قبیلہ کے باغ یا کھیت سے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غلہ اس نرخ پر اتنی مدت کے بعد ملے گا اور اس قبیلہ کے کھیت کا ہونا ضروری نہیں ([1])۔

مسائل و معاملات:

- شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ناپ میں پیمانہ یا گز اور تول میں سیر وغیرہ باٹ ایسے ہوں جس کی مقدار عام طور پر لوگ جانتے ہوں وہ لوگوں کے ہاتھ سے مفقود نہ ہو سکے تاکہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو سکے اور اگر کوئی برتن گھڑا یا ہانڈی مقرر کر دیا کہ اس سے ناپ کر دیا جائے گا اور معلوم نہیں کہ اس برتن میں کتنا آتا ہے یہ درست نہیں۔ اسی طرح کسی پتھر کو معین کر دیا کہ اس سے تولا جائے گا اور معلوم نہیں کہ پتھر کا وزن کیا ہے یہ بھی ناجائز یا ایک لکڑی معین کر دی کہ اس سے ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہ ہو کہ گز سے کتنی چھوٹی یا بڑی ہے یا کہا فلاں کے ہاتھ سے کپڑا ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کتنی گرہ اور انگل کا ہے یہ سب صورتیں ناجائز ہیں اور بیع میں ان چیزوں سے ناپنا یا وزن کرنا قرار پاتا تو جائز ہوتی کہ بیع میں مبیع کے ناپنے یا تولنے کے لیے کوئی معیاد نہیں ہوتی اُسی وقت ناپ تول سکتے ہیں اور سلم میں ایک کے بعد ناپتے اور تولتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد وہ چیز باقی نہ رہے اور جھگڑا واقع ہو۔([2])

شمار کی گئی اور گز کے ذریعے ناپنے والی اشیاء میں بیع سلم کا بیان

- اور اسی طرح گز کے ذریعے ناپنے والی اشیاء میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ ناپنے کے ذریعے صفت وبناوٹ کو بیان کر کے دینا ممکن ہے۔ اور ان امور کو بیان کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ جہالت دور ہو جائے۔ اور بیع سلم کی درستگی کی شرط ثابت ہو جائے۔ اور اسی طرح شمار کی گئی اشیاء میں بھی بیع سلم جائز ہے۔ کیونکہ ان میں فرق نہیں ہوتا۔ جس طرح اخروٹ اور انڈے ہیں۔ کیونکہ عدد والی اشیاء مقدار معلوم کے قریب، وصف میں مضبوط اور سپرد کرنے کے اہل ہوتی ہیں۔ لہذا ان میں بیع سلم جائز ہے اور عدم تفاوت کے اعتبار سے اور لوگوں کے اتفاق کے سبب ان میں چھوٹا بڑا برابر ہیں بہ خلاف انار وخربوزہ کے کیونکہ

---

[1] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 439 حدیث مرفوع مکررات 1

[2]- فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع، بیروت جلد اول ص58

ان کے افراد میں بڑا فرق ہے جبکہ مالیت میں احاد کی تفریق کے سبب عددی مختلف ہوتی ہیں۔

- حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شتر مرغ کے انڈوں میں بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے افراد کی مالیت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔اسی طرح وہ عددی جن کو شمار کر کے سلم جائز ہے اسی طرح ناپ کر بھی بیع سلم جائز ہے۔
- حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ناپ کر بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عدد والی ہے۔اور ناپنے والی نہیں ہے اور ان سے ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ شمار کردہ میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں فرق ہے۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ عدد کبھی کبھی مقدار کی پہچان کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کیل کے لئے بھی ہوتا ہے اور یہ چیز لوگوں کے اتفاق کے سبب عددی ہوئی ہے پس عاقدین کے اتفاق کے سبب کیلی بھی بن جائے گی۔
- اور اسی طرح عدد کا اعتبار کرتے ہوئے فلوس میں بھی بیع سلم جائز ہے اور ایک قول کے مطابق یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ فلوس ثمن ہیں۔
- شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عقد کرنے والوں کے حق میں فلوس کا ثمن ہونا ان کے اتفاق کے سبب ہے۔پس ان کے اتفاق کے سبب ان کا ثمن ہونا باطل ہو جائے گا۔اور نہ ہی وہ وزنی بن کر لوٹنے والی ہو گی۔(1)
- علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زرعی چیز میں بھی سلم جائز ہے جیسے کپڑا اس کے لئے ضروری ہے کہ طول و عرض معلوم ہو اور یہ کہ وہ سوتی ہے یا ٹسری یا ریشمی یا مرکب اور کیسا بنا ہوا ہو گا مثلاً فلاں شہر کا، فلاں کارخانہ، فلاں شخص کا اس کی بناوٹ کیسی ہو گی باریک ہو گا اس کا وزن کیا ہو گا جب کہ بیع میں وزن کا اعتبار ہوتا ہو یعنی بعض کپڑے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا وزن میں کم ہونا خوبی ہے اور بعض مین وزن کا زیادہ ہونا۔ بچھونے،چٹائیاں، دریاں، ٹاٹ، کمل جب ان کا طول و عرض وصفت سب چیزوں کی وضاحت ہو جائے تو ان میں بھی سلم ہو سکتا ہے۔(2)
- علامہ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ناپ میں پیمانہ یا گز اور تول میں سیر وغیرہ باٹ ایسے ہوں جس کی مقدار عام طور پر لوگ جانتے ہوں وہ لوگوں کے ہاتھ سے مفقود نہ ہو سکے تاکہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو سکے اور اگر کوئی برتن گھڑا یا ہانڈی مقرر کر دیا کہ اس سے ناپ کر دیا جائے گا اور معلوم نہیں کہ اس برتن میں کتنا آتا ہے یہ درست نہیں۔اسی طرح کسی پتھر کو معین کر دیا کہ اس سے تولا جائے گا اور معلوم نہیں کہ پتھر کا وزن کیا ہے یہ بھی ناجائز یا ایک لکڑی معین کر دی کہ اس سے ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہ ہو کہ گز سے کتنی چھوٹی یا بڑی ہے یا کہا فلاں کے ہاتھ سے کپڑا ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کتنی

---

[1]- ہدایہ، کتاب بیوع، لاہور جلد اول ص 67

[2]- درمختار، کتاب بیوع، جلد اول ص 124

گرہ اور انگل کا ہے یہ سب صورتیں ناجائز ہیں اور بیع میں ان چیزوں سے ناپنا یا وزن کرنا قرار پاتا تو جائز ہوتی کہ بیع میں مبیع کے ناپنے یا تولنے کے لیے کوئی معیاد نہیں ہوتی اسی وقت ناپ تول سکتے ہیں اور سلم میں ایک مدت کے بعد ناپتے اور تولتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد وہ چیز باقی نہ رہے اور نزاع واقع ہو۔(1)

ماپ تول کی اشیاء میں بیع سلم

- حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا نافع نے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص ایک مقررہ قیمت کے عوض ادھار خریدے خواہ فروخت کرنے والے کے پاس غلہ موجود نہ ہو۔ بشرطیکہ کھیت میں ایسی صورت نہ ہو کہ ابھی اس کی بہتری کا حال معلوم نہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ سلم یہ ہے کہ آدمی نے ایک معین غلہ مقررہ مدت پر نرخ مقرر کر کے اس کا وصف بھی بیان کر دیا۔ اور جب کسی خاص کھیت یا خاص درخت کا تعین کر دیا تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ اور یہی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(2)

- تجارت و معاملات کا بیان
بیوی کیلئے خاوند کا مال لینے کی کس حد تک گنجائش ہے؟

قال سمعت أبا أمامة الباهلي يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم .....من أفضل أموالنا

ہشام بن عمار، اسماعیل بن عیاش، شرحبیل ابن مسلم، حضرت ابوامامہ باہلی فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا بیوی اپنے گھر سے کوئی چیز بھی خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کھانے کی چیز بھی خرچ نہ کرے۔آپ نے فرمایا یہ تو ہمارے افضل ترین اور قیمتی و مرغوب اموال میں سے ہے۔[3]

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں

---

[1] -فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع، کتاب بیوع

[2] -مؤطا امام محمد، حدیث:697

[3] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 453 حدیث مرفوع مکررات 3

- مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے
- نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے
- فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے
- کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو
- اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے
- بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے
- بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضا مندی کا علم ہو
- قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دیدیا۔

- تجارت و معاملات کا بیان

غلام کیلئے کس حد تک دینے اور صدقہ کرنے کی گنجائش ہے؟

عن عمیر مولی آبی اللحم قال کان مولای یعطینی الشی فأطعم منه .....فقال الأجر بینکما

ابو بکر بن ابی شیبہ، حفص بن غیاث، محمد بن زید، عمیر حضرت ابی اللحم کے غلام عمیر کہتے ہیں کہ میرا آقا مجھے کوئی چیز دیتا تو میں اس میں سے دوسروں کو بھی کھلادیتا۔ اس نے مجھے روکا یا سرزنش کی تو میں نے یا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا میں نے عرض کیا میں اس سے نہیں رک سکتا یا میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا ثواب تم دونوں کو ملے گا۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- حضرت ابو اللحم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے آقا کے حکم کے مطابق گوشت (کو سکھانے کے لئے اس) کے پراچے بنا رہا تھا کہ میرے پاس ایک مسکین و فقیر آیاد میں نے اسے اس میں سے

---

[1] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 455 حدیث مرفوع مکررات 4

کھانے کے لئے دے دیا۔ جب میرے آقا کو اس کا علم ہوا تو اس نے مجھے مارا میں رسول کریم ﷺ میں خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے پورا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے میرے آقا کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرے کھانے میں سے بغیر میری اجازت کے دے دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ (اگر تم صدقہ کرنے کا حکم دے دیتے یا اس کے صدقہ کرنے سے تم راضی وخوش ہوتے تو) تم دونوں ثواب کے حق دار ہوتے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمیر نے کہا کہ میں ایک شخص کا غلام تھا چنانچہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنے مالک کے مال میں کچھ (یعنی قلیل وکمتر درجہ کی چیز جس کے خرچ کرنے کی عام طور پر اجازت ہوتی ہے) بطور صدق خرچ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اور اس کا ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔([1])

- علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عمیر کی شکایت پر ان کے آقا ابو اللحم سے جو کچھ کہا یا عمیر کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مالک کے مال میں غلام و ملازم کو مطلقاً تصرف کا حق حاصل ہے بلکہ آپ ﷺ نے تو صرف اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ غلام و ملازم کو کسی ایسی بات پر مارا جائے جسے مالک تو غلطی یا اپنا نقصان تصور کرتا ہے مگر حقیقت میں وہ مالک کے حق میں غلطی یا نقصان نہیں ہے بلکہ اس کے اس میں بہتری و بھلائی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ابو اللحم رضی اللہ عنہ کو ترغیب دلائی کہ ان کے غلام نے ان کے حق میں چونکہ بہتر اور نیک کام ہی کیا ہے۔ اس لئے اس سے درگزر کریں اور ثواب کو غنیمت جانیں جو ان کا مال خرچ ہونے کی وجہ سے انہیں ملا ہے۔ گویا یہ ابو اللحم کے لئے آپ ﷺ کی رہنمائی اور تعلیم تھی نہ کہ عمیر کے فعل کی تقریر یعنی عمیر کے فعل کو آپ نے جائز قرار نہیں دیا۔
- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو دیانت دار مسلمان داروغہ (یعنی ملازم جیسے خزانچی وغیرہ) وہ چیز کہ جسے دینے کا مالک نے حکم کیا ہو بغیر کسی نقصان کے خوش دلی کے کے ساتھ اس شخص کو دے کہ جس کے لئے مالک نے حکم دیا ہے تو وہ صدقہ کرنے والے دو اشخاص میں سے ایک ہے۔([2])
- اپنے آقا ومالک کے مال میں سے صدقہ وخیرات دینے والے ملازم کے لئے اس حدیث میں چار شرطیں مذکور ہوئی ہیں۔
- صدقہ وخیرات کے لئے مالک کا حکم ہونا (2) مالک نے جتنا مال صدقہ میں دینے کا حکم دیا ہو وہ بغیر کسی کمی کے پورا دینا
- خوش دلی کے ساتھ دینا۔ اس شرط کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ مالک جو مال صدقہ میں دینے کا حکم دیتا ہے بعض ملازم اسے خوش دلی کے ساتھ نہیں دیتے (4) مالک نے جس شخص کو مال دینے کا حکم دیا ہے اسی کو دینا اس کے علاوہ کسی دوسرے فقیر و

---

[1]۔ مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث 453

[2]۔ بخاری و مسلم، مشکوۃ المصابیح: جلد دوم: رقم الحدیث 449

مسکین کو نہ دینا۔ لفظ متصد قین (صدقہ دینے والے دو اشخاص) تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے یعنی ایک تو مالک کہ جس کا مال صدقہ میں دیا گیا اور دوسرا ملازم جس کے ذریعے صدقہ دیا گیا اس طرح ملازم ان دونوں میں ایک ہوا۔

- بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو ملازم مسلمان اور دیانت دار ہو کہ اس کا مالک صدقہ میں جو کچھ دینے کا حکم کرتا ہو وہ پورا پورا اور خوش دلی کے ساتھ دیتا ہو، نیز صدقہ کا مال اسی شخص کو دیتا ہو جس کو دینے کے لئے مالک نے حکم دیا ہو تو اس ملازم کو بھی اس کے مالک کے ثواب کی مانند ثواب ملتا ہے۔

باب چہارم

-فرائض کے ابواب

لڑکیوں کی میراث

عن جابر بن عبد الله قال جات امرأة سعد بن الربيع بابنتيها من سعد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم......... محمد بن عقيل (1)

عبد بن حمید، زکریا بن عدی عبیداللہ بن عمرو، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی بیوی سعد کی دو بیٹیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور شہید ہوگئے۔ ان کے چچا نے ان کا سارا مال لے لیا اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا جب تک ان کے پاس مال نہ ہو گا ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ اس پر آیت میراث نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو بلا بھیجا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی حصہ اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو۔ جو بچ جائے وہ تمہارے لیے ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اسے صرف عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ شریک نے بھی اسے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کیا ہے۔ (2)

مسائل و معاملات:

- اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے اور اگر ایک س زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے اور اگر میت کے بیٹے ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں اور بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا ملتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اگرچہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیاہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کے حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کے ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شان نزول ہے۔
- جو بات قرآن کریم سے دلالتہ النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

احکام میراث کا نزوال

- اسلام سے پہلے پوری دنیا میں بچوں اور عورتوں پر طرح طرح کی ظلم وستم رائج تھا معاشرے میں ان کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور عرب نے تو یہ اصول مقرر کیا ہوا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو گھوڑ سوار ہو اور دشمنوں سے مقابلہ

---

[1] - تخریج د/الفراءض 4(2891)، ق/الفراءض 2(2720)، تحفۃ الاشراف: 2365) (حسن)

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2191 حدیث مرفوع مکررات 4

کر کے اس کا مال غنیمت جمع کرے اس لئے کے ان کے ہاں صرف نوجوان بالغ لڑکا وارث ہو سکتا تھا، لڑکی مطلقاً وارث نہ سمجھی جاتی تھی خواہ بالغ ہو نابالغ اور لڑکا بھی اگر نابالغ ہو تا تو وہ بھی وراثت کا مستحق نہ تھا۔

- اسلام نے سب سے پہلے اس کمزور طبقے کو حقوق دلائے، ان پر ظلم وستم کے دروازے بند کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام بھی کیا، چنانچہ ان کے حق میں اس صریح ظلم کے خاتمہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک صحابی حضرت اوس بن ثابت انصاریؓ کا انتقال ہوا اور دو لڑکیاں ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوی وارث چھوڑے، مگر عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں (یا بعض روایات کے مطابق سکے بھائیوں) مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کر لیا، اولاد اور بیوی میں سے کسی کو کچھ نہ دیا کیونکہ ان کے نزدیک عورت تو مطلقاً وراثت کی مستحق نہ تھی اس لئے بیوی اور دونوں لڑکیاں تو یوں محروم ہو گئیں اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے محروم کر دیا گیا لہذا پورے مال کے وارث دو چچازاد بھائی ہو گئے۔
- مرحوم کی بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کر رہے ہیں تو ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کر لیں تا کہ ان کی فکر سے فراغت ہو جائے مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا تب اوس بن ثابت کی بیوہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض حال کیا اور اپنی اور اپنے بچوں کی بے کسی اور محرومی کی شکایت کی اس وقت تک چونکہ قرآن کریم میں آیت میراث نازل نہ وہئی تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں جواب دینے میں توقف فرمایا، انہیں تسلی دی کہ تم صبر کرو اواللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو کیونکہ آپ کرو کیونکہ کو اطمینان تھا کہ وحی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلا جائے گا، چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

لِلرِّ جَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْا قْرَبُونَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْا قْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْباً مَّفْرُوْ ضا [1]

ترجمہ: "مردوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل کثیر ہو حصہ (بھی ایسا جو) قطعی طور پر مقرر ہے۔"

- اس آیت کے نازل ہونے سے اتنا معلوم ہو گیا کہ وراثت میں جس طرح مردوں کا حق ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کا بھی ہے، اس سے انہیں محروم نہیں کیا جا سکتا، لیکن چونکہ اس آیت میں حصوں کا تعیین اور تفصیل نہیں تھی اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت اوسؓ کے ترکہ پر قبضہ کرنے والوں سے فرمایا کہ تم اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے جب تک کہ اس بارے میں کوئی واضح نہ آجائے۔
- چنانچہ اس واقعہ کے کچھ ہی عرصے کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا جو امام ترمذیؒ نے یہاں باب میں ذکر فرمایا ہے جب حضرت سعد بن ربیعؓ غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے تو زمانہ جاہلیت کے رائج دستور کے مطابق ان کے چچازاد بھائیوں

---

[1]- النساء: 7

نے ان خدمت میں حاضر ہو کر شکایت عرض کی تو آپ نے فرمایا: صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور فیصلہ فرمائیں گے ۔چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَٰدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ---الخ(1)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اب تمام وارثوں کے حصول کا تعین ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد کے بھائیوں کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو حصہ دیدو، آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اور اس کے بعد جو کچھ بچے وہ تم لے لو، تقسیم اس طرح ہو گی کہ نے جو کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوبیس حصے کر لو، پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں اور تین حصے ان کی ماں دیدو اور باقی پانچ حصے تم لے لو۔

- میراث میں بیٹی کے حصے:

بیٹی اپنے والد کی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی اس کی تین حالتیں ہیں:

1- اگر صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو تو میت کے ترکے میں اس کو نصف ملتاہے اور اگر میت کا اور کوئی وارث بالکل ہی نہ ہو تو باقی نصف بھی اسی کو مل جاتا ہے۔

2- اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی ملے گا یہ بیٹیاں اس دو تہائی کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

3- اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ جس قدر بیٹے کو ملے گا اس نصف ہر ایک بیٹی کو ملے گا، خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار ہوں، اس حالت میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں ہوں گی بلکہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر ہوں گی اور اسی اعتبار سے ان کو حصے ملیں گے۔

- جمہور علماء کے نزدیک دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے نزدیک دو لڑکیاں بھی ایک لڑکی کی طرح نصف میراث کی حقدار ہوتی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو تہائی دو لڑکیوں سے زائد کے لئے بیان کیا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ:

فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ(2)اور دو لڑکیوں کا حصہ قرآن میں مذکور نہیں ہے، لہٰذا دو لڑکیوں کا بھی ایک کی طرح ہو گا، یعنی انہیں بھی انصف ملے گا، جمہور فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ دو لڑکیوں سے زائد کا حکم تو مذکورہ آیت میں ہے لیکن چونکہ دو کا حکم اس آیت میں واضح نہیں تھا، محض احتمال کے درجے تھا اس لئے حدیث باب نے حکم کو واضح کر دیا کہ "دو تہائی مال" جس طرح دو لڑکیوں سے زائد لڑکیوں کے لئے ہے اسی طرح دو لڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

- حدیث باب جمہور کے موقف کے مطابق ہے ممکن ہے یہ روایت عبد اللہ بن عباسؓ کو نہ پہنچی ہو یا ان کے نزدیک یہ روایت

1-: النساء: 11

2- النساء: 11

صحیح نہ ہو اس لئے انہوں نے ظاہر آیت سے یہ اخذ کیا کہ دولڑکیوں کا حکم بھی ایک لڑکی کی طرح ہوگا۔

باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ.....الخ۔

- اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کے حصے دیئے جائیں ذوی الفروض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے قرآن میں حصے مقرر کئے گئے ایسے لوگ کل ملا کر بارہ ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں۔

مرد یہ ہیں: (1)باپ(2)جد صحیح یعنی دادا(3)ماں شریک بھائی اور(4)شوہر۔

عورتیں یہ ہیں:(1)بیوی(2)بیٹی(3)پوتی اگرچہ دور والی ہو(4)سگی بہن(5)سوتیلی بہن(6)ماں شریک بہن(7)ماں(8)دادی اورنانی)

- اگر ان سے مال بچ جائے یا ذولفروض نہ ہوں تو پھر ماقبی پہلی صورت میں اور سارا ترکہ دوسری صورت میں عصبہ کو ملتاہے، عصبہ کی متعدد صورتیں ہیں مگر اولین ترجیح عصبہ نسبیہ کو حاصل ہے ان میں الاقرب فالاقرب کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

(باب معرفتہ الفروض الخ وباب العصات، من سراجی)

- یہاں یہ ضابطہ قابل لحاظہ ہے کہ میراث میں تمام نسبتیں میت کی طرف ہوتی ہیں اور یہ کہ دوبنات اور دور سے زیادہ کا حکم ایک ہوتاہے یعنی ایک کو نصف اور زیادہ کو ثلثان یہ اس وقت ہے کہ ان کے ساتھ مرد نہ ہو یعنی بلا تعصب ورنہ تو پھر عورت کا حصہ مرد کے آدھے کے برابر ہوگا سوائے ماں شریک بہن کے کہ جب آدمی کلالہ ہو یعنی اس کے اصول وفروغ نہ ہوں اور ایک بہن اور بھائی ماں شریک ہوں تو ہر ایک کا حصہ سُدس ہوگا اور اگر زیادہ ہوں تو سب ثلثِ مال میں برابر کے شریک ہوں گے جیسا کہ نساء آیت نمبر12 میں ہے۔

تشریح:بنو سلمہ بفتح السین وکسر اللام، خزرج کی شاخ اور حضرت جابرؓ کا قبیلہ ہے۔

- یہاں یہ سوال وارد ہوتاہے کہ اس وقت تو حضرت جابرؓ کی کوئی اولاد بلکہ نو(۹)بہنیں تھیں جیسا کہ اگلے باب کی روایت میں ہیں اور صحیحین کی روایت میں ہیں:

فقلت یارسول اللہ ﷺ!انمایر ثنی کلالۃ''میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ کلالہ مجھ سے وارث ہے۔

- اور بخاری کی ایک اور روایت میں بھی بہنوں کی تصریح ہے:''انمالی اخوات''تو اس طرح ان روایات میں تعارض آ گیا۔
- یہ ہے کہ یا تو''ولدی''کا لفظ حدیث باب میں راوی ہے''وہم''پر مبنی ہے یا پھر چونکہ وہ بہنیں عمر میں ان سے چھوٹی تھیں اور چھوٹی پر اولاد اور بچوں کا اطلاق ہوتاہے گو مجازاً ہوتاہے۔(قالہ الکنکوھی فی الکوکب)
- یہ ہے کہ ''يُوْصِيْكُمُ اللهُ....الخ''یہ آیت تو حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی کے استفسار کے جواب میں نازل ہوئی تھی اور خود حضرت جابرؓ کی آخری آیت نازل ہوئی تھی تو یہ بھی تعارض ہے ابوداؤد میں بھی اس کی تصریح ہے:

''قال فنزلت ایۃ المیراث: ''يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ۔(النساء:۱۷۲)

(باب فی الکلالۃ اول کتاب الفرائض وائضاًباب من کان لیس لہ الخ ص:399)اور ترمذی کے اگلے باب میں بھی ایسا ہی ہے۔

- اس کا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ترمذی کی اس باب والی حدیث میں راوی سے وہم ہو گیا ہے پس کہا جائے گا کہ اس حدیث میں دو موقعوں پر وہم پایا جاتا ہے۔
- یہ ہے کہ اس روایت میں يُوصِيكُمُ اللّٰهُ ۔۔۔الآیۃ(النساء:۱۱) سے مراد میراث کا حکم ہے تو جو سب کو شامل ہے۔فلا اشکال۔
- یہ ہے کہ کبھی ایک حکم کے نزول کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں الہٰذا کبھی راوی ایک سبب کا ذکر کرتا ہے اور کبھی دوسرا۔(قالہ السیوطی فی الاتقان)
- حدیث باب میں اس سے مراد وضو کا مستعمل پانی ہے جسے غسالہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہو۔
- کلالہ کی تفسیر:"کلالہ" کی تفسیر میں علماء کا اختلافات ہے اور چار قول مشہور ہیں:
- جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو،ایسی صورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔
- کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولد اور والد نہ ہو اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ کلاس اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا ولد اور والد نہ ہو۔
- چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس میت کے مال موروث کا نام ہے جس میت ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔
- لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اور وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً (النساء:۱۲) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث: انمایرثنی کلالۃ(میرا وارث کلالہ ہو گا)میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو،البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کر دیا جاتا ہے۔
- اس حدیث سے ایک طرف عیادت کی سنیت معلوم ہوئی اور دوسری طرف پیدل چلنے کی فضیلت یعنی ہو سکے تو پیدل چلنا افضل ہے جیسا کہ جمعے کے بارے میں "ولمہ یرکب" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وضو کا مستعمل پانی پاک ہے گولہ اس میں آپ ﷺ کی خصوصیت الگ ہے کہ ان کے مستعمل پانی میں اللہ نے شفاء رکھی تھی تاہم عام لوگوں کے مستعمل پانی سے بچنا افضل ہے چنانچہ "الا سباہ والنظائر" میں ہے "الا ولی ان لا یصلی علی مندیل الوضوء الذی یمسح بہ"۔(الا شباہ ص:166،کتاب الصلوٰۃ)اسی طرح داڑھی وغیرہ کا پانی بھی مسجد میں نہ جھاڑے،اس حدیث سے ابو بکرؓ کی افضلیت معلوم ہوئی اور یہ کہ بڑے بھی چھوٹوں کی عیادت کریں۔

فرائض کے ابواب

بیٹوں اور بیٹیوں کی میراث کے متعلق

عن جابر بن عبد الله قال جاني رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودني وأنا مريض..... عن جابر (1)

عبد بن حمید، عبدالرحمٰن بن سعد، عمرو بن ابو قیس، محمد بن منکدر، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں اس وقت بیمار تھا بنی سلمہ میں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اپنی اولاد میں مال کو کس طرح تقسیم کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی (يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۔ (ترجمہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ سورت نساء آیت) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابن عیینہ اسے محمد بن منکدر سے اور وہ جابر سے نقل کرتے ہیں۔ (2)

مسائل و معاملات:

- اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے اور اگر ایک س زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے اور اگر میت کے بیٹے ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں اور بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا ملتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اگرچہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیاہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کے حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کے ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شان نزول ہے۔
- جو بات قرآن کریم سے دلالتہ النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے اصراحتاً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

احکام میراث کا نزوال

- اسلام سے پہلے پوری دنیا میں بچوں اور عورتوں پر طرح طرح کی ظلم و ستم رائج تھا معاشرے میں ان کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور عرب نے تو یہ اصول مقرر کیا ہوا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو گھوڑ سوار ہو اور دشمنوں سے مقابلہ کر کے اس کا مال غنیمت جمع کرے اس لئے کے ان کے ہاں صرف نوجوان بالغ لڑکا وارث ہو سکتا تھا، لڑکی مطلقاً وارث نہ سمجھی جاتی تھی خواہ بالغ ہو انابالغ اور لڑکا بھی اگر نابالغ ہو تا تو وہ بھی وراثت کا مستحق نہ تھا۔
- اسلام نے سب سے پہلے اس کمزور طبقے کو حقوق دلائے، ان پر ظلم و ستم کے دروازے بند کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام بھی کیا، چنانچہ ان کے حق میں اس صریح ظلم کے خاتمہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک صحابی حضرت اوس بن ثابت انصاریؓ کا انتقال ہوا اور دو لڑکیاں ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوی

---

[1] - تخریج: خ/ تفسیر النساء4(4577)، والمرضیٰ5(5651)، والفراءض13(6843)، م الفراءض2(1616)، د/الفراءض2 (2886)، ق/الفراءض5(2728)، و د/الطھارۃ55 (739)(صحیح)

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2196 حدیث مرفوع مکررات 23 بدون مکرر

وارث چھوڑے، مگر عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں (یا بعض روایات کے مطابق سگے بھائیوں) مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کر لیا، اولاد اور بیوی میں سے کسی کو کچھ نہ دیا کیونکہ ان کے نزدیک عورت تو مطلقاً وراثت کی مستحق نہ تھی اس لئے بیوی اور دونوں لڑکیاں تو یوں محروم ہو گئیں اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے محروم کر دیا گیا لہٰذا پورے مال کے وارث دو چچازاد بھائی ہو گئے۔

مرحوم کی بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کر رہے ہیں تو ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کر لیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو جائے مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا تب اوس بن ثابت کی بیوہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض حال کیا اور اپنی اور اپنے بچوں کی بے کسی اور محرومی کی شکایت کی اس وقت تک چونکہ قرآن کریم میں آیت میراث نازل نہ وہئی تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں جواب دینے میں توقف فرمایا، انہیں تسلی دی کہ تم صبر کرو اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو کیونکہ آپ کرو کیونکہ کو اطمینان تھا کہ وحی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلا جائے گا، چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

لِلرِّ جَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالا قْرَبُونَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الا قْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيباًمَّفْرُوْ ضا(1)

ترجمہ: ''مردوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل کثیر ہو حصہ (بھی ایسا جو) قطعی طور پر مقرر ہے۔''

- اس آیت کے نازل ہونے سے اتنا معلوم ہو گیا کہ وراثت میں جس طرح مردوں کا حق ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کا بھی ہے، اس سے انہیں محروم نہیں کیا جاسکتا، لیکن چونکہ اس آیت میں حصوں کا تعین اور تفصیل نہیں تھی اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت اوسؓ کے ترکہ پر قبضہ کرنے والوں سے فرمایا کہ تم اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے جب تک کہ اس بارے میں کوئی واضح نہ آجائے۔
- چنانچہ اس واقعہ کے کچھ ہی عرصے کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا جو امام ترمذیؒ نے یہاں باب میں ذکر فرمایا ہے جب حضرت سعد بن ربیعؓ غزوہ اُحد میں شہید ہوگئے تو زمانہ جاہلیت کے رائج دستور کے مطابق ان کے چچازاد بھائیں نے ان خدمت میں حاضر ہو کر شکایت عرض کی تو آپ نے فرمایا: صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور فیصلہ فرمائیں گے
- ۔چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ آییت میراث نازل ہوئی: يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَا دِكُمْ لِلذَّ كَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔۔۔الخ(2)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اب تمام وارثوں کے حصول کا تعین ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد کے بھائیوں کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو حصہ دیدو، آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اور اس کے بعد جو کچھ بچے وہ تم لے لو، تقسیم اس طرح ہو گی کہ نے جو

---

[1] -النساء:7

[2] -النساء:11

کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوبیس حصے کر لو، پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں اور تین حصے ان کی ماں دیدو اور باقی پانچ حصے تم لے لو۔

میراث میں بیٹی کے حصے:

- بیٹی اپنے والد کی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی اس کی تین حالتیں ہیں:

اگر صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو تو میت کے ترکے میں اس کو نصف ملتاہے اور اگر میت کا اور کوئی وارث بالکل ہی نہ ہو تو باقی نصف بھی اسی کو مل جاتا ہے۔

اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی ملے گا یہ بیٹیاں اس دو تہائی کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔

اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ جس قدر بیٹے کو ملے گا اس نصف ہر ایک بیٹی کو ملے گا، خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار ہوں، اس حالت میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں ہوں گی بلکہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر ہوں گی اور اسی اعتبار سے ان کو حصے ملیں گے۔

- جمہوری علماء کے نزدیک دولڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے نزدیک دولڑکیاں بھی ایک لڑکی کی طرح نصف میراث کی حقدار ہوتی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو تہائی دولڑکیوں سے زائد کے لئے بیان کیا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ:

- فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَامَا تَرَكَ (النساء :١١)اور دولڑکیوں کا حصہ قرآن میں مذکور نہیں ہے، لہٰذا دو لڑکیوں کا بھی ایک کی طرح ہو گا، یعنی انہیں بھی انصف ملے گا، جمہور فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ دولڑکیوں سے زائد کا حکم تو مذکورہ آیت میں ہے لیکن چونکہ دو کا حکم اس آیت میں واضح نہیں تھا، محض احتمال کے درجے تھا اس لئے حدیث باب نے حکم کو واضح کر دیا کہ "دو تہائی مال" جس طرح دولڑکیوں سے زائد لڑکیوں کے لئے ہے اسی طرح دولڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

- حدیث باب جمہور کے موقف کے مطابق ہے ممکن ہے یہ روایت عبد اللہ بن عباسؓ کو نہ پہنچی ہو یا ان کے نزدیک یہ روایت صحیح نہ ہو اس لئے انہوں نے ظاہر آیت سے یہ اخذ کیا کہ دولڑکیوں کا حکم بھی ایک لڑکی کی طرح ہو گا۔

- باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ.....الخ۔

اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کے حصے دیئے جائیں ذوی الفروض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے قرآن میں حصے مقرر کئے گئے ایسے لوگ کل ملا کر بارہ ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں۔

مرد یہ ہیں: (1)باپ (2)جد صحیح یعنی دادا (3)ماں شریک بھائی اور (4)شوہر۔

عورتیں یہ ہیں:(1)بیوی(2)بیٹی(3)پوتی اگرچہ دور والی ہو(4)سگی بہن(5)سوتیلی بہن(6)ماں شریک بہن(7)ماں(8)دادی اور نانی)

- اگر ان سے مال بچ جائے یاذولفروض نہ ہوں تو پھر ماںقی پہلی صورت میں اور ساراترکہ دوسری صورت میں عصبہ کو ملتاہے، عصبہ کی متعدد صورتیں ہیں مگر اولین ترجیح عصبہ نسبیہ کو حاصل ہے ان میں الاقرب فالاقرب کے مطابق تقسیم کیاجائے گا۔(1)
- ہاں یہ ضابطہ قابل لحاظ ہے کہ میراث میں تمام نسبتیں میت کی طرف ہوتی ہیں اور یہ کہ دوبنات اور دور سے زیادہ کا حکم ایک ہوتاہے یعنی ایک کو نصف اور زیادہ کو ثلثان یہ اس وقت ہے کہ ان کے ساتھ مرد نہ ہو یعنی بلا تعصب ورنہ تو پھر عورت کا حصہ مرد کے آدھے کے برابر ہوگا سوائے ماں شریک بہن کے کہ جب آدمی کلالہ ہو یعنی اس کے اصول وفروغ نہ ہوں اور ایک بہن اور بھائی ماں شریک ہوں تو ہر ایک کا حصہ سُدس ہوگا اور اگر زیادہ ہوں تو سب ثلثِ مال میں برابر کے شریک ہوں گے جیسا کہ نساء آیت نمبر 12 میں ہے۔

تشریح:بنوسلمہ بفتح السین وکسر اللام، خزرج کی شاخ اور حضرت جابرؓ کا قبیلہ ہے۔

- یہاں یہ سوال وارد ہوتاہے کہ اس وقت تو حضرت جابرؓ کی کوئی اولاد بلکہ نو(۹) بہنیں تھیں جیسا کہ اگلے باب کی روایت میں ہیں اور صحیحین کی روایت میں ہیں:

فقلت یارسول اللہ ﷺ !انمایر ثنی کلالۃ"میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ کلالہ مجھ سے وارث ہے۔

اور بخاری کی ایک اور روایت میں بھی بہنوں کی تصریح ہے:"انمالی اخوات" تو اس طرح ان روایات میں تعارض آگیا۔

یہ ہے کہ یاتو"ولدی" کا لفظ حدیث باب میں راوی ہے"وہم" پر مبنی ہے یا پھر چونکہ وہ بہنیں عمر میں ان سے چھوٹی تھیں اور چھوٹی پر اولاد اور بچوں کا اطلاق ہوتاہے گومجازاً ہوتاہے۔(قالہ الگنگوھی فی الکوکب)``

یہ ہے کہ"یُوْ صِیْکُمُ اللہ....الخ" یہ آیت تو حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی کے استفسار کے جواب میں نازل ہوئی تھی اور خود حضرت جابرؓ کی آخری آیت نازل ہوئی تھی تو یہ بھی تعارض ہے ابوداؤد میں بھی اس کی تصریح ہے:

"قال فنزلت ایۃ المیراث: "یَستَفْتُوْ نَکَ قُلِ اللہ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ۔(2)

- اس کا ایک جواب یہ ہو سکتاہے کہ ترمذی کی اس باب والی حدیث میں راوی سے وہم ہوگیاہے پس کہاجائے گا کہ اس حدیث میں دو موقعوں پر وہم پایاجاتاہے۔
- یہ ہے کہ اس روایت میں یُوْ صَیْکُمُ اللہُ ۔۔۔الآیۃ(النساء:۱۱) سے مراد میراث کا حکم ہے تو جو سب کو شامل ہے۔فلا اشکال۔
- یہ ہے کہ کبھی ایک حکم کے نزول کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں الہٰذا کبھی راوی ایک سبب کا ذکر کرتاہے اور کبھی

---

[1]-باب معرفۃ الفروض الخ وباب العصبات، من سراجی

[2]-النساء: 172

دوسرا۔(قال السیوطی فی الاتقان)

- حدیث باب میں اس سے مراد وضو کا مستعمل پانی ہے جسے غسالہ کہا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہو۔
- کلالہ کی تفسیر:"کلالہ"کی تفسیر میں علماء کا ختلافات ہے اور چار قول مشہور ہیں:
- جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو،ایسی صورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔

کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولد اور والد نہ ہو اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ کلاس اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا ولد اور والد نہ ہو۔

چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس میت کے مال موروث کا نام ہے جس میت ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔

لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اوروَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ یُّوۡ رَثُ كَلٰلَةً (النساء:۱۲) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث :انمایر ثنی کلالۃ(میرا وارث کلالہ ہوگا)میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو،البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کردیا جاتا ہے۔

۔فرائض کے ابواب

دادا کی میراث

عن عمران بن حصین قال جا رجل إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال إن ابنی ......معقل بن یسار (1)

حسن بن عرفہ ،یزید بن ہارون، ہمام بن یحییٰ قتادہ، حسن، حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا پوتا فوت ہو گیا ہے۔ میرا اس کی میراث میں سے کوئی حصہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔ پھر جب وہ جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا تمہارے لیے اور بھی چھٹا حصہ ہے جب وہ چلا گیا تو پھر بلایا اور فرمایا۔ دوسرا چھٹا حصہ اصل حق زائد ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت معقل بن یسار سے بھی حدیث منقول ہے۔(2)

مسائل و معاملات:

- عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے چھٹا حصہ ہے،جب وہ

---

[1] ۔تخریج: د/الفراءض6(2896)،(تحفۃالاشراف:10801)،

[2] ۔جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2200 حدیث مرفوع مکررات 2

(یہ جواب سن کر) واپس ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تمہیں چھٹا حصہ ملے گا، پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ نے بلایا اور ارشاد فرمایا: یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے۔

میراث میں دادے کا حصہ

- اس پر اجماع ہے کہ دادا اصحاب فرائض میں سے ہے اور اسے بطور فرض کے چھٹا حصہ ملتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے بھی کچھ مل جاتا ہے اور دادا باپ کی عدم موجودگی میں باپ کے مثل ہوتا ہے اور اگر باپ موجود ہو تو پھر دادا محروم ہوتا ہے۔
- حدیث باب میں حضور اکرم ﷺ نے میت کے ترکہ سے دو تہائی اس کی بیٹیوں کو دیا، ان کی تصریح گو کہ حدیث میں نہیں لیکن ان کو یہ معلوم تھیں اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا، باقی ایک تہائی میں سے پہلا چھٹا حصہ اس دادا کو جو سائل تھا، ذوق الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے دیا اور دوسرا چھٹا حصہ اسے عصبہ ہونے کی حیثیت سے دیا، اس طرح اس شخص کو گویا کل ترکہ سے پورا ایک تہائی مل گیا، نبی کریم ﷺ نے ایک ہی دفعہ اسے تہائی مال نہیں دیا بلکہ ابتداء اسے پہلا چھٹا حصہ دیا پھر وہ چلا گیا، دوبارہ بلا کر دوسرا چھٹا حصہ دیا، اس طرف توجہ دلانے کے لئے کہ یہ تہائی مال اسے ذی فرض ہونے کی حیثیت سے نہیں ملا بلکہ پہلا حصہ اسے بطور فرض کے ملا ہے اور دوسرا حصہ عصبہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے حصے کو "طعمہ" فرمایا کیونکہ پہلا حصہ تو شرعاً متعین ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا لیکن عصبہ والے حصے میں تغیر و تبدیل ہو سکتا ہے چنانچہ اگر مذکورہ صورت میں میت کے دوسرے اصحاب الفرائض ہوتے تو پھر دادا کو دوسرا چھٹا حصہ نہ ملتا۔
- علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں صورت مسئلہ یہ ہے کہا ایک شخص کا انتقال ہوا جس کے وارثوں میں دو بیٹیاں تھیں اور ایک یہ سائل یعنی دادا تھا، چنانچہ میت کے ترکہ میں سے کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی مال دیا گیا، باقی ایک تہائی سے آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ دادا کو ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ملا اور پھر دوسرا چھٹا حصہ بھی دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل گیا یوں ایک پورا تہائی مال میت کے دادا کو حاصل ہو جائے گا۔
- اس مسئلہ کا تصویر یہ ہے کہ جیسا کہ حاشیہ پر ہے کہ میت کی دو بیٹیاں تھیں اور ایک دادا، جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ لڑکیوں کو ثلثان سے زیادہ نہیں ملتا دوسری طرف دادا بمنزلہ باپ کے ہے اس لئے اولاد کی صورت میں اس کا حصہ سدس یعنی چھٹا بنتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔

ترجمہ: "والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے ترکے میں سے اگر اولاد موجود ہو۔"

اس لئے مسئلہ تصحیح چھ سے ہوئی، بیٹیوں کو ثلثین یعنی چار حصے ملے اور سدس یعنی چھٹا دادا کو بطور فرض دیا، ایک بچ گیا وہ دادا کو بطور تعصیب دیا کیونکہ دادا ذوی الفروض اور عصبہ دونوں میں سے ہے۔

مسئلہ 6

بنتان	جد	ع
4	1	1=6

آپ ﷺ نے اس کو دونوں حصے ایک ساتھ اس لئے نہیں دیئے کہ ایسا کرنے سے سابقہ حکم کی تنسیخ کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا ،اس لئے دونوں حکموں کو اجاگر کرنے کے لئے الگ الگ کر کے دیئے تا کہ صاف طور سے معلوم ہو کہ جد کا حصہ ثلث نہیں بلکہ سدس ہے اور دوسرا سدس بطور تعصیب کے ہے پھر اس کو طعمۃ سے تعبیر کیا تا کہ مزید تصریح ہو کہ اس سے پہلا فرض متغیر نہ ہو گا وہ بدستور سدس ہی ہے۔

- ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ جد کا مسئلہ انتہائی مشکلات میں سے ہے اور اس سے اصول شرع میں نظر اور قیاس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ دین میں قیاس ایک زرین اصول ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ منصوص نہیں ہوتا ہے یعنی بعض مسائل مستنبط بھی ہوتے ہیں غیر مقلدین کو یہ نکتہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ قیاس کتنا اہم ہے نیز اہل قرآن کے نام سے جو لوگ انتشار پھیلاتے ہیں وہ بھی بتائیں کہ قرآن میں جد کا حصہ کیا ہے؟
- "العرف الشذی "میں ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک دادا باپ کی طرح بھائیوں کے لئے حاجب بنتا ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک دادا بھائیوں کے ساتھ شریک ہو گا یعنی ان کا حصہ ساقط نہیں کر سکتا۔ امام صاحب کی طرح قول،ابو بکر صدیق،ابن عباس،حضرت عائشہ،ابی بن کعب،معاذ بن جبلؓ اور ابو داؤد اور بہت سے تابعین کا قول بھی یہی ہے کہ:ان الجد یسقط الاخوۃ الاخوات کالاب" جبکہ جمہور کا مذہب وہی ہے جو صاحبینؒ کا ہے۔(کذا فی التحفتہ) یہاں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں یہ مسئلہ اختلافی رہا اور بہت سے صحابہ کرامؓ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل المنقبت صحابی بھی اس میں بحث سے بچتے تھے۔

-فرائض کا بیان

جس کی صرف بہنیں ہوں اور اولاد نہ ہو اس کا حکم

عن البرا بن عازب قال جا رجل إلى النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله یستفتونک فی الکلالة فما الکلالة قال تجزیک آیة الصیف فقلت لأبی إسحق هو من مات ولم یدع ولدا ولا والدا قال کذلک ظنوا أنه کذلک [1]

منصور بن ابی مزاحم، ابو بکر، ابواسحاق، حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور بولا یا رسول اللہ! (یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ) 4۔النساء : 176) میں کلالہ سے کیا مراد ہے؟آپ نے فرمایا تجھے وہ آیت کافی ہے جو گرمیوں کے موسم میں نازل ہوئی (سورت نساء کا ابتدائی حصہ موسم سرما میں نازل ہوا اور آخر کا موسم گرما میں۔

[1] -تخریج:خ/تفسیر النساء4(4577)،والمرضیٰ5(5651)،والفراءض13(6843)،م الفراءض2(1616)، د/الفراءض2 (2886)، ق/الفراءض5(2728)،و د/الطھارۃ55 (739)(صحیح

آپکا اشارہ اس سورت کے آخری حصہ کی طرف ہے)۔ ابو بکر کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحاق سے پوچھا کہ کیا کلالہ اسکو کہتے ہیں جو اپنے مرنے کے بعد نہ کوئی بیٹا چھوڑے اور نہ باپ؟ انھوں نے کہا ہاں لوگوں نے ایسا ہی سمجھا ہے۔[1]

مسائل و معاملات:

کلالہ کی تفسیر

- "کلالہ" کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے اور چار قول مشہور ہیں:
- جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، ایسی سورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔
- کلالہ ان وراثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولدہ اور والد نہ ہو، اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ کلام اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا والد اور والد نہ ہو۔
- چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس متی کے مال موروث کا نام ہے جس میت کا ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔
- لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اور(وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً)([2]) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث: انما یرثنی کلالۃ(میرا وارث کلالہ ہوگا) میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔ اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونون معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کر دیا جاتا ہے۔

-فرائض کا بیان

کیا مسلمان کسی کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

عن أسامة بن زيد قال قلت يا رسول الله أين تنزل غدا في حجته........والخيف الوادي (3)

احمد بن حنبل، عبدالرزاق، معمر، زہری، علی بن حسین، عمرو بن عثمان، اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ آپ کے زمانہ حج میں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کل آپ کہاں اتریں گے؟ (یعنی کس گھر میں قیام فرما ہوں گے؟) آپ نے فرمایا کیا عقیل نے (ابن ابی طالب نے) ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ (یعنی نہیں چھوڑا) پھر آپ نے فرمایا ہم بنی کنانہ کے خیف میں۔ جہاں قریش نے کفر پر قسم کھائی تھی۔ یعنی محصب میں اتریں گے۔ اس میں کفر پر قسم کھانے سے مراد وہ معاہدہ ہے جو بنی کنانہ نے قریش کے

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1122 حدیث مرفوع مکررات 2

[2] - النساء:12

[3] - تخریج: خ/المغازی48(4283)،والفرائض26(6764)،والفرائض1(1614)،ت/الفرائض14(2107)،ق/الفرائض(2730)

ساتھ کیا تھا یعنی یہ کہ ہم بنو ہاشم سے نہ نکاح کے معاملات کریں گے اور نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے اور نہ ہم انکو پناہ دیں گے۔([1])

مسائل و معاملات:

- مومن کافر کا وارث نہ ہو گا۔
- کافر مسلمانوں کے چھوڑے ہوئے مال و جائیداد پر تصرف کر سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان دوبارہ ان کے وارث نہیں بن سکتے۔
- مکہ کی زمین کی خرید و فروخت جائز ہے۔

مکہ میں چھوڑے ہوئے مکانوں کا حکم:

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

- جس وقت ابو طالب کی وفات ہوئی اس وقت اُن کے دو بیٹے طالب اور عقیل دونوں کافر تھے، عقیل نے اس کے بعد حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہجرت کے بعد عقیل ان تمام مکانوں پر قابض ہو گئے۔ داؤدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو عبد المطلب سے جن لوگوں نے ہجرت کی تھی ان سب کے مکانوں کو عقیل نے فروخت کر دیا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیل کے ان تصرفات کو باازروئے جود و کرم برقرار رکھا، یا عقیل کی تالیف قلبی کی وجہ سے یا اس وجہ سے ہے کہ زمانہ جاہلیت کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں۔(2)

جن مکانوں پر مسلمانوں کی ہجرت کے بعد کفار نے قبضہ کر لیا ان کی ملکیت کے حکم میں اختلاف مذاہب:

- یہاں دو مسئلے قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ احناف کے نزدیک مکہ جنگ سے فتح ہوا ہے اور شوافع کے نزدیک صلح سے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کی املاک پر کفار دار الحرب میں غلبہ سے قبضہ کر لیں تو ان کا قبضہ درست ہے اور مسلمان ان میں تصرف نہیں کر سکتے اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قبضہ درست نہیں اور مسلمان ان املاک میں تصرف کر سکتے ہیں۔(3)

دوسرے مسئلے پر علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

- استیلاء (غلبہ) ایک ایسا سبب ہے جس کہ وجہ سے مسلمان کافر کے مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کافر بھی مسلمان کے مال کا مالک ہو جائے گا۔(4)

مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت اور انہیں کرایہ پر دینے کا جواز:

---

[1] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1143 حدیث مرفوع مکررات 15

[2] عمدۃ القاری: 227/9

[3] - صحیح بخاری: 21/1

[4] -المبسوط: 52/10

- علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے ۔ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا؟اس میں اس بات پر ظاہر دلیل ہے کہ عقیل نے ان مکانوں پر قبضہ کر لیا تھااور اس کی ملک ثابت ہو گئی اور اس کا ان مکانوں پر قبضہ اور ان کو بیچنا صحیح تھا۔ (1)
- مکہ کے مکانوں کو بیچنااور کرایہ پر دینا صحیح ہے۔علامہ ابن قدامہ حنبلی کے قول کے مطابق اس پر اجماع ہے۔(2)
- مکہ کے مکانوں اور اس کی زمین کو فروخت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی تمام زمین وقف ہے۔اس کا بیچنااور کرائے پر دینا جائز نہیں۔(3)
- عقیل ابو طالب کے مکان کے وارث ہو گئے۔اس کا معنی یہ ہے کہ ابو طالب اور عقیل دونوں مکہ میں اپنے مکانوں کے مالک تھے اور ان کے مکان وقف عام نہیں تھے۔اور ان کا ان مکانوں کو فروخت کرنا اور ان میں تصرف کرنا صحیح تھا۔
- ابن شہاب نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ هاجَرُوا وَ جٰهَدُوا بِاَموَالِهِم وَاَنفُسِهِم فِی سَبِیلِ اللّٰهِ وَالَّذِینَ اٰوَوا وَّنَصَرُوٓا اُولٰٓئِکَ بَعضُهُم اَولِیَآئُ بَعضٍ.(4)

ترجمہ: "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ فراہم کی اور ان کی نصرت کی، یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔"

- وضاحت: اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔اس جگہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ ولایت سے مراد وراثت ہے یا ولایت سے مراد ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وراثت ہے۔ (5)
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور یہ تمام علماء کا مذہب ہے۔ (6)

فرائض کے ابواب

وہ شخص جو کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہو

عن تمیم الداری قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم ما السنة فی الرجل ...... لمن أعتق (7)

---

[1] ۔عمدۃالقاری: 228/9، المغنی: 177/4، فتح الباری: 245/4

[2] ۔المغنی لابن قدامہ: 178/4

[3] ۔قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: 31/12

[4] ۔سورۃالانفال: 72

[5] جامع البیان: 67/10 ۔ 61

[6] شرح مسلم للنووی: 235/3

[7] تخریج: خ/الفرائض22 (تعلیقا تفیتر جمۃ الباب)، د/الفرائض13 (2918)، ت/الفرائض20 (2112)، ق/الفرائض18 (2752)، حم (102/ 4،103، 102)د/الفرائض34 (2076) حسن صحیح

ابو کریب، ابواسمہ، ابن نمیر، وکیع، عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ بن موہب، عبداللہ بن وہب، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ مشرک جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گا اس کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی زندگی اور موت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث کو ہم صرف عبداللہ بن وہب سے نقل کرتے ہیں بعض انہیں ابن موہب کہتے ہیں۔ وہ تمیم داری سے نقل کرتے ہیں۔ جبکہ بعض ان کے درمیان قبیصہ بن ذویب کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ سند متصل نہیں۔ بعض اہل علم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اس کی میراث بیت المال میں جمع کرادی جائے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے کہ (اِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ حَقٌّ وَلَاءٌ) اسی کے لیے ہے جس نے آزاد کیا۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- اور جب کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ خاندان سے جدا ہو جاتا ہے اور بے آسرا رہ جاتا ہے چنانچہ وہ اس مسلمان سے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے یہ عقد کر لیتا ہے پس اگر اس نو مسلم نے ایسا عقد کیا ہو تو وہ اصلی مسلمان جبکہ اس نو مسلم کا کوئی بھی وارث نہ ہو وارث ہو گا، یہ احناف کا مسلک ہے۔
- اس حدیث سے مولی الموالات کی توریث ثابت ہوتی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اور جو حجرات توریث کے قائل نہیں وہ ایک دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: انما الولاء المن اعتق: ولاء (میراث) صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے اس حدیث میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حصر کر دیا ہے پس مولی الموالات وارث نہیں ہو گا یعنی جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس شخص کو اس نو مسلم کی میراث ملے گی، کیونکہ ولاء آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہے۔
- لیکن اگر غور کیا جائے تو اس حدیث میں جس ولاء (میراث) کا حصر کیا گیا ہے وہ ولاء عتاقہ ہے یعنی آزاد کرنے کی وجہ سے جو میراث ملتی ہے وہ صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے اور مولی الموالات کو جو میراث ملتی ہے اس کی بنیاد دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے نے اس نو مسلم کو کفر سے نکالا ہے اور اسلام میں داخل کیا ہے پس گویا اس نے مردہ کو زندہ کیا ہے پھر اس نو مسلم نے اس مسلمان کرنے والے کے ساتھ عقد موالات کیا ہے اور وہ اس نو مسلم کی زندگی بھر مدد کرتا رہا اور قاعدہ ہے: الغرم بالغنم: اس لئے وہ مسلمان اس نو مسلم کی زندگی اور موت میں اس سے سب سے زیادہ قریب ہے اس لئے جب اس نو مسلم کا کوئی بھی وارث نہیں ہو گا تو میراث بیت المال میں نہیں رکھی جائے گی بلکہ اس مسلمان کرنے والے کو ملے گی کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: مولی الموالات وارث نہیں ہو گا، پس ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک قرآن کا مذکورہ حکم آیت پاک {وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ} (الانفال :۷۵) سے منسوخ ہو گیا ہے (سورۃ الانفال آخری آیت) اور باب کی حدیث کے بارے میں وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2213 حدیث مرفوع مکررات 3

- یہ روایت حضرت تمیم داریؓ سے عبد اللہ بن موہب روایت کرتے ہیں یہی نام صحیح ہے اور بعض روات عبد اللہ بن وہبؓ کہتے ہیں: یہ صحیح نہیں۔
- یہ روایت عبد العزیزؒ نے عبد اللہ بن موہبؓ سے اور انہوں نے تمیم داریؓ سے روایت کی ہے اس کی ایک دوسری سند ابو داؤد (حدیث 2918) میں ہے عبد العزیزؒ کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن موہب سے سنا، وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے حدیث روایت کر رہے تھے قبیصتہ بن ذویب سے روایت کرتے ہوئے پھر امام ابو داؤد کے استاذ ہشام بن عمار کہتے ہیں: عن تمیم الداری، اور دوسری استاذ یزید بن خالد کہتے ہیں: ان تمیماً: یعنی پہلے استاذ کی روایت میں قبیصہ حضرت تمیمؓ سیر روایت کرتے ہیں اور دوسرے استاذ کی روایت میں قبیصہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں تمیم داریؓ سے روایت نہیں کرتے یہی یحیٰی بن حمزہ کی روایت ہے جس کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث متصل نہیں ، کیونکہ قبیصہ اور عبد اللہ بن موہب کی حضرت تمیم داریؓ سے ملاقات نہیں اور امام بخاریؒ نے بخاری شریف کتاب الفرائض باب 22 میں فرمایا: یذکر عن تمیم الداری رفعہ قال: ھواولی لناس بمحیاہ ومماتہ واختلفوا فی صحۃ الخبر: یعنی تمیم داریؓ سے مرفوعاً ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔" وہ مسلمان جس کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس نو مسلم کی زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہی اور محدثین میں اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے (اکثر محدثین جیسے امام ترمذی اور امام بخاری حدیث کو صحیح نہیں مانتے چنانچہ امام بخاری نے یذکر فعل مجہول استعمال کیا اور ابو زرعہ دمشقی کہتے ہیں :ھذا حدیث حسن متصل لم اراحداً من اھل العلم یدفعہ [1] چنانچہ بعض حضرات اس کو وارث قرار نہیں دیتے اور اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔
- شریفیہ شرح سراجی کے حواشی میں ہے کہ تمیم داریؓ کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ: الرجل یسلم علی یدی ویوالینی۔ یعنی ایک آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے اور میرے ساتھ موالات کرتا ہے۔ الخ یہ قید ملحوظ رہنی چاہئے صرف مسلمان کرنے سے احناف کے نزدیک وارث نہیں ہوگا، بلکہ جب عقد موالات کرے گا تب قرآن کریم کی رو سے وارث ہوگا اور قرآن کریم کے اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور سورۃ الانفال کی آخری آیت اس نو مسلم کے بارے میں ہے جس کے مسلمان ورثاء ہیں اور زیر بحث مسئلہ اس نو مسلم کا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے اور اس نے جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو موالات کر رکھی ہے اور یہ حدیث جیسی بھی ہے اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ حکم باقی ہے۔

جس مرد کے ہاتھوں پر کسی شخص نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لئے وَلاء کے ثبوت میں اختلافِ فقہاء

- فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جب ایک مرد کسی مسلمان مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے (تو آیا جس مرد کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لئے وَلاء ہوگی یا نہیں، اور وَلاء کا معنی یہ ہے کہ جب اسلام لانے والا مر جائے اور اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس کا وارث ہوگا)۔

---

[1] - بذل مجہود 10:931 طبع جدید

- پس حسن بصری اور شعبی نے کہا: جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لئے میراث ثابت نہیں ہو گی، اور اسلام لانے والے کی وَلاء مسلمانوں کے لئے ہو گی، جب اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو۔ اور اس کی وَلاء اس کے لئے نہیں ہو گی جس کے ہاتھوں پر وہ اسلام لایا ہے اور یہی ابن ابی لیلیٰ، ثوری امام مالک اور الاوزاعی، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ اور ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے (جس میں مذکور ہے کہ وَلاء اس کے لئے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے)۔
- اور ابن وہب نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جس کے ہاتھ پر کوئی مرد اسلام لایا ہے اس کے لئے وَلا نہیں ہو گی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور زیاد بن ابی سفیان سے۔
- اور ابراہیم نخعی اور ایوب سے روایت ہے کہ اس کی وَلاء اس مرد کے لئے ہو گی جس کے ہاتھوں پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اور وہ اس مرد کا وارث ہو گا اور اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور اس کے لئے جائز س ہے کہ وہ دوسرے کی طرف اس وَلاء کو منتقل کر دے جب تک اس نے اس کی طرف سے دیت ادا نہیں کی۔ اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

- اس تعلیق میں مذکور ہے کہ " حسن بصری اس کے لئے وَلاء نہیں سمجھتے تھے "۔ یعنی حسن بصری اس کے لیے وَلاء نہیں سمجھتے تھے جس کے ہاتھوں پر کوئی مرد اسلام لایا ہے، ایک روایت میں وَلایت کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں وَلاء کا لفظ ہے۔

حسن بصری کے نزدیک مولی الموالات کی وراثت کا عام مسلمانوں کے لئے ہونا

- سفیان ثوری نے حسن بصری کے اس اثر کی جامع سفیان ثوری میں از مطرّب از الشعبی از یونس از ابن عبدیل از حسن بصری روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ایک مرد دوسرے مرد موالات کرتا ہے تو ان دونوں نے کہا کہ اس کی رواجت مسلمانوں کے درمیان ہو گی۔ سفیان ثوری نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

- اس تعلیق میں مذکور ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: " وَلاء اس کے لئے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے "۔

حسن بصری کی اپنے موقف پر دلیل

- اس حدیث سے حسن بصری نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: " وَلاء اس کے لئے ہے جو آزاد کرے " یعنی ولاء صرف آزادی کرنے والے کے لئے ہوتی ہے۔ (اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کے ہاتھوں پر کوئی مرد اسلام قوبل کرتا ہے۔ اس کے لئے کوئی وَلاء نہیں ہے)۔

تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

- اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت تمیم داریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " وہ اس کی زندگی اور موت میں تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہے "۔

حضرت تمیم داریؓ کی حدیث کی تاویل

- امام بخاری نے اس تعلیق کو صیغۂ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے" تمیم سے مروی ہے"۔ ان کا نام تمیم بن عوف الداری ہے، یہ بنو دار کی طرف نسبت ہے۔

اس حدیث کا معنی ہے کہ جس کے ہاتھ پر کوئی مرد اسلام لایا ہے وہ اسلام لانے والے کی زندگی میں اس کی مدد کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کو غسل دینے کا اور اس کو کفن پہنانے کا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس کی وراثت کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ وَلاء اس کے لئے ہوتی ہے جو آزادی کرتا ہے اور " محیا" اور " مماۃ" دونوں مصدر میمی ہیں۔

امام شافعی، امام ترمذی اور علامہ ابن المنذر کے اقوال سے حضرت تمیم داریؓ کی روایت کو ضعیف قرار دیتا ہے۔

- پس امام بخاری نے کہا ہے کہ بعض علماء نے از ابن موہب روایت کی ہے جنہوں نے حضرت تمیمؓ سے یہ حدیث سنی انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس حدیث کی عبد العزیز بن عمر نے از ابن موہب روایت کی ہے اور ابن موہب معروف نہیں ہیں۔ اور ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان کی حضرت تمیمؓ سے ملاقات ہوئی۔ اور اس کی مثل سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہوگی۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ابن موہب اور حضرت تمیمؓ کے درمیان قبیصہ ہے اس کو یحیٰ بن حمزہ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قبیصہ کے ذکر میں منفرد ہیں اور ابو اسحاق السبیعی نے اس حدیث کو ابنِ موہب سے روایت کیا ہے اور اس میں حضرت تمیمؓ کا ذکر نہیں ہے اور امام نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔
- علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: یہ حدیث مضطرب ہے، آیا از ابن موہب از تمیم مروی ہے یا ان دونون کے درمیان قبیصہ ہے؟ اور اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے از عبد اللہ بن موہب اور بعض نے کہا ہے ابنِ موہب۔ اور عبد العزیز جو اس کے راوی ہیں وہ حافظ نہیں ہیں۔
- علامہ عینی نے حضرت تمیم داریؓ کی حدیث پر ان ائمہ کے اعتراضات کے جوابات اس بحث کے آخری میں دیئے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا بھی حضرت تمیم داریؓ کی حدیث پر رد کرنا۔

- اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیمؓ کو نہیں پایا۔ اور امام نسائی نے اس طرف اشارہ کیا ہے جس روایت میں یہ واقع ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیمؓ سے سماع کیا ہے، وہ خطاء ہے۔ لیکن بعض علماء نے اس کی توثیق کی ہے اور عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا تھا، اور ابو زرعہ الدمشقی نے اپنی تاریخ میں سندِ صحیح کے ساتھ اوزاعی سے روایت کی ہے کہ وہ اس حدیث کو رد کرتے تھے اور اس کی کوئی توجیہ نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت تمیم داریؓ کی حدیث کے ثبوت میں علامہ عینی کے دلائل

- علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ حجر عسقلانی شافعی کی مذکور الصدر عبارت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
- میں کہتا ہوں: حافظ ابو زرعہ دمشقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا مخرج حسن متصل ہے، اور امام اوزاعی پر رد کیا ہے، پس کہا: اور اس طرح نہیں ہے۔ اور میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جنہوں نے اس حدیث کی مرفوعا روایت کی ہو۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کی از ابن موہب از تمیم روایت ک ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اور الاربعۃ(امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ) نے اس حدیث کی الفرائض میں روایت کی ہے۔
- حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس تبصرہ کا مطلقاً ذکر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے ان کے نزدیک علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب ممکن نہیں ہے۔(1)

فقہاءِ احناف کے موقف اور حضرت تمیم داری کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث

پس امام ابو داؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور از یزید بن خالد بن موہب الرملی، اور ہشام بن عمار الدمشقی، ان دونوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی اور وہ ابنِ حمزہ ہیں از عبد العزیز بن عمر، انہوں نے کہا: میں نے عبد اللہ بن موہب سے سنا وہ حدیث بیان کرتے تھے عمر بن العزیز از قبیصہ بن ذؤیب اور ہشام نے کہا اور حضرت تمیم داری، انہوں نے کہا: یار سول اللہ اور یزید نے کہا کہ بے شک حضرت تمیمؓ نے کہا: یارسول اللہ! جو مرد مسلمانوں میں سے کسی دوسرے مرد کے ہاتوں پر اسلام قبول کرے اور اس کے متعلق سنت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس کی زندگی اور موت میں حق داری ہے۔(امام ابو داؤد کی روایت ختم ہوئی۔(2)

- اور امام ابو داؤد کی یہ عادت معلولم ہے کہ جب وہ کسی حدیث کی روایت کریں اور اس سے سکوت کریں تو ان کا سکوت ان کے نزدیک اس حدیث کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔
- اور امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ہمیں ابو کریب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی اور ابن نمیر نے اور وکیع نے از عبد العزیز از عبد اللہ بن موہب، بعض علماء نے کہا: عبد اللہ بن موہب بن موہب از حضرت تمیم کرے اس کے متعلق سنت کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت میں زیادہ حق دار ہے۔(3)
- امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو ہم صرف عبد اللہ بن وہب کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور اس کی ابنِ وہب بھی کہا جاتا ہے از حضرت تمیم الداری، اور

1- انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج2 ص444 مکتبۃ الرشد، ریاض، 1418ھ

2- سنن ابو دؤد: 2918، سنن ترمذی: 2112، سنن ابن ماجہ: 2752

3- سنن ترمذی: 2112، احمد ج4 ص102

بعض نے عبد اللہ بن وہب اور حضرت تمیم داری کے درمیان قبیصہ بن ذویب کو داخل کیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، اس کی روایت یحیٰ بن حمزہ نے کی ہے از عبد العزیز بن عمر، اور اس میں قبیصہ بن ذویب کا اضافہ کیا ہے۔ اور بعض اہلِ علم کا اس حدیث کے اوپر عمل ہے۔ (میں کہتا ہوں: فقہاء احناف نے اس حدیث پر عمل کیا لیکن امام ترمذی نے اپنی عات کے مطابق امام ابو حنیفہ کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ نیز امام ترمذی نے کہا: اور یہ حدیث میرے نزدیک متصل نہیں ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے: اس کی میراث بیت المال میں رکھی جائے گی اور یہ امام شافعی کا قول ہے اور انہوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بے شک وَلاء اس ااس کے لئے ہے جو آزاد کرتا ہے۔(1)

- اور امام نسائی نے اس حدیث کی دو دیگر سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کی طرف کوئی تعارض نہیں کیا کہ ان راویوں کے متعلق کیا کہا گیا ہے۔(2)
- اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے روایت ہے: ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت تمیم داریؓ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: یا رسول اللہ! اہلِ کتاب کے اس مرد کے متعلق کیا حکم ہے جو دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام لائے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت کا زیادہ حق دار ہے۔(3)

وراثت کا بیان

کلالہ کا بیان۔

محمد بن المنكدر سمع جابر بن عبد الله يقول مرضت فأتاني رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودني هو ....وإن كان رجل يورث كلالة ويستفتونك قل الله يفتيكم في الكلالة الآية (4)

ہشام بن عمار، سفیان، محمد بن منکدر، حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو اللہ کے رسول عیادت کیلئے تشریف لائے۔ ابو بکر آپ کے ساتھ تھے آپ دونوں پیدل آئے اس وقت مجھ پر بے ہوشی طاری تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے وضو کا کچھ پانی مجھ پر ڈالا تو (مجھے ہوش آگیا اور) میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں کیا کروں اپنے مال کے متعلق کیسے فیصلہ کروں؟ یہاں تک کہ سورت نساء کے آخر میں یہ آیت میراث نازل ہوئی (وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً) 4۔ النسآء: 12 (5)

---

1 سنن ترمذی ص 838، دار المعرفہ، بیروت، 1423ھ

2 ۔السنن الکبریٰ للنسائی، رقم: 237، 6379، موسستہ الرسالہ، بیروت 1421ھ

3 ۔ سنن ابن ماجہ: 2752، مسند احمد: 1642

4 – تخریج: خ/ تفسیر النساء 4(4577)، والمرضیٰ 5(5651)، والفرائض 13(6843)، م الفرائض 2(1616)، د/الفرائض 2 (2886)، ق/الفرائض 5(2728)، و د/الطھارۃ 55 (739) (صحیح)

5 – سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 887 حدیث مرفوع مکررات 23 بدون مکرر

مسائل و معاملات:

- حدیث باب میں اس سے مراد وضو کا مستعمل پانی ہے جسے غسالہ کہا جاتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہو۔

کلالہ کی تفسیر

"کلالہ" کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے اور چار قول مشہور ہیں:

- جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، ایسی سورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔
- کلالہ ان وراثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولدہ اور والد نہ ہو، اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ کلام اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا والد اور والد نہ ہو۔
- چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس متی کے مال موروث کا نام ہے جس میت کا ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔
- لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اور(وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً)(النساء:۱۲) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث: انما یرثنی کلالۃ(میرا وارث کلالہ ہوگا) میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔ اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونون معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کردیا جاتا ہے۔
- اس حدیث سے ایک طرف عیادت کی سنیت معلوم ہوئی اور دوسری طرف پیدال چلنے کی فضیلت یعنی ہوسکے تو پیدل چلنا افضل ہے جیسا کہ جمعے کے بارے میں" ولم یرکب" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ کہ وضو کا مستعمل پانی پاک ہے گو کہ اس میں آپ ﷺ کی خصوصیات الگ ہے کہ ان کے مستعمل پانی میں اللہ نے شفاء رکھی تھی، تاہم عام لوگوں کے مستعمل پانی سے بچنا افضل ہے چنانچہ "الا شباہ النضائر" میں ہے" الا ولی ان لا یصلی علی مندیل الوضوئ الذی یمسح بہ"۔([1])اسی طرح داڑھی وغیرہ کا پانی بھی مسجد میں نہ جھاڑے، اس حدیث ابو بکرؓ کی افضیلت معلوم ہوئی اور یہ کہ بڑے بھی چھوٹوں کی عیادت کریں۔

۔وصیتوں کے متعلق ابواب

تہائی مال کی وصیت

[1] ۔الاشباہ، کتاب الصلوۃ، ص:166

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه قال مرضت عام الفتح مرضا أشفيت منه على الموت فأتاني رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودني فقلت يا رسول الله إن لي مالا كثيرا وليس يرثني إلا ابنتي ....والثلث كثير ([1])

ابن ابی عمر، سفیان، زہری، حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال بیمار ہوا اور موت کے قریب پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریک لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس بہت سا مال ہے لیکن ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اس کے لیے سارے مال کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال؟ فرمایا ہاں تہائی مال اور یہ بھی زیادہ ہے۔ تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ تنگ دست ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ تم اگر ان میں سے کسی پر خرچ کرو گے تو تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تمہارا اپنی بیوی کو ایک لقمہ کھلانا بھی ثواب کا موجب ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اپنی ہجرت سے پیچھے ہٹ گیا۔ فرمایا میرے بعد تم رضائے الٰہی کے لیے جو بھی نیک عمل کرو گے تمہارا مرتبہ بڑھے گا اور درجات بلند کیے جائیں گے۔ شاید تم میرے بعد زندہ رہو اور تم سے کچھ قومیں نفع حاصل کریں اور کچھ قومیں نقصان اٹھائیں۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی) اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت کو پورا فرما اور انہیں ایڑیوں کے بل نہ لوٹا۔ لیکن سعد بن خول کا افسوس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکہ ہی میں فوت ہو جانے پر افسوس کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص سے کئی سندوں پر منقول ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ آدمی کے لیے تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں۔ بعض علماء نے تہائی مال سے کم کی وصیت کو مستحب بقرار دیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی مال زیادہ ہے۔[2]

مسائل و معاملات:

- کسی کی عیادت کے لیے جانا سنت نبوی صلی اللہ علیہ سلم ہے۔
- جس جگہ سے ہجرت کی جائے وہاں پر موت آنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرماتے تھے۔

---

[1]- تخریج: ن/الوصایا3(3661) صحیح، واخرجہ کل من: خ/الجنائز36(1295)، الوصایا2(2742)، مناقب الانصار49(3936)، والمغازی77(4395)، والنفقات1(5354)، المرضیٰ13(5659)، والدعوات43(6373)، والفرائض6(6733)، م/الوصایا2(1628)، د/الوصایا2(2864)، ن/الوصایا3(3656، 3661، 3662، 3665)، ق/الوصایا5(2708)، ط/الوصایا3(4)، حم(1/168، 172، 176، 179،)، د/الوصایا7(3238، 3239) و المولف/الوصایا1(2116)

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2217 حدیث مرفوع مکررات 34 بدون مکرر

- اگلی حدیث میں ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دعا کروائی کہ ان لا یردنی علی عقبی: (اللہ) مجھے ایڑیوں کے بل نہ لوٹائے۔
- ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں۔ اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔
- حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی ایک بیٹی تھی جن کے بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال کی وصیت کے بارے دریافت کیا تھا۔
- وارثوں کو مالدار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ اُنہیں محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔
- ثواب کی نیت سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے خواہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ ہی اُٹھا کر دینا کیوں نہ ہو وہ بھی صدقہ ہے۔
- حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:
- عنقریب اللہ تمہیں سرفراز اور بلند مرتبہ کر دے گا۔ پس کچھ لوگوں کو تجھ سے نفع پہنچے گا۔ اور کچھ لوگوں کو تجھ سے ضرر پہنچے گا۔

ثلث مال تک وصیت اور ائمہ فقہاء کی آراء:

علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

- وصیت کی مقدار کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ جس کے وارث موجود ہوں وہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا۔ (1)
- مستحب مقدار کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ نے ایک تہائی سے کم کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ مذکورہ حدیث میں ثلث کو کثیر قرار دیا گیا ہے۔
- بہت سے اسلاف اسی کے قائل ہیں۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خمس کی وصیت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چوتھائی کی وصیت کی اور پانچواں حصہ میرے نزدیک بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر لوگ وصیت میں تہائی سے کم کر کے چوتھائی مقدار کو اپنالیں تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الثلث والثلث کثیر (ایک تہائی کی وصیت کرو۔ ایک تہائی کی مقدار بہت ہے (2)

مباح اُمور پر اجر ملنے کی تحقیق:

- علامہ عینی لکھتے ہیں:

---

1. بدایۃ المجتہد ص: 1048، عمدۃ القاری: 90/8
2. بدایۃ المجتہد ص: 1048، مترجم

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خرچ کرنے سے اجر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب خرچ سے اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ ہو۔ جب انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب اور رضا کے حصول کا قصد کرے گا تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ اور وہ عند اللہ بری الذمہ ہو گا۔ (1)

- علامہ نووی لکھتے ہیں:

مباح کام سے بھی جب اللہ تعالیٰ کا تقرب کا قصد کیا جائے تو وہ عبادت ہو جاتا ہے۔ اور اس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ (2)

حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے دعا:

- حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایران و عراق کو فتح کیا مسلمانوں کو ان سے قوت و شوکت، فتح و نصرت اور غنیمت کی دولت حاصل ہوئی اور کفار کے علاقے پر قبضہ ہوا۔ ان کے مرد غلام اور عورتیں باندیاں بنیں اور جنگ میں کفار قتل ہو کر جہنم پہنچے۔

-وصیتوں کے متعلق ابواب
وارث کے لیے وصیت نہیں

عن أبي أمامة الباهلي قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع إن الله قد أعطى لكل ذي حق حقه فلا وصية لوارث الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله ......عن غير الثقات (3)

علی بن حجر، ہناد، اسماعیل بن عیاش، شرحبیل بن مسلم، خولانی، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃالوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لیے حصہ مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔ ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جو آدمی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا دعوی کرے یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت مسلسل برستی رہے گی۔ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے خرچ نہ کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کھانا بھی نہیں؟ فرمایا کھانا ہمارے سب مالوں سے افضل ہے۔ پھر فرمایا مانگی ہوئی چیز اور دودھ کے لیے ادھار لیے ہوئے جانور واپس کیے جائیں اور قرض ادا کیا جائے اور ضامن اس چیز کا ذمہ دار ہے جس کی اس نے ضمانت دی ہے۔ اس باب میں حضرت عمرو بن خارجہ اور انس بن مالک سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابوامامہ سے اور سندوں سے بھی منقول ہے۔ اسماعیل بن عیاش کی اہل عراق اور اہل حجاز سے وہ روایت قوی نہیں جن کو نقل کرنے میں وہ منفرد ہیں۔ کیونکہ انہوں نے منکر روایتیں نقل کی ہیں۔ جبکہ ان کی اہل شام سے نقل کردہ احادیث زیادہ صحیح ہیں۔ محمد بن اسماعیل بخاری بھی یہی کہتے ہیں۔ احمد بن حسن، احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش بقیہ سے زیادہ صحیح ہیں کیونکہ ان کی بہت سی

---

1 عمدۃ القاری: 92/8

2 شرح مسلم للنووی: 39/2

3 تخریج: د/الوصایا6(2870)، والبیوع90(3565)، ق/الوصایا6(2713)، حم(5/ 267) صحیح

احادیث جو وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتے ہیں منکر ہیں۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن زکریا بن عدی سے اور وہ ابواسحاق فزاری سے نقل کرتے ہیں کہ بقیہ سے وہ حدیثیں لے لو جو وہ ثقات سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن اسماعیل بن عیاش ثقات سے روایت کریں یا غیر ثقات سے ان کوئی روایت نہ لو۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لیے حصہ مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔
- ۔بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے۔
- عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے خرچ نہ کرے۔
- کھانا ہمارے سب مالوں سے افضل ہے۔ کھانا بھی شوہر کی اجازت کے بغر دینا منع ہے۔
- مانگی ہوئی چیز اور دودھ کے لیے ادھار لیے ہوئے جانور واپس کیے جائیں
- قرض ادا کیا جائے اور ضامن اس چیز کا ذمہ دار ہے جس کی اس نے ضمانت دی ہے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل مند خاتون اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتی ہے۔

- **وصیت کا حکم اور اس کے اقسام**
- جمہور ائمہ اربعہؒ کے نزدیک بعض موقع پر وصیت واجب ہے جبکہ اس کے ذمہ قرض ہو یا امانات ہوں یا کوئی حق واجب ہو خواہ وہ حق اللہ یا حق العبد ہو خواہ حق وارث ہو یا حق غیر وارث ہو اور اگر کوئی واجب نہ ہو تو وصیت واجب نہیں بھی اسی کے قائل ہیں۔
- دائود ظاہریؒ فرماتے ہیں وہ اقرباء جو اس کی میراث کے حق دار نہ ہوں ان کے لئے بہر صورت وصیت واجب ہے ابن جریر ،مسروق قتادہؒ طائوس بھی اسی کے قائل ہیں۔ دائود ظاہری وغیرہ نے آیت شریفہ
- **كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَاَ حَدَ كُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَيْرَا لْوَصِيَّۃُ۔۔۔الاَ یۃ۔(2)**
- ترجمہ:"تمہارے اُوپر وصیت کو فرض کر دیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچے اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہے اچھی وصیت......."

سے استدلال کیا ہے نیز انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان

ماحق امرء مسلم یبیت لیلتین ولہ شئ یوصی منہ الاوصیتہ مکتوبۃ عندہ۔

"کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں راتیں اس حال میں گزارے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2221 حدیث مرفوع مکررات 8

[2] - البقرہ:280

کی وصیت کی جاسکتی ہو مگر وہ وصیت نہ کرے۔"

ے استدلال کیا ہے۔

- جواب:
- جمہور فرماتے ہیں کہ یہ آیت حکماً منسوخ ہے میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں وصیت للوالدین کا ذکر ہے اور اب وصیت للوالدین بالاجمع منسوخ ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا:
- لاوصیۃ لوارث۔

حدیث کا جواب

- یہ ہے کہ یہی روایت مسلم میں ہے جس کے الفاظ ماحق امرء مسلم لہ شئی یرید ان یوصی منہ وارد ہے اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو وصیت کا ارادہ کرے اگر وصیت واجب ہوتی تو ارادہ کے ساتھ مقید نہ ہوتی ۔غیر وارث کے لئے وصیت مستحب ہے تاکہ اس کا ثواب اس کو مل جائے نیز وصیت ناجائز اور مکروہ بھی ہوتی ہے مثلاً کوئی وصیت کرے ایسے امور کی جو شرعاً ناجائز ہوں۔
- مصلحت وصیت
- اللہ کی راہ میں بطور وصیت مال خرچ کرکے ثواب حاصل کرنا یا دوست واحباب اور رشتہ داروں کو دے کر ان کو خوش کرنا۔
- قاعدہ وصیت
- کفن دفن اور ادائے قرض کے بعد جو ترکہ باقی رہا اس کے تہائی میں وصیت پوری کی جائے گی اس کے بعد باقی ماندہ مال وارثوں کا ہے اگر ایک تہائی میں وصیت پوری نہ ہو تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا واجب نہیں اگر وارث پورا کرنا چاہیں تو دو شرطوں کے ساتھ پورا کرسکتے ہیں۔(1)سب وارث موجود ہوں اور ان کی رضا مندی ہو۔(2)سب وارث عاقل وبالغ ہوں نابالغ ومجنون کی رضامندی معتبر نہیں۔
- وصیت کے شرائط
- وصیت کرنے والا عاقل وبالغ اور آزاد ہونا چاہئے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ بوقت وصیت زندہ نیز جس کے لئے وصیت کی ہے وہ وصیت لینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ جس چیز کی وصیت کی ہو وہ چیز وصیت کے وقت موجود بھی ہو نیز قابل تملیک ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ موصیٰ،وارث نہ ہو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی نہ ہو جس کا نہ کوئی وارث ہو اور نہ قرض ہو ایسا شخص اپنے پورے مال کی وصیت کرسکتا ہے سب سے پہلے وصیت واجبہ کو پورا کیا جائے گا۔
- اسلام میں سب سے پہلی وصیت:
- حضرت براء بن معرورؓ کی وصیت سب سے پہلی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی میرے مال کا تہائی حصہ نبی کریم ﷺ کو

پیش کیا جائے ان وارثین نے تہائی مال پیش کر دیا جس کو قبول فرما کر آپ ﷺ نے ان کے وارثہ کو واپس کر دیا تھا۔

- لغات: وصایا: وصیت: کی جمع ہے مثل ہدایا وہد وصایا: "وصیۃ" کی جمع ہے وہ خاص عہد جس پر عمل درآمد وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ وسمیت الوصیۃ وصل ماکان فی حیاتہ ممابعدہ بعض نے اس طرح تعبیر کیا وھو عہد خاص مضاف الی ابعد الموت
- تشریح: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں بلکہ تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے تہائی کو "بہت" قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ دو وجہ سے تو وصیت جائز ہی نہیں ہونی چاہئے۔
- پہلی وجہ
- ایک عرب وعجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیساہے اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں پس کوئی شخص بیمار پڑتا ہے اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے، یعنی مرض الموت میں میت کے مکال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے پس غیروں کے لئے وصیت کر کے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرنا جس کی وہ امید باندھے بیٹھے ہیں: ان کا انکار اور ان کے حق میں کوتاہی ہے۔
- دوسری وجہ
- حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ غم خوار رہے ہوں، اور ایسا ماں باپ اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں، اس وجہ سے دور اول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس کو ختم کر دیا گیا اور رشتہ داروں کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا، سورۃ انفال آیت 75 ارشاد پاک ہے۔
- ترجمہ:" اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں۔"
- مگر باہیں ہمہ بارہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غم خواری ضروری ہو جاتی ہے اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہوتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے اس لئے وصیت کی اجازت دی گئی مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں، شریعت نے وہ حد ایک تہائی کی ہے کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے اس لئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔
- تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا بالاتفاق ناجائز ہے ہاں اگر کوئی تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا چاہے اور وارث اس کی اجازت بھی دیں تو پھر یہ وصیت نافذ ہو گی بشرطیکہ وارثوں میں کوئی پاگل اور نابالغ نہ ہو لیکن اگر وصیت کرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو نہ ذوی الفروض اور عصبات میں سے اور نہ ذوق الارحام میں سے تو پھر اس کی وصیت علی الاطلاق جائز ہے اگرچہ وہ تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی تہائی سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہو گی بلکہ تہائی

مال تک وصیت نافذ کرنے کے بعد بقیہ مال بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔

- حنفیہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں وارث نہ ہونے کی صورت میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب وارث نہ ہوں تو تہائی سے زیادہ کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے اور حدیث باب میں گو کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وصیت کرنے کے وارث موجود ہوں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو، آیا کی وصیت تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی؟ اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے لہٰذا حدیث باب سے یہاستدلال کرنا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت علی الاطلاق ناجائز اور باطل ہے درست نہیں ہے۔
- **حضرت سعدؓ کا یہ واقعہ کب پیش آیا**
- حجتہ الوداع میں یا فتح مکہ کے موقع پر جمہور کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ حجتہ الوداع کے موقع پر پیش آیا، صرف ابن عیینہ کی روایت میں فتح مکہ کا ذکر ہے جسے محدثین نے ان کا "وہم" قرار دیا ہے۔ حافظ حجرؒ فرماتے ہیں۔ کہ ممکن ہے حضرت سعدؓ کی بیماری کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو، ایک مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اور دوسری بار حجتہ الوداع کے زمانے میں پہلی مرتبہ حضرت سعد کا کوئی وارث نہیں تھا اور حجتہ الوداع کے موقع پر ان کی لڑکی وارث تھی اس طرح دونوں کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔
- والثلث کثیر: (تہائی بہت ہے) اس کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں۔
- 1-وصیت کا انتہائی درجہ تہائی ہے اس سے زائد درست نہیں اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ تہائی سے بھی کم میں وصیت کی جائے۔
- 2-یا معنی یہ ہیں کہ تہائی مال کی وصیت یا اسے صدقہ کرنا ترین درجہ ہے جس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔
- 3-تہائی بھی کثیر ہے قلیل نہیں ہے۔
- شافعیہ نے تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک پہلا معنی راجح ہے۔
- یارسول اللہ ﷺ اخلف عن ھجرتی۔ (اسے اللہ کے رسول و کیا ہجرت کے ثواب کا کامل) سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ اس سوال کا منشا یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد کسی اور جگہ رہائش اور وفات کو پسند کرتے تھے اسے ہجرت کے ثواب میں نقص اور کمی شمار کرتے تھے، حضرت سعدؓ سفر حج میں چونکہ مکہ مکرمہ میں شدید بیمار ہو گئے تھے اس لئے پوچھنے لگے کہ کیا میں آپ کی معیت میں مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ نہیں جائوں گا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہیں وفات ہو جائے، یوں میری ہجرت میں نقص واقع ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے انہیں تسلی دی کہ اگر تم مرض کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جاسکو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم اس کے بعد جو بھی نیک عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو گے اس سے تمہارے درجات بلند ہوں گے اور آپ کے ذعم کے مطابق ہجرت کے ثواب میں جو کمی واقع ہو گی وہ یوں پوری ہو جائے گی۔
- حتی ینتفع بک اقوام ویضرک الاخرون: نبی کریم ﷺ نے پیشین گوئی دی کہ تم میرے بعد زندہ رہو گے، کچھ لوگوں کو تم سے فائدہ جبکہ بعض دوسروں کو نقصان ہو گا نفع مسلمانوں کو ہو گا کہ تمہارے زریعہ کفار و مشرکن کے علاقے عراق وغیرہ فتح

ہوں گے، غنیمتیں حاصل ہو گی اور کافروں کو تمہاری وجہ سے ضرر پہنچے گا، وہ مسلمانوں کے سرنگوں اور ماتحت ہو جائیں گے اور ان کی سرزمین پر اہل اسلام کا تسلط ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کے ذریعہ عراق وغیرہ فتح ہوئے بہت سے لوگوں کو اس طرح بھی فائدہ ہوا کہ وہ پہلے مرتد ہو گئے تھے انہوں نے اپنے ارتداد سے توبہ کی اور راہ راست پر آ گئے اور جو ارتداد سے باز نہ آئے انہیں قتل کر دیا، انہیں گویا حضرت سعدؓ کے ذریعہ ضرر پہنچا، حاصل یہ کہ "نفع" میں وہ تمام فوائد داخل ہیں جو حضرت سعدؓ کے ذریعہ مسلمانوں کو پہنچے اور "ضرر" میں وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن کی وجہ سے فرمشرکین اور مرتد لوگوں کو ضرر لاحق ہوا۔

- اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ سعد بن خولہؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے مگر پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے تھے اور پھر وہیں پر فوت ہوئے اس اعتبار سے یہ جملہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے بطور رحم کے ہو گا کہ آپ ﷺ ان پر ترس کھا رہے ہیں کہ ان کی وفات مدینہ کے بجائے مکہ میں ہوئی ہے اور ان کے خیال کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں نہ ہو سکی۔

-وصیتوں کا بیان

صحت و تندرستی کی حالت میں صدقہ کرنیکی فضیلت

عن أبي هريرة قال قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم يا رسول الله أي الصدقة أفضل ....وقد كان لفلان (1)

مسدد، عبدالواحد بن زیاد، عمارہ بن قعقعاع، ابوزرعہ بن عمرو بن جریر، حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا وہ صدقہ جو تندرستی کی حالت میں کرے جب کہ تجھے زندگی کی تمنا ہو اور تنگدستی کا خوف ہو۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ تو صدقہ دینے سے رکا رہے یہاں تک کہ جان حلق میں آ جائے اور پھر کہے کہ فلاں چیز فلاں کو دے دو اور فلاں کو اتنا اور اتنا دے دو۔ حالانکہ اب وہ مال دوسروں کا ہو چکا ہے۔ (2)

مسائل و معاملات:

- افضل صدقہ:۔ تم اس حال میں صدقہ کرو کہ تم تندرست ہو اور مال کے خواہش مند ہو، فقر سے ڈرتے ہو، سو اس حال میں صدقہ کرنے کا زیادہ اجر ہے اور یہی صدقہ دوسرے صدقات سے افضل ہے۔
- اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک شخص آیا، یہ شخص حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

---

[1]- تخریج: خ/الزکوۃ11(1419)، والوصایا7(2748)، م/الزکوۃ 31(1032)، ن/الزکوۃ59(2543)، الوصایا/1(3641)، ق/الوصایا4(2706) حم(231 /2 250، 415، 447

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1098 حدیث مرفوع مکررات 9 بدون مکرر

- امام احمد نے اس کی روایت کی ہے۔[1]
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حال میں صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور مال کے خواہش مند ہو کیونکہ ان دنوں میں صدقہ کرنا نفس پر بڑا دشوار ہوتا ہے۔ اس حالت میں صدقہ کرنا افضل ہے۔
- خلاصہ: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت صدقہ کرنا سب سے افضل ہے جب تم زندہ اور تندرست ہو اور تمہیں مال کی ضرورت ہو، نہ کہ اس وقت جب تم بیمار لاغر ہو اور موت کی دہلیز پر ہو کیونکہ اس وقت تو مال تمہاری ملکیت سے نکل جائے گا اور دوسروں کے متعلق ہو جائے گا اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں ایک درہم خیرات کرے تو وہ موت کے وقت سو درہم خیرات کرنے سے افضل ہے، اس لیے صدقہ کی فضیلت کی یہ شرط ہے کہ انسان صحت مند ہو اور اسے اس مال کی ضرورت ہو، اس وقت اسے مال کو خرچ کرنے سے قلق ہو گا کیونکہ اس کو لمبی زندگی کی اُمید ہو گی اور وہ فقر سے ڈرتا ہو گا۔

۔ وصیتوں کا بیان
یتیم کے متولی کو اس کے مال سے کس قدر لینے کا حق حاصل ہے؟

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن رجلا أتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال إنی فقیر لیس لی شی ولی یتیم قال فقال کل من مال یتیمک غیر مسرف ولا مبادر ولا متأثل (2)

حمید بن مسعدہ، خالد بن حارث، حسین، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے البتہ میرے پاس ایک یتیم بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا تو اسکے مال میں سے کھا بغیر فضول خرچی کے اور بغیر ڈرے ہوئے اس کے بڑے ہو جانے سے اور بغیر پونجی بنانے کے اس کے مال سے۔ ([3])

مسائل و معاملات:

- اس لیے کہ یہ دونوں بڑے اہم اور ذمہ داری کے کام ہیں، اگر آدمی سنبھال نہ پاءے تو خود عذاب و عقاب کا مستحق بن جاءے گا۔

• یتیم کے ولی کو اس کے مال سے کھانے کی اجازت کے متعلق احادیث

- عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اس نے کہا: میرے پاس مال نہیں ہے اور میرے زیر کفالت یتیم ہے تو آپ نے فرمایا: تم اپنے یتیم کے مال سے کھالو اور اس کے مال کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل، 7/6
[2] ۔ تخریج: م/الامارۃ4(1826)،ن/الوسایا11(3698)ق/الوصایا9(2718)حم(2،186،215) حسن صحیح
[3] ۔ سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1105 حدیث مرفوع مکررات 4

بے جا خرچ نہ کرنا اور اس کے مال کو خرچ کر کے اپنا مال نہ بچانا۔[1]

- حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میں اپنے یتیم کو کس چیز سے ماروں؟ آپ نے فرمایا: جس چیز سے تم اپنے بیٹے کو مارتے ہو جب کہ تم اپنے مال کو اس کے مال کے ساتھ ملانے والے اور اپنے مال کو بڑھانے والے نہ بنو۔[2]
- قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میرے پاس یتیموں کا مال ہے درحقیقت وہ یہ اجازت طلب کر رہا تھا کہ وہ ان کے مال کے کچھ مقدار لے لے، حضرت ابن عباس پوچھا: کیا تم اس کے گم شدہ جانور تلاش کرتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم اس کے حوض کی مٹی سے لپائی کرتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابن عباس نے پوچھا: جس دن اس کے جانوروں حوض پر پانی پینے کے لیے جاتے ہیں کیا تم ان کی پیشوائی کرتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابن عباس نے فرمایا:
- پھر تم اس کے جانوروں کا دودھ پی سکتے ہو۔([3])

جب یتیم کا ولی خوش حال ہو جائے تو اس کے مال سے جس قدر مال ضرورت کی بناء پر کھایا تھا اس کو واپس کر دے

سعید بن جبیر نے کہا: یتیم کے ولی کو جب ضرورت ہو تو وہ بہ قدر ضرورت یتیم کے مال سے قرض لے اور جب اس کے پاس رقم آئے تو اس کا ق ہرض واپس کر دے اور اگر خوش حالی نہ آنے کی وجہ سے وہ اس کا قرض واپس نہ کر سکے تو کوئی حرج نہیں ہے اس سے زیادہ یتیم کے مال کے رخصت نہیں دی گئی۔(4)

ابراہیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"یتیم کا ولی یتیم کے مال سے عرف اور دستور کے مطابق کھائے اور عرف اور دستور کے مطابق کھانا وہ ہے جس سے بھوک مٹ جائے اور اتنا کپڑا ہے جس سے ستر چھپ جائے[5](

شعبی نے کہا: یتیم کا ولی بغیر اضطرار کے یتیم کے مال سے نہ کھائے اور اگر کھایا ہے تو اس کو بعد میں ادا کر دے۔[6]

-وصیتوں کا بیان

ایک شخص کوئی چیز ہبہ کر دے اور پھر اسی چیز کو وصیت یا میراث کے ذریعہ پائے

عن عبد الله بن بريدة عن أبيه بريدة أن امرأة أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كنت تصدقت على أمي بوليدة وإنها ماتت وتركت تلك الوليدة......عنها قال نعم (1)

---

[1]- سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 2872، سنن نسائی: رقم الحدیث 3270، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 2718، المنتقیٰ: رقم الحدیث 952، سنن بیہقی ج 9 ص 20، شرح السنۃ: 2205، مسند احمد ج 2 ص 186 طبع قدیم، مسند احمد: رقم الحدیث 2745، ج ا ص 357، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

[2]- سنن بیہقی ج 6 ص 4 نشر السنۃ ملتان

[3]- سنن بیہقی ج 6، ص 4 نشر السنۃ ملتان

[4]- تفسیر امام ابن ابی حاتم: 4830، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ)

[5]- تفسیر امام ابن ابی حاتم: 4832

[6]- تفسیر امام ابن ابی حاتم: 1834

- احمد بن یونس، زہیر، عبداللہ بن عطاء، عبداللہ بن بریدہ، حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی۔ میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی ہبہ کی تھی اب میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور وہی لونڈی ترکہ میں چھوڑ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا اجر ثابت ہو گیا اور وہ لونڈی تجھے میراث میں بھی مل گئی۔ وہ پھر بولی میری ماں مر گئی اور اس پر ایک مہینہ کے روزے واجب تھے کیا اس کی طرف سے میرا روزہ رکھنا کافی ہو گا؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا اس نے حج بھی نہ کیا تھا اگر میں اس کی طرف سے کر لوں تو کیا کافی ہو گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (کافی ہو جائے گا) ([2])

- **مسائل و معاملات:**

- اپنی ماں کو لونڈی ہبہ کرنا جائز ہے۔
- اس حدیث کی رو سے اپنی ماں کی وفات کے بعد اس کے قضا روزے رکھنا جائز ہے۔

- حج بدل جائز ہے۔
- عورت ماں کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے۔

حج بدل کرنے میں فقہائے اسلام کے مذاہب:

- امام ابو حنیفہؒ، اُن کے اصحاب، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، الثوریؒ، ابن حزمؒ اور دوسرے اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جب کوئی شخص معذور ہو اور وہ حج نہ کر سکے تو اس کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے۔ اور امام مالکؒ اور لیثؒ نے یہ کہا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے حج نہ کرے، سوائے اس صورت کے کوئی شخص فوت ہو چکا ہو اور اس نے حجۃ الاسلام نہ کیا ہو۔ (3)

- اس حدیث کی بناء پر بوڑھے یا کمزور یا بیمار پر جب کہ وہ مالدار ہو حج بہر حال فرض ہے۔ خواہ وہ مالدار اس وقت ہوا ہو جبکہ وہ معذور ہو چکا تھا' یا اس وقت جبکہ وہ ابھی تندرست و صحت مند تھا۔ یہ جمہور (جن میں امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور عام محدثین شامل ہیں) کا مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معذور پر جبکہ وہ مالدار ہو حج صرف اُسی صورت میں فرض ہے جبکہ اس پر تندرستی و صحت کی حالت میں حج فرض ہو چکا ہو، اور اگر وہ مالدار معذور ہونے کے بعد ہوا تو اس پر حج فرض نہیں ہے وہ نہ خود حج کرے گا اور نہ کسی دوسرے سے کرائے گا۔ (4)

---

[1]۔ تخریج: خ/الوصایا20(2762)، د/15(2882)، ن/الوصایا8(3685) صحیح

[2] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1110 حدیث مرفوع مکررات 15

[3]۔ ہدایۃ: 97/1، المغنی: 177/3، فتح الباری: 440/4

[4]۔ فتح القدیر: 436/1، الفقہ علی المذاہب الاربعہ: 616/1

- فرض حج صرف اس مریض کی طرف سے کیا جاسکتا ہے جس کے صحت مند ہونے کی کوئی اُمید نہ ہو۔ جس کے صحت مند ہونے کی اُمید ہو اُس کی طرف سے حج نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مجنون کی طرف سے بھی نہیں کیا جاسکتا۔ قیدی کی طرف سے بھی حج نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کی رہائی ہو سکتی ہے۔ فقیر کی طرف سے بھی حج نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مالدار ہو سکتا ہے۔ اس بات پر ان تمام ائمہ کا اتفاق ہے جن کے نزدیک حج میں نیابت جائز ہے، جیسے امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ۔ (1)
- ایک شخص کی طرف سے دوسرا شخص صرف اس صورت میں حج کر سکتا ہے جبکہ وہ پہلے اپنا حج کر چکا ہو۔ (2)

حج بدل میں شافعیہ کا نظریہ:

- علامہ نووی لکھتے ہیں کہ عورت کا بغیر محرم کے حج کے لیے جانے کا جواز، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو باپ کی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا اور محرم کو ساتھ لے جانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ اس وقت ہے جب عورت کو کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔
- امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ صرف اسی میت کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے جس نے حج اسلام نہ کیا ہو۔ امام شافعیؒ اور بعض فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ میت کے ترکہ سے حج کرنا واجب ہے اور ہمارے (یعنی شافعیہ کے) نزدیک عاجز کی طرف سے نفلی حج بھی کیا جاسکتا ہے۔ (3)

حج بدل میں احناف کا نظریہ:

- علامہ عینی حنفیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاجز کی طرف سے نیابت جائز ہے۔ ہمارے اصحاب (احناف) نے کہا ہے کہ جو شخص اونٹ پر سوار ہو کر حج کر سکتا ہے اس کی طرف سے دوسرا شخص حج نہیں کر سکتا اور اگر اس کو ایسا عجز لاحق ہو جو زائل نہ ہو سکے جیسے لنگڑا پن یا نابینائی تو پھر دوسرا شخص اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے اور اگر ایسا عجز لاحق ہو جو زائل ہو سکے لیکن دائمی ہو تو اس کی طرف سے نیابت ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ (4)

حج بدل حنابلہ کا نظریہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- جس شخص میں وجوب حج کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں جیسے لنگڑاہٹ یا کوئی دائمی مرض یا اس میں کوئی ایسا پیدائشی نقص ہو جس کی بنا پر وہ سواری پر نہ بیٹھ سکے یا وہ بہت بوڑھا ہو تو جب اس کو ایسا شخص مل جائے تو جو اس کی طرف سے حج کر سکے تو اس پر حج کرانا لازم ہے۔

---

1. فتح الباری: 441/4
2. نیل الاوطار: 303/4
3. شرح مسلم للنووی: 431/1
4. عمدۃ القاری: 215/10

- امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ امام مالکؒ نے یہ کہا کہ جب تک وہ بذات خود حج کرنے کا اہل نہ ہو اس پر حج فرض نہیں ہے۔ یعنی اس پر حج کرانا لازم نہیں۔ (1)

اموات کے لیے ایصال ثواب:

- علامہ عینی فرماتے ہیں کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر حج اسلام فرض ہو تو اس کے وارثوں پر اس کی طرف سے حج کرنا لازم نہیں ہے۔ خواہ اس نے حج کی وصیت کی ہو یا نہ، البتہ اس نے مطلقاً وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال سے حج کیا جاسکتا ہے۔(2)
- شیخ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے جس طرح اس کی طرف سے حج اور صدقہ کرنا جائز ہے۔ (3)

-وصیتوں کا بیان

جو شخص وصیت کیے بغیر مر جائے اس کی طرف سے صدقہ دینا

عن عائشة أن امرأة قالت يا رسول الله إن أمي افتلتت نفسها ولولا ذلك لتصدقت وأعطت أفيجز أن أتصدق عنها فقال النبي صلى الله عليه وسلم نعم فتصدقي عنها (4)

موسی بن اسماعیل، حماد، ہشام، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ! میری ماں اچانک مر گئی اگر وہ اس طرح اچانک نہ مرتی تو ضرور صدقہ دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اس کو اس کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کو ثواب ملے گا) لہٰذا تو اس کی طرف سے صدقہ کر۔ ([5])

15-وصیتوں کا بیان: (23)

جو شخص وصیت کیے بغیر مر جائے اس کی طرف سے صدقہ دینا

عن ابن عباس أن رجلا قال يا رسول الله إن أمي توفيت أفينفعها إن تصدقت عنها فقال نعم قال فإن لي مخرفا وإني أشهدك أني قد تصدقت به عنها (6)

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: 92/3

[2] عمدۃ القاری: 214/1

[3] ابن تیمیہ، شیخ احمد بن، حنبلی مجموع الفتاوی، ص: 306/26

[4]- تخریج: خ/الجنائز، رقم الحدیث 1313)، الوصایا 19 (2760)، م/الصلوۃ 1431، 1432، ق الوصایا 2/786 ط/الاقضیہ 41 (53) صحیح

[5] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1114 حدیث مرفوع مکررات 15 بدون مکرر

[6]- تخریج: خ/الوصایا 20 (2762)، ت/الزکوۃ 33 (668)، د/الوصایا (15 (2882) ن/الوصایا 8 (3685) صحیح

احمد بن منیع، روح بن عبادہ، زکریا بن اسحاق، عمرو بن دینار، عکرمہ، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں مر گئی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا اس کو اس کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ شخص بولا میرا ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ باغ میں نے اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ ([1])

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس سے اس کو نفع ہوتا ہے۔
- اختلاف اس بات میں ہے کہ مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے بدنی عبادات کا نہیں پہنچتا۔ جیسے اُس کی طرف سے حج کرنا، صدقہ دینا، قرض ادا کرنا وغیرہ کرنا تو جائز ہے مگر نماز، روزے پورے نہیں کیے جاسکتے۔
- علامہ عینی فرماتے ہیں: قرآن مجید پڑھنے کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔(2)
- علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دعا واستغفار اور مالی عبادات، مثلاً: صدقہ و خیرات، حجو عمرہ وغیرہ کا میت کو ثواب پہنچتا ہے، اس سلسلے میں کتابو سنت میں دلاءل موجود ہیں۔، امام ابن القیم رحمہاللہ نے "کتابالروح میں" بہت تفصیلی بحث کی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ تماءمہ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ میت کے حق میں جو بھی دعا کی جاءے اس کا پورا پورا فاءدہ اس کو پہنچتا ہے، کتابو سنت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ اور اجمع سے بھی ثابت ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والے کا شمار اہل بدعت میں سے ہوگا۔ البتہ بدنی عبادات کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔

-وصیتوں کا بیان

جو شخص وصیت کیے بغیر مر جائے اس کی طرف سے صدقہ دینا

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن العاص بن وال أوصى أن یعتق عنه .....بلغه ذلك (3)

عباس بن ولید بن مزید، اوزاعی، حسان بن عطیہ، عمرو بن شعیب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ (مرنے کے بعد) اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ پس اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کیے اور اس کے دوسرے بیٹے عمر نے بقیہ پچاس غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس نے کہا کہ پہلے میں اس سلسلہ میں رسول اللہ سے دریافت کر لوں پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے باپ نے سو غلام آزاد کرنے کی ہم کو وصیت کی تھی (میرے بھائی) ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے ہیں اور میرے ذمہ بقیہ پچاس غلاموں کو آزاد کرنا باقی ہے تو کیا میں اپنے باپ کی طرف سے ان کو آزاد کر دوں؟ آپ نے فرمایا اگر وہ (تیرا باپ) مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف

---

[1] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1115 حدیث مرفوع مکررات 27

[2] عمدۃالقاری: 72/14

[3] - تفرد بہ ابو داود

سے غلام آزاد کرتے یا اس کی طرف سے صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کو ان چیزوں کا ثواب ملتا۔ (لیکن چونکہ اس کی موت حالت کفر میں ہوئی ہے اس لیے اب اس کے لیے کوئی عمل مفید نہیں ہوگا) ([1])

مسائل و معاملات:

- کافر میت کی جانب سے غلام آزاد کرنے کا اس میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

-وصیتوں سے متعلقہ احادیث

ایک تہائی مال کی وصیت

عن عامر بن سعد عن أبيه قال مرضت مرضا أشفيت منه فأتاني رسول الله صلى الله عليه وسلم يعودني فقلت يا رسول الله إن لي مالا كثيرا وليس يرثني إلا ابنتي.........يتكففون الناس (2)

عمرو بن عثمان بن سعید، سفیان، زہری، حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہیں انہوں نے بیان فرمایا جس وقت ایک مرتبہ میں سخت بیمار ہو گیا اور میں اپنے مرنے کے قریب پہنچ گیا تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مزاج پرسی کے واسطے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس بہت زیادہ دولت ہے اور میری وارث میری ایک لڑکی ہے۔ کیا میں اپنی دولت کے دو تہائی حصہ کو اس کو خیرات کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا کیا آدھی دولت صدقہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک تہائی مال تم (صدقہ کر دو) یہ بھی زیادہ ہے اس وجہ سے کہ تمہارا اپنے ورثہ کو غنی (یعنی ان کو فقر و فاقہ سے بے پرواہ خوش حال) چھوڑنا ان کو تنگ دست اور محتاج چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھیریں۔ ([3])

مسائل و معاملات:

تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنے کا عدمِ جواز وارثوں کو غنی چھوڑنے کی ترجیح:

علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں:

---

[1] – سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1116 حدیث مرفوع مکررات 1

[2]- تخریج: ن/الوصایا3 (3661) صحیح، واخرجہ کل من: خ/الجنائز36 (1295)، الوصایا2 (2742)، مناقب الانصار49 (3936)، والمغازی77 (4395)، والنفقات1 (5354)، المرضیٰ13 (5659)، والدعوات43 (6373)، والفرائض6 (6733)، م/الوصایا2 (1628)، د/الوصایا2 (2864)، ن/الوصایا3 (3656، 3661، 3662، 3665)، ق/الوصایا5 (2708)، ط/الوصایا3 (4)، حم (1/168، 172، 176، 179،)، دی/الوصایا7 (3238، 3239)، والمولف/الوصایا1 (2116)

[3] – سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1567 حدیث مرفوع مکررات 34 بدون مکرر

جمہور فقہاء نے اس حدیث کو وصیت کی مقدار میں اصل قرار دیا ہے اور یہ کہ تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں۔
ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیمار آدمی کا تہائی مال سے زیادہ ہبہ کرنا، صدقہ کرنا اور آزاد کرنا بھی جائز نہیں۔(1)

- امام کا مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے اور مال جمع کرنا جائز ہے اس میں کوئی عیب نہیں جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، بہ شرطیکہ اس مال کی زکوۃ ادا کی جاتی رہے اور مستحقین کی مدد کی جاتی رہے۔
- اس حدیث میں وارثوں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کی ترغیب ہے اور یہ کہ جب کسی مباح کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی نیت کی جائے تو وہ بھی کار ثواب ہے۔ حتی کہ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ورثاء کو خوش حال اور غنی چھورنا ان کو تنگ دست اور فقراء چھوڑنے پر راجح ہے بلکہ واجب ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ غنی فقیر سے افضل ہے۔(2)
- اس حدیث میں لمبی عمر کی فضیلت بھی ہے وہ اس صورت میں کہ کفار کو نقصان اور مسلمانوں کو فائدہ ہو۔[3]
- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، فتح مکہ کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی لیکن جو اہل مکہ ہجرت کر چکے تھے ان پر مکہ سے ہجرت کا فرض قائم اور باقی تھا۔اس لیے حضرت سعدؓ مکہ میں وفات کے خیال سے پریشان تھے اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن خولہ کی مکہ میں وفات پر افسوس کیا، لیکن جو کسی عذر کی وجہ سے مکہ میں رہے یا فوت ہو گئے وہ معذور ہیں۔
- یہاں رثاء سے مراد صرف کسی کی موت پر اظہارِ افسوس کرنا ہے اور مرثیہ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے کہ رثاء کے معنی ہیں مرنے والے کے محاسن بیان کرنا اس کو مرثیہ بھی کہتے ہیں۔

فصل دوم
-نذر اور قسموں کا بیان
جو شخص چلنے کی استطاعت نہ ہونے کے باوجود چلنے کی قسم کھالے۔

عن حميد عن أنس قال نذرت امرأة أن تمشي إلى بيت الله فسل نبي الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال إن الله لغني عن مشيها مروها فلتركب قال وفي الباب عن أبي هريرة وعقبة بن عامر وابن عباس قال أبو عيسى حديث أنس حديث حسن صحيح (4)

---

[1] عمدۃ القاری، 133/5
[2] -عمدۃ القاری، 133/8
[3] -ایضاً
[4] -تخریج: تفرد بہ المؤلف (تحفۃ الاشراف: 732) (حسن صحیح)

عبدالقدوس بن محمد عطار بصری، عمرو بن عاصم، عمران، قطان، حمید، حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک عورت نے قسم کھائی کہ وہ بیت اللہ تک چل کر جائے گی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے پرواہ ہے۔ اسے کہو کہ سوار ہو کر جائے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، عقبہ بن عامر، اور ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[1]

مسائل و معاملات:

- اہل علم کا اسی پر عمل ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب عورت (حج کو پیدل) چل کر جانے کی نذر مان لے تو وہ سوار ہو کر جائے اور ایک بکری دم میں دے۔
- اوف بنذرک: اپنی اس نذر کو پورا کر لو اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے زمانہ کفر میں نذر مانی تو آیا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟
- مذاہب فقہاء: (1) کہ بعض شافعیہ کے نزدیک واجب ہے۔ (2) جمہور کے نزدیک واجب نہیں۔
- شافعیہ کا استدلال: حدیث باب میں صیغہ امر سے ہے جو ایجاب کے لیے آتا ہے جبکہ جمہور کا استدلال یہ ہے کہ اسلام ما قبل اسلام کے جملہ افعال و اعمال کے لیے ہادم ہے اور یہ کہ کافر کی نذر بذات خود منعقد ہوتی نہیں ہے تو نذر تو عبادت ہے جس کے لیے اسلام شرط ہے للذا ایفاء بھی لازم نہیں۔
- جواب: حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ جب آنحضورؐ نے دیکھا کہ حضرت عمر اس کا ارادہ کر چکے ہیں اس لیے بطور تطوع و استحباب کے اجازت دے دی۔
- رہا یہ مسئلہ کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل باب ماجاء فی الاعتکاف میں گزری ہے۔

- نذر اور قسموں کا بیان

نذر کو پورا کرنا۔

عن ابن عمر عن عمر قال قلت یا رسول اللہ إنی کنت نذرت .... أحمد وإسحق (2)

اسحاق بن منصور، یحییٰ بن سعید قطان، عبیداللہ بن عمر، حضرت عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا۔ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ اس باب میں عبداللہ بن عمر ابن عباس سے بھی احدیث منقول ہیں۔ حضرت عمر کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم اسی حدیث پر عمل کرتے

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1592 حدیث مرفوع مکررات 13

[2] تخریج: خ/الاعتکاف 5 (3032)، و 15 (3042)، و 16 (2043)، والخمس 19 (3144)، والمغازی 54 (4320)، والایمان 29 (6697)، م/الایمان 6 (1656)، د/الایمان 32 (3325)، ن/الایمان 36 (3830)، ق/الصیام 60 (1772)، والکفارات 18 (2119)، وحم(37/1) وایضاً(20/2، 82، 153،)، د/النذور 1(2378) صحیح

ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام لائے اور اس پر اللہ کی اطاعت ہی میں نذر ہو تو وہ اسے پورا کرے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لئے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ لیکن بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ معتکف کے ذمہ روزہ نہیں البتہ یہ کہ وہ خود اپنے ذمہ واجب کرے۔ انہوں نے حدیث عمر سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے دور جاہلیت میں مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پورا کرنے کا حکم دیا۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔([1])

مسائل و معاملات:

- اوف بنذرک: اپنی اس نذر کو پورا کرلو اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے زمانہ کفر میں نذر مانی تو آیا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟
- مذاہب فقہاء: (1) کہ بعض شافعیہ کے نزدیک واجب ہے۔ (2) جمہور کے نزدیک واجب نہیں۔
- شافعیہ کا استدلال: حدیث باب میں صیغہ امر سے ہے جو ایجاب کے لیے آتا ہے جبکہ جمہور کا استدلال یہ ہے کہ اسلام ما قبل اسلام کے جملہ افعال و اعمال کے لیے ہادم ہے اور یہ کہ کافر کی نذر بذات خود منعقد ہوتی نہیں ہے تو نذر تو عبادت ہے جس کے لیے اسلام شرط ہے لہٰذا ایفاء بھی لازم نہیں۔
- : حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ جب آنحضورؐ نے دیکھا کہ حضرت عمر اس کا ارادہ کر چکے ہیں اس لیے بطور تطوع و استحباب کے اجازت دے دی۔

- نذر اور قسموں کا بیان
جو شخص اپنے غلام کو تمانچہ مارے

عن عقبة بن عامر قال قلت يا رسول الله إن أختي نذرت أن تمشي إلى البيت .... أحمد وإسحق ([2])

محمود بن غیلان، وکیع، سفیان، یحییٰ بن سعید، عبیداللہ بن زحر، ابی سعید رعینی، عبداللہ بن مالک یحصبی، حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بہن نے نذر مانی تھی کہ بیت اللہ ننگے پاؤں اور بغیر چادر کے چل کر جائے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کی اس سختی کو جھیلنے کی ضرورت نہیں۔ اسے چاہیے کہ سوار ہو اور چادر اوڑھ کر جائے اور تین روزے رکھے۔ اس باب میں ابن عباس سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علماء کا اس پر عمل ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔([3])

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1596 حدیث مرفوع مکررات 20

[2]- تخریج: د/الایمان 23 (3293)-(3294)، ن/الایمان 32 (3845)، ق/الکفارات 20 (2134)، تحفة الاشراف ؛9930) وحم (151،149،134/4)، د/النذور2(2379)

[3] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1601 حدیث مرفوع مکررات 11

- نذر اور قسموں کا بیان

میت کی طرف سے نذر پوری کرنا۔

أن سعد بن عبادة استفتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى نذر كان على أمه توفيت قبل أن تقضيه فقال النبى صلى الله عليه وسلم اقض عنها قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح [1]

قتیبہ، لیث، شہاب، عبیداللہ بن عتبہ، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری والدہ نے نذر مانی تھی اور وہ اسے پورا کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی طرف سے وہ نذر پوری کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ [2]

- قسموں اور نذروں سے متعلق احادیث مبارکہ

اگر کوئی عورت ننگے پاں ننگے سر چل کر حج پر جانے کی قسم کھائے

أن عقبة بن عامر أخبره أنه سأل النبى صلى الله عليه وسلم عن أخت له نذرت أن تمشى حافية غير مختمرة فقال له النبى صلى الله عليه وسلم مرها فلتختمر ولتركب ولتصم ثلاثة أيام [3]

عمرو بن علی و محمد بن مثنی، یحییٰ بن سعید، عبیداللہ بن زحر، عبداللہ بن مالک، ضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کے لیے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) مسئلہ دریافت کیا کہ اس نے نذر مانی ہے ننگے پاؤں اور ننگے سر چلنے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی بہن سے کہہ دو کہ وہ اپنا دوپٹہ اوڑھ لے اور سوار ہو کر جائے اور تین دن کے روزے رکھے۔ [4]

مسائل و معاملات:

- یہاں نذر دو چیزوں کی ہے پیدل چل کر جانے کی (2) دوپٹہ نہ اوڑھنے کیا ب جس صفت پر کعبتہ اللہ جانے کی نذر مانی تھی وہ پورا نہ کیا تو اسلیے ھدی لازم آئے گی اگرچہ اس میں ذکر نہیں ہے لیکن اس مضمون سے متعلق دوسری احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

---

[1] - تخریج: خ/الوصایا 19 (2861)، والایمان 30 (6698)، والحیل 3 (6959)، م/النذور 1 (1638)، د/الایمان 25 (3307)، ن/الوصایا 8 (3688)، والایمان 35 (3848)، ق/الکفارات 19 (2123)، ط النذور 1 (1)، وحم (370،229،219/1) صحیح

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1603 حدیث مرفوع مکررات 27

[3] - ایضاً

[4] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 145 حدیث مرفوع مکررات 11

- دوسرا یہ تھا کہ سر کو نہیں ڈھانپوں گی تو یہ معصیت ہے اور معصیت کی نذر تو منعقد ہو جاتی ہے البتہ ایفا جائز نہیں ہوتا بلکہ حکم ہے کہ کفارہ یمین ادا کرے یعنی تین دن کے روزے رکھے اس حدیث میں آپ ﷺ نے ھدی کا بھی حکم دیا ہے اور تین روزوں کا بھی حکم دیا ہے۔ لیکن بعض حضرات نے صرف ھدی کا ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف تین روزوں کا ذکر کیا ہے۔
- میت کی طرف سے اُس کی نذر کو پورا کرنا جائز ہے۔ مگر معصیت کی نذر کو عبادات نافلہ کی نذر کو اور عبادات واجبہ غیر مقصودہ کی نذر کو پورا کرالازم نہیں ہے۔
- اس حدیث سے بھی نذر پوری کرنے کا لزوم ثابت ہے علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں نذر کا پورا کرنا، کتاب وسنت اور اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔(1)

نذر کی اقسام:

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

نذر کی چار قسمیں ہیں:

ا۔ عبادات جیسے نماز۔ ۲۔ معصیت جیسے زنا۔ ۳۔ مکروہ جیسے نوافل ترک کرنے کی نذر۔ ۴۔ مباح جیسے مباح کھانے پینے یا لباس پہننے کی نذر۔

عبادات کی نذر کو پورا کرنا لازمی ہے اور باقی اقسام کی نذر کو پورا کرنا لازمی نہیں ہے۔(2)

میت کی طرف سے نذر پوری کرنے میں فقہاء کی آراء:

- علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

جس شخص نے حج کرنے یا روزہ رکھنے یا صدقہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا اعتکاف کرنے یا نماز پڑھنے یا کسی اور عبادت کی نذر کی اور نذر پورا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس کی نذر پوری کردے۔ نماز کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ میت کی طرف سے نماز نہ پڑھے کیونکہ نماز کا کسی حال میں کوئی بدل نہیں ہے اور باقی عبادات میت کی طرف سے کرنی جائز ہے۔ لیکن میت کے ولی پر واجب نہیں ہیں۔ بلکہ بطور صلہ رحمی اور احسان کے مستحب ہیں۔ (3)

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں فقہائے شافعیہ کا نظریہ:

- علامہ نووی لکھتے ہیں:

---

1. ابن عابدین شامی، ردالمختار، 91/3
2. عمدۃالقاری: 208/13
3. المغنی: 86-87/10

میت کی طرف سے اس کے حقوق واجبہ ادا کرنا جائز ہے۔ حقوق مالیہ کے ادا کرنے کے جواز پر اجماع ہے اور حقوق بدنیہ کے ادا کرنے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ زکوۃ، نذر اور کفارہ، میت پر جو حقوق مالیہ واجب ہیں ان کو میت کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے، خواہ میت نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ جیسا کہ قرض کا حکم ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ میت نے جب تک وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے کسی چیز کو ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ [1]

میت کی طرف سے اس کی نذر پوری کرنے میں فقہائے مالکیہ کا نظریہ:

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکیؒ لکھتے ہیں؛

میت کی نذر یا صرف مال کے ساتھ خاص ہو گی جیسے صدقہ، اور غلام آزاد کرنا، یا صرف بدن کے ساتھ خاص ہو گی جیسے نماز اور روزہ یا مال اور بدن دونوں کے ساتھ متعلق ہو گی۔ پس اگر نذر صرف مال کے ساتھ خاص ہو جیسے صدقہ اور وقف وغیرہ تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور اگر وہ نذر نماز اور روزے کی طرح بدن کے ساتھ خاص ہو تو کسی شخص کا بھی اس نذر کو میت کی طرف سے ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر یہ نذر مال اور بدن دونوں سے متعلق ہو جیسے حج تو اس میں امام مالک کہتے ہیں کہ اس کے لیے میت کی وصیت صحیح ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ میت کے وارثوں میں سے جو چاہے میت کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔ (2)

میت کی طرف سے نذر پوری کرنے میں فقہائے احناف کا نظریہ:

- علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا در آں حالیکہ اس پر حج فرض تھا تو اس کے ورثاء پر اس کی طرف سے حج کرنا لازم نہیں ہے خواہ اس نے حج کی وصیت کی ہو یا نہ، اور اگر اس نے حج کی وصیت کی اور اس کے تہائی مال سے حج کیا جا سکتا ہے تو میت کی وصیت کے مطابق اس کی طرف سے حج کیا جائے گا اور اگر میت کے تہائی ترکہ سے حج نہیں کیا جا سکتا تو میت کی وصیت باطل ہو جائے گی۔ (3)

دیت کا بیان

ضائع کر دینے کی دیت

عن المغيرة بن شعبة أن امرأتين كانتا ضرتين فرمت إحداهما الأخرىٰ بحجر ....حسن صحيح (4)

حسن بن علی، وہب بن جریر، شعبہ، منصور، ابراہیم، عبید بن نضلہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تو ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمے کی کوئی میخ وغیرہ ماری دی جس سے اس کا حمل ضائع ہو گیا پس نبی کریم صلی اللہ

---

[1] شرح مسلم للنووی: 44/2

[2] المنتقی: 230/3، مصر، مطبعۃ السعادۃ، الطبعۃ الاولیٰ: 1332ھ، ص: 230/3، الموطا للامام مالک: ص 245

[3] عمدۃ القاری: 214/10

[4] تخریج: خ/الدیات 25 (6904-6908)، م/القسامۃ (الحدود)، 11(1682)، د/الدیات 21 (4568)، ن/القسامۃ 39(4825)، ق/الدیات 7 (2640)

علیہ وآلہ وسلم نے دیت کے طور پر ایک غلام یا باندی دینے کا حکم دیا اور اسے قاتل عورت کے خاندان کے ذمہ قرار دیا حسن کہتے ہیں کہ زید بن حباب نے بواسطہ سفیان، منصور سے یہ حدیث روایت کی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[1]

مسائل و معاملات:

- جنین کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے۔
- عورت کی دیت کا سگے وارثوں کو حکم دیا گیا ہے۔
- دیت کے وجب کے لیے جنین کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔اس میں اہلِ علم نے اختلاف کیا ہے۔
- (احناف) پیدائش کا کچھ حصہ ظاہر ہو جانا کافی ہے۔مثلاً ناخن اور بال وغیرہ۔(2)
- (مالکیہ) دیت تب واجب ہو گی جب جنین مکمل ہو یا (کم از کم) گوشت کا لوتھڑا بن چکا ہو۔(3)
- (شافعیہ، حنابلہ) دیت اس وقت واجب ہو گی جب گوشت کا لوتھڑا بن چکا ہو اور یہ شہادت سے ثابت بھی ہو جائے۔شافعیہ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت اور حنابلہ کے نزدیک کچھ ثقہ عورتوں کی شہادت قبول ہو گی۔(4)
- ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: کہ فقہاء نے غرہ (غلام یا لونڈی) کے وجوب میں یہ شرط لگائی ہے کہ جنین ماں کے پیٹ سے مردہ نکلے اور زندہ نکلے گا تو اس میں قصاص یا دیت واجب ہو گی۔(5)

جنین کی موت اگر ماں کی موت کے بعد ہو:

- احناب اور مالکیہ کے نزدیک اگر جنین ماں کی موت کے بعد مردہ نکلے تو مارنے والے پر ماں کی دیت ہے اور جنین میں سوائے تعزیر کے کچھ نہیں۔ (6)
- شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مارنے والے پر ماں کی دیت اور جنین کا غلام ادا کرنا واجب ہے۔اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ ماں کی موت کے بعد مردہ نکلے یا اس کی زندگی میں مردہ نکلے۔(7)
- علامہ مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: جب کسی نے عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی اور اس ضرب سے عورت کا بچہ ساقط ہو گیا درآں حالیکہ وہ مردہ ہو تو اس میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہے۔یعنی مرد کی دیت کا بیسواں حصہ، اور یہ مرد میں ہے اور عورت میں عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور ان میں سے ہر ایک پانچ سو درہم ہے اور قیاس یہ ہے کہ کوئی

---

[1] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1445   حدیث مرفوع   مکررات 23

[2] الفتاویٰ الھندیۃ: 34/6، حاشیہ ابن عابدین: 587/6

[3] حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: 268/4

[4] المھذب، 198/2، المغنی، 406/8

[5] فتح الباری: 247/14

[6] بدائع الصنائع: 326/7، بدایۃ المجتھد: 408/2

[7] المغنی، 802/7، مغنی المحتاج، 103/4، کشاف القناع: 26/6

چیز واجب نہ ہو کیونکہ اس کی حیات کا یقین نہیں ہے اور استحصان کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیٹ کے بچے میں غلام یا باندی کا غرہ ہے یا اس کی قیمت پانچ سو (درہم) ہے سنن ابوداود مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ داریہ

- احناف کے نزدیک جنین کی دیت ایک سال میں ادا کرنا واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک دیت تین سال میں ادا کرنا واجب ہے۔(1)

عورت کی نصف دیت اور ائمہ مذاہب:

- عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ یہ حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کیونکہ عورت کا مال اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے۔ عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (2)
- امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المراۃ علی النصف من دیت الرجل (3)

- ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔مزید دیکھیے: سنن کبریٰ: 95/8۔
- امام محمد بن حسن شیبانی روایت کرتے ہیں:

اخبرنا ابو حنیفۃ قال: حدثنا حماد عن ابراھیم قال: کان علی بن ابی طالبؓ یقول: جراحات النساء علی النصف من جراحات الرجال فی کل شیء(4)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کی نصف ہے۔

اس حدیث کو امام عبدالرزاق اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

- شمس الائمہ سرخی لکھتے ہیں:

وبلغنا عن علی انہ قال فی دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وما دونھا وبہ ناخذ (5)

حضرت علیؓ سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ جان اور اعضاء میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

- امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

---

[1] ہدایہ اخیرین، مطبوعہ شرکۃ علمیہ ملتان، ص 99-598

[2] ہدایہ اخیرین، ص: 585

[3] سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، ص: 95/8

[4] شیبانی، امام محمد بن حسن، کتاب الاثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی 1407ھ، ص: 126

[5] المبسوط: 79/26

قال مالک و تفسیر ذلک انها تعاقله فی الموضحة والمنقلة وما دون المامونة والجائفه واشباهما مما یکون فیه ثلث الدیه فصاعدا فاذا بلغت ذلک کان عقلها فی ذلک النصف من عقل الرجل۔(1)

- ترجمہ: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔
- قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

امادیة المراة فانهم اتفقوا علی انها علی النصف من دیة الرجل فی النفس فقط (2)

- ترجمہ: بہر حال عورت کی دیت میں فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ فقط جان میں اس کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔
- امام محمد بن ادریس شافعی لکھتے ہیں:

قال الشافعیؒ: لم اعلم مخالفا من اهل العلم قدیما ولاحدیثا فی ان دیة المراة نصف دیة الرجل وذلک خمسون من الابل (3)

- ترجمہ: (امام شافعیؒ نے فرمایا) میں نے قدیم اور جدید اہل علم میں سے کسی کو اس بات کا مخالف نہیں پایا کہ عورت کی دیت مرد کی نصف ہے اور یہ پچاس اونٹ ہیں۔

خلاصہ کلام:

امام مالکؒ اور امام احمد کے نزدیک تہائی دیت تک عورت کے زخموں کی دیت مرد کے زخموں کے برابر اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل اور کثیر دونوں میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔ البتہ جان کی دیت میں ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔

۔قسامت کے متعلق

قسامت میں پہلے مقتول کے ورثاء کو قسم دی جائے گی

أن سهل بن أبي حثمة أخبره أن عبد الله بن سهل ومحيصة خرجا إلى خيبر من جهد أصابهما فأتى محيصة فأخبر أن عبد الله بن سهل قد قتل وطرح في فقير أو عين فأتى يهود............منها ناقة حمرا (4)

احمد بن عمرو بن سرح، ابن وہب، مالک بن انس، ابو لیلیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الانصاری، سہل بن ابوحثمۃ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محصیہ دونوں خیبر کی جانب چلے کچھ تکلیف کی وجہ سے جو کہ ان کو تھی پھر حضرت محیصہ کے

---

1. موطا امام مالک، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، س۔ن، ص: 670
2. بدایۃ المجتهد: 310/2
3. شافعی، محمد بن ادریس، امام، کتاب الام، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، 1393ھ، ص: 170/4
4. --تخریج: خ/الصلح 7(2702)، والجزیۃ 12 (3173)، الادب 89 (6183)، والدیات 22 (6898)، والاحکام 38(7192)، م/القسامۃ (الحدود) 1(1669)، د/الدیات 8 (4820)، ن/القسامۃ 3 (4714)، ق/الدیات 28 (2677)، ط/القسامۃ 1(201) حم(4/2، 3))د/الدیات 2(2398)(صحیح)

پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت عبداللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے اور وہ ایک اندھے (یعنی ویران) کنویں میں یا چشمے میں ڈال دیئے گئے۔ یہ بات سن کر حضرت محیصہ یہودیوں کے پاس آئے اور کہنے لگے خدا کی قسم تم نے اس کو مارا ہے انہوں نے کہا خدا کی قسم اس کو نہیں مارا۔ حضرت محیصہ وہاں سے روانہ ہو گئے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا پھر حضرت محیصہ اور ان کے بڑے بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل مل کر آئے حضرت محیصہ نے پہلے گفتگو کرنا چاہی وہ ہی خیبر میں گئے تھے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم بڑے کا لحاظ کرو بڑے کا لحاظ کرو (اس کو پہلے گفتگو کرنے کا موقع دو) آخر حضرت حویصہ نے گفتگو کی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہود تمہارے ساتھی کی دیت نہ دیں تو ان سے کہہ دیا جائے لڑائی کرنے کے واسطے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں یہود کو لکھا۔ یہود نے جواب میں تحریر کیا خدا کی قسم! اس کو ہم نے نہیں مارا پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حویصہ اور محیصہ اور عبدالرحمٰن سے فرمایا اچھا تم قسم کھاؤ اور تم اپنے ساتھی کا خون ثابت کرو۔ انہوں نے کہا ہم قسم نہیں کھائیں گے (کیونکہ ہم لوگوں نے خود مارتے ہوئے نہیں دیکھا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو یہود تمہارے واسطے قسم کھائیں گے (کہ ہم نے اس کو نہیں مارا اور نہ ہم کو علم ہے کہ کس نے مارا ہے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ تو مسلمان نہیں ہیں (یعنی ان کے پاس تو ایمان نہیں) بلکہ وہ تو مشرک ہیں اور وہ لوگ جھوٹی قسم بھی کھا لیں گے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کو دیت ادا فرمائی اور ایک سو اونٹ بھیجے یہاں تک کہ ان کے مکان میں داخل ہو گئے۔ حضرت سہل نے فرمایا اس میں سے ایک اونٹنی نے جو کہ لال رنگ کی تھی میرے لات ماردی تھی۔ ([1])

مسائل و معاملات:

اہل محلّہ پر قسم کے سبب وجوب دیت کا بیان:

- جب اہل محلّہ نے قسم اٹھالی ہے تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ولی سے قسم نہ لی جائے گی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دیت واجب نہ ہو گی۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن سہل کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہود اپنی قسموں کے سبب تم سے بری ہو جائیں گے کیونکہ شریعت کے مطابق قسم مدعیٰ علیہ کو بری کرنے والی ہو کر مشروع ہوئی ہے اور اس پر کوئی چیز لازم کرنے والی نہیں ہے۔ جس طرح تمام دعویٰ جات میں اسی طرح ہوتا ہے۔
- ہماری دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت سہل اور زیاد بن ابو مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث میں قبیلہ وادعہ پر دیت اور قسامت کے درمیان جمع کیا ہے۔ اور آپؐ کا یہ فرمان اقدس کہ یہود تم سے بری ہو جائیں گے۔ یہ قصاص اور قید سے بری کرنے پر محمول ہے۔ اور جو قسم ہے یہ کسی شخص پر واجب ہونے والے معاملے سے بری کرنے والی ہے جبکہ قسامت اس طرح مشروع نہیں ہوئی۔ بلکہ اہل محلّہ کے انکار کے بعد دیت واجب ہوئی۔ بلکہ وہ اس سبب سے مشروع ہوئی ہے کہ اہل

---

[1] ۔ سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1014 حدیث مرفوع مکررات 34

محلّہ کی جھوٹی قسم سے بچتے ہوئے قصاص کے سبب کو ظاہر کیا جائے۔ کہ وہ قتل کا اقرار کریں اور جب انہوں نے قسم اٹھالی ہے تو قصاص سے بری ہونا یہ ظاہر ہو جائے گا۔

- اور جو دیت ہے وہ ایسے قتل سے واجب ہوتی ہے جاظاہری طور پر ان کی جانب سے پایا جائے۔ یا مقتول ان کے درمیان میں پایا جائے۔ جبکہ انکار اور ان کی جانب سے حفاظت میں سستی کے سبب دیت واجب نہیں ہوتی۔ جس طرح قتل خطاء میں ہوتا ہے۔ (1)

مسئلہ قسامت میں بحث و مباحثہ کا بیان:

- ابو رجاء جو آل ابی قلابہ سے تھے، ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن تخت پر عمر بن عبدالعزیز بیٹھے ہوئے تھے اور لوگوں کو اذن عام دیا کہ اندر آئیں۔ جب لوگ آئے تو کہا کہ تم قسامہ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا قسامہ کے متعلق ہمارا یہ خیال ہے کہ اس کے ذریعہ قصاص لینا حق ہے اور خلفاء نے بھی اس کے ذریعہ قصاص لیا ہے۔ پھر مجھ سے کہا کہ اے ابو قلابہ تم کیا کہتے ہو؟ اور مجھے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین آپ کے پاس عرب کے شرفاء اور سردار موجود ہیں، اگر ان میں سے پچاس آدمی دمشق کے شادی شدہ آدمی کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے لیکن دیکھا نہیں تو کیا اسے سنگسار کر دیا جائے گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر ان میں سے پچاس آدمی حمص کے ایک آدمی کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے چوری کی تو کیا آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے؟ جب کہ کسی نے دیکھا نہیں، انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا بخدا رسول اکرمؐ بجز تین حالتوں کے کسی اور حالت میں کسی کو قتل نہیں کیا۔ ایک وہ جو قصاص میں قتل کیا گیا، جس نے شادی شدہ ہو کر زنا کیا، یا وہ جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور اسلام سے پھر گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کیا انس بن مالک نے یہ بیان نہیں کیا کہ آپ نے چوری میں ہاتھ کاٹا ہے اور آنکھیں پھڑوا دی ہیں پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا؟ میں نے کہا تم سے انس کی حدیث بیان کرتا ہوں مجھ سے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ نبی اکرمؐ کی خدمت میں آئے اور اسلام کی بیعت کی۔ زمین انہیں راس نہ آئی اور ان کے جسم مریض ہو گئے تو انہوں نے آپؐ سے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ ہمارے چرواہے کے پاس اونٹوں میں کیوں نہیں جاتے کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ضرور۔ چنانچہ وہ لوگ گئے اور انہوں نے اونٹوں کا پیشاب اور ان کا دودھ پیا اور تندرست ہو گئے اور نبی اکرمؐ کے چرواہے کو قتل کر کے اور جانور لے کر بھاگ گئے۔

---

[1] - ہدایہ، کتاب الجنایات، ص 235

یہ خبر آپؐ کو پہنچی تو آپؐ نے آدمی بھیجے جو انہیں پکڑ کر لائے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں اور انہیں دھوپ میں ڈال دیا جائے اور ان کی آنکھیں پھڑوا دی جائیں، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ میں نے کہا کہ اس سے زیادہ سخت کوئی چیز نہیں جو انہوں نے کی تھی کہ دین اسلام سے پھر گئے، قتل کیا اور چوری کی۔ عنبہ نے کہا بخدا میں نے آج کی طرح کبھی نہیں سنا۔ ابو قلابہ کا بیان ہے کہ میں کہا اے عنبہ تو میری حدیث کو رد کرتا ہے؟ عنبہ نے کہا کہ نہیں بلکہ تم نے حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے جو حقیقت میں ہے۔ بخدا اجب تک یہ بوڑھا ان (شامیوں) میں زندہ ہے یہ لوگ بھلائی کے ساتھ ہوں گے۔

میں نے کہا نبی اکرمؐ کی ایک سنت یہ ہے کہ آپؐ کے پاس انصار سے کچھ لوگ آئے آپؐ سے گفتگو کی، پھر ان میں ایک شخص باہر نکلا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کا ساتھی خون میں تڑپ رہا ہے۔ وہ لوگ لوٹ کر آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا جو ساتھی ہمارے ساتھ گفتگو کر رہا تھا وہ یہاں سے اٹھ کر باہر نکلا، اب ہم نے دیکھا کہ وہ خون میں تڑپ رہا ہے۔ یہ سن کر نبیؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ کس کے متعلق تم گمان کرتے ہو؟ یا فرمایا کہ کس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ اس نے اسے قتل کیا ہے؟ آپؐ نے یہود کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ تم نے اس آدمی کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ یہود میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ ان لوگوں نے اس کو قتل نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہود اگر ہم سب کو قتل کر دیں تو پھر بھی قسم کھا لینے سے ان کو باک نہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تم لوگ پچاس قسمیں کھا کر دیت کے مستحق ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو قسم نہیں کھاتے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی طرف سے اپنا خون بہا ادا کر دیا۔

- ابو قلابہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہذیل کے لوگوں نے ایک شخص کو زمانہ جاہلیت میں سے اپنے سے الگ کر دیا تھا۔ وہ مقام بطحاء میں کسی یمنی کے گھر اترا۔ یمن والوں میں سے کسی کو خبر ہوئی تو اس پر تلوار سے حملہ کر کے اس کو قتل کر ڈالا۔ ہذیل کے لوگ آئے اور اس یمنی کو پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حج کے زمانہ میں لے گئے اور ان لوگوں نے کہا اس نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے۔ اس یمنی نے کہا کہ ہذیلوں نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ ہذیلوں میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ انہوں نے اس کو نہیں چھوڑا۔ ان میں سے انچاس آدمیوں نے قسم کھائی، انہی لوگوں میں سے ایک شخص ملک شام سے آیا تھا، جس سے ان لوگوں نے قسم کھانے کو کہا۔ اس نے ایک ہزار درہم دے کر قسم کھانے سے معافی لے لی تو ان لوگوں نے ایک دوسرے آدمی کو اس کی جگہ پر شامل کر لیا اور مقتول کے بھائی کے پاس لے جا کر اس کا ہاتھ اس سے ملوا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ دونوں اور پچاس آدمی بھی چلے جنہوں نے قسم کھائی تھی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ مقام نخلہ تک پہنچے تو ان لوگوں کو بارش نے آ گھیرا۔ وہ لوگ پہاڑ کی ایک غار میں جا گھسے، غار ان پچاس آدمیوں پر دھنس گیا جنہوں نے قسم کھائی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ مر گئے اور وہ دونوں ہاتھ ملانے والے باقی بچ گئے اور ان دونوں کو ایک پتھر آ کر لگا، جس سے مقتول کے بھائی کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ وہ ایک سال زندہ رہا پھر مر گیا۔ ابو قلابہ کا بیان ہے کہ میں کہتا ہوں کہ عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کو قسامہ کی بناء پر قصاص دلوایا پھر اپنی اس حرکت پر

پشیمان ہوا۔ چنانچہ پچاس قسم کھانے والوں کے متعلق حکم دیا گیا تو ان لوگوں کا نام دفتر سے کاٹ دیا گیا اور ان کو شہر بدر کر دیا گیا۔(1)

۔قسامت کے متعلق

ذکر أن علقمة بن وال أخبره عن أبيه أنه كان قاعدا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم إذ جاء رجل يقود آخر بنسعة فقال يا رسول الله قتل هذا أخي..........قال ذلك كذلك (2)

اسماعیل بن مسعود، خالد، حاتم، سماک، علقمہ بن وائل سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران ایک شخص آیا۔ ایک دوسرے شخص کو کھینچتا ہوا رسی پکڑ کر انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے۔ اس پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے اس کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر یہ اقرار نہ کرتا تو میں گواہ لاتا۔ اس دوران اس نے کہا میں نے قتل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس طریقہ سے مارا اور قتل کیا ہے۔ اس نے کہا میں اور اس کا بھائی دونوں لکڑیاں اکھٹا کر رہے تھے ایک درخت کے نیچے اس دوران اس نے مجھ کو گالی دی مجھ کو غصہ آیا میں نے کلہاڑی اس کے سر پر ماری (وہ مر گیا) اس پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس مال ہے جو کہ تم اپنی جان کے عوض ادا کرے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تو کچھ نہیں ہے علاوہ اس کمبل اور کلہاڑی کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو سمجھتا ہے کہ تمہاری قوم تجھ کو خرید کرلے گی۔ (یعنی دیت ادا کرے) وہ کہنے لگا میں اپنی قوم کے نزدیک زیادہ ذلیل اور رسوا ہوں دولت سے (یعنی میری جان کی ان کو اس قدر پرواہ نہیں ہے کہ مال ادا کریں) یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسی اس شخص کی جانب (یعنی وارث کی جانب پھینک دی) اور فرمایا تم اس کو لے جا یعنی جو تمہارا دل چاہے وہ کرو۔ جس وقت وہ شخص پشت کر کے روانہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس کو قتل کر دو گے تو یہ بھی اسی جیسا ہو گا لوگ جا کر اس سے ملے اور کہا تیری خرابی ہو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اس کو قتل کر دو گے تو تمہارا انجام اسی شخص جیسا ہو گا وہ شخص واپس خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پھر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں نے مجھ کو اس طریقہ سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کو قتل کر دوں تو اسی جیسا ہوں گا اور میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے حکم سے اس کو لے کر گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارا اور تمہارے ساتھی (یعنی مقتول کا) گناہ جمع کرلے گا۔ اس نے کہا کس وجہ سے نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہی بات ہو گی۔ اس نے کہا پھر اسی طرح سے صحیح ہے (میں اس کو چھوڑتا ہوں) (3)

---

[1] ۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1808

[2] ۔تخریج: م/القسامة 10 ((الحدود 10) (1680) د/الديات 3 (4499، 4500، 4501)، د/الديات 9 (2404) واعادة المولف فی القضاء 26 (برقم 5417) صحیح

[3] ۔ سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1031 حدیث مرفوع مکررات 13

مسائل و معاملات:

قتل کی اقسام کا بیان:

- فقہاء کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ (1) قتل عمد (2) قتل شبہ عمد (3) قتل خطاء (4) قتل جاری مجری خطا (5) قتل بسبب۔
- قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم ہو یا پتھر، لکڑی، کھپاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھار دار) چیز ہو اور مادہ آگ کا شعلہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ "مقتول بالارادہ قتل کسی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے" قتل عمد کا مرتکب سخت گناہ گار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔
- قتل شبہ عمد۔۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھار دار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو۔ قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہگار کرتی ہے لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلظ واجب ہوتی ہے۔ (دیت مغلظہ چار طرح کے اونٹوں کو کہتے ہیں لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔
- قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ "خطاء" کا تعلق "قصد" سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیر یا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیر یا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ "خطاء" کا تعلق "فعل" سے ہو مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیر یا گولی چلائی گئی مگر وہ تیر یا گولی بہک کر کسی آدمی کو جا لگی۔
- قتل جاری مجریٰ خطاء کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا۔ قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔
- قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا یا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں جا گرا یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبہ عمد اور جاری مجریٰ خطاء میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی "قتل بسبب" میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔

- آلات قتل سے حکم قتل کا بیان: ایک مومن، مسلمان آدمی کو جان بوجھ کر (عمداً) قتل کرنے والے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی مسلمان کو تلوار، خنجر جیسے کسی لوہے والی چیز سے قتل کرے یا کسی ایسے آلہ سے کہ جسے کاٹنے، ذبح کرنے یا مارنے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ یا کسی ایسی چیز کے ذریعے کہ جس کے استعمال سے معلوم ہو کہ اس سے کسی کی موت واقع ہو جائے گی۔ جیسے کہ بھاری پتھر، اینٹ یا زہریلا ڈنڈا، لاٹھی یا پستول، ریوالور، گرنیڈ یا گولہ وغیرہ یا جدید اسلحہ جات میں سے کوئی بھی نئی چیز۔
- قصاص کی فرضیت و معافی کا بیان: قصاص ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس ہے کہ مقتولین میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے لیکن یہ آیت ارادے کے وصف کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عمد قصاص ہے۔ یعنی ارادے سے قتل کرنے والے پر قصاص ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ارادے سے جنایت مکمل ہونے والی ہے۔ اور اسی طرح زجر و توبیخ کی حکمت بھی عمد کے ساتھ کامل ہوتی ہے۔ اور سب سے آخری سزا کے لیے قصاص کے سوا کوئی دوسری سزا کی تشریع نہیں ہے۔
- ہاں البتہ جب مقتول کے اولیاء اس قاتل کو معاف کر دیں یا اس سے صلح کر لیں۔ اس لیے کہ قصاص اولیاء کا حق ہے اور اس کے بعد قصاص قرض عین ہے۔ اور قاتل کی رضا کے بغیر والی کو دیت لینے کا حق نہ ہو گا۔
- حضرت امام شافعیؒ کے دونوں اقوال میں سے ایک قول اسی طرح ہے۔ مگر قاتل کی مرضی کے سوا بھی ولی کے لیے مال جانب رغبت کرنے کا حق ہے اس لیے کہ ہلاکت کو دور کرنے کے لیے مال بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس قاتل کی مرضی کے سوا بھی اس کی جانب جانا درست ہو گا۔
- اور ایک قول کے مطابق قصاص اور دیت میں سے ایک غیر معین طریقے پر لازم ہے۔ اور ولی کے لیے اختیار ہو گا کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو معین کرے۔ کیونکہ یہاں بندے کا حق زبردستی مشروع ہوا ہے۔ اور جبر تو ہر ایک میں پایا جارہا ہے۔ پس ولی کے لیے اختیار ہے۔
- ہماری دلیل قرآن پاک کی وہ آیت مبارکہ ہے جس کو ہم تلاوت کر آئے ہیں۔ اور حدیث بھی وہی ہے جس کو ہم روایت کر آئے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ قتل کا موجب بننے میں مال کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ جبکہ مماثلت کے باعث قصاص اس کی صلاحیت رکھنے والا ہے اور سزا کے بارے میں قصاص ہی میں زندہ عوام کے لیے مصلحت والی چیز ہے۔ کیونکہ معین قصاص ہوا ہے۔ اور قتل خطاء کے لیے مال کا وجوب اس لیے ہے کہ خون کو ضائع ہونے سے ضرورت کی بنا پر اس کو بچایا جائے۔ جبکہ مال وصول کرنے کے بعد ولی کا قتل پر تیار نہ ہونا یہ معین نہیں ہے پس ہلاکت کو دور کرنے کے لیے مال ہی معین کر دیا جائے گا۔ (ہدایہ، کتاب الجنایات)

حکم قصاص و دیت کا شرعی بیان:

- يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلۡقِصَاصُ فِي ٱلۡقَتۡلَىۖ ٱلۡحُرُّ بِٱلۡحُرِّ وَٱلۡعَبۡدُ بِٱلۡعَبۡدِ وَٱلۡأُنثَىٰ بِٱلۡأُنثَىٰۚ فَمَنۡ عُفِيَ لَهُۥ مِنۡ أَخِيهِ شَيۡءٞ فَٱتِّبَاعُۢ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيۡهِ بِإِحۡسَٰنٖۗ ذَٰلِكَ تَخۡفِيفٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٞۗ فَمَنِ ٱعۡتَدَىٰ بَعۡدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٞ۔(1)

مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا کرنا) اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے یہ پروردگار کی طرف سے (تمھارے لیے) آسانی اور مہربانی ہے جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دکھ کا عذاب ہے،

- اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قصاص تھا دیت کا دستور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر قصاص فرض کرنے کے بعد فرمایا۔ آیت (فاتباع بالمعروف) جس سے مراد دیت کا مطالبہ ہے اور آیت (واداء الیہ باحسان) سے مراد یہ ہے کہ قاتل کو بلا چون وچرا ادائیگی کر دینی چاہیے۔ یہ اگلے لوگوں کے مقابلہ میں تخفیف ہے۔ آیت (فمن اعتدیٰ بعد ذلک) کا مطلب یہ ہے کہ دیت قبول کرنے کے بعد بھی اسے قتل کر دے۔ (2)
- زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ اے ایمان والو ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا۔ قصاص کے معنی لغت میں برابر اور مساوات کے ہیں تم نے جو یہ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو یہ لغو ہے، جانیں سب کی برابر ہیں۔ غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم و فاضل ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ تندرست ہو یا بیمار، قریب المرگ صحیح الاعضاء ہو یا اندھا لنگڑا۔

قتل کے معاملے کا قابل راضی نامہ ہونے کا بیان:

- بھائی کا لفظ فرما کر نہایت لطیف طریقے سے نرمی کی سفارش بھی کر دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اور دوسرے شخص کے درمیان باپ ماری کا بیر ہی سہی مگر ہے تو وہ تمہارا انسانی بھائی۔ لہٰذا اگر اپنے ایک خطا کار بھائی کے مقابلے میں انتقام کے غصے کو پی جاؤ تو یہ تمہاری انسانیت کے زیادہ شایان شان ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام قانون تعزیرات میں قتل تک کا معاملہ قابل راضی نامہ ہے۔ مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو معاف کر دیں اور اس صورت میں عدالت کے لیے جائز نہیں کہ قاتل کی جان ہی لینے پر اصرار کرے۔ البتہ جیسا کہ بعد کی آیت میں ارشاد ہوا معافی کی صورت میں قاتل کو خوں بہا ادا کرنا ہو گا۔

---

[1]-(البقرہ: 178)

[2]-بخاری کتاب التفسیر 235/5

فصل سوم

۔ولاء اور ہبہ کے متعلق ابواب

باپ کا اولاد سے انکار کرنا

عن أبي هريرة قال جاء رجل من بني فزارة إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إن امرأتي ولدت غلاما أسود فقال النبي صلى الله عليه وسلم هل لك من إبل قال نعم .... حسن صحيح (1)

عبدالجبار بن علاء عطار، سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی، سفیان زہری، سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو فزارہ کا ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی نے سیاہ لڑکا جنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا ان کا رنگ کیسا ہے۔ عرض کیا۔ سرخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا ان میں کوئی سیاہ بھی ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا وہ کہاں سے آگیا۔ اس نے عرض کیا شاید اس میں کوئی رگ آگئی ہو۔ (یعنی اس کی نسل میں کوئی کالا ہو گا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر شاید ہمارے بیٹے میں بھی ایسی کوئی رگ تمہارے باپ دادا کی آگئی ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (2)

مسائل و معاملات:

- اس حدیث میں ایک شخص کا اپنے نو مولود بچے کے کالے رنگ کی وجہ سے اس کے بارے میں شک ہوا کہ شاید یہ اس کا لڑکا نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کو بیوی پر تہمت گردانا۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خوبصورت انداز کہ اُس کو اُسی ماحول کی خوبصورت مثال سے سمجھا دیا کہ اونٹوں میں اگر ایسا ہو جاتا ہے تو انسانوں میں ایسا کیوں نہیں۔
- بچوں کا رنگ مختلف ہونے کی وجہ سے بیوی پر تہمت زنا لگانا جائز نہیں۔ (جب تک کہ زنا کا ثبوت نہ ہو)

۔غلام آزاد کرنے کا بیان:

جب معاہدہ کتابت منسوخ ہو جائے تو غلام کی فروخت کا کیا حکم ہے

---

[1] ۔جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2229 حدیث مرفوع مکررات 16

تخریج: خ/الطلاق/26(5305)، والحدود41(6847)، والاعتصام12(7314)، م/العان1(1500)، د/الطلاق28(2660)، ن/الطلاق 36 (3509)، ق/النکاح58(2200) حم(234 /2، ،409،239) (صحیح)

[2] ۔

عن ابن شهاب عن عروة أن عائشة رضى الله عنها أخبرته أن بريرة جاءت عائشة تستعينها فى كتابتها ولم تكن قضت من كتابتها شيئا فقالت لها عائشة ارجعي إلى أهلك.........أحق وأوثق (1)

قتیبہ بن سعید، عبداللہ بن مسلمہ، لیث، ابن شہاب، عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں بتلایا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو باندی تھیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے بدل کتابت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی اور ابھی انہوں نے اپنے بدل کتابت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے مالکان کے پاس جاؤ اگر وہ پسند کریں کہ میں تمہارا سارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تمہاری ولا میری ہو تو میں یہ کر لوں، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مالکان سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے انکار دیا، اور کہنے لگے کہ اگر وہ اللہ فی اللہ ایسا کرنا چاہیں تو کریں لیکن تمہاری ولا ہماری ہی ہو گی انہوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اسے خرید لو اور آزاد کر دو، پس بیشک ولا اسی کی ہے جو آزاد کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرائط نہیں کہ جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے جس شخص نے ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے تو وہ اگرچہ سو مرتبہ شرط لگائے لیکن اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ صحیح اور مضبوط ہے۔(2)

مسائل و معاملات:

حدیث بریرہؓ سے ایک سو باسٹھ مسائل کا استنباط:

حدیث بریرہؓ سے فقہاء اسلام نے حسب ذیل مسائل مستنبط کیے ہیں:

- باندی کو بھی غلام کی طرح مکاتب کرنا جائز ہے۔
- شادی شدہ باندی کو اس کے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی مکاتب کرنا جائز ہے۔
- خاوند کو مکاتبت سے منع کرنے کا حق نہیں ہے خواہ یہ مکاتبت ان کے باہمی فراق کا سبب بنے۔
- جب مکاتبہ کو مال کتابت کی جدوجہد میں مصروف کر دیا تو اب اس پر مالک کی خدمت واجب نہیں رہی۔
- مکاتبہ کے لیے جائز ہے کہ وہ مال کتابت کے حصول میں لوگوں سے سوال کرے۔
- اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقروض بھی قرض سے خلاصی کے لیے لوگوں سے سوال کر سکتا ہے۔
- مال کتابت کو وقت مقررہ سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔

[1]- تخریج: خ/النکاح 19 (5097)، الطلاق 24 (5279)، العتق 10 (2536)، الاطعمۃ 31 (5430)، الفرائض 20 (6754)، 22 (6757)، 23 (6759)، م/الزکاۃ 52 (1075)، العتق 2 (1504)، (تحفۃ الاشراف: 17432) وقد اخرجہ: د/الفرائض 12 (2915)، ت/البیوع 33 (1256)، والولاء 1 (2125)، ط/الطلاق 10 (25)، حم 6/178) (صحیح)

[2] – سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 538 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 58 بدون مکرر

- خریدار کا خریدتے وقت بھاؤ طے کرنے یا قیمت کم کرانے میں سختی کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طلب ولاء میں سختی کی۔
- صالح اور سمجھ دار عورت خود بھی خریداری کر سکتی ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کو خریدا)۔
- جو شخص خود تصرف نہ کر سکے وہ کسی غیر کو اپنا قائم مقام کر سکتا ہے۔
- جو شخص کسی غلام کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کو بیچنے والے پر ظاہر کر سکتا ہے تاکہ وہ آسانی سے فروخت کر دیں اور یہ ریا نہیں ہے۔
- اگر کوئی غیر شرعی شرط لگائے تو اس کا رد کرنا چاہیے۔
- مقروض کی رضامندی سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔
- کسی چیز کو اُدھار خریدنا جائز ہے۔
- اگر مکاتب وقت سے پہلے مکمل مال کتابت ادا کر دے تو مالک اس کو مسترد نہ کرے۔
- قرض کو قسط وار وصول کرنا جائز ہے۔
- شرط عتق سے بیع کرنا جائز ہے۔
- مکاتب کی رضامندی سے اس کو بیچنا جائز ہے۔
- مکاتب کے عجز کے بغیر بھی اس کو بیچنا جائز ہے۔
- عورت اپنے شوہر کے علاوہ بھی کسی سے خفیہ بات چیت کر سکتی ہے، بشرطیکہ وہ مومن ہو۔
- حاکم اپنی زوجہ کے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔
- باندی کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے۔
- اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے۔
- شادی شدہ لونڈی کی بیع طلاق کے مترادف نہیں ہے۔
- خطبہ سے پہلے حمد و ثناء کرنا سنت ہے۔
- کھڑے ہو کر خطبہ دینا اور خطبہ کے بعد اما بعد کہنا بھی سنت ہے۔
- اگر بلا تکلّف مسجع (موزوں) کلام کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات کو منبر پر کھڑے ہو کر بیان کرتے تھے۔
- نصیحت کے مواقع پر کسی غلط کار کی نشاندہی اور تعین نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ عموم کے صیغے استعمال کرنے چاہئیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے! یہ نہیں فرمایا بریرہ کے مالکوں کا کیا حال ہے۔
- مکاتب کا کسب اس کے اپنے لیے ہوتا ہے، اس کے مالک کے لیے نہیں ہوتا۔
- سمجھدار عورت مالک کی اجازت کے بغیر بھی اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے اور بیچنے والوں سے پیغام رسانی کر سکتی ہے۔

- جس شخص نے مال کتابت کی بعض یا اکثر اقساط ادا کر دی ہوں وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ کل اقساط ادا نہ کر دے۔
- اگر اقساط مقرر کردہ قیمت کے برابر ہو جائیں تو مکاتب آزاد ہو جائے گا۔
- شادی شدہ باندی کی بیع کے بعد خریدار کے لیے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بیع سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔
- حال اضطرار کے بغیر بھی سوال کا جواز، کیونکہ حضرت بریرہ نے مضطر ہوئے بغیر حضرت عائشہ سے سوال کیا۔
- شادی شدہ عورت سے مال مکاتبت میں استعانت کے سوال کا جواز۔
- طلب اجر کے لیے کسی چیز کو معروف قیمت سے زیادہ میں خریدنا۔
- طے شدہ اقساط کی بجائے یک مشت ادائیگی کا جواز کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نو سال میں قسط وار ادا کی جانے والی رقم کو یک مشت نقد ادا کر دیا کیونکہ بیچنے والے کی رغبت ادھار کے مقابلہ میں نقد میں زیادہ ہوتی ہے۔
- حضرت بریرہ کے عدم اضطرار کے باوجود سوال پر ردّ نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بغیر احتیاج کے سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذمّت فرمانا خلاف اولیٰ ہونے کی وجہ سے ہے۔
- غلام کا آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کا جواز، ہر چند کہ اس کا یہ فعل مالک کے لیے مضر ہے کیونکہ اسلام کا منشاء غلامی کا خاتمہ ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے"۔ اس میں کتاب اللہ سے مراد عام ہے کواہ صراحۃً کتاب اللہ میں ہو یا اس کا منشاء کتاب اللہ میں ہو۔ لہٰذا وہ شرائط جو احادیث، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرط بیان فرمائی کہ "ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے"۔ اس کا ذکر صراحۃً قرآن مجید میں نہیں ہے۔
- جو شرائط غیر مشروعہ ہوں وہ مفسد عقد نہیں ہیں۔
- جو شخص شرط فاسد لگائے وہ اس وقت سزا کا مستحق ہو گا جب اس کی تحریم کو جان کر اس پر اصرار کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کے مالکوں کو، کوئی سزا دی نہ کوئی وعید سنائی۔
- مکاتب کا مالک، مکاتب کے آزاد ہونے کی جدوجہد میں حارج نہ ہونا۔
- مکاتب جب اپنی کچھ اقساط کو وقت سے پہلے ادا کر دے تو مالک ان کو قبول کرنے سے انکار نہ کرے۔
- کوئی شخص تبرعاً مکاتب کو آزاد کر دے تو جائز ہے۔
- مکاتب اور اس کے مالک کی رضامندی سے عقد کتابت کو فسخ کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جدوجہد کے بعد پچھلا عقد فسخ ہو گیا۔
- ولا پر آزاد کرنے والے کا حق ہے۔
- غیر شرعی امر کا ردّ کرنا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شرعی شرط کا ردّ فرمایا۔
- کسی اہم کام کو بیان کرنے سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہیے۔
- بغیر مطالبہ کے بھی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھائی تھی کہ وہ شرط نہیں لگائیں گی۔

- فقہاء شافعیہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یمین لغو پر کفارہ نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا شرط لگاؤ (کہ ولاء تمہارے لیے ہو گی) اور ان پر کفارہ لازم نہیں کیا، فقہاء احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کفارہ ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں کفارہ نہ دیا ہو۔
- ایک شخص کا دوسرے سے تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی سے بات کرنا جب کہ اس کو تیسرے سے حیاء دامن گیر ہو۔ بشرطیکہ اس کو علم ہو کہ دوسرا، اس تیسرے کو بتا دے گا۔ اس سلسلے میں جو ممانعت ہے یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔
- تیسرے شخص کا دوسرے سے سوال کرنا کہ اس نے کیا سرگوشی کی ہے؟ جبکہ اس کو علم ہو کہ اس کا بھی اس معاملہ میں دخل ہے، ایسی صورت میں راز افشاء کرنے کا جواز خصوصاً جبکہ اس میں سرگوشی کرنے والے کی خیر خواہی ہو۔
- غلام کا، مالک کی اجازت کے بغیر اپنے معاملہ میں کسی کو وکیل بنانا۔
- آزاد کرنے والی عورت کے لیے ولاء کا ثبوت ہر چند کہ ولاء وراثت میں عورت کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔
- آزاد کردہ غلام کی ولاء کا کافر بھی حقدار ہو سکتا ہے کیونکہ آپ نے بصیغہ عموم فرمایا ولاء کا حقدار آزاد کرنے والا ہے۔
- ولاء کی بیع اور ہبہ کا عدم جواز۔
- ولاء اس کی ہے جو پیسے دے اس سے معلوم ہوا کہ مالک کے لیے ولاء ہو گی ہر چند کہ وکیل نے پیسے دیئے ہوں۔
- جو باندی آزاد کی جائے اس کو نکاح سابق میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ملتا ہے خواہ اس کا خاوند اس وقت آزاد ہو یا غلام۔
- آزاد ہونے کے فوراً بعد اس کو اختیار مل جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے وہ آزاد کی گئیں آپ نے ان کو بلا کر اختیار دیا اور انہوں نے اپنے شوہر کے مقابلہ میں خود کو اختیار کر لیا۔
- امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ اختیار تین دن تک ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اختیار ہمیشہ رہتا ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے، امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کی مجلس یا جس مجلس میں آزاد کی گئی ہے اس مجلس سے اُٹھنے کے بعد یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔
- اگر خیار عتق کے بعد آزاد کردہ باندی اپنے شوہر کو مجامعت کا موقع دے تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث بریرہؓ کی بعض روایات سے یہ ثابت ہے اور امام مالک نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت حفصہ کا بھی یہی فتویٰ تھا، حضرت ابن عمر کی بھی یہی رائے تھے اور علامہ ابو عمرو ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ صحابہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔
- اگر عورت اپنے اختیار سے لاعلمی میں خاوند کو مباشرت کا موقع دے تو آیا پھر اختیار ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ کے قواعد کا بھی یہی تقاضا ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ جہل کی وجہ سے معذور ہے۔
- دار قطنی کی روایت میں ہے" ان وطئک فلا خیار لک" اگر تمہارے خاوند نے تمہارے ساتھ مباشرت کر لی تو پھر تمہیں اختیار نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عورت کو اپنے شوہر کے کسی عیب (مثلاً غربت، دیوانگی وغیرہ) کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو وطی کا موقع دے تو اس کا اختیار باطل ہو جاتا ہے۔
- خیار سے فسخ نکاح کے بعد خاوند رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ حضرت مغیثؓ حضرت بریرہؓ کے فراق میں سخت آزردہ ہونے کے باوجود رجوع نہیں کر سکے۔

- محبت میں محبوب کے پیچھے دربدر پھرنا۔ جیسا کہ بہ روایت بخاری حضرت مغیث حضرت بریرہ کی محبت میں گلی کوچوں میں حضرت بریرہ کے پیچھے بریرہ، بریرہ پکارتے پھرتے تھے اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگتی رہتی تھی۔
- سفارش کا جواز، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیث کے لیے حضرت بریرہ سے نکاح کی سفارش کی۔
- اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو سفارش کرنے والے کو غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضرت بریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول نہیں کی تھی، اور آپ نے اس پر کسی قسم کے غم وغصہ کا اظہار نہیں کیا۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس حکم کے بارے میں تصریح فرما دیں کہ یہ واجب نہیں ہے اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ملامت نہیں ہوتی۔
- امر علی الاطلاق وجوب پر محمول ہوتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے مغیثؓ سے نکاح کے لیے فرمایا تو حضرت بریرہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آپ کا امر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میری سفارش ہے کہا پھر نکاح نہیں کروں گی۔
- عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کسی سے دیوانہ وار محبت کرے تو اس کو بھی اس سے انس ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت بریرہ اور حضرت مغیث کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے محبت ہے اور بریرہ مغیث سے نفرت کرتی ہے۔
- جب کسی شخص کو دو چیزوں میں سے ایک پر عمل کے لیے کہا جائے اور وہ ایسی صورت کو اختیار کرے جو کسی کو ناگوار ہو تو اس پر ملامت نہیں ہے جیسا کہ حضرت بریرہ کو حضرت مغیث کے ساتھ نکاح نہ کرنے پر ملامت نہیں کی گئی۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کی عظمت کو ایک باندی نے آپ کی سفارش قبول نہیں کی اور آپ نے کسی ملال کا اظہار نہیں کیا۔
- اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد شوہر کو مسترد کر سکتی ہے۔
- امام شافعیؒ نے اس حدیث کی بناء پر فرمایا حریت کا کفاءت میں اعتبار ہوتا ہے اور غلام آزاد کا کفو نہیں ہے۔
- جس عورت کا ولی نہ ہو وہ چاہے تو اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کر سکتی ہے کیونکہ حضرت بریرہ چاہتیں تو حضرت مغیث کے نکاح میں رہتیں۔ (یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے، احناف کے نزدیک حضرت مغیث آزاد تھے)۔
- جب باندی آزاد کر دی جائے تو اب اس کا خاوند، دو کی بجائے تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے، چونکہ عورت پر اس کی ملکیت اب بڑھ جاتی ہے اس لیے اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔
- جب عورت کو اختیار دیا جائے اور وہ کہہ دے کہ "مجھے اس کی حاجت نہیں"۔ تو تفریق کر دی جائے گی کیونکہ حضرت بریرہ نے یہی کلمات کہے تھے۔
- اجنبی عورتوں کے گھر میں آنے کا جواز، خواہ مرد گھر پر ہو یا نہ ہو۔
- مکاتبہ کے آزاد ہونے کے بعد نہ اس کے ساتھ شوہر لاحق ہوتا ہے نہ بچے۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ مطلقاً حرام ہے۔
- جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لاحق ہیں جیسے آپ کی ازواج اور موالی ان پر نفلی صدقہ جائز ہے۔

- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر صدقہ واجبہ جائز نہیں ہے اور آپ کے موالی (آزاد کردہ غلام اور باندیوں) پر جائز ہے کیونکہ بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا۔
- جب فقیر پر کیے گئے صدقہ کو غنی پر ہبہ کر دیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور اگر بیچ دیا جائے تو بطریقِ اولیٰ جائز ہے۔
- ملک بدلنے سے چیز کا حکم بدل جاتا ہے، وہی گوشت پہلے صدقہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں آگیا تو ہدیہ ہو گیا۔
- صدقہ اور ہدیہ کا حکم الگ الگ ہے۔
- گوشت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی رغبت، کیونکہ آپ نے فرمایا کیا میں آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟
- اہل خانہ کی صاحب خانہ کی خیر خواہی کرنا، کیونکہ گھر والوں نے اس لیے آپکو گوشت نہیں دیا تھا کہ یہ صدقہ کا ہے۔
- جب باندی آزاد کر دی جائے تو وہ معاملات میں تصرف کر سکتی ہے، جیسا کہ حضرت بریرہ نے گوشت لیا اور ازواج کو پیش کیا۔
- آزاد شدہ باندی اپنی کمائی میں خاوند کی اجازت کے بغیر بھی تصرف کر سکتی ہے۔
- جو شخص کسی کے زیر کفالت ہو اس پر صدقہ کرنا، کیونکہ حضرت بریرہؓ، حضرت عائشہؓ کی زیر کفالت تھیں اور ان پر صدقہ کیا جاتا تھا حضرت عائشہؓ اس کو قبول فرماتیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہیں فرماتے تھے۔
- جس شخص کے اہل پر صدقہ کیا جائے وہ اس میں شریک ہو سکتا ہے۔
- عورت خاوند کے علم کے بغیر اس کے گھر میں ایسی چیز لا سکتی ہے جس کا خاوند مالک نہیں ہوتا۔
- ہر چند کہ عورت کا کھانا خاوند کے ذمہ ہے پھر بھی بیویوں کا اپنے شوہروں کے لیے کھانا پکانا جیسا کہ ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پکاتی تھیں۔
- مرد کو اپنے گھر میں جو مل جائے اس کا کھانا جائز ہے جبکہ یہ غلبہ ظن ہو کہ وہاں حلال چیزیں ہوتی ہیں اور اس کو اس چیز کے بارے میں بتانا چاہیے جس کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اس سے بچتا ہے۔
- جس چیز سے کسی علم یا کسی چیز کا حکم معلوم ہو سکتا ہو اسکا سوال کرنا مستحب ہے اور بسا اوقات واجب ہے۔
- اگر گھر میں کوئی نئی یا غیر معروف یا غیر مانوس چیز نظر آئے تو گھر والے کو اس کی تفتیش کرنی چاہیے۔
- ہدیہ کے جواب میں ہدیہ دینا لازم اور ضروری نہیں ہے۔
- ہدیہ کا گھر میں صرف پہنچا دینا ہی کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کو قبول کرایا جائے۔
- جس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہے وہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اس سے صدقہ کرنے والے کے اجر میں کمی نہیں ہو گی۔
- جب کسی چیز میں بظاہر کوئی شبہ نہ ہو تو اس کی اصل کی تفتیش نہیں کرنی چاہیے۔
- اسی طرح جو جانور مسلمانوں میں ذبح ہوا ہو اس کے بارے میں تفتیش نہیں کرنی چاہیے کہ حلال ہے یا حرام ہے۔
- اگر کسی کو کم مقدار میں یا معمولی مقدار میں چیز صدقۃً دی جائے تو اس کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

- عورت کو اپنے تصرفات میں خاوند سے مشورہ کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بریرہ کے آزاد کرنے کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا۔
- اُمور دینیہ میں عالم (مفتی) سے سوال کرنا چاہیے۔
- اگر کوئی شخص سوال نہ کرے تب بھی عالم کو اصلاح کے لیے مسئلہ بتانا چاہیے۔
- جب کسی عورت کو نکاح کا اختیار ملے تو اس کو مشورہ دینا چاہیے اور مشورہ میں اس کی خیر خواہی ہو۔
- مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔
- حاکم بھی کسی کی سفارش کر سکتا ہے جب اس میں کسی کا ضرر نہ ہو اور کسی پر حکم لازم نہ کیا جائے۔
- کسی کی درخواست کے بغیر بھی اسکے حق میں سفارش کی جاسکتی ہے کیونکہ حضرت مغیث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے لیے درخواست نہیں کی تھی۔
- مسلمان کی دل جوئی اور اسکا غم دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
- شفاعت کرنے والے کو اجر ملتا ہے خواہ اس کی شفاعت قبول نہ ہو۔
- جس کے پاس شفاعت کرنی ہے اگر اس کا مرتبہ شفاعت کرنے والے سے کم ہو تو اس وجہ سے شفاعت کرنے میں عار یا اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے حضرت مغیثؓ کے لیے شفاعت کی۔
- اپنے تلامذہ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر متنبہ کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ سے کہتے تھے کیا تم مغیث کی محبت اور بریرہ کی نفرت پر تعجب نہیں کرتے۔
- حضرت بریرہؓ کا حسن ادب کیونکہ انہوں نے صراحۃ آپ کی شفاعت کو ردّ نہیں کیا بلکہ کہا مجھے مغیث کی حاجت نہیں ہے۔
- جب غلبہ محبت ہو تو حیاء چلی جاتی ہے کیونکہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی محبت کو چھپا نہ سکے۔
- جب کوئی شخص کسی کی محبت سے مغلوب ہو کر مارا مارا پھرے اور محبوب کی یاد میں روتا رہے اور اس کا نام لے کر پکارتا پھرے تو اس کو ملامت نہیں کرنی چاہیے اور اس کو معذور سمجھنا چاہیے جبکہ وہ اس میں مضطر ہو۔
- محبت ایک غیر اختیاری جذبہ ہے۔
- جو لوگ فی الواقع اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغلوب ہو کر دورانِ سماع وجد میں آکر رقص کرتے ہیں اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہیں اور لوٹ لگاتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے یہ لوگ اس حال میں مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ (ہماری مراد اس سے وہ سماع ہے جو مزامیر سے خالی ہو کیونکہ اہل محبت اس چیز کو کبھی نہیں سنتے جس کے سننے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید سنائی ہو اور آپ نے اس کو ناپسند کیا ہو۔) ہاں مجذوبوں کا معاملہ الگ ہے اور سچے مجذوب کی یہ علامت ہے کہ وہ کبھی شریعت کا انکار نہیں کرتا۔
- جو مسلمان ایک دوسرے سے متنفر ہوں ان میں ملاپ کی کوشش کرنا خواہ زوجین ہوں یا نہیں، بشرطیکہ کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔
- شادی شدہ عورت کو ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔

- بڑے آدمی کا اپنے سے کم تر کے لیے نکاح کا پیغام دینا۔
- سفارش میں حسن ادب کو ملحوظ رکھنا خواہ بڑا چھوٹے سے سفارش کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا: کاش تم مغیث کے پاس دوبارہ چلی جاؤ۔
- غلام اپنی مطلقہ کو مالک سے اجازت لیے بغیر بھی نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔
- زوجین میں باہم محبت ہو یا نفرت ہو اس پر ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری امر ہے۔
- کسی شخص سے اسکی محبوب چیز چھن جائے یا چلی جائے تو اسکے فراق میں رونے پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔
- دنیا کی پیاری چیزوں کے فراق میں انسان روتا ہے تو آخرت کی پیاری چیزوں اور عبادات کے فراق پر بطریق اولیٰ رونا چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حج کے دوران حیض آگیا تو وہ بے اختیار رو پڑیں کہ حیض کیوجہ سے کچھ عبادات رہ جائیں گی۔
- بیوی سے محبت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- جب عورت کسی شخص کو ناپسند کرتی ہو تو ولی اسکو اس سے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔
- جب عورت کو خاوند سے نفرت ہو تو ولی اس کے ساتھ رہنے پر جبر نہیں کر سکتا اور اگر اس سے محبت ہو تو اس سے علیحدگی پر مجبور نہیں کر سکتا۔
- کسی شخص کا کسی عورت کی طرف نکاح یا رجوع میں میلان کرنا جائز ہے۔
- کسی شخص کا اپنی مطلقہ سے راستہ میں بات کرنا، اس کی محبت کو طلب کرنا جہاں جائے اس کے پیچھے جانا جائز ہے۔ اور یہ جواز اس وقت ہے جب فتنہ سے مامون ہو۔
- جس سے حاجت روائی کی درخواست کی جائے وہ حاجت روائی میں اپنے نفع کے پہلو کا اعتبار کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کرنے میں یہ شرط لگائی کہ ولاء ان کی ہوگی۔
- اگر مقروض کا قرض کوئی ادا کر دے تو جائز ہے اور ادا ہو جاتا ہے۔
- شوہر کا اپنی بیوی کے معاملہ میں فتویٰ دینا۔
- حاکم کا اپنی بیوی کے حق میں فیصلہ کرنا۔
- غلام خریدنے والے کا بائع سے یہ کہنا کہ میں آزاد کرنے کے لیے خرید رہا ہوں تاکہ وہ بیع میں نرمی کرے، اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد یا مدرسہ کے لیے کوئی چیز کسی سے خریدے تو وہ بھی اس کو بتادے کہ وہ مسجد یا مدرسہ کے لیے کوئی چیز خرید رہا ہے تاکہ وہ رعایتی قیمت لگائے اور آسان شرطوں پر فروخت کرے۔
- اللہ کا حق بندوں کے حقوق پر مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"شرط اللہ احق و اوثق"** اللہ کی شرط پوری کی جانے کی زیادہ حقدار ہے، اسی طرح دوسری حدیث میں ہے اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔
- جس شخص کا کسی چیز پر ظاہراً قبضہ ہو وہ اس کا مالک قرار دیا جاتا ہے اسی بناء پر بریرہ کا مالک ان لوگوں کو تصوّر کیا گیا۔
- جب کوئی شخص کسی چیز کو خریدے اور اس میں بظاہر کوئی شک نہ ہو تو خریدار اس کی اصل کی تفتیش میں نہ پڑے۔
- حاکم کا حکم، احکام شرعیہ میں تبدیل نہیں کر سکتا، نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے۔

- کسی چیز کو عملاً بیان کرنا اس کے زبانی بیان کرنے سے اولیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم بریرہ کو خرید لو، ولاء تمہاری ہوگی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خریدنے کے بعد فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرط لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، الحدیث۔
- وقت حاجت تک بیان کو موخر کیا جاسکتا ہے اور جب ضرورت متحقق ہو جائے تو بیان کر دینا چاہیے۔
- جو حکم عام ہو اس کا اعلان کرنا واجب ہے یا تقاضائے حال کے اعتبار سے مستحب ہے۔
- حدیث کی روایت بالمعنی اور اس کا اختصار کرنا جائز ہے کیونکہ حدیث بریرہ ان دونوں طریقوں سے مروی ہے اور ضرورت کے اعتبار سے حدیث کے بعض جملوں کے بیان پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔
- عدّت کا اعتبار عورتوں پر ہے۔ (یعنی باندی ہے تو دو حیض ورنہ تین حیض) کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے اس کو آزاد عورتوں کی عدّت گذارنے کا حکم دیا گیا۔
- اس میں تصریح ہے کہ آزاد کردہ باندی کی عدت تین حیض ہے اور عدت میں حیض کا اعتبار کرنے سے احناف کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔
- بعض روایات میں "تعتد بحیض" کے الفاظ ہیں اس سے مراد جنس حیض ہے یعنی حیض سے عدّت کا شمار ہوگا ایک حیض مراد نہیں ہے۔
- پہلے احکام کو سنن سے تعبیر کیا جاتا تھا، واجب سے کم پر سنت کا اطلاق کرنا، اصطلاح حادث ہے۔
- باندی کا نکاح اس کا مالک جبراً ایسے شخص سے کر سکتا ہے جس کو وہ بدصورتی یا بد خلقی کی بناء پر ناپسند کرتی ہو۔ کیونکہ حضرت بریرہ خوبصورت تھیں اور حضرت مغیث سیاہ فام تھے ان کا نکاح جبراً کیا گیا تھا۔ حضرت بریرہ نے اختیار ملتے ہی یہ نکاح فسخ کر دیا۔
- اگر کسی شخص کو اپنے حق کا پتا نہ ہو تو اس کو متنبہ کرنا چاہیے کہ یہ تمہارا حق ہے۔
- مغیث (فریاد رسی کرنے والا) نام رکھنا جائز ہے ہر چند کہ حقیقی مغیث اللہ تعالیٰ ہے۔
- مال کتابت کی کوئی حد نہیں ہے۔
- غلام کو آزاد کرنے والا اپنے غلام سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے اس سے اجر میں کمی نہیں ہوتی۔
- کسی شخص سے اجازت لیے بغیر اس کے گھر والوں کو ہدیہ دینا۔
- جب کوئی شبہ نہ ہو تو عورت ہدیہ قبول کر سکتی ہے۔
- انسان کا اپنے گھر کے احوال کے بارے میں سوال کرنا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں کیا ہے؟
- جس چیز میں شبہ نہ ہو اس کی اصلیت کے بارے میں تفتیش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں پوچھا کہ بریرہ پر کس نے صدقہ کیا؟ اس کا مال کیسا تھا؟ آیا حلال تھا یا حرام؟
- امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت بریرہ کو اسلام میں سب سے پہلے مکاتب کیا گیا، حضرت سلمان مردوں میں پہلے مکاتب تھے اور حضرت بریرہ عورتوں میں پہلی مکاتبہ تھیں۔

- مکاتبت کی اقساط سے میعادی بیع اور قرض پر استدلال کیا گیا ہے۔

خاوند اور بیوی دونوں غلام ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو مکاتب کرنے کا جواز۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو میں سے کسی ایک کی بیع بھی جائز ہے، جس کو کوئی فن نہ آتا ہو اس کو مکاتب کرنا بھی جائز ہے

-غلام آزاد کرنے کا بیان

جب معاہدہ کتابت منسوخ ہو جائے تو غلام کی فروخت کا کیا حکم ہے

عن عائشة رضی الله عنها قالت وقعت جويرية بنت الحارث بن المصطلق فی سهم ثابت بن قيس بن شماس أو ابن عم له فكاتبت على نفسها وكانت امرأة ملاحة تأخذها......هو يزوج نفسه (1)

عبدالعزیز بن یحییٰ، ابن اسحاق، محمد بن جعفر بن زبیر، عروہ بن زبیر، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جویریہ بن حارث بن المصطلق (جنگ میں پکڑنے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں) حضرت ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں انہوں نے اپنے نفس (کو آزاد کرانے پر) بدل کتابت دینے کا معاہدہ کر لیا اور وہ ایک خوبصورت ملاحت والی عورت تھیں جن پر نظریں پڑتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بدل کتابت کے بارے میں سوال کرتی ہوئی آئیں، جب وہ دروازہ میں کھڑی ہو گئیں تو میں نے انہیں دیکھا اور ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند کیا میں نے۔ اور مجھے معلوم تھا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے وہی اعضاء دیکھیں گے جو میں نے دیکھے ہیں (چہرہ، قدو قامت وغیرہ اور مجھے خیال ہوا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں بھی ان سے نکاح رغبت نہ ہو جائے) جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنت الحارث ہوں اور جو میرا پہلے حال تھا، وہ آپ پر مخفی نہیں ہے اور میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں جاپڑی اور میں نے اسے اپنے نفس (کی آزادی پر) معاہدہ کتابت کر لیا ہے پس میں آپ کے پاس اپنے بدل کتابت کے بارے میں سوال کرنے آئی ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے لیے اس سے بہتر کچھ اور نہیں ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ وہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ وہ کہنے لگی میں نے بیشک کر لیا (یعنی میں بخوشی راضی ہوں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ جب لوگوں نے یہ سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جویریہ سے نکاح کر لیا تو انہوں نے وہ تمام قیدی (بنی مصطلق کے) جو ان کے قبضہ میں تھے، انہیں چھوڑ دیا اور انہیں آزاد کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرال والے ہیں ہم نے کوئی عورت اتنی برکت والی نہیں دیکھی اپنی قوم پر جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کہ ان کے سبب سے سو قیدی بنی المصطلق کے آزاد ہو گئے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ قصہ حجت ہے اس بات پر کہ ولی اپنے آپ کا نکاح کر سکتا ہے۔ (2)

مسائل و معاملات:

1- تخریج: تفرد بہ ابوداود

2 - سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 540 حدیث مرفوع مکررات 1

مکاتب کا قسط ادا کرنے سے عاجز ہو جانے کا بیان:

- اور جب مکاتب ایک قسط ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہے تو حاکم اس کی حالت کو دیکھے گا۔ لہٰذا جب کوئی قرض ملنے والا یا اس کیلئے کوئی مال آنے والا ہے تو اس کی عاجزی کا فیصلہ کرنے میں حاکم جلدی نہ کرے اور وہ دو یا تین دن تک انتظار کرے۔ تاکہ آقا اور غلام دونوں کے حق میں مہربانی ثابت ہو جائے۔ اور تین دن کی مدت ایسی مدت ہے جو عذروں کے اظہار کیلئے معین ہوئی ہے۔ جس طرح مدعی علیہ کو مدعی کے دعویٰ کا دفاع کرنے اور مقروض کو قرض ادا کرنے کیلئے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے پس اس پر اضافہ نہ کیا جائے گا۔ اور جب تین دن کے بعد بھی مکاتب کے پاس مال آنے کوئی توقع نہ ہو جبکہ آقا کی عجز کا طالب ہو قاضی اس کو عاجز قرار دے گا۔ اور عقد کتابت کا ختم کر دے گا۔ اور یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔
- حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب وہ مسلسل دو اقساط ادا نہ کرے۔ اس وقت تک قاضی اس کو عاجز قرار نہ دے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔
- حضرت علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مکاتب مسلسل دو اقساط ادا نہ کرے تو وہ غلامی کی جانب لوٹا دیا جائے یعنی آپ نے اس کے رد کو اس شرط کے ساتھ معلق کر دیا ہے اور اس لئے بھی کہ عقد کتابت ایسا عقد ہے جو درگزر اور مہربانی پر ہونے والا ہے۔ یہاں تک کہ معجل اور مؤخر عقد کتابت اچھا ہوتا ہے جبکہ واجب کی ادائیگی کی حالت یہ قسط ادا ہونے کے بعد کی ہے پس ایک مدت تک اس کو مہلت دینا ضروری ہے۔ تاکہ مکاتب آسانی سے بدل کی قسط ادا کر سکے اور سب سے بہترین مدت وہ ہے جس پر عقد کرنے والوں نے اتفاق کیا ہے۔
- طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ختم کرنے کا سبب ثابت ہو چکا ہے اور وہ عجز ہے کیونکہ جب وہ ایک قسط ادا نہیں کر سکا ہے تو وہ دو اقساط کس طرح ادا کرے گا۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ قسط کی ادائیگی کے مکمل ہونے پر آقا کا مقصد یہ تھا کہ اس کو مال مل جائے جبکہ عدم ادائیگی کے سبب سے وہ مقصد ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ پس جب آقا قسط لیے بغیر عقد کو باقی رکھنے پر رضامند نہ ہو تو عقد کو ختم کر دیا جائے گا۔ بہ خلاف دو یا تین دن تک مہلت دینے کے کیونکہ اتنی مدت تک مہلت دینا ناگزیر ہے۔ اس لئے امدت میں ادا کرنا ممکن ہے۔ پس اتنی مدت کے بعد کوئی تاخیر نہ نہ کی جائے گی۔ اور اس میں آثار میں تعارض ہے۔
- حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مکاتبہ باندی ایک قسط کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوئی تو آپ نے اس کی غلامی کو واپس لوٹا دیا تھا۔ پس حضرت علی المرتضیٰؓ کے اثر سے امام ابویوسفؒ کا استدلال کرنا ساقط ہو جائے گا۔

اعتاق کا ملکیت کو زائد کرنے کا بیان:

- امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ ملک کو زائل کر کے عتق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے کیونکہ ملک معتق کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ متصرف کی ولایت کے تحت داخل

ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے نا کہ دوسروں کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے۔

- اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا تجزی کے نہ پائے جانے کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک متجزی ہے جیسا کہ بیع اور ہبہ میں ہے اسی وجہ سے تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سعی کرنا واجبھ ہوگا اس لئے کہ اس کے پاس کچھ مالیت محبوس ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستسعی مکاتب کے درجے میں ہے۔ اس لئے کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے غلام میں ثبوت ملکیت کے موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لئے مانع ہے لہٰذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کرکے اس کو مکاتب قرار دے دیا اس لئے کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کے رقبہ کا اور کمائی کرنا بدل کتابت کی طرح ہے۔ اس لئے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کروالے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو آزاد کردے اس لئے کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیت کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اسقاط لاالی احد ہے ہے اس لئے فسخ کو قبول نہیں کرے گا کتابت مقصودہ کے خلاف اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا اقالہ بھی ہو سکتا ہے اور جو فسخ بھی ہو سکتا ہے۔

مکاتبت میں فسخ کے جواز کا ایک فقہی بیان:

- جب مکاتب نے قاضی کے سوا کسی دوسرے مقام پر قسط ادا کرنے میں کوتاہی کرڈالی اور وہ عاجز ہو گیا ہے تو اس کے آقا نے اس مکاتب کی رضامندی کے ساتھ اس کو دوبارہ غلام بنالیا ہے تو یہ رد اور فسخ جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ کتابت ایک دوسرے کی رضامندی کے سوا محض عذر سے بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب غلام اس پر رضامند نہ ہو تو قاضی کی قضاء کی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ یہ عقد لازم بھی ہے اور مکمل بھی ہے پس اس کو ختم کرنے کیلئے قضاء یا رضامندی لازم ہے جس طرح قبضہ کے بعد عیب ہونے کی صورت میں بیع میں قضاء یا رضا لازم ہوتی ہے۔

- اور جب مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز آگیا ہے تو وہ غلامی کے احکام میں واپس لایا جائے گا کیونکہ عقد کتابت ختم ہو چکا ہے۔ اور اس کے پاس جو کمائی ہے وہ اس کے آقا کیلئے ہوگی۔ اس لئے کہ جب یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اس کے آقا کی کمائی ہے اور یہ حکم بھی اسی دلیل کے سبب سے ہے کہ اس کی کمائی اس غلام پر یا اس کے آقا پر تھی پس عجز کے سبب اس کا موقوف ہونا ختم ہو چکا ہے۔

- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام میں آزاد کردیا تو اس پر اس کا آزاد کرانا اپنے مال سے واجب ہے اگر اس کے پاس مال ہو ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس غلام سے محنت کرائی جائے گی لیکن اس کو مشقت میں نہ ڈالا جائے حجاج بن حجاج ابان اور موسیٰ بن خلف نے قتادہ سے روایت کی ہے اور اس کو شوبہ نے

مختصراً طور پر بیان کیا۔[1]

مال والے مکاتب کی موت کے سبب عقد کتابت فسخ نہ ہو گا:

- جب مکاتب فوت ہو جائے اور اس کے پاس مال بھی ہے تو کتابت کا عقد ختم نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کے مال سے بدل کتابت کو ادا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس زندگی کے آخری لمحات میں بھی اس کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور جو مال بچ جائے گا وہ اس کے وارثوں کیلئے میراث بن جائے گا۔ اور اس کی اولاد آزاد ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؓ کا فرمان بھی اسی طرح ہے۔ اور ہمارے فقہاء نے بھی اسی کو اپنایا ہے۔
- حضرت امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ کتابت باطل ہو جائے گی اور مکاتب حالت غلامی میں فوت ہونے والا ہو گا۔ اور اس کا چھوڑا ہوا مال اس کے آقا کیلئے ہو گا۔ ان کے امام اس موقف میں حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔ کیونکہ کتابت کا مقصد اس کی آزادی ہے جبکہ آزادی کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ پس کتابت باطل ہو جائے گی اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ آزادی کئی احوال سے خالی نہ ہو گی۔ کہ وہ موت کے بعد یا موت سے پہلے یا اس کے بعد حالت حیات کی جانب مضاف ہو کر ثابت ہو گی۔ پہلے کے ثبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ محل کالعدم ہے اور دوسرا بھی ثابت نہ ہو گا۔ کیونکہ شرط یعنی ادائیگی نہیں پائی جا رہی اور تیسری حالت میں ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس حالت میں آزادی کا ثبوت نا ممکن ہے اور کوئی بھی شئے ہو وہ پہلے ثابت ہوتی ہے اس کے بعد منسوب ہوتی ہے۔
- ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ معاوضے کا عقد ہے اور ایک عاقد یعنی آقا کی موت سے باطل نہ ہو گا پس دوسرے کی موت کے سبب بھی باطل نہ ہو گا اور گلام و آقا کے درمیان جامع علت حق کو زندہ کرنے کیلئے عقد کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے بلکہ مکاتب کے حق میں عقد کو باقی رکھنا تو زیادہ ضروری ہے کیونکہ مکاتب کا حق آقا کے حق سے زیادہ قوت والا ہے یہاں تک کہ اس کے حق میں عقد لازم ہونے والا ہے۔ اور موت ملکیت کے مقابلے میں مالک ہونے کو زیادہ ختم کرنے والی ہے پس اس کو بطور حکم زندہ سمجھا جائے گا۔ یا پھر ادائیگی کے سبب کی جانب مضاف ہونے کی وجہ سے آزادی کو موت سے پہلے کی حالت کی جانب مضاف کیا جائے گا اور مکاتب کے نائب کی ادائیگی اس کی ذاتی ادائیگی کی طرح ہو گی۔ اور ان میں سے ہر ایک چیز ممکن بھی ہے جس طرح خلافیات میں اس مسئلہ کو بیان کر دیا گیا ہے۔
- بعض کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جسے جمع کے لفظ سے تشریفاً تعبیر فرمایا اور بعض کے نزدیک جماعت انبیاء مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقارب جن کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں مراد ہیں۔ بندہ ناچیز کے نزدیک یہ تیسرا احتمال راجح ہے اور علامہ مناوی کے اعتراضات جو اس تیسری صورت میں ہیں زیادہ وقیع نہیں) دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمان کھجوروں کا طباق لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر سلمان نے عرض کیا کہ یا رسول

---

[1]۔ صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2379

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لدیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نوش فرمایا۔ (چنانچہ بیجوری نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت سلمانؓ کا اس طرح پر دونوں دن لانا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آقا بنانے کا امتحان تھا اس لئے کہ سلمانؓ پرانے زمانے کے علماء میں سے تھے اڑھائی سو برس اور بعض کے قول پر ساڑھے تین سو برس ان کی عمر ہوئی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات مین جو پہلی کتب میں پڑھ رکھی تھیں یہ بھی دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نوش نہیں فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہے، پہلی دونوں علامتیں دیکھنے کے بعد) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو مسلمان ہو گئے سلمانؓ اس وقت یہود بنی قریظہ کے غلام بنے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے حجرت سلمانؓ کو مکاتب بنایا تھا۔ مکاتب بنانا اس کو کہتے ہیں کہ، آقا غلام سے معاملہ کرلے کہ اتنی مقدار جو آپس میں طے ہو جائے کما کر دے دو، پھر تم آزاد ہو) اور بدل کتابت بہت سے درہم قرار پائے۔

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم لگایا ہوا درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔ (1)

-غلام آزاد کرنے کا بیان

غلام کے کسی حصہ کو آزاد کرنے کا بیان

عن قتادة عن أبي المليح قال أبو الوليد عن أبيه أن رجلا أعتق شقصا له من غلام فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال ليس لله شريك زاد ابن كثير في حديثه فأجاز النبي صلى الله عليه وسلم عتقه (2)

ابو ولید، ہمام، محمد بن کثیر، ہمام، قتادہ، ابن ملیح، نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہیں (مقصد یہ کہ اپنا پورا غلام آزاد کرتا) ابن کثیر نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے عتق کا جائز قرار دے دیا۔[3]

مسائل و معاملات:

متعدد مالکوں کے مشترک غلام کی مکاتبت کا بیان:

- بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص متعدد مالکوں کا غلام ہوتا تھا۔ اس کی صورت ایسی ہی تھی جیسا کہ اگر کوئی کسی پارٹنر

---

[1]-(شمائل ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 20)

[2]- تفرد بہ ابو داود

[3] - سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 542 حدیث مرفوع مکررات 1

شپ کمپنی کا ملازم ہو۔ ایسی صورت میں حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اگر کوئی ایک پارٹنر غلام میں اپنے حصے کو آزاد کرے تو باقی پارٹنر بھی اپنے اپنے حصوں کو آزاد کریں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوں تو غلام خود بخود مکاتب کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ وہ کما کر اپنے باقی مالکان کو ادائیگی کرے گا اور اس معاملے میں اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

قال الامام البخاری حدثنا بشر بن محمد: اخبرنا عبداللہ: اخبرنا سعید بن ابی عروبۃ، عن قتادۃ، عن النضر بن انس، عن بشیر بن نھیک، عن ابی ھریرۃؓ، عن النبی ﷺ قال: (من اعتق شقیصا من مملوکہ فعلیہ خلاصہ فی مالہ فان لم یکن لہ مال قوم المملوک قیمۃ عدل ثم استسعی غیر مشقوق علیہ۔)(1)

- حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''اگر کسی نے غلام میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس غلام کو پورا آزاد کروائے۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس غلام کی مناسب قیمت لگوائی جائے اور اس کو کمانے کو کہا جائے گا اور اس پر سختی نہ کی جائے گی۔''

دو بندوں میں مشترکہ غلام کی کتابت کا بیان:

- اور جب غلام دو بندوں کے درمیان مشترکہ ہو اور ان میں سے ایک سے دوسرے کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ایک ہزار کے بدلے میں اپنا حصہ مکاتب بنا کر بدل کتابت پر قبضہ کرے۔ پس اس نے اپنے حصہ کو مکاتب بناتے ہوئے بعض پر قبضہ کر لیا اس کے بعد وہ غلام بے بس ہو گیا۔ تو امام اعظمؒ کے نزدیک بدل کتابت کے مال پر قبضہ کرنے والے شریک کا ہو گا۔
- صاحبین نے کہا ہے کہ وہ ان دونوں مد کا مکاتب ہو گا۔ اور مکاتب جو بھی ادا کرے گا وہ ان دونوں کے درمیان مشترکہ ہو گا اور اس کی دلیل یہ ہے۔
- حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک آزادی کی طرح کتابت کیا جاذاء بھی ہوتے ہیں۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اجزاء نہیں ہوتے۔ کیونکہ کتابت بھی ایک طرح سے آزادی کا فائدہ دینے والی ہے۔ پس امام اعظمؒ کے نزدیک تجزی کے سبب سے ایک ہی شریک کے حصے پر کتابت میں تجزی ہو گی۔ اور دوسرے ساتھی کی اجازت دینے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس کیلئے ختم کرنے کا حق نہ ہو گا۔ کیونکہ جب وہ اجازت نہ دیتا تو اس کیلئے فسخ کرنے کا حق باقی رہتا۔ اور اس کا بدل پر قبضہ کرنے کی اجازت دینا یہی غلام کو بدل ادا کرنے کی اجازت دینا ہے۔ پس اجازت دینے والا اپنے حصے کی کمائی سیاس پر احسان کرنے والا ہے۔ کیونکہ سارا قبضہ شدہ مال اسی کا ہے۔
- صاحبین کے نزدیک کتابت میں تجزی نہین ہے کیونکہ ایک ساتھی کے حصے کی کتابت کی اجازت سارے غلام کی کتابت کی اجازت ہے پس عقد کرنے والا نصف میں اصیل بن جائے گا اور بقیہ نصف میں وکیل بن جائے گا۔ کیونکہ بدل دونوں مین

---

[1]۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الشرکۃ، حدیث نمبر 2492

مشترک ہے اور جو چیز مقبوضہ ہے وہ دونوں میں مشترکہ ہے پس وہ بے بس ہونے کے بعد اشتراک پر باقی رہے گی۔

- حضرت ابن ملیح نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کر دیا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہیں (مقصد یہ کہ اپنا پورا غلام آزاد کرتا) ابن کثیر نے اپنی رویات میں اتنا اضافہ کیا کہ حضور ﷺ نے اس کی آزادی کو جائز قرار دے دیا۔ (1)

مشترکہ مکاتبت سے متعلق بعض فقہی جزئیات کا بیان:

- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ امر اتفاقی ہے کہ جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہو تو ایک شریک کو جائز نہیں کہ بغیر دوسرے شریک کی اذن کے اپنے حصے کی مکاتبت کرے کیونکہ غلام اور اس کا مالک دونوں میں مشترک ہے ایک کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کے مال میں تصرف کرے بغیر دوسرے شریک کے پوچھے ہوئے اگر ایک شریک نے مکاتبت کے بغیر دوسرے سے پوچھے ہوئے اور زر مکاتبت وصول کر لیا بعد اس کے مکاتب کچھ مال چھوڑ کر مر گیا تو مکاتبت کر چکا اس کو اس مکاتب کے مالک میں استحقاق نہ ہوگا نہ یہ کہے گا کہ زر مکاتبت کو پھر دے اور اس مکاتب کو پھر غلام کر لے البتہ جو شخص اپنے شریک کے اذن سے مکاتبت کرے پھر مکاتب عاجز ہو جائے اور مکاتبت کرنے والا یہ چاہے کہ زر مکاتبت پھیر کر اس غلام کا اپنے حصے کے موافق مالک ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ اگر مکاتب مر جائے اور مال چھوڑ جائے تو جس شریک نے مکاتبت نہیں کیا س کا بدل کتابت ادا کر کے جو کچھ مال بچے گا اس کو دونوں شریک اپنے حصے کے موافق بانٹ لیں گے اگر ایک نے مکاتبت کی اور دوسرے نے نہ کی اور دوسرے نے نہ کی بعد اس کے مکاتب عاجز ہو گیا تو جس نے مکاتبت کی اس سے کہا جائے گا اگر تجھ کو منظور ہے تو جس قدر روپیہ تو نے مکاتب کا لیا ہے اس کا آدھا اپنے شریک کو پھیر دے غلام تم دونوں میں مشترک رہے گا ورنہ پورا غلام اس شخص کا ہو جائے گا جس نے اطاعت نہیں کی۔

- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہو ایک آدمی ان میں سے مکاتبت کرے دوسرے کے اذن سے پھر جس نے مکاتبت نہیں کی وہ بھی اسی قدر غلام سے وصول کرے جتنا مکاتبت کرنے والے نے وصول کیا ہے یا اس سے زیادہ بعد اس کے مکاتب عاجز ہو جائے تو مکاتبت والے، مکاتبت نہ کرنے والے سے کچھ پھیر نہ سکے گا اگر دوسرے شریک نے مکاتبت سے کم وصول کیا پھر غلام عاجز ہو گیا تو مکاتبت والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو جتنیمکاتبت زیادہ ہے اس کا نصف اپنے شریک کو دے کر غلام میں آدھم ساجھا کریں اگر نہ دے تو سارا غلام دوسرے شریک کا جائے گا اگر مکاتب مر گیا اور مال چھوڑ گیا اور مکاتبت والے نے چاہا کہ جتنا زیادہ لیا ہے اس کا نصف اپنے شریک کو پھیر دے اور میراث میں شریک ہو جائے تو ہو سکتا ہے اور جس نے مکاتبت نہیں کی وہ بھی مکاتب سے مکاتبت کے برابر یا اس سے زیادہ وصل کر چکا ہے اس صورت میں میراث دونوں کو ملے گی کیونکہ دونوں نے اپنا حق وصول کر لیا ہے۔

---

[1]۔ سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 542

- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہو ایک اس سے قطاعت کرے اپنے حق کے نصف پر دوسرے کے اذن سے پھر جس نے قطاعت نہیں کی وہ بھی مکاتب سے مکاتبت سے کم وصول کرے بعد اس کے مکاتب عاجز ہو جائے تو قطاعت والا اگر چاہے جتنی قطاعت زیادہ ہے اس کا آدھا اپنے شریک کو دے کر غلام میں آدھم ساجھا کر لیں ورنہ اس قدر حصہ غلام کا دوسرے شریک کا ہو جائے گا۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اس کی شرح یہ ہے کہ مثلاً ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو دونوں مل کر اس کو مکاتب کریں پھر ایک شریک اپنے نصف حق پر غلام سے مکاتبت کرلے یعنی پورے غلام کے ربع پر بعد اس کے مکاتب عاجز ہو جائے تو جس نے قطاعت کی ہے اس سے کہا جائے گا کہ جس قدر تو نے زیادہ لیا ہے اس کا نصف اپنے شریک کو پھیر دے اور غلام میں آدھم ساجھا رکھ اگر وہ انکار کرے تو مکاتبت والے کا ربع غلام بھی اس شریک کو مل جائے گا اس صورت میں اس شریک کے تین ربع ہوں گے اور اس کا ایک ربع۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر مکاتب سے اس مولیٰ مکاتبت کرے اور وہ آزاد ہو جائے اور جس قدر مکاتبت کا روپیہ مکاتب پر رہ جائے وہ اس پر قرض ہے بعد اس کے مکاتب مر جائے اور وہ مقروض ہو لوگوں کا تو مولیٰ دوسرے قرض خواہوں کے برابر نہ ہو گا بلکہ اس مال میں سے پہلے اور قرض خواہ اپنا قرضہ وصول کریں گے۔
- کہا مالکؒ نے جو مکاتب مقروض ہو اس سے مولیٰ قطاعت نہ کرے ایسا نہ ہو کہ وہ غلام آزاد ہو جائے بعد اس کے سارا مال اس کا قرض خواہوں کو مل جائے مولیٰ کو کچھ نہ ملے گا۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مکاتب کرے پھر اس سے سونے پر مکاتبت کرے اور بدل کتابت معاف کر دے اس شرط سے کہ زر مکاتبت فی الفور دے دے تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے اور جس شخص نے اس کو مکروہ رکھا ہے اس نے یہ خیال کیا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کا میعادی قرضہ کسی پر ہو وہ اس کے بدلے میں کچھ نقد لے کر قرضہ چھوڑ دے حالانکہ یہ قرض کی مثل نہیں ہے بلکہ مکاتبت اس لیے ہوتی ہے کہ غلام جلد آزاد ہو جائے اور اس کے لیے میراث اور شہادت اور حدود لازم آجائیں۔
- اور حرمت عتاقہ ثابت ہو جائے اور یہ نہیں لے کہ اس نے روپیوں کو روپیوں کے عوض میں یا سونے کو سونے کے عوض میں خریدا بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا تو مجھے اس قدر اشرفیاں لا دے اور تو آزاد ہے پھر اس سے کم کر کے کہا اگر اتنے بھی لا دے تو بھی تو آزاد ہے۔ کیونکہ بدل کتابت دین صحیح نہیں ہے ورنہ جب مکاتب مر جاتا تو مولیٰ بھی اور قرض خوعاہوں کے برابر اس کے مال کا دعویٰ دار ہوتا ہے۔ (1)

---

[1]۔ موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1173

مشترکہ باندی کو مکاتبہ بنانے کا بیان:

- اور جب کوئی باندی دو بندوں کے درمیان مشترکہ تھی۔ اور ان دونوں نے اس کو مکاتبہ بنادیا ہے اور اس کے بعد ان میں سے ایک شریک نے اس کے ساتھ جماع کرلیا ہے اور بچہ پیدا ہونے پر اس واطی نے اس پر دعویٰ کر دیا ہے اس کے بعد دوسرے شریک نے بھی اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور اس سے بھی بچہ پیدا ہوگیا اور دوسرے نے بچے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ باندی بدل کتابت دینے سے بے بس ہوگئی۔ تو وہ پہلے واطی کی ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ جب ایک شریک نے بچے کا دعویٰ کیا ہے تو وہ درست ہے کیونکہ اس باندی میں مدعی کی ملکیت موجود ہے۔ پس باندی اس مدعی کے حصے میں اس کا ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ مکاتبہ ایک ملکیت سے دوسری ملکیت کی جانب منتقل نہیں ہوتی۔ پس ام ولد ہونا یہ مدعی کے حصے پر رہے گا۔ جس طرح مدبرہ مشترکہ میں ہوتا ہے۔

- اور جب دوسرے واطی نے دوسرے بچے کا دعویٰ کیا ہے تو اس کا دعویٰ بھی درست ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر اس کی ملکیت بھی موجود ہے اور اس کے بعد باندی اگر بدل کتابت ادانہ کرسکے تو کتابت کو کالعدم قرار دیا جائے گا اور یہ اعتبار کیا جائے گا کہ ساری باندی واطی اول کی ام ولد بن گئی ہے۔ کیونکہ ملکیت کو منتقل کرنے سے جو چیز مانع تھی وہ ختم ہوچکی ہے۔ اور پہلے کی وطی مقدم بھی ہے اور پہلا اپنے شریک ثانی کیلئے باندی کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ استیساد کے سبب وہ دوسرے کے حصے کا مالک بن چکا ہے اور اسی پر باندی کا نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ اس نے مشترکہ باندی سے جماع کیا ہے جبکہ دوسرا شریک سارے تاوان اور لڑکے کی قیمت کا ضامن ہوگا اور وہ لڑکا اسی کا بیٹا ہوگا۔ کیونکہ دوسرا مغرور کے حکم میں ہے۔ کیونکہ جب اس نے وطی کی تھی بہ ظاہر اس میں کی ملکیت موجود تھی اور مغرور کے لڑکے کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔ اور وہ قیمت کے بدلے میں آزاد ہوتا ہے۔ جس طرح معلوم کیا جاچکا ہے۔

- اور جب وہ بدل ادا کرنے سے بے بس ہوچکی ہے تو تاوان آقا کو واپس دے گی کیونکہ اب آقا اس کے منافع کا مالک بن چکا ہے۔ یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ حضرت امام اعظمؒ کا ارشاد گرام ہے۔

- حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب کسی شخص کی کنیز اس کے بچے کو جنم دے تو وہ اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہوجائے گی۔[1]

- خارجہ قیس غیلان کے قبیلہ کی عورت تھی کہتی ہیں کہ میرا چچا مجھے زمانہ جاہلیت میں لے کر آیا اور حباب بن عمرو جو ابوالیسر بن عمرو کا بھائی تھا، کے ہاتھ مجھے فروخت کر دیا، میں نے اس کے لیے عبدالرحمن بن الحباب کو جنم دیا، پھر حباب مر گیا تو اس کی بیوی کہنے لگی کہ خدا کی قسم، تجھے حباب کے قرضہ (کی ادائیگی) کے لیے فروخت کیا جائے گا سو میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں بنی خارجہ قیس غیلان کی عورت ہوں۔ اور مجھے میرا

---

[1]- سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 419)

چچا مدینہ لے کر آیا تھا زمانہ جاہلیت میں، پس اس نے مجھے حباب بن عمرو، ابو الیسر بن عمرو کے بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیا پس میں نے اس کے واسے عبد الرحمن بن حباب کو جنم دیا، اب حباب کی بیوی کہتی ہے کہ حباب کے قرضہ میں تجھے فروخت کیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا حباب کا والی وارث کون ہے کہا گیا کہ اس کا بھائی ابو الیسر بن عمرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس نامہ بھیا اور فرمایا کہ اسے (سلامہ) کو آزاد کرو اور جب تم یہ سنو کہ میرے پاس غنیمت میں غلام وغیرہ آئے ہیں تو میرے پاس آنا میں تمہیں اس کا عوض دوں گا، سلامہ کہتی ہیں کہ انہوں نے مجھے آزاد کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آئے تو انہیں میرے دبدلہ میں غلام دیا۔ (1)

صاحبین کے نزدیک باندی کا واطی اول کی ام ولد ہونے کا بیان:

- صاحبین نے کہا ہے کہ وہ باندی واطی اول کی ام ولد بن جائے گی اور دوسرے کیلئے وطی کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ جب واطی اول نے بیٹے کا دعویٰ کیا ہے تو پوری باندی اس کی ام ولد بن جائے گی کیونکہ ممکن حد تک ام ولد کی تکمیل بہ اتفاق واجب ہے اور عقد کتابت کو ختم کر کے اس کی تکمیل ممکن ہے کیونکہ کتابت کا عقد ختم ہونے کے قابل ہے پس جس چیز میں مکاتبہ کو نقصان نہ ہو اس میں کتابت کو ختم کر دیا جائے گا۔ جبکہ اس کے سوا میں مکاتبت باقی رہ جائے گی۔ بہ خلاف تدبیر کے کیونکہ وہ فسخ کو قبول کرنے والی نہیں ہے۔ بہ خلاف مکاتب کی بیع کے کیونکہ بیع کو جائز قرار دینے میں کتابت کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ کیونکہ مشتری غلام کے مکاتب رہنے پر راضی نہ ہو گا۔
- البتہ جب پوری باندی واطی اول کی ام ولد بن جائے گی تو دوسرا شخص کسی دوسرے کی ام ولد سے وطی کرنے والا ہو گا پس اس پر پوتا تاوان لازم آئے گا۔ کیونکہ وطی دونوں میں سے کسی ایک کے تاوان سے خالی نہ ہو گی۔
- اور جب نقصان کے سوا میں مکاتبت باقی ہو اور یہ باندی مکمل طور پر مکاتبہ بھی بن گئی ہے تو ایک قول کے مطابق اس باندی پر نصف بدل واجب ہو گا۔ کیونکہ کتابت میں انہی چیزوں کو ختم کیا گیا ہے جو باندی کیلئے نقصان دہ نہیں ہیں۔ اور نصف بدل کے ساقط ہونے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔
- دوسے قول کے مطابق اس پر پورا بدل واجب ہو گا کیونکہ ضرورت کے مطابق صرف ملکیت کے حق میں عقد کتابت ختم ہوا ہے۔ پس نصف بدل کے سقوط یہ فسخ اثر انداز نہ ہو گا کیونکہ نصف بدل کے حق میں عقد کو باقی رکھنے میں آقا کا فائدہ ہے۔ اگرچہ اس کے ساقط ہونے میں مکاتبہ کا نقصان نہ ہو گا۔ اور مکاتبہ کے اپنے منافع کے ساتھ خاص ہونے کے سبب سے اس کو تاوان ملتا ہے۔ مگر جب وہ بدل کے کتابت سے بے بس ہو جائے اور دوبارہ رقیت کی جانب لوٹ کر جائے تو اب تاوان آقا کو دیا جائے گا۔ کیونکہ اب آقا کا حق اور خصوصیت ظاہر ہو چکی ہے۔ جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔

---

[1]۔ سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 562

مشترکہ حصے کی قیمت کی ادائیگی کا بیان:

- حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام (مشترک) میں اسے اپنے حصے کو آزاد کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا اور باقی غلام کی قیمت بطور تاوان مالک کو دلوائی (کیونکہ آدھا آزاد ہو آدھا غلام) یہ ناممکن ہے لہٰذا عتق تو جائز ہے البتہ آزاد کرنے والا اپنے شریک کے حصہ کی قیمت اپنے شریک کو ادا کرے گا۔([1])

- اس تفصیلی مدلل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام لونڈی اگر اپنے آقاؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مکاتبت کا معاملہ کرنا چاہیں اور ان میں اتنی اہلیت بھی ہو کہ کسی نہ کسی طرح اس معاملہ کو باحسن طریق پورا کریں گے تو آقاؤں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ معاملہ کر کے ان کو آزاد کر دیں۔ آیت کریمہ ان علمتم فیھم خیرا (النور: 33) (اگر تم ان میں خیر دیکھو تو ان سے مکاتبت کر لو) میں خیر سے مراد یہ ہے کہ وہ کمائی کے لائق اور ایماندار ہوں، محنت مزدوری کر کے بدل کتابت ادا کریں، لوگوں کے سامنے بھیک مانگتے نہ پھریں۔ واتوھم من مال الذی اتکم (النور: 33) (اور اپنے مال میں سے جو اللہ نے تم کو دیا ہے ان کی کچھ مدد بھی کرو) سے مراد یہ کہ اپنے پاس ان کو بطور امداد کچھ دو، تاکہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں یا بدل کتابت میں سے کچھ معاف کر دو۔

- روح کے اثر کو اسماعیل قاضی نے احکام القرآن میں اور عبد الرزاق اور شافعی نے وصل کیا ہے۔ حضرت عطاء نے واجب قرار دیا کہ بشرط مذکور آقا غلام کی مکاتبت قبول کر لے۔ امام ابن حزم اور ظاہر یہ کہ نزدیک اگر غلام مکاتبت کا خواہاں ہو تو مالک پر مکاتبت کر دینا واجب ہے۔ کیوں کہ قرآن میں فکاتبوھم امر کے لیے ہے جو وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ مگر جمہور یہاں امر کو بطور استحباب قرار دیتے ہیں۔ حضرت عطاء نے جب اپنا خیال ظاہر کیا تو عمرو بن دینار نے ان سے سوال کیا کہ وجوب کا قول آپ نے کسی صحابی سے سنا ہے یا اپنے قیاس اور رائے سے ایسا کہتے ہو۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن دینار نے عطاء سے یہ پوچھا لیکن حافظ نے کہا یہ صحیح نہیں ہے بلکہ ابن جریج نے عطاء سے یہ پوچھا۔ جیسے عبد الرزاق اور شافعی کی رویات میں اس کی تصریح ہے۔ اس صورت میں قال عمرو بن دینار جملہ معترضہ ہو گا۔ اور نسفی کی روایت میں یوں ہے وقالہ عمرو بن دینار یعنی عمرو بن دینار بھی وجوب کے قائل ہوئے ہیں اور ترجمہ یوں ہو گا اور عمرو بن دینار نے بھی اس کو واجب کہا ہے ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے پوچھا کیا یہ تم کسی سے روایت کرتے ہو؟

- حضرت سیرین جن کا قول آگے مذکور ہے، یہ حضرت انسؓ کے غلام تھے اور یہ محمد کے والد ہیں، جو محمد بن سیرین سے مشہور ہیں۔ تابعی، فقیہ اور ماہر علم تعبیر رؤیا ہیں۔ اس روایت کو عبد الرزاق اور طبری نے وصل کیا ہے۔

آگے حضرت عمرؓ کا قول مذکور ہے اور عمل بھی ظاہر ہے کہ وہ بشرط مذکور مکاتبت کو واجب کہتے تھے۔ جیسے ابن حزم اور ظاہر

- [1] ۔ سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 543

یہ کا قول ہے۔ حضرت بریدہؓ پر پانچ اوقیہ چاندی پانچ سال میں ادا کرنی مقرر ہوئی تھی۔ اسی سے باب کا مطلب نکلا۔ بعض علماء نے کہا کہ آیت کریمہ واتوھم من مال الذی اٰتکم [1] سے مکاتب کو مال زکوٰۃ میں سے بھی امداد دی جاسکتی ہے۔ دور حاضرہ میں ناحق مصائب قید میں گرفتار ہو جانے والے مسلمان مرد عورت بھی حق رکھتے ہیں کہ ان کی آزادی کے لیے ان طریقوں سے مدد دی جائے۔

دو مالکوں کا باندی کو مکاتبہ بنانے کا بیان:

- اور جب دو مالکوں نے اپنی باندی کو مکاتبہ کیا اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے اس کو آزاد کر دیا ہے اس حالت میں کہ وہ مالدار ہے اس کے بعد مکابہ بدل کتابت کو ادا کرنے میں بے بس ہو گئی ہے تو معتق اپنے شریک کیلئے نصف قیمت کا ضامن ہو گا۔
- حضرت امامؒ کے نزدیک معتق کو اس مکاتبہ سے رقم واپس لینے کا حق ہو گا۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ معتق اس سے واپس نہیں لے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بے بس ہوئی ہے تو وہ غلامی میں لوٹادی گئی ہیاور وہ ایسے ہو جائے گی کہ ہمیشہ غلامی میں رہی ہو۔ اور اس میں رجوع کے بارے میں جو اختلاف ہے۔ وہی اختلاف خیارات میں بھی ہے۔ جس طرح آزادی کی تجزی میں اختلاف ہے۔ اور س کو ہم اعتاق میں بیان کر چکے ہیں۔
- حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک مکاتبہ کیا ظہار عجز سے پہلے غیر معتق کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ معتق کو ضامن بنادے۔ کیونکہ اس کے شریک کے حصے میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔ اس لئے کہ اس سے پہلے بھی مکاتبہ بن چکی ہے۔
- صاحبین کے نزدیک اعتاق میں تجزی نہیں ہے لہٰذا ایک کی آزادی کے سبب سے ساری باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور غیر معتق کو یہ حق حاصل ہو گا۔ کہ وہ معتق کو اپنے حصے کی مکاتبت والی قیمت کا ضامن بنادے۔ جب عتق خوشحال ہو یا اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس سے کمائی کرائے۔ کیونکہ یہ ضمان اعتاق ہے پس معتق کے خوشحال ہونے یا تنگدست ہونے کی صورت میں اس میں تبدیلی ہو گی۔

مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ:

- اگر باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور اس پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے۔
- علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ المغنی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں کہ اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہو گا۔ آگے فرماتے ہیں۔

---

[1] ۔النور: 33

- شادی شدہ لانڈی سے جماع کی تحریم میں کوئی شک وشبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، وہ تو صرف خاوند کے لیے مباح ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک عورت دو مردوں کے لیے حلال نہین اگر مالک نیاس سے جماع کیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اسے تعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا۔
- اور ایک جگہ پر ان کا قول ہے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور سنگسار نہیں کیا جائے گا، یعنی اسے کوڑوں کی صورت میں تعزیر لگائی جائے گی۔(1)

مشترکہ غلام کو مدبر یا آزاد کرنے کا بیان:

- اور جب غلام دو بندوں کے درمیان مشترکہ ہے اور ان میں سے ایک نے اس کو مدبر بنادیا ہے جبکہ دوسرے نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور وہ آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اب اگر مدبر چاہے تو وہ معتق سے نصف قیمت کا ضمان ہے اور اگر وہ چاہے تو اس غلام سے کمائی کرائے۔ اور اگر وہ چاہے تو خود بھی اس کو آزاد کر دے۔
- اور جب دونوں شرکاء میں سے پہلے نے اپنے حصہ سے آزاد کر دیا ہے اور اس کے بعد دوسرے نے مدبر کیا ہے تو اب اس کیلئے معتق سے ضمان لینے کا حق کا نہ وہگا۔ بلکہ یا وہ غلام سے کمائی کرائے یا وہ اس کو آزاد کرائے۔
- حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تدبیر میں اجزاء ہوتے ہیں۔ پس ایک شریک کا حصہ اس کے حصے تک رہے گا۔ مگر اس تدبیر کے سبب سے دوسرے کا حصہ فاسد ہو جائے گا۔ پس اس کیلئے آزادی، ضمان اور سعی میں سے کسی ایک میں اختیار دیا جائے گا۔ جس طرح امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔
- اور جب دوسیر شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے تو اس سے ضمان اور سعی کا اختیار بھی ساقط ہو جائے گا اور اس کی آزادی اس کے حصے تک موقوف رہے گی کیونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک آزادی میں اجزاء ہوتے ہیں۔ پس اسی اعتاق کے سبب سے اس کے ساتھی کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ پس اس مدبر کو معتق سے آزادی، ضمان اور سعی کا کوئی حق نہ ہو گا جس طرح امام اعظمؒ کا مذہب ہے۔
- اور مدبر معتق سے مدبر غلام کی قیمت کا ضمان لے گا۔ کیونکہ آزادی مدبر غلام سے ملی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ایک قول یہ بھی ہے کہ مدبر کی قیمت مقومین کی تقویم سے معلوم ہو جائے گی۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ خالص غلام کی قیمت کا وہ دو تہائی واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں منافع تین طرح کے ہیں۔

(۱) بیع اور بیع کے مشابہ جس طرح عقود، ہبہ، صدقہ اور وصیت ہے۔

(۲) خدمت لینا اور اس کی طرح کوئی کام جس طرح اجارہ، اعارہ وغیرہ ہیں۔

---

[1] -المغنی لابن قدامہ 9-497

(۳) اعتاق اور کے تابع دوسرے عقود جس طرح کتابت اور تدبیر وغیرہ ہے۔ اور مدبر میں بیع ختم ہو چکی ہے۔ پس اس میں سے ایک نفع فوت ہو جانے کے سبب سے ایک تہائی ساقط ہو جائے گی۔ اور دو تہائی ضمان کے طور لازم ہو جائیں گے۔ اور مدبر کا ضمان لینا کے بعد معتق غلام یعنی مدبر حصہ تدبیر کا مالک نہ ہو گا کیونکہ یہ ضمان حیلولہ ہے یہ ضمان ملکیت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ مدبر ایک ملکیت سے دوسری ملکیت کی جانب منتقل ہونے وال انہیں ہے۔ جس طرح جب کسی شخص نے کوئی مدبر غلام غصب کیا ہے اور اس کے بعد وہ غاصب کے پاس بھاگ گیا ہے تو غاصب پر اس کی قیمت واجب ہو جائے گی۔

- اور جب دونوں میں سے ایک نے پہلے آزاد کر دیا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک دوسرے کو ہی تینوں اختیارات دیئے جائیں گے۔ دوسرے اپنا حصہ مدبر بنایا ہے تو ضمان کا اختیار ساقط ہو جائے گا۔ جبکہ آزادی اور سعی کا اختیار باقی رہ جائے گا۔ کیونکہ مدبر آزاد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے کمائی بھی کروائی جا سکتی ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ ایک کے مدبر بنانے کے بعد دوسرے کا آزاد کرنا باطل ہو گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تدبیر میں اجزاء نہیں ہوا کرتے پس مدبر تدبیر کے ذریعے سے اپنے ساتھی کے حصے کا مالک بن جائے گا اور ساتھی اس غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہو گا اگرچہ مدبر خوشحال ہو یا تنگدست ہو۔ کیونکہ یہ ملکیت کا ضمان ہے اور ملکیت کا ضمان حالت تنگی وخوشحالی دونوں میں مختلف نہیں ہوا کرتا اور ان کے نزدیک ایک فرق یہ بھی ہے کہ مدبر خالص غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہو گا کیونکہ حالت خالص غلام ہونے میں تدبیر اسی غلام سے ملی ہوئی ہے۔

- اور جب دونوں میں سے ایک نے پہلے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا ہے تب بھی دوسرے کی تدبیر باطل ہے کیونکہ آزادی میں اجزاء نہیں ہوتے لہٰذا سارا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور تدبیر ملکیت سے متصل نہیں ہوا کرتی۔ حالانکہ ملکیت ہی تدبیر کا دارومدار ہے اور اگر اب معتق خوشحال ہے تو اپنے ساتھی کیلئے نصف قیمت کا ضامن ہو گا اور اگر وہ تنگدست ہے تو غلام غیر معتق کیلئے اس کے حصے کی کمائی کرے گا۔ کیونکہ ضمان آزادی ہے اور یہ تنگی وخوشحالی میں صاحبین کے نزدیک مختلف ہوتا رہتا ہے۔

-غلام آزاد کرنے کا بیان

ام ولد (باندی) کی آزادی کا بیان

عن سلامة بنت معقل امرأة من خارجة قيس عيلان قالت قدم بي ....منى غلاما (1)

عبداللہ بن محمد، محمد بن سلمہ، محمد بن اسحاق، خطاب بن صالح، جو خارجہ قیس غیلان کے قبیلہ کی عورت تھی کہتی ہیں کہ میرا چچا مجھے زمانہ جاہلیت میں لے کر آیا اور حباب بن عمرو جو ابوالیسر بن عمرو کا بھائی تھا، کے ہاتھ مجھے فروخت کر دیا، میں نے اس کے لیے عبدالرحمٰن بن الحباب کو جنم دیا، پھر حباب مر گیا تو اس کی بیوی کہنے لگی کہ خدا کی قسم، تجھے حباب کے قرضہ (کی ادائیگی) کے لیے فروخت کیا جائے گا سو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بنی

---

[1] ۔ تفرد بہ ابی داود اسنادہ صحیح

خارجہ قیس غیلان کی عورت ہوں اور مجھے میرا چچا مدینہ لے کر آیا تھا زمانہ جاہلیت میں، پس اس نے مجھے حباب بن عمرو، ابوالیسر بن عمرو کے بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیا پس میں نے اس کے واسطے عبدالرحمٰن بن حباب کو جنم دیا، اب حباب کی بیوی کہتی ہے کہ حباب کے قرضہ میں تجھے فروخت کیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا حباب کا والی وارث کون ہے؟ کہا گیا کہ اس کا بھائی ابوالیسر بن عمرو، حضور نے اس کے پاس نامہ بھیجا اور فرمایا کہ اسے (سلامہ) کو آزاد کرو اور جب تم یہ سنو کہ میرے پاس غنیمت میں غلام وغیرہ آئے ہیں تو میرے پاس آنا میں تمہیں اس کا عوض دوں گا، سلامہ کہتی ہیں کہ انہوں نے مجھے آزاد کر دیا حضور کے پاس غلام آئے تو انہیں میرے بدلہ میں غلام دیا۔[1]

مسائل و معاملات:

- اس حدیث میں غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب ہے۔
- کسی فوت شدہ مالک کے قرضے کے عوض فروخت کرنے کو دوسرے غلام کے عوض دینے کا مطلب غلاموں باندیوں کے ساتھ حسن سلوک اور دور جاہلیت کی غلط رواجوں کا خاتمہ ہے۔

مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

- اگر باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور فقہاء اربعہ کا اس بات پر اجماع ہے۔
- علامہ مقدسی رحمۃاللہ المغنی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں: اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہو گا۔آگے فرماتے ہیں: شادی شدہ لونڈی سے جماع کی تحریم میں کوءی شک و شبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوءی اختلاف ہے

باب ام ولد کے بیان میں ہے

- ام ولد ہونے کے معنی و مفہوم کا بیان: علامہ علاؤالدین حنفیؒ لکھتے ہیں کہ ام ولد اس لونڈی کا کہتے ہیں جس کے بچہ پیدا ہوا ہو اور مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اقرار کیا یا زمانہ حمل میں اقرار کیا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے اور اس صورت میں ضروری ہے کہ اقرار کے وقت سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو۔ (2)
- ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی۔(3)

---

[1] ۔سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 562 حدیث مرفوع مکررات 1

[2] ۔در مختار، کتاب عتق، باب استیلاد، ج 5 ص 248، بیروت

[3] ۔سنن ابن ماجہ: جلد دوم: رقم الحدیث 673

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت ابراہیم کی والدہ کا ذکر ہوا تو فرمایا، اسے اس کے بچے نے آزاد کرا دیا۔(1)
- ام ولد سے متعلق اصلاحات: اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا تھا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔
- حدثنا عبداللہ بن محمد النفیلی، ثنا محمد بن سلمۃ، عن محمد بن اسحاق، عن خطاب بن صالح مولی الانصار، عن امہ، عن سلامۃ بسنت معقل امراۃ من خارجۃ قیس عیلان، قالت: قدم بی عمی فی الجاھلیۃ فباعنی من الحجاب بن عمرو اخی ابی الیسر بن عمرو، فولدت لہ عبدالرحمٰن بن الحباب ثم ھلک، فقالت امراتہ: الان واللہ تباعین فی دینہ، فاتیت رسول اللہ ﷺ فقلت۔ یا رسول اللہ ان امراۃ من خارجۃ قیس عیلان قدم بی عمی المدینہ فی الجاھلیۃ، فباعنی من الحباب بن عمرو اخی ابی الیسر بن عمرو، فولدت لہ عبدالرحمٰن بن الحباب، فقالت امراتہ۔ الآن واللہ تباعین فی دینہ، فقال رسول اللہ ﷺ : "من ولی الحباب؟" قیل "اخوہ ابوالیسر بن عمرو، فبعث الیہ فقال: "اعتقوھا، فاذا سمعتم برقیق قدم علی فاتونی اعوضکم منھا" (2)
- سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی ہوں۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمٰن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے تمہیں بیچیں گے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجۃ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا اور میرے بطن سے عبدالرحمٰن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لیے مجھے بیچ دیں گی۔" آپؐ نے فرمایا: "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

---

[1]۔ سنن ابن ماجہ: جلد دوم، رقم الحدیث 674

[2]۔ ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث 3953

- حدثنا احمد بن یوسف، حدثنا ابو عاصم، حدثنا ابو بکر یعنی النہشلی، عن الحسین بن عبد اللہ، عن عکرمۃ، عن ابن عباس، قال: ذکرت ام إبراہیم عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "اعتقھا ولدہا". (1)
- حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہما) کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔"
- حدثنا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ و محمد بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عاَلا: ثنا وَكِيعٌ. ثنا شَرِيكٌ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللہِ بْنِ عُبَيْدِ اللہِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عِكْرِمَۃ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ: قَال رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم ((أَيُّمَا رَجلٍ وَلَدَتْ أمَتُہُ مِنْہُ، فَہِيَ مُعْتَقَۃٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْہُ)). (2)
- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"
- ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔
- نا عبد اللہ بن إسحاق بن إبراہیم البغوی نا أبو زید بن طریف نا إبراہیم بن یوسف الحضرمی نا الحسن بن عیسی الحنفی عن الحکم بن اِبان عن عکرمۃ عن بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إم الولد حرۃ وإن کان سقطا. (دارقطنی، کتاب المکاتب مسند ابن الجعد)
- حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔"
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔ حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّہِ بْنِ عُمَرَ، إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: أَيُّمَا وَلِيدَۃٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِہَا، فَإِنَّہُ لَا يَبِيعُہَا، وَلَا يَہَبُہَا، وَلَا يُوَرِّثُہَا، وَہُوَ يَسْتَمْتِعُ بِہَا، فَإِذَا مَاتَ فَہِيَ حُرَّۃٌ. (3)

---

[1] -ابن ماجۃ کتاب العتق، حدیث 2516

[2] -(ابن ماجۃ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث 3394

[3] - موطا مالک، کتاب العتق، حدیث 2248

- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گی۔
- ام ولد کی بیع کی ممانعت کا بیان: جب باندی نے اپنے آقا (کے نطفہ) سے بچہ جنا تو وہ اپنے آقا کی ام ولد ہو گئی اور اسے بیچنا اور (دوسرے کی) ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے کیونکہ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے اسے اس لڑکے نے آزاد کر دیا۔ آپؐ نے باندی کے آزاد ہونے کی خبر دی لہٰذا اس آزادی سے اس کے بعض احکام بھی ثابت ہو جائیں گے اور وہ بیع کا حرام ہونا ہے۔ اور اس لیے کہ واطی اور موطوءہ کے مابین لڑکے کے واسطے جزئیت ثابت ہو جاتی ہے اس لیے کہ دونوں پانی اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے کہ ان میں فرق کرنا ناممکن ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں یہ معلوم ہو چکا ہے اس وجہ سے بچہ نکلنے کے بعد یہ جزئیت حکماً ثابت رہتی ہے نہ کہ حقیقتاً لہٰذا سبب کمزور ہو گا اسی وجہ سے اس سبب نے ایسا حکم ثابت کیا جو موت کے بعد تک مؤخر ہے اور حکماً جزئیت کا باقی رہنا نسب کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نسب کا اعتبار مردوں کی طرف سے ہوتا ہے اسی لیے آزادی بھی مردوں کے حق میں ثابت ہو گی عورتوں کے حق میں ثابت نہیں ہو گی حتی کہ اگر آزاد عورت اپنے شوہر کی مالک ہو گئی اور اس شوہر سے اس کی اولاد بھی ہو تو بھی اس عورت کے مرنے سے اس کا شوہر آزاد نہیں ہو گا۔
- اور آزادی مؤجل کا ثبوت (ام ولد) فی الحال حق آزادی کو ثابت کرتا ہے لہٰذا اسے فی الوقت فروخت کرنا اور غیر حریت کی طرف نکالنا ممتنع ہو گا اور آقا کی موت کے بعد باندی کی آزادی کا ثابت کرے گی۔ ایسے ہی جب باندی کا کچھ حصہ آقا کا مملوک ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کے اجزاء نہیں ہوتے، اس وجہ سے کہ استیلاد نسب کی فرع ہے اس لیے اسے اس کی اصل پر قیاس کیا جائے گا۔ ([1])
- ام ولد کی بیع کی ممانعت کے دلائل کا بیان: اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا تھا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔
- سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی ہوں۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے

---

[1] - ہدایہ، کتاب عتق،

عبدالرحمٰن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے تمہیں بیچیں گے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجۃ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا اور میرے بطن سے عبدالرحمٰن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لیے مجھے بیچ دیں گی۔" آپؐ نے فرمایا: "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔" (1)

- حدثنا احمد بن یوسف، حدثنا ابو عاصم، حدثنا ابو بکر یعنی النہشلی، عن الحسین بن عبد اللہ، عن عکرمۃ، عن ابن عباس، قال: ذکرت ام إبراہیم عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "اعتقہا ولدہا". (2)
- حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔"
- حدثنا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ومحمد بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: ثنا وَكِيعٌ. ثنا شَرِيكٌ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ((أَيُّمَا رَجُلٍ وَلَدَتْ أَمَتُهُ مِنْهُ، فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ)). (3)
- سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والٰہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"
- ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والٰہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔
- نا عبد اللہ بن إسحاق بن إبراہیم البغوی نا إبو زید بن طریف نا إبراہیم بن یوسف الحضرمی نا الحسن بن عیسی الحنفی عن الحکم بن إبان عن عکرمۃ عن بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إم الولد حرۃ وإن کان سقطا. (4)

---

[1]- ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث 3953

[2]- ابن ماجۃ کتاب العتق، حدیث 2516

[3]- ابن ماجۃ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث 3394

[4]- دار قطنی، کتاب المکاتب مسند ابن الجعد

- حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔"
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔
- حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهَبُهَا، وَلَا يُوَرِّثُهَا، وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. (1)
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: جس لونڈی کے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو گی۔
- یہ حکم جاری کرتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تصریح فرمائی تھی کہ انہوں نے ایسا رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق کیا تھا۔
- حدثنا محمد بن الحسین النقاش ثنا الحسن بن سفیان نا مصرف بن عمرو نا سفیان بن عیینة عن عبد الرحمٰن لافریقی عن مسلم بن یسار عن سعید بن المسیب ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعتق امہات الاولاد و قال عمر اعتقهن رسول اللہ ﷺ (2)
- حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ام ولد لونڈیوں کا آزاد کیا تو فرمایا، "انہیں دراصل رسول اللہ ﷺ نے آزاد فرمایا تھا۔"
- ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول: آقا سے جن لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں لیکن حضرت عمر نے یہ عام قاعدہ مقرر فرما دیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتیں ہیں نہ ان میں وراثت جاری ہو سکتی ہے، نہ ان کا ہبہ ہو سکتا ہے بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی، اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔ (3)

---

[1] - موطا مالک، کتاب العتق، حدیث 2248

[2] - دار قطنی، کتاب المکاتب

[3] - موطا امام محمد، باب بیع امہات الاولاد

- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو مدبر کرے بعد اس کے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ لونڈی مولیٰ کے سامنے مر جائے تو اس کی اولاد اپنی ماں کی طرح مدبر رہے گی جب مولیٰ مر جائے گا اور ثلث مال میں گنجائش ہو تو آزاد ہو جائے گی۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ہر عورت کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہو گی اگر وہ مدبر ہے یا مکاتبہ ہے یا معتقہ الی اجل ہے یا مخدمہ ہے یا معتقۃالبعض ہے یا گرو ہے یا ام ولد ہے۔ ہر ایک کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہو گی وہ آزاد تو وہ آزاد اور وہ لونی ہو جائے گی تو وہ بھی مملوک ہو جائے گی۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر لونڈی حالت حمل میں مدبر ہوئی تو اس کا بچہ بھی مدبر ہو جائے گا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ لونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ حاملہ ہے تو اس کا بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اسی طرح اگر ایک شخص حاملہ لونڈی کو بیچے گا تو وہ لونڈی اور اس کے پیٹ کا بچہ مشتری کا ہو گا خواہ مشتری نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اسی طرح بائع کے لیے درست نہیں کہ لونڈی کو بیچے اور اس کا حمل بیچے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے شاید بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص پیٹ کے بچے کو بیچے اس کی بیع درست نہیں۔
- حضرت امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر مدبر اپنے مولیٰ سے کہے تو مجھے آزاد کر دے میں تجھے پچاس دینار قسط وار دیتا ہوں۔ مولیٰ کہے اچھا تو آزاد ہے تو مجھے پچاس دینار پانچ برس میں دے دینا ہر سال دس دینار کے حساب سے۔ مدبر اس پر راضی ہو جائے بعد اس کے دو تین دن میں مولیٰ مر جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور پچاس دینار اس پر قرض رہیں گے اور اس کی گواہی جائز ہو جائے گی اور اس کی حرمت اور میراث اور حدود پورے ہو جائیں گے اور مولیٰ کے مر جانے سے ان پچاس دینار میں کچھ کمی نہ ہو گی۔ (1)

۔عطیہ اور بخشش سے متعلق احادیث مبارکہ
نعمان بن بشیر کی حدیث میں راویوں کے اختلاف کا بیان

---

[1] ۔ موطا امام مالک، جلد اول، رقم الحدیث 1184

عن النعمان بن بشير أن أباه أتى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إني نحلت ابني غلاما كان لي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل ولدك نحلته قال لا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فارجعه (1)

محمد بن سلمہ، حارث بن مسکین، ابن قاسم، مالک، ابن شہاب، حمید بن عبدالرحمٰن ، محمد بن نعمان، حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ان کے والد ماجد ان کو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنا غلام اس لڑکے کو بطور عطیہ کے دیا ہے؟ (یا صرف تم نے اس ایک ہی لڑکے کو عطیہ میں غلام دیا ہے؟) اس نے عرض کیا نہیں (باقی تمام لڑکوں کو میں نے کچھ نہیں دیا) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر تم اپنے اس عطیہ کو واپس لے لو۔ (2)

مسائل و معاملات:

- ہبہ میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا حکم ہے۔
- اگر انصاف کے ساتھ اولاد کو ہبہ نہیں کیا گیا تو باپ اس کو واپس لے سکتا ہے۔
- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

یہ عنوان چار احکام پر مشتمل ہے۔پہلا حکم یہ ہے کہ بیٹے کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ کوئی شخص جب اپنی اولاد کو ہبہ کرے تو ان کے درمیان عدل کرے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ والد اپنی اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے۔ چوتھا یہ کہ والد اپنی اولاد کے مال سے صرف اور دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔ (3)

- علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ہبہ میں اولاد کے درمیان مساوات کرنا آیا واجب ہے یا مستحب ہے۔

امام مالکؒ، لیثؒ، سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ علیہم اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اولاد میں سے ایک کو کوئی چیز عطا کرے اور دوسروں کو عطا نہ کرے، اور ان میں سے بعض نے اس کو مکروہ (تنزیہی) قرار دیا ہے۔اور تمام اولاد کو برابر برابر عطا کرنا سب کے نزدیک مستحب ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ابن المبارکؒ کے نزدیک بعض اولاد کو ہبہ میں دوسروں پر ترجیح دینا مکروہ (تحریمی) ہے۔ یعنی ان کے نزدیک مساوات واجب ہے۔ (4)

- علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

---

[1] - تخریج: خ/الھبۃ12(2586)،م/الھبات3(1623)،ت/الاحکام30(1367)،ق/الھبات1(2386)،،ط/الاقضیہ33(39)، حم(268/ 4،270) صحیحویاتی فیما یلی:3703،3704،3750

[2] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 2 حدیث مرفوع مکررات 35

[3] فتح الباری: 65/4

[4] عمدۃ القاری: 203-204/13

اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے میں اولاد کے درمیان مساوات کرنی چاہیے۔ اور کسی کو دوسرے سے زیادہ نہین دینا چاہیے۔ اور ہمارے بعض (شافعیہ) نے یہ کہا کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا حصہ دینا چاہیے۔ اور صحیح اور مشہور یہ ہے کہ برابر برابر دینا چاہیے۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ اور اگر کسی نے بعض اولاد کو بعض سے زیادہ دے دیا تو امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مکروہ (تنزیہی) ہے حرام نہیں ہے۔ لیکن ہبہ صحیح ہے۔ اور طاؤس، عروہ، مجاہد، ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور داود ظاہری کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے "لا اشهد علی جور "میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا۔ اور امام شافعی اور جمہور کا استدلال یہ ہے کہ فاشهدوا علی هذا غیری" اس معاملے میں میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بنالو۔ (1)

اولاد کو مساوات سے ہبہ کرنے کے بارے میں مذہب احناف:

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام احمد سے کئی روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر بعض کو بعض سے زیادہ دیا تو ہبہ باطل ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے۔ اور ہبہ کرنے والے پر اس ہبہ سے رجوع کرنا واجب ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ احتیاج ہو مثلاً وہ معذور ہو تو اسکو زیادہ دینا جائز ہے۔

امام ابویوسفؒ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بعض کو زیادہ دے کر دوسروں کو ضرر پہنچانے کا قصد کرے تو پھر مساوات واجب ہے۔ اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ مساوات مستحب ہے۔ اور بعض کو زیادہ دینا مکروہ تنزیہی ہے۔

مساوات کی تفصیل میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی، امام احمد اسحاق، اور بعض مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ عدل یہ ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دگنا دیا جائے اور دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ مذکر اور مونث کا فرق نہ کیا جائے۔ (2)

اولاد اور دیگر محارم کو ہبہ کے بعد رجوع کرنے میں فقہاء کی آراء:

- علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

جب والد اپنی اولاد کو ہبہ کرے تو ہمارے نزدیک وہ اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ والد اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے۔ (3)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو ہبہ کر کے اس سے رجوع کرے تو یہ قطع رحم ہے۔ اور یہ چیز بیٹے کو باپ کی نافرمانی پر برانگیختہ کرے گی۔ حالانکہ باپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیٹے کو نیکی پر برانگیختہ کرے۔ (4)

- اس حدیث میں رجوع کرنے کا حکم ہے۔ تو یہ ایسی صورت میں ہے کہ جب انصاف سے اور مساوات سے ہبہ نہ کیا گیا ہو۔ دوسری روایات کے مطابق عام حالت میں ہبہ کو واپس نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

- عطیہ اور بخشش سے متعلق احادیث مبارکہ

نعمان بن بشیر کی حدیث میں راویوں کے اختلاف کا بیان

---

[1] شرح مسلم للنووی: 37/2

[2] عمدۃ القاری: 146-47/13

[3] المبسوط: 54-54/12 ملخصاً

[4] المبسوط: 66/12

أخبرنا عمرو بن عثمان بن سعيد قال حدثنا الوليد عن الأوزاعي عن الزهري أن محمد بن النعمان وحميد بن عبد الرحمن حدثاه عن بشير بن سعد أنه جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم بالنعمان بن بشير فقال إني نحلت ابني هذا غلاما فإن رأيت أن تنفذه أنفذته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل بنيك نحلته قال لا قال فاردده [1]

عمرو بن عثمان بن سعید، ولید، اوزاعی، زہری، محمد بن نعمان، حمید بن عبدالرحمٰن، حضرت بشیر بن سعد سے روایت ہے کہ وہ ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت نعمان بن بشیر کو لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بخشش کر دیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرمائیں تو میں اپنے اس عطیہ کو باقی رکھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کو عطیہ کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو تم اس غلام کو اس سے واپس لے لو (یعنی جس کو تم نے بخشش کیا ہے تم وہ بخشش واپس لے لو۔ ([2])

مسائل و معاملات:

- اس حدیث کے باقی مسائل تو گذشتہ حدیث میں گزر چکے ہیں۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ اگر اولاد میں مساوات سے ہبہ کیا جائے تو اس پر گواہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔
- اگر برابری کی سطح پر ہبہ نہ کیا ہو تو اس پر گواہ نہیں بننا چاہیے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح گواہ بننے سے منع کیا ہے۔
- دوسرا یہ کہ اس حدیث کی رو سے اگر ہبہ مساوات کی بنیاد پر نہ ہو تو اُس کا واپس کرانا جائز ہے اور بیٹے کو چاہیے کہ وہ ہبہ واپس کر دے۔
- کسی ناجائز چیز پر گواہ بننا مکروہ ہے۔
- ہبہ پر گواہ بنانا جائز ہے مگر واجب نہیں۔
- حاکم اور مفتی کا استفسار کرنا جائز ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ اور تم نے اس کو بھی اس کی مثل دیا ہے؟
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کا لحاظ رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلط کام پر دوسروں کو اللہ سے ڈرانا اور عدل کا حکم دینا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
- اس سے معلوم ہوا کہ غلط کام پر دوسروں کو اللہ سے ڈرانا اور عدل کا حکم دینا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے

- **مذاہب فقہاء**

---

[1] - تخریج: خ/الھبۃ12(2586)، م/الھبات3(1623)، ت/الاحکام30(1367)، ق/الھبات1(2386)،، ط/الاقضیہ33(39)، حم(268/ 4،270) صحیح ویاتی فیما یلی:3703،3704،3750

[2] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 4　　حدیث مرفوع　　مکررات 35

- اس میں اختلاف ہے کہ اولاد کے درمیان ہدیہ میں مساوات کا کیا حکم ہے اس دو مذہب ہیں:
- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مساوات مستحب ہے واجب نہیں اگر اضرار مقصد ہو تو مساوات واجب ہے اور اگر کسی کو خاص وصف کی وجہ سے زیادہ دے تو یہ بھی جائز مثلاً خدمت یا علم یا کسی اور وجہ سے زیادہ دے۔
- -بعض ائمہؒ کے نزدیک مساوات واجب ہے تساوی کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔
- دلیل
- ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے ہے ان کے والد نے اپنے بیٹے کو عطیہ دیا اور نبی ﷺ کو شاہد بننے کی درخواست کی آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا سب اولاد کو عطیہ دیا ہے انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس کو واپس لوٹا لو کیونکہ میں ظلم پر گواہ بننے کے لئے تیار نہیں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ مساوات ضروری ہے۔
- جواب: حضرت بشیرؓ کی اہلیہ عمرۃ بنت رواحہؓ نے اپنے بیٹے کو زیادہ دینے پر مجبور اور اصرار کیا دوسری اولاد جو دوسری بیوی سے تھی اس کو محروم کر دیا اور جب نبی ﷺ کو پوری حقیقت معلوم ہو گئی اور زیادہ دینے کی کوئی معقول وجہ بھی نہ تھی کہ ترجیح دی جائے تو آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اس میں دوسرے کا ضرر ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس کو ظلم قرار دے کر واپسی کا حکم دیا اور شہادت سے انکار کر دیا۔
- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تسویہ اور برابر کا کیا مطلب ہے؟ یعنی کیا مذکر اور مؤنث سب برابر ہوں گے یا اس میں میراث کے قاعدہ کے مطابق (لِذَّ كَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) ([1]) پر عمل کیا جائے گا؟ اس بارے میں فقہائے کے دونوں قول ہیں بعض کے نزدیک میراث کے قاعدے کے مطابق دیا جائے گا اور بعض کے نزدیک سب کو برابر دیا جائے گا لیکن فقہائے حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر دیا جائے گا اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں فرمایا گیا کہ اولاد کو برابر دینا چاہئے اور اگر اولاد کے اندر تفریق جائز ہوتی کہ جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے کم دے تو اس صورت میں مؤنث زیادہ حق دار تھی کہ اس کو زیادہ دیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر زندگی میں کوئی باپ اپنی اولاد کو کچھ عطیہ دے تو اس وقت مذکر اور مؤنث میں فرق نہ کرنا چاہئے برابر دینا چاہئے۔

-صدقات کا بیان

کوئی چیز صدقہ میں دی پھر دیکھا کہ وہ فروخت ہو رہی ہے تو کیا صدقہ کرنے والا وہ چیز خرید سکتا ہے۔

---

1 -النساء:11

عن عمر بن عبد الله بن عمر يعني عن أبيه عن جده عمر أنه تصدق بفرس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فأبصر صاحبها يبيعها بكسر فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فسأله عن ذلك فقال لا تبتع صدقتك (1)

تمیم بن منتصر، اسحاق بن یوسف، شریک، ہشام بن عروہ، عمر، ابن عبداللہ بن عمر، حضرت عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول کے عہد مبارک میں انہوں نے ایک گھوڑا صدقہ کیا پھر دیکھا کہ جس کو صدقہ میں دیا تھا وہ اس کو کم قیمت میں فروخت کر رہا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا اپنا صدقہ نہ خریدو۔ (2)

مسائل و معاملات:

- اگر کوئی شخص کسی کو فی سبیل اللہ گھوڑا دے تو لینے والا آگے اس کو ضرورت کے تحت بیچ سکتا ہے۔
- دینے والے کو صدقہ کی ہوئی چیز کو دوبارہ نہیں خریدنا چاہیے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے لیے اس گھوڑے کو خریدنا جائز نہیں ہے۔ صدقہ میں رجوع کی اس طرح وضاحت ہے کہ اگر وہ شخص کسی اور کو گھوڑا فروخت کرے گا تو شرح صدر کے ساتھ زیادہ قیمت لگائے گا اور جب پہلا شخص اس کو خریدے گا تو اس دوسرے کو حجاب آئے گا کہ اُنہوں نے ہی مجھے یہ گھوڑا دیا تھا میں ان سے زیادہ پیسے کیسے مانگوں؟ یعنی اس سے دونوں شخص ایک دوسرے کا حیا کریں گے اور دوسرا شخص شاید اہانت محسوس کرے۔
- ہبہ کو دوبارہ خریدنا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ سستا ترین ہی کیوں نہ ملے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی مثال ایسی بیان فرمائی ہے جیسے کتا قے کر کے اس کو دوباہ چاٹتا ہے۔

ہبہ سے رجوع کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء:

- علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی 449ھ لکھتے ہیں:

اس باب میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کسی چیز کو ہبہ کر کے اس سے رجوع کرنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ طاؤس اور حسن بصریؒ بھی یہی کہتے ہیں، اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس شخص نے کسی ذی رحم محرم کو ہبہ کیا، اسکے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ بشرطیکہ اس سے عوض نہ لیا ہو، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول اسکے خلاف ہے کہ اگر ہبہ کرنے والے نے ہبہ کا عوض نہیں لیا تو وہ ذی رحم محرم سے بھی رجوع کر سکتا ہے۔

---

[1] - تخریج: خ/الزکوۃ59(1490)؛الھبہ30(2623)،37، (2636)،الوصایا31(2970)،الجھاد119(2970)،137(3003)،م/الھبات1(1620)،2ق/الصدقات1(2390)(1392)، ما/الزکوۃ26(49)حم(1 25،37،40،،54) صحیح

[2] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 550 حدیث مرفوع مکررات 24 بدون مکرر

سفیان ثوری اور فقہاء احناف نے کہا کہ ذی رحم محرم کے غیر کو کوئی چیز ہبہ کی اور وہ چیز قائم ہو اور ہلاک نہ ہوئی ہو اور اس چیز میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو۔ اور اس کا کوئی عوض نہ لیا ہو تو اس ہبہ سے رجوع کرنا جائز ہے۔

امام مالکؒ نے کہا جس چیز کو ثواب کے لیے ہبہ کیا ہے، اس سے رجوع کرنا جائز ہے۔ خواہ محرم کو ہبہ کیا ہو یا غیر محرم کو۔ [1]

وہ سات صورتیں جن میں ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں:

فقہاء احناف نے تصریح کی ہے کہ سات صورتوں میں ہبہ کر کے واپس لینا جائز نہیں ہے۔

علامہ علاوالدین الحصکفی متوفی 1088ھ اور علامہ محمد امین ابن عابدین شامیؒ نے یہ سات صورتیں تفصیل سے ذکر کی ہیں:

- جس چیز کو ہبہ کیا ہے، اس میں کچھ زیادتی یا اضافہ ہو گیا، اگر یہ اضافہ متصل ہے تو اب واہب اس ہبہ سے رجوع نہیں کر سکتا مثلاً کسی شخص نے زمین ہبہ کی اور موہوب لہ نے اس زمین پر مکان بنایا یا باغ لگا دیا تو یہ زیادتی متصل ہے۔ اب واہب اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔
- واہب یا موہوب لہ میں کسی کی وفات ہو جائے تو اب واہب اس ہبہ سے رجوع نہیں کر سکتا۔
- اگر واہب نے اپنے ہبہ کا عوض لے لیا تو اب اس کا اپنے ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔
- جس چیز کو ہبہ کیا تھا وہ چیز موہوب لہ کی ملکیت سے خارج ہو گئی مثلاً موہوب لہ نے اس چیز کو فروخت کر دیا یا صدقہ کر دیا تو اب واہب کا اس ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔
- بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی تھی، اب شوہر کا اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔
- ذو رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تھی تو اس سے رجوع کرنا جائز نہیں مثلاً باپ، دادا، ماں، دادی، بیٹا، پوتا، نواسی، نواسہ، بھائی، بہن اور چچا، پھوپھی یہ سب ذو رحم محرم ہیں۔
- جو چیز ہبہ کی تھی وہ چیز ہلاک ہو گئی تو اب اس سے رجوع کرنا جائز نہیں کیونکہ اب وہ چیز ہی نہیں رہی تو رجوع کس سے کرے گا۔ (2)

- حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: بری صفات کو اختیار کرنا ہمارے لائق نہیں ہے، اور ہبہ واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو چاٹ لیتا ہے۔
- حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس روایت کو "مرفوع" حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔
- حضرت ابن عباسؓ سے منقول حدیث "حسن صحیح" ہے۔
- بعض اہل علم جو نبی اکرم ﷺ کیا اصحاب اور دیگر طبقوں تعلق رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس پر عمل کیا جائے گا، وہ یہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے کسی محرم عزیز کو کوئی چیز ہبہ کرے، تو اب وہ اس ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا، لیکن جو شخص کسی محرم عزیز کی نجائے، کسی اور کو کوئی چیز ہبہ کرے، تو وہ اس وقت اس چیز کو واپس لے سکتا ہے، جب اسے اس کے بدلے میں کوئی چیز نہ ملی

---

[1] شرح ابن بطال: 110/7-109، اس پر مزید دیکھیے فتح الباری: 84/4، عمدۃ القاری: 248/13

[2] الدر المختار ورد المختار 444/8-436 ملخصاً

ہو۔

- سفیان ثوریؒ اسی بات کے قائل ہیں۔
- امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے۔وہ کوئی عطیہ دے، اور پھر اسے واپس لے، صرف والد کا حکم مختلف ہے اس چیز کے بارے میں جو وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔
- امام شافعیؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی نبی اکرم ﷺ سے نقل کردہ حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے۔وہ کوئی چیز عطیہ دے، اور پھر اسے واپس لے، صرف والد کا حکم مختلف ہے اس نے اپنی اولاد کو جو عطیہ دیا ہو (وہ اس سے واپس لے سکتا ہے

-صدقات کا بیان

میت کی جانب سے دین ادا کرنا

عن جابر بن عبد الله أن أباه توفي وترک علیه ثلاثین وسقا لرجل من الیهود فاستنظره جابر بن عبد الله فأبی أن ینظره فکلم جابر رسول الله صلی الله علیه وسلم لیشفع له..... لیبارکن الله فیها (1)

عبدالرحمٰن بن ابراہیم، شعیب بن اسحاق، ہشام بن عروہ، وہب بن کیسان، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور ان کے ذمہ ایک یہودی کے تیس ٹوکرے تھے تو حضرت جابر نے اس یہودی سے مہلت مانگی اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا تو حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی کہ اس یہودی سے میری سفارش کر دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے یہ بات کی کہ اپنے قرضہ کے بدلے جابر کے درخت پر جو کھجوریں ہیں لے لے وہ نہ مانا پھر آپ نے اس سے کہا کہ جابر کو مہلت دے دے اس نے مہلت دینے سے بھی انکار کر دیا تو اللہ کے رسول نے (جابر کے) باغ میں گئے اور اس میں چلے پھرے پھر جابر سے فرمایا کھجوریں کاٹ کر یہودی کا قرض ادا کرو حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واپس آنے کے بعد تیس ٹوکرے کھجوریں اتاریں اور بارہ ٹوکرے مزید اتارے تو حضرت جابر یہ بتانے کے لیے کہ کھجوروں میں برکت واضافہ ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ موجود نہ تھے جب آپ واپس تشریف لائے تو حضرت جابر آئے اور بتایا کہ یہودی کا قرضہ بھی ادا کر دیا اتنا اتنا باقی بھی بچ گیا تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ عمر بن خطاب کو بھی یہ بات بتاؤ۔ حضرت جابر سیدنا عمر بن خطاب کے پاس گئے اور ان کو ساری بات بتائی حضرت عمر نے فرمایا کہ جب اللہ کے رسول اس باغ میں چل پھر رہے تھے تو مجھے یقین ہوگیا تھا اس وقت کہ اللہ اس میں برکت عطا فرمائیں گے۔(2)

مسائل ومعاملات:

- اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزے کا ذکر ہے۔

---

[1] -تخریج: خ/البیوع 51 (2127)، الاستقراض 8 (2395)، 18 (2305)، الھبہ 21 (2601)، الوصایا 36 (2781)، المناقب 25 (35809)، المغازی 18 (4053)، ویاتی فیما یلی: (3667، 36670) (صحیح)

[2] - سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 592 حدیث مرفوع مکررات 16

- اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس نے کسی کا کچھ دینا ہو، ناپنے کا کام اس کے ذمہ ہے۔
- قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جو شخص کوئی چیز کسی معین مقدار میں فروخت کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہی اس معین مقدار کو ناپ کر یا وزن کر کے ثابت کرے۔ (1)
- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اپنی مجبوریوں اور اپنے حالات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھتے تھے۔
- اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ اپنے کسی کمال پر اپنے دوستوں یا محبوب لوگوں کو مطلع کرنا مستحسن عمل ہے۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتانے کے لیے اس لیے فرمایا کیونکہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی کے متعلق فکر مند رہتے تھے۔
- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کتنا کامل اور پختہ یقین تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اُسی وقت سمجھ گیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کے گرد طواف کیا تھا کہ اب ضرور ان میں برکت دی جائے گی۔

---

[1] شرح ابن بطال: 216/6

فصل چہارم

- شکار کا بیان

کتے کے شکار میں سے کیا کھانا جائز ہے اور کیا ناجائز

عن عدی بن حاتم قال قلت یا رسول الله إنا نرسل کلابا لنا معلمة قال کل ما أمسکن علیک قلت یا رسول الله وإن قتلن قال وإن قتلن ما لم یشرکها کلب غیرها قال قلت یا رسول الله إنا نرمی بالمعراض قال ما خزق فکل وما أصاب بعرضه فلا تأکل [1]

محمود بن غیلان، قبیصہ، سفیان، منصور، ابراہیم، ہمام بن حارث، حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے سکھائے ہوئے شکاری کتوں کو شکار کے لئے بھیجتے۔ فرمایا وہ جس شکار کو پکڑیں تم اسے کہا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا اگر وہ اسے مار ڈالے تب بھی۔ فرمایا ہاں بشرطیکہ کوئی دوسرا کتا اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم معراض سے بھی شکار کو مارتے ہیں۔ فرمایا جو نوک سے پھٹ جائے اسے کھالو اور جو اس کی چوٹ لگنے سے مرے اسے نہ کھاؤ۔ ([2])

مسائل و معاملات:

- سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرنا جائز ہے۔
- کتے کو چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینا ضروری ہے۔

کتے کے شکار کے بارے ائمہ کی آراء:

- اگر سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ شکار میں کوئی دوسرا کتا شامل ہو یا پاس کھڑا ہوا پایا جائے تو اس شکار کو مت کھاؤ۔
- علامہ نووی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی قید کے کتا بھیجنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام اقسام کے سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ سیاہ رنگ کے ہوں یا کسی اور رنگ کے۔ امام مالکؒ، امام شافعی اور امام ابو حنیفہؒ اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے اور حسن بصری، نخعی، قتادہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ سیاہ رنگ کے کتوں کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (3)

1- تخریج: خ/الوضوء 33 (175)، والبیوع 3 (2054)، والعیدا (5475)، و 3(5476)، و 3(5477)، و 7(5483)، و 8(5484)، و 9(5486)، و 10 (5487)، م/العیدا (1929)، د/العید 2 (2847)، ن/العید (4268)، و2 (4269)، و 3(4270)، و 8(4279)، و 21 (4310)، ق/العید 3 (3208)، و 5 (3212)، (3213)، و 7 (3215)،و حم(4/256 ،257،258 ،377،380،)د/الصید1(2045)،ویاتی بارقام(1467،1471) صحیح

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1506 حدیث مرفوع مکررات 66 بدون مکرر

[3] شرح مسلم للنووی: 145/2

- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کتے کے ساتھ شکار کے جواز کے لیے شرط ہے کہ جس کتے کو بھیجا جائے وہ سدھایا ہوا ہو اور اس کو بھیجنا بھی شرط ہے۔ پس اگر ایسا کتا بھیجا جو سدھایا ہوا نہ تھا یا سدھایا ہوا کتا بغیر بھیجے از خود شکار کو چلا گیا پھر اس کتے نے شکار مار ڈالا تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ اور جو کتا سدھایا ہوا نہ ہو اس کے شکار کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے۔(1)
- سدھائے ہوئے کتے پر بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔
- تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شکار پر کتے کو بھیجتے وقت اور شکار ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم واجب ہے یا سنت، امام شافعیؒ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حکم سنت ہے۔ اس لیے اگر کسی نے سہواً یا عمداً بسم اللہ کو ترک کر دیا تو شکار یا ذبیحہ حلال ہو گا۔ (یہ اس حدیث کے مخالف دلیل ہے) امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور اہل ظاہر نے یہ کہا کہ بسم اللہ کو ترک کرنے سے شکار یا ذبیحہ حلال نہیں ہو گا۔ خواہ عمداً ترک کیا ہو یا سہواً شکار کے متعلق امام احمدؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ، ثوریؒ اور جمہور علماء نے یہ کہا کہ اگر بسم اللہ کو سہواً ترک کر دیا تو شکار اور ذبیحہ دونوں جائز ہیں اور اگر عمداً ترک کیا تو پھر یہ دونوں جائز نہیں ہیں۔(2)
- تیر سے شکار کرنا جائز ہے۔
- تیر اگر نوک کی طرف سے لگے تو اس کا کھانا جائز اور اگر چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور مردار ہے۔
- **"تیر" سے کیے ہوئے شکار کے حکم میں مذاہب فقہاء:**

معراض اس لمبے تیر کو کہتے ہیں جس کے چار پر ہوں جب اس کو پھینکا جائے تو وہ چوڑا ہو جاتا ہے اور موقوذہ اس مرے ہوئے جانور کو کہتے ہیں جو بغیر دھار والی کسی چیز سے مر جائے مثلاً لکڑی یا پتھر لگنے سے۔

- امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور جمہور فقہاء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی شخص نے معراض سے شکار کیا اور شکار معراض کی دھار سے مرا تو حلال ہے اور اگر معراض کی عرض کی جانب سے مرا تو پھر وہ حلال نہیں ہے۔(3)
- امام احمد بن حنبلؒ نے یہ کہا کہ معراض ایک چیز ہے جو تیر کے مشابہ ہوتی ہے۔ بسا اوقات جانور اس کی دھار سے زخمی ہو کر مر جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ مباح ہے۔ بسا اوقات جانور معراض کے عرض کے ثقل سے ٹکرا کر مر جاتا ہے اس صورت میں یہ موقوذ ہے۔ اور مباح نہیں ہے۔
- جو چیز جانور کو کاٹتی اور چھیدتی ہے اور جس کا خون نکل آتا ہے تو وہ حلال ہے اور اگر ضرب سے مر جائے تو وہ موقوذہ ہے۔ جو حلال نہیں۔(4)

- شکار کا بیان

---

[1] - شرح مسلم للنووی: 145/2

[2] شرح مسلم للنووی: 145/2، مزید دیکھیے: اکمال اکمال المعلم: 271/5، المغنی لابن قدامہ 293/9

[3] - ایضاً

[4] مزید دیکھیے "المبسوط: 253/11] ہدایہ: 511/2

کتے کے شکار میں سے کیا کھانا جائز ہے اور کیا ناجائز

عن عائذ الله بن عبد الله أنه سمع أبا ثعلبة الخشني قال قلت يا رسول الله إنا أهل صيد .....ويقال ابن قيس (1)

احمد بن منیع، یزید بن ہارون، حجاج، مکحول، ابوثعلبہ، ولید بن ابومالک، حضرت عائذ بن عبداللہ، ابوثعلبہ، خشنی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم شکاری لوگ ہیں۔ فرمایا اگر تم نے اپنا کتا بھیجتے وقت بِسْمِ اللَّهِ پڑھی اور کتے نے پکڑ لیا تو تم اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا اگر وہ اسے قتل کر دے تو؟ فرمایا تب بھی کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہم تیر انداز لوگ ہیں۔ فرمایا جو چیز تمہارے تیر سے مر جائے وہ کھا سکتے ہو۔ پھر میں نے عرض کیا ہم سفر بھی زیادہ کرتے ہیں اور ہم یہود ونصاری اور مجوسیوں کے پاس سے گزرتے ہیں ان کے برتنوں کے علاوہ ہمیں کوئی برتن نہیں ملتا۔ فرمایا اگر ان کے علاوہ اور برتن نہ ہوں تو انہیں پانی سے دھو کر ان میں کھاؤ اور پیو۔ اس باب میں حضرت عدی بن حاتم سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عائذ اللہ، ابوادریس خولانی ہیں۔ (2)

مسائل و معاملات:

- تیر کمان سے شکار کرنے میں اگر پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیر چھوڑا جائے تو اس کو کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔
- سکھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کرنے میں بھی یہ حکم ہے کہ اپنے سدھائے ہوئے کتے پر بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے تو اس کا شکار کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔
- اگر بغیر سکھائے ہوئے کتے کا کیا ہوا شکار زندہ ہے اور تم اس کو ذبح کر لو تو اس کا کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔
- دوسری احادیث میں کہ اگر تم اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پاؤ اور شکار مر چکا ہو تو اُسے مت کھاؤ کیونکہ بسم اللہ تم نے اپنے کتے پر پڑھی تھی دوسرے پر تو نہیں اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے کتے نے شکار کو مارا ہو لہٰذا اُسے مت کھاؤ۔ الا کہ تم اس کو ذبح کر لو۔
- اگر اور برتن نہ ملیں تو اہل کتاب کے برتنوں کو دھو کر اس میں کھانا جائز ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے برتنوں میں کھایا جائے اگر نہ ملیں تو پھر یہ حکم ہے۔

- شکار کا بیان

باز کا شکار

---

[1] - تخریج: خ/الصید4 (5478)، و10 (5488)، 14 (5496)، م/الصیدا(1930)، و2 (1931)، د/الصید 2 (2855)، ن/الصید 4 (4271)، ق/الصید 3 (3207)۔ وحم(4/193، 194، 195،)ویاتی فی السیرا1 (1560)، وفی الاطعمة7، (6971) صحیح

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1508 حدیث مرفوع مکررات 66 بدون مکرر

عن عدی بن حاتم قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن صید البازی فقال ما أمسک علیک فکل ....قالوا یأکل وإن أکل منه (1)

نصر بن علی، ہناد، ابو عمار، عیسیٰ بن یونس، مجاہد، شعبی، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز وہ تمہارے لیے پکڑ رکھے اسے کھالو۔ اس حدیث کو ہم صرف مجالد کی روایت سے جانتے ہیں اور وہ شعبی سے نقل کرتے ہیں۔ اہل عمل کا اسی پر عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باز اور صقور (شکرے) کے شکار میں کوئی حرج نہیں۔ مجالد کہتے ہیں کہ باز، وہ پرندہ ہے جو شکار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ان جوارح میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جن جوارح کو تم سکھاؤ اس سے مراد وہ کتے اور پرندے ہیں جن سے شکار کیا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے شکار کردہ جانور میں سے کچھ کھا جانے کی صورت میں بھی باز کا شکار جائز رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ باز کا سکھانا یہ ہے کہ وہ حکم کی تعمیل کرے۔ بعض اہل علم نے اس صورت میں شکار کو مکروہ کہا ہے اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ باز کا شکار کھائے۔ اگرچہ باز اس میں سے کچھ کھا بھی جائے۔ (2)

مسائل و معاملات:

شکار تیر کے ذریعے کتے اور باز کے ذریعے جاز ہے لیکن مطلق نہیں جب چند شرائط پائی جائیں:

- جن کتے کے ذریعے یا باز کے ذریعے شکار کیا جائے وہ معلم ہو۔ کتے کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ شکار کو پکڑنے نے بعد خود نہ کھائے دوسری مرتبہ بھی پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے اور تیسری مرتبہ پکڑنے کے بعد خود شکار میں سے خود نہ کھائے تو اب یہ کلب معلم سمجھا جائے گا اور بار کے معلم ہونے کے لئے اجابت کافی ہے کہ چھوڑنے پر چلا جائے اور بلانے پر واپس آجائے۔
- عند الارسال تسمیہ پڑھی جائے یعنی حقیقۃً ہو یا حکماً ہو بعنوان آخر قصداً ترک نہ ہوا اگر حقیقۃ ذکر ہے تو فبھار اور اگر نسیان ہو گیا تو حکما تسمیہ موجود ہے۔
- چھوڑتے ہی شکار کی طرف چلا جائے درمیان میں وقفہ نہ ہو۔
- شکار کو زخمی کرے۔
- دوسرے کلب غیر معلم کی شرکت نہ ہو نیز ایسے کلب معلم کی بھی شرکت نہ ہو کہ جس پر تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو (ورنہ شکار حلال نہیں ہو گا)۔

---

[1] - تخریج: د/الصید 2 (2851)، تحفۃ الاشراف: (9865)۔

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1510 حدیث مرفوع مکررات 66 بدون مکرر

- شکار مرا ہوا پایا گیا ہو اس کے زخم کی وجہ سے اور اگر اس کو زندہ پالیا تو پھر ذبح کرنا ضروری ہو گا صرف اس کا زخمی کرنا کافی نہیں ہے اگر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو حرام ہو گا (ذبح اختیاری پر قدرت کے باوجود ذبح نہ کرنے کی وجہ سے)۔
- وہ صید حرم کا نہ ہو اگر شکار حرم کا ہے تو کتنے ہی کلب معلم بھیجے پھر بھی حلال نہیں ہو گا الغرض کتاب جو ارزل الحیوان ہے برتن میں منہ ڈال دے تو ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک سات مرتبہ دھونا ضروری ہے ایک مرتبہ مٹی سے مانجنا ضروری ہے لیکن جب اس میں انسان صفات پیدا ہوتی ہیں تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہو جاتا ہے اور وہ انسان جس میں حیوانی صفات پیدا ہو جائیں تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے مثلاً کفر و شرک اور مجوسیت والی صفت پائی جائے تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔

شکار کے احکام سورۃ المائدہ آیت ۴ میں ہیں اور وہ احکام دو بنیادوں پر مبنی ہیں:

پہلی بنیاد

- شکار میں بھی ذبح اس کی تمام شرائط کے ساتھ ضروری ہے مگر دو باتوں میں تخفیف کی گئی ہے ایک تسمیہ جانور کے بجائے آلہ پر مقرر کیا گیا ہے کیونکہ شکار میں جانور قابو نہیں ہوتا آلہ ہی اختیار ہوتا ہے۔ دوم: ذبح کے لئے گلہ اور لبہ میں ذبح کرنا شرط نہیں شکار کا سارا ہی جسم محل ذبح ہے اور ان دو شرطوں میں تخفیف اس لئے کی گئی ہے کہ شکار کا کچھ حاصل نکلے ورنہ شکار کا عمل لاحاصل ہو جائے گا جانور قابو میں نہ ہونے کی وجہ سے ذبح سے پہلے ہی مر جائے گا۔

دوسری بنیاد

شکار کی حلت کے لئے دو شرطیں بڑھائی گئیں ہیں: ایک شکاری جانور کو بالقصد شکار پر چھوڑنا تاکہ اصطیاد (مشکل سے شکار) متحقق ہو۔ **دوم:** شکاری جانور کو روکے رکھے خود نہ کھائے تاکہ اس کا معلم (سکھلایا ہوا) ہونا متحقق ہو۔

- ذبح کی دو قسمیں ہیں
- ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیار کا محل حقل اور لبہ ہے اور اس میں تسمیہ ذبیحہ پر ضروری ہے پس اگر ذبح کرنے کے لئے بکری لٹائی اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ بکری چھوڑ کر دوسری بکری ذبح کی اور از سر نو بسم اللہ نہ پڑھی تو یہ دوسری بکری حرام ہے اور اگر بکری تو وہی رہی لیکن چھری بدل دی دوسری چھری سے ذبح کیا تو وہ حلال ہے۔
- اور اگر جانور بے قابو ہو جیسے شکار تو ذبح اضطراری کافی ہے اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے حدیث میں ہے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ذبح حلق اور لبہ ہی میں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لو طعنت فی فخذ ھا لأ جزا ئ عنک اگر تم جانور کی ران میں نیزہ مارو تو بھی وہ تمہارے لئے کافی ہے (مشکوۃ حدیث ۴۰۸۲ یہ حدیث کتاب میں بھی آرہی ہے) اور شکار میں چونکہ جانور اختیار میں نہیں ہوتا اس لئے تسمیہ ذبیحہ پر ضروری نہیں بلکہ آلہ پر ضروری ہے پس اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ تیر کسی دوسرے شکار کو لگ تو وہ شکار حلال ہے اور اگر شکار پر چلانے کے لئے ایک تیر نکالا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ تیر چھوڑ کر دوسرا تیر چلایا اور از سر نو بسم اللہ نہ پڑھی تو شکار حلال نہیں۔ ان دو شرطوں کے علاوہ ذبح کی باقی شرطیں بحالہ ہیں مثلاً ذابح کا صاحب ملت (مسلمان یا کتابی) ہونا یہ بات جانور وغیرہ سے شکار کرنے میں بھی ضروری ہے۔

- بزاۃ بازی کی جمع ہے خاص قسم کا پرندہ ہے عمومی طور پر شکار کیا جاتا ہے ان میں سے انتہائی قیمیتی پرندہ ہے اس کے ذریعے شکار جائز ہے بشر طیکہ معلم ہو۔

مذاہب فقہاء

باز کی تعلیم (1) عند الاحناف اجابت ہے نہ کھانا اس کی تعلیم کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

(1) شوافع کا قول یہ ہے کہ باز کے معلم ہونے کے مفہوم میں عدم اکل داخل ہے اور اگر خود کھالے گا تو حلال نہیں ہو گا۔

احناف کی دلیل

- فتویٰ ابن عباسؓ ہے اب ن جریری طبری نے اپنی تسیر طبری کے اندر اس کو نقل کیا ہے کہ جو اس بات پر دال ہے کہ باز کے معلم ہونے کے لئے نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اگر کھالے تو بھی معلم سمجھا جائے گا بشر طیکہ اجابت ہو۔

شوافع کی دلیل

- یہی حدیث الباب ہے قال ماامسک علیک فکل اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر روکے نہ تو پھر نہ کھاؤ۔

(1): یہ استدلا بطور مفہم مخالف کے ہے اور مفہوم مخالف احناف کے ہاں کوئی حجتہ نہیں ہے۔

(2): یہ قید بیان واقعہ کے لئے ہے احترازی نہیں ہے۔

(3): اصل یہ ہے کہ جانور کے اندر تعلیم کا مفہوم یہ ہے کہ جانور اپنے مالوف اور مانوس چیز کو کو چھوڑ دے پس جب گوشت کو کھانا چھوڑ دے تع معلم سمجھا جائے گا اور پرندوں کے اندر مالوف چیز انسانوں سے دور رہنا ہے اب یہاں اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بلائے تو آجائے اور جب چھوڑے تو چلا جائے لہٰذا اکلب اور باز کی تعلیم کے درمیان فرق ہونا چاہیے۔

دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کرنے کی ممانعت:

- ہڈی سے عموماً کسی چیز کو کاٹا نہیں جاتا۔ اس کے زخم سے خون تو نکلتا ہے مگر رگیں نہیں کٹتیں۔ اس لیے یہ جانور ذبح نہیں ہوتا بلکہ موقوزۃ ہوتا ہے جو حرام ہے۔
- علامہ نووی نے کہا:

ہڈی کے ساتھ ذبح کرنا اس لیے جائز نہیں کہ خون لگنے سے وہ نجس ہو جائے گی اور وہ جنات کی خوراک ہے جو ہمارے بھائی ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔

- ناخنوں کے ساتح اس لیے منع فرمایا کہ وہ حبشیوں کی چھری ہے اور کفار کے ساتھ تشبیہ ہے اور حبشی لوگ جانور کو اپنے ناخنوں سے ذبح کرتے ہیں تو اس سے اس جانور کا دم گھٹتا ہے۔ اور اس کو اذیت ہوتی ہے اور یہ حرام ہے۔
- سر کش جانور کو تیر مارنا:
- جو پالتو جانور سر کشی سے بھاگ جائے اور انسان اس کو پکڑنے پر قادر نہ ہو تو بسم اللہ پڑھ کر تیر سے شکار کر لینا جائز ہے جس طرح دوسرے وحشی جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور حضرت علی رضی

اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور طاوسؒ، عطا، شعبی، اسود بن یزید، نخعی، حکم، حماد، ثوری، امام احمد، مزنی اور داود ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

- شکار کا بیان

تیر لگے شکار کا غائب ہو جانا

عن عدی بن حاتم قال قلت یا رسول الله أرمی الصید فأجد فیه من الغد سهمی قال إذا علمت أن سهمک قتله ولم تر فیه أثر سبع فکل قال أبو عیسی هذا حدیث حسن صحیح ...أبی ثعلبة الخشنی [1]

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، ابوبشر، سعید بن جبیر، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شکار پر تیر پھینکتا ہوں لیکن شکار دوسرے دن ملتا ہے اور اس میں میرا تیر پیوست ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ تمہارے تیر ہی سے ہلاک ہوا ہے کسی درندے نے اسے ہلاک نہیں کیا تو تم اسے کھا سکتے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ شعبہ یہی حدیث ابوبشیر اور عبدالمالک بن میثرہ سے وہ سعید بن جبیر سے اور وہ عدی بن حاتم سے نقل کرتے ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اس باب میں ابوثعلبہ خشنی سے بھی حدیث منقول ہے۔[2]

- شکار کا بیان:

جو شخص تیر لگنے کے بعد شکار کو پانی میں پائے۔

عن عدی بن حاتم قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الصید فقال إذا رمیت بسهمک فاذکر اسم الله فإن وجدته قد قتل فکل إلا أن تجده قد وقع فی ماء فلا تأکل فإنک لا تدری الماء قتله أو سهمک قال أبو عیسی هذا حدیث حسن صحیح [3]

احمد بن منیع، ابن مبارک، عاصم احول، شعبی، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم سے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب تم تیر چلاؤ تو بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرو۔ پھر اگر شکار اس سے مر جائے تو اسے کھاؤ لیکن اگر وہ شکار پانی میں مردہ حالت پاؤ تو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے تیر سے ہلاک ہو یا پانی میں گرنے کی وجہ سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسائل و معاملات:

---

[1] --تخریج: خ/الوضوء 33 (175)، والبیوع 3 (2054)، والعیدا (5475)، و 3(5476)، و 3(5477)، و 7(5483)، و 8(5484)، و 9(5486)، و 10 (5487)، م/العیدا (1929)، د/العید 2 (2847)، ن/العید (4268)، و2 (4269)، و 3(4270)، و 8(4279)، و 21 (4310)، ق/العید 3 (3208)، و 5 (3212)، (3213)، و 7 (3215)، وحم(4/256، 257، 258، 377، 380،)د/الصید1(2045)،ویاتی بارقام(1471، 1467) صحیح

[2] - جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1511 حدیث مرفوع مکررات 66 بدون مکرر

[3] -تخریج: ایضاً حوالہ نمبر 1 کے مطابق

- شکار کو تیر مارا شکار تیر کھا کر غائب ہو گیا اور تلاش کرنے باوجود نہیں ملا پھر دوسرے دن مرا ہوا ملا اور اس میں ہمارا تیر پیوست ہے پس ظاہر یہ ہے ہمارے تیرے سے مرا ہے کیونکہ موت کا کوئی دوسرا سبب موجود نہیں ایسے شکار کا کیا حکم ہے؟ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ شکار تمہارے ہی تیرے سے مرا ہے اور اس پر کسی درندے کے نوچنے کا نشان نہ ہو تو تم کھا سکتے ہو (البتہ اگر کسی درندے نے اس کو نوچا ہو تو وہ حلال نہیں کیونکہ موت کے دو سبب جمع ہو گئے اور معلوم نہیں کس سبب سے مرا ہے؟ اس لئے حلال نہیں۔
- ایک شخص نے ایک شکار کو تیر مارا پھر وہ پانی میں جا گر اس کے بعد مرا ہوا پایا گیا تو اب اس کا اکل جائز نہیں ہے اس لئے کہ تردد پیدا ہو گیا ہے کہ میرے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہے اور جب حلت و حرمت دونوں کے سبب جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جب حلقوم کٹ جائے اب اگر وہ پانی میں گر جائے تو بھی اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ موت تیر کی وجہ سے واقع ہوئی

- شکار کا بیان:

سدھائے ہوئے کتے اور تیر سے شکار کرنے کا بیان

عن عدی بن حاتم قال سألت النبی صلی الله علیه وسلم قلت إنی أرسل الکلاب ....فلا تأکل ([1])

محمد بن عیسی، جریر، منصور، ابراہیم، ہمام، حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں سدھائے ہوئے کتوں کو شکار کی غرض سے چھوڑتا ہوں تو وہ شکار کو میرے لیے پکڑ رکھتے ہیں (یعنی اس میں خود نہیں کھاتے) تو کیا میں ایسے شکار کو کھالوں؟ آپ نے فرمایا اگر تو نے شکار پر سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے تو تو اس شکار کو کھالے جس کو وہ تیرے لیے پکڑ رکھیں۔ میں نے عرض کیا اگرچہ وہ شکار کو مار ڈالیں تب بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں تب بھی بشرطیکہ اس کے شکار میں کوئی دوسرا کتا شریک نہ ہو (یعنی کوئی ایسا کتا شریک نہ ہو جو سدھایا ہوا نہ ہو یا اسکو چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو) عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے دریافت کیا کہ میں شکار پر معراض (ایک وزن دار شے جس میں دھار نہیں ہوتی) پھینکتا ہوں جو اس کو جا لگتی ہے تو کیا میں اس کو بھی کھا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا اگر تو نے معراض کو اللہ کا نام لے کر پھینکا اور وہ شکار کو لگ کر اس کے جسم کو پھاڑ دے تو کھالے اور وہ اس طرح لگا جس سے وہ پھٹا نہیں (بلکہ چوٹ سے مر گیا) تو مت کھا۔ ([2])

مسائل و معاملات:

معراض کے متعدد معنی کئے گئے ہیں۔

---

[1] --تخریج: خ/الوضوء 33 (175)، والبیوع 3 (2054)، والعیدا (5475)، و 3(5476)، و 3(5477)، و 7(5483)، و 8(5484)، و 9(5486)، و 10 (5487)، م/العیدا (1929)، د/العید 2 (2847)، ن/العید (4268)، و2 (4269)، و 3(4270)، و 8(4279)، و 21 (4310)، ق/العید 3 (3208)، و 5 (3212)، (3213)، و 7 (3215)،و حم(4/256)،257،258،377،380،)د/الصید1(2045)،ویاتی باءرقام(1467،1471) صحیح

[2] - سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1081 حدیث مرفوع مکررات 66 بدون مکرر

ایسا تیر جس کے ساتھ پر اور پھالا لگا ہوا نہ ہو۔
ایسی لکڑی جس کے ایک سرے پر لوہا لگا ہوا ہو۔
ایک خاص قسم کا تیر ہوتا ہے جب اس کو پھینکا جائے تو وہ عرضاً جا کر لگتا ہے۔
ایسی لکڑی جس کے دونوں سرے باریک ہوں اور درمیانی حصہ موٹا ہو۔
مطلقاً بھاری لکڑی بھی اس کا معنی کیا گیا ہے اس کے شکار کے اندر بعض کی رائے یہ ہے کہ مطلّقاً حلال ہے جیسے امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں۔
اور بعض کہتے ہیں کہ مطلّقاً حرام ہے جیسے حسن بصریؒ کہتے ہیں۔
ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اس میں تفسیل ہے وہ یہ ہے کہ اگر دہار کی طرف سے لگے اور شکار کو زخمی کر دے تو شکار حلال اور اگر عرضاً لگے ہو اور دباؤ اور ثقل کی وجہ سے شکار مرا ہو تو حرام ہے اور وہ چونکہ یہ عموماً یہ عرضا جاتا ہے اس لئے اس کو معراض کہتے ہیں۔
مروۃ خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے جو سفید اور دھار دار ہوتا ہے اس سے اگر جانور ذبح کیا جائے تو حلا ہے مشکوٰۃ حدیث ۴۰۷۱) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو چیز خون بہادے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلا ہے۔(یہ حدیث آگے بھی آرہی ہے، لہٰذا اگر دھار دار پتھر سے یا بانس وغیرہ کے چھلکے سے جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے۔
- شکار اور ذبیحوں سے متعلق
گوہ سے متعلق حدیث

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر سل عن الضب فقال لا آكله ولا أحرمه ([1])

قتیبہ، مالک، عبداللہ بن دینار، ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا گوہ سے متعلق۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں اس کو کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔([2])
42- شکار اور ذبیحوں سے متعلق: (98)
گوہ سے متعلق حدیث

عن خالد بن الوليد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى بضب مشوى فقرب إليه ....فأكل منه ورسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر ([1])

---

[1]- تخریج: ت/الاطعمة3(1790/3)،وقد اخرجہ: خ/الصید33(5536)،م/الصید7(1943)،ط/الاستئذان4(11)،حم(9/ 2، 10، 33، 41،46،60،62،74،115،)،د/الصید8(2058)(صحیح)
[2] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر618 حدیث مرفوع مکررات 13

کثیر بن عبید، محمد بن حرب، زبیدی، زہری، ابوامامۃ بن سہل، عبداللہ بن عباس، خالد بن ولید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا گوہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا جو حضرات موجود تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ گوہ کا گوشت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت خالد بن ولید نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا گوہ حرام ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں لیکن میری قوم کی بستی میں گوہ نہیں ہوتا تو مجھ کو اس سے نفرت محسوس ہوتی ہے پھر حضرت خالد نے ہاتھ بڑھایا اور وہ کھایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے۔ ([2])

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ اگرچہ حرام نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھائی بلکہ اس سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو کھایا۔
- صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

گوہ امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے، ان کا استدلال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کا گوشت کھایا گیا۔

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم سے نقل فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(یہ جانور ہمارے آبائی علاقے میں نہیں پایا جاتا اس لیے میں اس سے تنفر محسوس کرتا ہوں لہٰذا میں اسے نہ کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں)

یہ روایت اس کے شرعاً حرام نہ ہونے پر نص ہے۔ البتہ اس کی طبعی کراہت کی جانب اشارہ ہے، ہمارا استدلال [ویحرم علیھم الخبائث۔(3)

ترجمہ اور پیغمبر ان لوگوں پر خبث اشیاء کو حرام کریں گے۔ اور گوہ ایک خبیث جانور ہے۔ آگے دو احادیث سے استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم زمین میں مسخ کر دی گئی تھی اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ (گوہ) ان میں سے نہ ہوا۔ (4)

گوہ کھانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ:

- علامہ نووی لکھتے ہیں

---

[1] – **تخریج:** بخاری: 358/3، 367/3، 500/3، مسلم: 537/3، 538/3، 539/3، 540/3، 541/3، ابوداؤد: 394/3، نسائی: 618/3،619/3، ابن ماجہ: 122/3۔

[2] – سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 620 حدیث مرفوع مکررات 12

[3] الاعراف: 7: 157

[4] بدائع والصنائع للکاسانی: 90/5

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ گوہ بلا کراہت حلال ہے۔ البتہ اصحاب ابو حنیفہؒ سے اس کی کراہت منقول ہے۔ اور قاضی عیاض نے ایک قوم کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ گوہ حرام ہے، میرے نزدیک یہ نقل صحیح نہیں اور اگر بالفرض یہ کسی کا مذہب ہو تو سابقین کے اجماع اور نصوص صریحہ سے مردود ہے۔ (1)

امام شافعیؒ کے نزدیک گوہ حلال ہے۔ (2)

گوہ کھانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

- علامہ وشتانی اُبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث گوہ کھانے کی اباحت میں ظاہر ہیں یا نص ہیں اور اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تو پھر گوہ کا کم سے کم درجہ کراہت تھا۔ بعض علماء نے گوہ کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ یہ قول ان احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے۔ (3)

گوہ کھانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ:

علامہ بھوتی حنبلی لکھتے ہیں: گوہ مباح ہے، حضرت ابو سعید نے کہا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مرغی کی بہ نسبت گوہ کے ہدیہ سے زیادہ خوش ہوتے تھے۔ (4)

گوہ کھانے کے متعلق احناف کا نظریہ:

- شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک گوہ کا ہدیہ آیا، اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔ پھر ایک سائل آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ اس سائل کو وہ گوہ کھلا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم وہ چیز کھلا رہی ہو جس کو تم خود نہیں کھاتیں"۔ (5)

- ائمہ احناف کے نزدیک اگرچہ یہ حرام نہیں بلکہ کراہت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔

خلاصہ کلام:

اگرچہ گوہ حلال ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی اس کا کھانا ثابت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نفرت فرمائی ہے۔ احناف کراہت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے مطابق اس کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں جبکہ باقی ائمہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

۔شکار اور ذبیحوں سے متعلق

---

1. شرح مسلم للنووی: 151/2
2. بدائع الصنائع للکاسانی: 90/5
3. اکمال اکمال المعلم: 286/5
4. بھوتی حنبلی، علامہ منصور بن یونس بن ادریس، کشاف القناع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ص: 192/6
5. السرخسی، المبسوط، مطبوعہ دارالمعرفہ، بیروت 1398ھ، ص: 11/232-231

بستی کے گدھوں کے گوشت کھانے سے متعلق حدیث

عن أبي ثعلبة الخشني أنه حدثهم أنهم غزوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى خيبر والناس جياع فوجدوا فيها حمرا من حمر الإنس فذبح الناس منها فحدث بذلك النبي صلى الله عليه وسلم فأمر عبد الرحمن بن عوف فأذن في الناس ألا إن لحوم الحمر الإنس لا تحل لمن يشهد أني رسول الله (1)

عمرو بن عثمان، بقیۃ، بجیر، خالد بن معدان، جبیر بن نفیر، ابوثعلبۃ خشنی سے روایت ہے کہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے خیبر کی جانب گئے اور وہ لوگ بھوکے تھے۔ انہوں نے بستی کے کچھ گدھے پائے ان کو ذبح کیا پھر یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم فرمایا انہوں نے اعلان کیا کہ بستی کے گدھوں کا گوشت حلال نہیں ہے اس آدمی کے واسطے جو کہ مجھ کو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تصور کرتا ہے۔ (2)

مسائل و معاملات:

- اس حدیث سے پالتو (شہری) گدھے کی تحریم ثابت ہے۔
- نجاست آلودہ برتنوں کو دھونے کے بعد استعمال کیا جاسکتا ہے۔

پالتو گدھے کی تحریم میں مذاہب فقہاء:

- علامہ نووی لکھتے ہیں:

پالتو گدھے کی تحریم میں اختلاف ہے، جمہور صحابہ، فقہاء تابعین اور بعد کے علماء نے احادیث صحیحہ کی بناء پر یہ کہا ہے کہ پالتو گدھا حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حرام نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ بہت شدید مکروہ تنزیہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرام ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ مباح ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کی بناء پر جمہور فقہاء اسلام کا مذہب ہے۔
جس حدیث میں بال بچوں کو کھلانے کے لیے ماسوا فربہ گدھوں کے اور کوئی چیز نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً پالتو گدھوں کو حرام نہیں کیا بلکہ کسی عارضہ کی بناء پر صرف خیبر کے گدھوں کو حرام کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو اس حدیث کی سند میں شدید اضطراب ہے اور اگر بالفرض میں صحیح ہو تو یہ حالت اضطرار پر محمول ہے۔ (3)
صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:
اکثر فقہاء کے نزدیک خچر اور گدھا حلال نہیں ہے۔ (1)

---

[1] - **تخریج:** بخاری: 2315/1، 290/2، 1355/2، 1357/2، 1368/2، 460/3، 1081/3، 1258/3، 1784/3، مسلم: 171/3، 172/3، 180/3، 521/3، 522/3، ابوداؤد: 766/2، 979/2، نسائی: 1062/2، ابن ماجہ: 76/3۔

[2] – سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 645 حدیث متواتر حدیث مرفوع مکررات 16

[3] شرح مسلم للنووی: 149/2

آگے چل کر لکھتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعۃ النساء وعن لحوم الحمر الاہلیۃ یوم خیبر۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے اور گدھوں کا گوشت کھانے سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا۔ متعدد مشہور روایات ہیں جنہیں ہر خاص و عام جانتا ہے اور انہیں تمام فقہاء نے قبول کیا ہے۔ تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ گدھا حرام ہے۔ البتہ بعض نے اس کو مکروہ تحریمی بھی قرار دیا ہے۔[2]

نجاست سے آلودہ برتوں کے دھونے کے حکم میں مذاہب فقہاء:

اس حدیث سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ جس برتن میں نجاست لگی ہو (اس میں حرام پکایا گیا ہو) اس کو دھونا واجب ہے (یعنی اس کو دھوئے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے) اور یہ کہ نجس برتن ایک بار دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جب کتے اور خنزیر کے علاوہ اور کوئی نجاست ہو تو اس کو سات بار دھونا ضروری نہیں۔ یہ امام شافعیؒ اور جمہور کا مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کتے کے جھوٹے برتن کو تین بار دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے اور سات بار کی روایات استحباب پر محمول ہے۔

مشہور روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک برتن کسی قسم کی نجاست سے بھی آلودہ ہو اس کو سات بار دھونا ضروری ہے۔ جمہور کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست سے آلودہ برتنوں کو دھونے کا حکم دیا اور عدد کی قید نہیں لگائی (سوائے کتے کے) اور ایک مرتبہ دھونے سے بھی اس حدیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ مرتبہ دھونا واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ (3)

42- شکار اور ذبیحوں سے متعلق: (98)

وحشی گدھے کے گوشت کھانے کی اجازت سے متعلق

عن ابن أبي قتادة عن أبيه أبي قتادة قال أصاب حمارا وحشيا فأتى به أصحابه وهم محرمون وهو حلال فأكلنا منه فقال بعضهم لبعض لو سألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم عنه.....وهو محرم (4)

محمد بن وہب، محمد بن سلمہ، ابو عبدالرحیم، زید بن ابوانیسہ، ابو حازم، ابن ابو قتادۃ، وہ اپنے والد سے، ابو قتادۃ نے ایک وحشی گدھے کا شکار کیا تمام لوگ احرام باندھے ہوئے تھے لیکن حضرت ابو قتادہ نے احرام نہیں باندھا تھا وہ اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے کر آئے انہوں نے کھالیا پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا ہے (اس لیے کہ احرام والوں کے واسطے شکار کا

---

[1] بدائع والصنائع للکاسانی، ترجمہ، ڈاکٹر محمود الحسن عارف شعبہ مطبوعات، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور، ص: 91/5

[2] -مزید دیکھیے: بدائع والصنائع للکاسانی: 5/93-91

[3] - شرح مسلم للنووی: 150/2

[4] -تخریج: خ/الھبہ3(2570)، الجھاد، 46(2854)، الاطعمہ19(5406،5407)م/الصید8(1196)حم(5/ 307) صحیح

کھانا درست ہے) اور کیا تمہارے پاس اس کا گوشت باقی ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم وہ ہم کو ہدیہ دے دو پھر وہ لے کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے کھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام باندھے ہوئے تھے۔([1])

مسائل و معاملات:

- اگر کوئی غیر محرم کسی جانور کا شکار کرے تو محرم اسے کھا سکتا ہے۔
- محرم شخص کو کسی غیر محرم شخص کی شکار میں مدد نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی شکار کی طرف اشارہ کرنا چاہیے۔ البتہ اگر آپس میں شکار کو دیکھ کر ہنس پڑیں تو جائز ہے۔

غیر محرم کے شکار کیے ہوئے شکار کو کھا سکتا ہے؟

- احرام کی حالت میں خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا اور انہیں ذبح کرنا حرام ہے اس بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔[2]
- احرام کی حالت میں نہ صرف شکار کرنا حرام ہے بلکہ کسی شکار کرنے والے کی مدد کرنا یا اسے شکار کا پتہ بتانا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (3)
- ایک رائے یہ ہے کہ انسان احرام کی حالت میں خواہ شکار کرے یا اس کے لیے کوئی دوسرا شخص (جو احرام کی حالت میں نہ ہو) شکار کرے اس کے لیے اس کا کھانا بہر حال ناجائز ہے۔ یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، داؤد ظاہریؒ کا مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک احرام کی حالت میں شکار کا گوشت کھانا صرف اس صورت میں حرام ہے جب کہ انسان نے خود یہ شکار کیا ہو یا شکار کرنے والے کی مدد کی ہو یا شکار کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس کے لیے شکار کر کے لائے تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ (4)

باقی مسائل کے ساتھ ایک یہ مسئلہ یہ بھی ہے کہ محرم اشخاص آپس میں ایک دوسرے کو شکار دکھائیں اور ہنس پڑیں اور غیر محرم کو نہ بتائیں نہ اشارہ کریں نہ اُس کی مدد کریں اور وہ غیر محرم شخص اُن کو ہنستا دیکھ کر خود سمجھ جائے اور شکار کر لے تو وہ محرم اشخاص کے لیے کھانا جائز ہے

- شکار اور ذبیحوں سے متعلق

دریائی مرے ہوئے جانور

---

[1] - سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 649 حدیث مرفوع مکررات 35

[2] - المائدہ: 95، المائدہ: 96۔

[3] - المغنی: 284/3

[4] - المغنی: 289/3، الفتح الربانی: 250/11، نیل الاوطار: 239/4

عن جابر قال بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أبي عبيدة ونحن ثلاث مائة وبضعة عشر وزودنا جرابا من تمر فأعطانا قبضة قبضة فلما أن جزناه أعطانا تمرة تمرة...... قال قلنا نعم (1)

محمد بن عمر بن علی بن مقدم مقدمی، معاذ بن ہشام، وہ اپنے والد سے، ابوزبیر، جابر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو حضرت ابوعبیدہ کے ہمراہ بھیجا اور ہم لوگ تین سو دس اور چند لوگ تھے (یعنی ہماری تعداد تین سو دس سے زائد تھی) اور ہمارے ہاتھ کھجور کا ایک تھیلا کر دیا (اس لیے کہ جلد ہی واپسی کی امید تھی) حضرت ابوعبیدہ نے اس میں سے ایک مٹھی ہم کو دے دی جس وقت وہ پوری ہونے لگیں تو ایک ایک کھجور تقسیم فرمائی ہم لوگ اس کو اس طریقہ سے چوس رہے تھے کہ جیسے کوئی لڑکا چوسا کرتا ہے اور ہم لوگ اوپر سے پانی پی لیتے تھے جس وقت وہ بھی نہ ملی تو ہم کو اس قدر کی معلوم ہوئی آخر کار یہاں تک نوبت آگئی کہ ہم لوگ اپنی کمانوں سے درخت کے پتے جھاڑ رہے تھے پھر ان کو پھانک کر ہم لوگ اس کے اوپر پانی پی لیتے۔ اسی وجہ سے لشکر کا نام حبیش خبط (یعنی پتوں کا لشکر) ہو گیا جس وقت ہم لوگ سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں پر ایک جانور پایا۔ جو کہ ایک ٹیلہ کی طرح سے تھا جس کو کہ عنبر کہتے ہیں حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ یہ مردار ہے اس کو نہ کھا پھر کہنے لگے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے اور راہ خدا میں نکلا ہے اور ہم لوگ بھوک کی وجہ سے بے چین ہیں (کیونکہ سخت اضطراری حالت میں تو مردار بھی حلال اور جائز ہے) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھا (ایسے وقت میں تو مردار کی بھی حلال ہے) اور اس کے بعد ہم لوگوں نے اس میں سے کھایا اور کچھ گوشت اس کا پکانے کے بعد خشک کیا (تاکہ راستہ میں وہ کھا سکیں) اور اس کی آنکھوں کے حلقہ میں تیرہ آدمی آگئے یعنی داخل ہو گئے ہم لوگ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا تم نے کس وجہ سے تاخیر کی؟ ہم نے عرض کیا قریش کے قافلوں کو تلاش کرتے تھے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس جانور کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ خداوند قدوس کا رزق تھا جو کہ اس نے تم کو عطاء فرمایا۔ کیا تم لوگوں کے پاس کچھ باقی ہے؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ (2)

مسائل و معاملات:

- علامہ بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو رجب آٹھ ہجری میں روانہ فرمایا تھا۔ (3)
- علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہا کہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ دنیا سے بے رغبتی رکھتے تھے اور دنیا سے بہت کم فائدہ اُٹھاتے تھے، اور سخت کوشی اور محنت پر صبر کرتے تھے اور ہر حال میں جہاد کے لیے تیار رہتے تھے۔
- اس حدیث میں دشمنانِ اسلام کے قافلوں کی گھات میں رہنے اور بطور غنیمت ان کا مال لوٹنے کا ثبوت ہے۔

---

[1] تخریج: خ/الشرکۃ 1(2483)، الجہاد 124(2983)، المغازی 65(3463)، الصید 12(5494)، ت/القیامۃ 34(2475)، ق/الزہد 12(4159)، ط/صفتہ النبی 10(24) صحیح

[2] ۔ سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 658 حدیث مرفوع مکررات 35

[3] عمدۃ القاری: 41/13

- اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبیدؓ نے تمام لشکریوں کے زادِ راہ کو جمع کیا، یہ فعل اہل لشکر کی رضا مندی پر محمول ہے تاکہ سب کا مال اکٹھا ہونے پر برکت حاصل ہو، اشعری اسی طرح کیا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کرتے تھے۔ ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر کچھ لوگ مل کر سفر کریں تو ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے کھانوں کو جمع کر لیں اور مل کر کھائیں۔
- پہلے حضرت ابو عبیدہ نے اس مچھلی کو مردار کہا اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ مردار حرام ہے پھر ان کا اجتہاد متغیر ہوا کہ ہم لوگ حالتِ اضطرار میں ہیں اور حالتِ اضطرار میں مردار کھانا جائز ہے، بعد میں اپنے فتویٰ کی تصدیق کے لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قیاس اور اجتہاد جائز اور معمول تھا جیسا کہ آپ کے وصال کے بعد اجتہاد جائز اور معمول ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت جابر سے یہ فرمایا "اگر تمہارے پاس اس میں سے کچھ گوشت ہے تو ہمیں کھلاؤ" اس میں تین چیزوں کی تعلیم مقصود تھی۔ (الف) مفتی کے لیے مستحسن ہے کہ وہ اپنے فتویٰ پر خود عمل کر کے دکھائے تاکہ مستفتی کو تسلی ہو۔ (ب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مچھلی کے گوشت کو کھا کر یہ تعلیم دی کہ اگر سمندر کسی مری ہوئی مچھلی کو باہر پھینک دے تو وہ حلال ہے یعنی اس کو بغیر اضطرار کے بھی کھانا حلال ہے۔ (ج) اگر استاذ اپنے شاگرد سے اس کے کسی مال کا سوال کرے تو یہ سوال جانبین سے انس کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس سے سوال کی ممانعت نہیں ہے۔ ممانعت اس سوال کی ہے کہ کسی اجنبی شخص سے مال حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا جائے۔
- ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اس مچھلی کے گوشت کو پندرہ دن تک کھاتے رہے، حالانکہ پندرہ دن میں تو گوشت خراب ہو جاتا ہے اور سڑ جاتا ہے۔ علامہ وشتانی مالکی نے اس کے دو جواب دیے ہیں، ایک یہ ہے کہ اس مچھلی میں چربی بہت تھی اور چربی اور تیل کی وجہ سے گوشت سڑنے سے محفوظ رہتا ہے، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ گوشت ہوا لگنے سے خراب ہوتا ہے اور وہ چونکہ بہت بڑی مچھلی تھی، اس میں گوشت کی کئی تہیں تھیں تو جس تہہ پر ہوا نہیں پہنچتی تھی وہ ٹھیک رہتا تھا۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ خرقِ عادت ہے اور صحابہ کرام کی کرامت ہے۔
- اس حدیث میں صحابہ کرام کی قوت ایمان کا ثبوت ہے کیونکہ اگر بالفرض ان کا ایمان کمزور ہوتا تو ایک بوری کھجوروں کے زادِ راہ پر اتنے لمبے سفر کے لیے نہ نکلتے۔
- اس حدیث میں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی فضیلت ہے اور ان کے علم، فراست اور قوت اجتہاد کا بیان ہے۔
- اس حدیث میں قوم کے مسائل و مشکلات حل کرنے کا ثبوت ہے۔
- اس میں تقدیر پر راضی اور شاکر رہنے اور امیر کی اطاعت کرنے کا بیان ہے۔
- اس حدیث میں زادِ راہ جمع کرنے اور مل کر کھانے کا ثبوت ہے۔

نوٹ: امام مسلم نے ایک روایت میں ایک ماہ تک کھانے کا ذکر کیا ہے، ایک روایت میں نصف ماہ تک اور ایک روایت میں اٹھارہ دن تک اور امام بخاری نے کتاب الشرکۃ اور کتاب المغازی میں اٹھارہ دن کا ذکر کیا ہے اور کتاب الصید میں نصف ماہ کا، محدثین نے ان مختلف روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اصل میں اٹھارہ دن تھے، بعض راویوں نے کسر کو حذف کر کے اس کو نصف ماہ سے تعبیر کیا اور بعض نے اس کو تغلیباً ایک ماہ سے تعبیر کیا۔

سمندری جانوروں کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ:

- علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سمندر کے تمام مردار جانور حلال ہیں خواہ وہ اپنی طبعی موت سے مرے ہوں یا ان کو شکار کیا جائے اور مچھلی کے حلال ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، ہمارے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مینڈک حرام ہے کیونکہ حدیث میں اس کو قتل کرنے کی ممانعت ہے، اور مینڈک کے علاوہ باقی جانوروں کے متعلق تین قول ہیں: (1) تمام سمندری جانور حلال ہیں، یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (2) حلال نہیں ہیں۔ (3) جس جانور کی نظیر خشکی میں حلال ہے وہ سمندر میں بھی حلال ہے اس قول کی بناء پر سمندری گھوڑے، ہرن اور بکریاں کھائی جائیں گی اور سمندری کتا، خنزیر اور گدھا نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عباسؓ اور امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ سمندر کے تمام جانور حلال ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا ہے کہ مچھلی کے سوا کوئی اور جانور حلال نہیں ہے۔ (1)

سمندر میں طبعی موت کر سطح آب پر آنے والی مچھلی کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ:

- علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

جو مچھلی سمندر میں کسی خارجی سبب کے بغیر مر جائے وہ ہمارے مذہب (شافعی) میں حلال ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابو ایوبؓ، عطار، مکحول، نخعی، امام مالکؒ، امام احمدؒ، ابو ثورؒ، داؤد ظاہریؒ اور جمہور فقہاء اسلام کا بھی یہی موقف ہے۔ اس کے برخلاف حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت جابر بن زید، طاؤس اور امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ یہ مچھلی حلال نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سمندر کا شکار وہ ہے جس کو تم شکار کرتے ہو اور سمندر کا طعام وہ ہے جس کو سمندر پھینک دیتا ہے یہ تفسیر امام ابو حنیفہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جس مچھلی کو سمندر پھینک دے وہ ان کے نزدیک حلال ہے، جیسا کہ ہدایہ کے حوالے سے گزر چکا ہے، اختلاف اس مچھلی میں ہے جو مر کر سطح آب پر آجائے۔ (2)

سمندری جانوروں کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

- علامہ وشتانی اُبی مالکیؒ لکھتے ہیں:
- امام مالکؒ کے نزدیک تمام اقسام کے سمندری جانور حلال ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **احل لکم صید البحر وطعامه**، "تمہارے لیے سمندر کا شکار اور طعام حلال کیا گیا ہے"۔ البتہ سمندری خنزیر میں امام مالکؒ نے توقف کیا ہے مدونہ کی کتاب الصید میں لکھا ہے امام مالکؒ نے فرمایا تم اس کو خنزیر کہتے ہو؟ اور ایک قول یہ ہے کہ امام مالکؒ نے توقف نہیں کیا بلکہ اس کو خنزیر کہنے سے انکار کیا ہے، سمندر کے جو جانور خشکی میں بھی رہتے ہیں جیسے مینڈک، کچھوا اور کیکڑا، ان میں اختلاف ہے۔ مدونہ میں لکھا ہے کہ یہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور ان کا مردار حلال ہے اور ابن نافع اور باجی نے محمد بن دینار سے یہ روایت کیا ہے کہ ان کو بغیر ذبح کے کھانا جائز نہیں ہے اور ان کا مردار کھانا جائز نہیں ہے۔

---

[1] شرح مسلم للنووی: 148/2

[2] ایضاً

- ابن قاسم نے یہ فرق کیا ہے کہ جن جانوروں کے رہنے کی اصل جگہ پانی ہے وہ اگر خشکی میں ہوں تو ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور جن کے رہنے کی اصل جگہ خشکی ہے وہ اگر پانی میں ہوں تو ان کو ذبح کرنے کی ضرورت ہے۔
- علامہ ابن رشدؒ نے کہا یہ امام مالکؒ کے مذہب کی تفسیر ہے، اور جو جانور بغیر کسی خارجی سبب کے پانی میں مر کر سطح آب پر آجائے وہ حلال ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سمندر پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (1)

سمندری جانوروں کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ:

- علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں ہیں، جیسے سمندری پرندے، کچھوا اور پانی کا کتا، ہاں جس جانور میں خون نہ ہو وہ بغیر ذبح کے بھی حلال ہے، جیسے کیکڑا۔

- امام احمدؒ نے کہا کیکڑے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ذبح سے مقصود خون نکالنا ہوتا ہے اور جس میں خون نہیں ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور باقی پانی کے جانوروں (جو خشکی میں رہتے ہوں) کو ذبح کرنا ضروری ہے اور ایک قوم نے کہا ان کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ھوالطھور ماؤہ والحل میتۃ** (سنن ابن ماجہ ص 233) "سمندر پاک کرنے والا ہے اور اس کا مرا ہوا حلال ہے" اس لیے مچھلی اور کیکڑا وغیرہ ذبح کے حلال ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: سمندر کے تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اور امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **کل شیء فی البحر مذبوح** "سمندر کی ہر چیز مذبوح ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان اللہ ذبح کل شیء فی البحر لا ابن اٰدم**۔ "اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لےی سمندر میں ہر چیز کو ذبح کر دیا" اور ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ جو حیوان خشکی میں رہتا ہے اس کا بہنے والا خون ہوتا ہے اس لیے وہ پرندوں کی طرح بغیر ذبح کے حلال نہیں ہوتا، اور جو احادیث بیان کی گئی ہیں وہ خشکی میں نہ رہنے والے سمندری جانوروں پر محمول ہیں۔
- جو سمندری جانور صرف پانی میں رہتے ہیں جیسے مچھلی اور اس کی مثل وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور ہمارے علم کے مطابق اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے، رہے دو مردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ اور ان کے اصحاب نے ساحل سمندر پر عنبر نام کا ایک جانور مرا ہوا دیکھا وہ ایک ماہ تک اس کا گوشت کھاتے رہے اور اس کا تیل لگاتے رہے حتیٰ کہ خوب فربہ ہو گئے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا یہ وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے، کیا تمہارے پاس اس میں سے ہمارے کھلانے کے لیے کچھ ہے؟ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ عبداللہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد (امام احمدؒ) سے سمندری کتے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سمندر کی ہر چیز مذبوح ہے" ابو عبداللہ نے کہا ہم سمندری کتے کو ذبح کریں گے، امام احمدؒ نے کہا اگر ایک

[1] اکمال اکمال المعلم: 278/5

مچھلی دوسری مچھلی کے پیٹ میں پائی جائے تو وہ بھی حلال ہے جیسے سمندر میں مری ہوئی مچھلی اگر سطح آب پر آجائے تو حلال ہے۔(1)

سمندری جانوروں کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ اور بحث و نظر:

- علامہ ابو بکر الجصاص الحنفی لکھتے ہیں:

ہمارے فقہاء (احناف) نے یہ کہا ہے کہ پانی کے جانوروں میں سے صرف مچھلی کو کھانا جائز ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سمندر کے تمام جانور مباح ہیں ان کے قول کے بطلان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے، مچھلی اور ٹڈی، قرآن مجید میں ہے: **حرمت علیکم المیتۃ** "تم پر مردار حرام کیے گئے" ان میں سے صرف دو مرے ہوئے جانوروں مچھلی اور ٹڈی کا استثناء کیا گیا ہے۔

- حضرت عبدالرحمان بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ ایک طبیب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دواء کا کر کیا، اور یہ کہا کہ اس دوا میں مینڈک ڈالا جاتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا، اور جب حدیث سے مینڈک کی تحریم ثابت ہو گئی تو مچھلی کے سوا پانی کے باقی جانوروں کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مینڈک اور باقی دریائی جانوروں میں فرق کرتا ہو۔ (2)
- علامہ ابوالحسن المرغینانی حنفی نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ مچھلی کے سوا باقی دریائی جانور خبیث ہیں اور قرآن مجید میں ہے: ویحرم علیھم الخبائث "نبی صلی اللہ علیہ وسلم خبیث چیزوں کو تم پر حرام کرتے ہیں"۔ سو معلوم ہوا کہ مچھلی کے سوا تمام پانی کے جانور خبیث ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے استدلال پر علامہ سرخسی کا تعاقب اور بحث و نظر:

- اس باب کی حدیث میں ہے کہ عنبر نامی ایک جانور کو سمندر نے لا کر کنارے پر پھینک دیا اور اس کو صحابہ اٹھارہ دن تک کھاتے رہے، ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ صحابہ کرام کا اتنے دنوں تک عنبر نامی جانور کو کھاتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے سمندری جانوروں کو کھانا بھی جائز ہے۔
- شمس الائمہ علامہ سرخسی نے اس کے دو جواب دیے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس کو حالت اضطرار میں کھایا تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ ویحرم علیھم الخبائث کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور جب یہ آیت نازل ہو گئی تو خبیث جانور حرام ہو گئے اور مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانور خبیث ہیں اس لیے وہ عنبر نامی جانور بھی خبیث ہے اور حرام ہے۔(3)
- شمس الائمہ سرخسی کے دونوں جواب صحیح نہیں ہیں پہلا جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس سفر سے واپسی کے بعد صحابہ کرام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جانور کے گوشت کھانے کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

---

[1] المغنی لابن قدامہ: 337-339/9

[2] احکام القرآن للجصاص: 479/2، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، 1400ھ

[3] المسبوط: 269/11

هو رزق اخرجہ اللہ لکم فهل معکم من لحمہ شیء فتطعمونا قال فارسلنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ فاکلہ۔[1]

- یہ وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے (سمندر) سے نکالا ہے کیا تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے جو ہمیں کھلاؤ؟ حضرت جابر کہتے ہیں کہ پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں سے کچھ گوشت بھیجا سو آپ نے اس کو کھایا۔
- اگر یہ جانور حرام ہوتا اور صحابہ کرام کا اس کو کھانا صرف اضطرار کی وجہ سے جائز تھا تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اضطرار میں نہیں تھے۔ آپ نے اس کو منگوا کر کیوں کھایا؟
- دوسرا جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں صحابہ کرام کا اس غزوہ میں جانا مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے اور ویحرم علیھم الخبائث "نبی ان پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں" سورہ اعراف کی آیت نمبر 157 ہے اور سورہ اعراف مکی ہے ور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے، اس لیے علامہ سرخسی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے بلکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد کا ہے اور اب یہ ائمہ ثلاثہ کی واضح دلیل ہے کیونکہ اگر یہ جانور خبیث ہوتا تو صحابہ کرام اس کو نہ کھاتے یا بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرمادیتے۔ سو معلوم ہوا کہ مچھلی کے علاوہ باقی جانور بھی حلال ہیں۔

ساحل سمندر پر صحابہ کرام جس جانور کو اٹھارہ دن تک کھاتے رہے آیا وہ مچھلی تھی یا کوئی اور جانور:

- ہر چند کہ صحیح مسلم میں اس جانور کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:
- دابۃ تدعی العنبر" وہ ایک جانور تھا جس کو عنبر کہتے تھے" مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: فالقی لنا البحر دابۃ یقال لھا العنبر "سمندر نے ہمارے لیے ایک جانور نکال پھینکا جس کو عنبر کہتے تھے"۔[2]
- لیکن بعض روایات میں اس جانور کو مچھلی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:
- امام بخاری روایت کرتے ہیں:
  فاذا هی حوت مثل الظرب.
  وہ پہاڑی کی طرح ایک مچھلی تھی۔
- امام بخاری نے دوسری سند کے ساتھ بھی یہی الفاظ روایت کیے ہیں:
- البتہ امام بخاری نے تیسری سند کے ساتھ اس حدیث کو جہاں ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں:
- **فالقی البحر حوتا یقال لہ العنبر۔**[3]
- پھر سمندر نے ایک مچھلی نکال پھینکی جس کو عنبر کہتے ہیں۔
- اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مچھلی ہی کی قسم کا ایک جانور تھا اور اس کو عنبر کہا جاتا تھا اس لیے ائمہ ثلاثہ کا "اس حدیث" سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم: 147/2
[2] صحیح مسلم: 148/2
[3] بخاری: 826/2

باب پنجم

صحابہ کرام کے استفسارات --- عصر حاضر کے مسائل کے حل میں ان سے استفادہ

فصل اول

فقہ المناکحات میں استفادہ اور عصر حاضر کے مسائل کا حل

اسلام کا عائلی قانون

عبادات کے بعد دوسرا بڑا شعبہ شخصی اور عائلی قوانین کا شعبہ ہے۔ جس کے لئے بعض فقہانے مناکحات کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یعنی نکاح اور اس سے متعلق آداب اور احکام۔ خاندان کا ادارہ وجود میں کیسے آئے اور جب یہ ادارہ وجود میں آجائے تو اس کے قواعد اور احکام کیا ہوں گے۔ خاندان کے افراد کے آپس کے تعلق اور معاملات کی نوعیت کیا ہو گی؟ یہ وہ چیزیں ہیں جو احوال شخصیہ یا مناکحات میں زیر بحث آتی ہیں۔

اگر آپ اول سے آخر تک قرآن مجید کا ایک ایک صفحہ دیکھ کر جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ قرآن پاک کی آیات احکام میں سب سے زیادہ زور انہی دو شعبوں پر دیا گیا ہے۔ یعنی عبادات اور مناکحات پر۔ کم و بیش ڈیڑھ سو آیات ہیں جو عبادات کے بارے میں ہیں اور قریب قریب اتنی ہی تعداد میں آیات شخصی قوانین کے بارے میں ہیں۔ یعنی نکاح، اس سے متعلقات، نفقہ، حضانت، ولایت، طلاق، وراثت اور وصیت وغیرہ کے بارے میں۔

ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ یہ دو شعبے وہ ہیں جو انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کو اس طرح منظم اور مرتب کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں جس طرح اسلام چاہتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں سب سے زیادہ زور انہی انہی دو شعبوں پر دیا گیا ہے۔ بقیہ شعبے بھی عملی زندگی ہی سے متعلق ہیں اور اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں، لیکن یہ وہ شعبے وہ ہیں جن میں سب سے پہلا شعبہ انسان یعنی فرد کی شخصیت کی روحانی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور دوسرا شعبہ اجتماعیت کی پہلی اینٹ کو صحیح خطوط پر استوار کرتا ہے: یعنی خاندان۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان کا ادارہ اسلام میں انتہائی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ مضبوط ہے۔ اس کی بنیادی گہری ہیں۔ اس کی اساس شریعت کے احکام پر ہے۔ خاندان کے افراد کے درمیان تعلقات کی نوعیت اور اساس اخلاقی اور روحانی ہے۔ حیا اور اسلام کے دوسرے اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے، تو ایسے خاندانوں سے جو معاشرہ وجود میں آئے گا وہ ایک اسلامی معاشرہ ہو گا جو قرآن پاک کا مقصود اولین ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ قرآن مجید کا اولین اجتماعی نصب العین ایک مثالی اسلامی معاشرہ کا قیام ہے۔ مثالی اسلامی معاشرہ یعنی امت مسلمہ کی تشکیل ہی انبیا علیہم السلام کا مقصود اولین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے پانچ ہزار سال پہلے دعا کی تھی کہ اے اللہ! میری اولاد میں ایک نبی پیدا کر۔ اور میری اولاد سے ایک امت مسلمہ پیدا فرما۔ یہ دعا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر اس وقت مانگی تھی جب وہ بیت اللہ کی بنیادی اٹھا رہے تھے۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس دعا میں کسی ریاست یا سلطنت کے قیام کی دعا نہیں مانگی گئی تھی، بلکہ امت مسلمہ کی تشکیل کی دعا کی گئی تھی۔ دونوں پیغمبروں

نے دعا مانگی تھی، و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ تو جس امت کی دعا پانچ ہزار سال پہلے کی گئی ہو۔ جس امت کی تیاری کے لئے یہ ساری طویل مدت گزری ہو، جس کی شریعت اور جس کے نظام زندگی کے لئے تیاری کرنے میں ساڑھے تین ہزار سال گزرے ہوں۔ وہی امت اسلام کا مقصود اولین ہے۔ اسی امت کا قیام شریعت کا بنیادی ہدف ہے۔ اسی امت کے تحفظ کے لئے بہت سے بنیادی احکام دیئے گئے۔ قرآن مجید اور سنت میں جتنے اجتماعی احکام دیئے گئے ہیں وہ اس امت کے تحفظ کے لئے دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے لئے اپنی راتیں دعاؤں اور آہ وزاریوں میں بسر فرمائیں۔ آپ کے دنوں کی مشقت اور قربانیاں، آپ ﷺ کے دیدہ ترکی بے تابیاں، آپ کی راتوں کا سوز و گداز، سب اسی امت کو وجود میں لانے، اس کی تعمیر کرنے اور اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے تھا۔ اس امت کی خاطر حضور ﷺ نے بہت سی قربانیاں دیں۔

آپ کے علم میں ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ ہر بقر عید کے موقع پر دو دنبوں کی قربانی فرماتے تھے۔ ایک اپنے لئے اور ایک اپنی امت کے لئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے۔ یہ سب امت کی طرف سے تھے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں تو میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ خیال آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنبے کو جو قربانی فرمائی تھی وہ میری طرف سے بھی تھی۔ حضور ﷺ نے میری طرف سے دنبہ کو ذبح کیا تھا۔ اس قربانی کا ایک اربواں یا دس کھربواں حصہ مجھے بھی ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو یہ اختیار دیا کہ کوئی ایک ایسی دعا کرو جو فوراً منظور کرلی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ دعا قبول کرنے میں ایک خاص ضابطہ کی پابندی کرتا ہے۔ اس ضابطہ کو ملتوی کرتے ہوئے کم از کم ایک موقع پر پیغمبر کو دیا گیا کہ آپ اس وقت جو کہیں گے وہ فوراً کر دیا جائے گا۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہر پیغمبر نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ہر پیغمبر نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ صحابہ نے پوچھا کہ آپ اسموقع پر کیا دعا کی اور دعا میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس موقع کو آخرت کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ میں آخرت کے موقع پر اپنی امت کے لئے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک دعا کی فوری قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ تو جب ایک دعا کی فوری قبولیت کا وعدہ کیا ہے تو میں روز قیامت پوری امت کے لئے دعا کروں گا۔

اس امت کے تحفظ کے لئے وہ چیزیں ضروری ہیں۔ ایک ان افراد کی تربیت اور تشکیل، جن سے یہ امت وجود میں آئے گی۔ اور اس اینٹ کی ساخت اور اس اینٹ کی تشکیل جو امت کی اجتماعیت کی تعمیر میں پہلے قدم کی حیثیت رکھتی ہے: یعنی خاندان۔ اس لئے قرآن مجید میں جتنے بھی عملی احکام ہیں، ان کا خاصا بڑا حصہ، کم و بیش ڈیڑھ سو آیات فرد کے بارے میں ہیں۔ اس لئے کہ عبادات فرد انجام دیتا ہے۔ حج میں اپنے لئے کروں گا آپ اپنے لئے کریں گے۔ نماز میں اپنے لئے پڑھتا ہوں آپ اپنے لئے پڑھتے ہیں۔ روزہ میں اپنے لئے رکھوں گا آپ اپنے لئے رکھیں گے۔

فرد کے بعد خاندان کا ادارہ ہے جس کے تحفظ کے لئے شریعت نے اتنے تفصیلی احکام دیئے ہیں کہ قرآن مجید کی ڈیڑھ سو کے قریب آیات صرف احوال شخصیہ اور عائلی نظام کے بارے میں ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ انسانوں کی آزمائش کے لئے کہ وہ کس حد تک توحید اور اسلام کے عقیدے پر پختہ ہیں، دو فرشتوں کو جادوگروں کے بھیس میں بھیجا۔ فرشتوں

نے لوگوں سے کہا کہ ہم جادو سکھاتے ہیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ کتنے لوگ اس چیز کا شکار ہوتے ہیں اور کتنے بچتے ہیں۔ پیغمبروں کی تربیت اور تعلیم کا کتنا اثر باقی ہے اور کتنی جلدی یہ ایک ایسی چیز کو سیکھنے کے لئے تیار ہوتے ہیں جس کو انبیا علیھم السلام نے منع فرمایا تھا۔ وہ جادو جو آزمائش کے لئے اتارا گیا تھا وہ کوئی ایسا منتر تھا جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق پیدا ہوتی تھی؛ مایفرقون بین المرء وزوجہ۔

یہ وہ چیز ہے جس کو قرآن پاک نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ وما کفر سلیمان ولکن الشیطین کفروا، یہ کفر یہ حرکت جو لوگوں نے سیکھی، یہ ساحرانہ کافری، یا کافرانہ سحر کاری یہ تھی کہ شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے۔ گویا یہ اتنی اہم چیز ہے کہ قرآن مجید نے اس چیز کو ریکارڈ کیا ہے کہ پڑھنے والے یہ اندازہ رکھیں کہ خاندان کے درمیان تعلق اور استواری کی کیا حیثیت ہے۔

احوال شخصیہ یا شخصی قوانین میں بنیادی طور پر چار چیزیں زیر بحث آتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ بحث کی جاتی ہے کہ خاندان کا ادارہ کیسے وجود میں آئے۔ خاندان کا ادارہ ایک میثاق کے ذریعے وجود میں آئے گا۔ قرآن مجید میں معاہدہ کے لئے عقد، عہد اور میثاق کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ عقد ایک عام شہری یا دیونای معاہدہ یعنی Civil Contract کو کہتے ہیں۔ عہد اس سے ذرا بڑا لفظ ہے جس میں ایک سول کنٹریکٹ کے ساتھ ساتھ ایک گہرا وعدہ یا ذاتی Commitment بھی موجود ہو۔ لیکن میثاق کا لفظ بہت گہرے اور پختہ وعدے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ اور بندے کے درمیان جو وعدہ ہے اس کے لئے میثاق کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ جہاں روز الست کے عہد وپیمان کا ذکر ہے، اس کے لئے بعض نصوص میں میثاق کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے میثاق یعنی گہرا وعدہ لیا کہ وہ کیا رویہ اور کیا طرز عمل اختیار کریں گے۔ وہ اصطلاح جو اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ وہی اصطلاح شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق کے لئے بھی استعمال ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے محض میثاق کا لفظ استعمال فرمانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ میثاق کے ساتھ غلیظ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ وقد اخذن منکم میثا قاغلیظا۔ غلیظ کے عربی زبان میں وہ معنی نہیں جو اردو میں رائج ہو گئے ہیں۔ عربی زبان میں غلیظ کے معنی انتہائی مضبوط، دیرپا، انتہائی سخت اور انتہائی موٹی چیز جو توڑی نہ جا سکے اور جو نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے۔ جس کو نظر انداز نہ کیا جا سکے۔ یہ معنی ہیں غلیظ کے۔ یعنی ناقابل شکست۔ یعنی تمہارے اور تمہاری بیویوں کے درمیان ایک ناقابل شکست میثاق موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ میثاق قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ادارہ خاندان پر بڑا زور دیا گیا کہ یہ وجود میں کیسے آئے گا۔ اور وجود میں آنے کے بعد اس کے نتیجے میں جو حقوق و فرائض پیدا ہوں گے وہ کیا ہوں گے۔ حقوق و فرائض پر عمل درآمد کا طریق کار کیا ہو گا۔ اس بات کو کیسے یقینی بنایا جائے گا کہ افراد خاندان کے حقوق و فرائض محفوظ ہیں اور ان کی پاسداری کی جا رہی ہے۔

پھر اگر کسی وجہ سے ادارہ خاندان کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر فریقین یہ محسوس کریں کہ وہ اللہ کے حدود اور اس کی شریعت کے مطابق اس عہد کا پاس نہیں کر سکے جو انہوں نے کیا تھا تو اس کو ختم کیسے کیا جائے۔ ختم کرنا بھی ادب اور اخلاق کے دائرہ میں رہتے ہوئے قانون الٰہی کے مطابق ہونا چاہئے۔ قرآن پاک میں ہے کہ اگر ساتھ رہنا ہے تو اچھے طریقے سے ساتھ رہو، الگ ہونا ہے تو پھر اچھے طریقے سے اور ایک شریفانہ انداز سے الگ ہو جاؤ۔ ایک بھلے، معقول اور با اخلاق اور باکردار انسان کی طرح الگ ہو جاؤ۔ لڑ جھگڑ کر الگ مت ہو۔ اپنے گندے کپڑے سڑک پر مت دھوؤ۔ اپنے آپس کے اختلافات کو غیروں کے سامنے بیان نہ کرو۔ اتفاق رائے، خاموشی، احترام اور

عزت و آبرو کے ساتھ الگ ہو جاؤ۔ جب الگ ہو جاؤ تو پھر اخلاق اور شریعت کے احکام کی پیروی کرو۔ دونوں ایک دوسرے کے معاملہ میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو اٹھاؤ۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ادارہ خاندان کے نتیجے میں جائیداد پیدا ہو گی۔ اس میں سے کوئی جائیداد مشترک بھی ہو گی۔ آج اگر مشترک نہیں تو ممکن ہے کہ کل مشترک ہو جائے۔ اس کے لئے اسلامی شریعت نے وراثت کے احکام دیئے ہیں۔ وراثت کے احکام کو بنیادی کلیہ یہ ہے اور یہ کلیہ شریعت کے احکام کو ایک بنیادی اصول بھی ہے کہ جس چیز کا فائدہ آپ اٹھا رہے ہیں یا اٹھا سکتے ہیں۔ اس چیز کی ذمہ داری بھی آپ کو اٹھانی پڑے گی یا آپ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار رہیئے۔ اگر آپ کسی شخص کی کمزوری یا ناداری یا بیماری یا بڑھاپے میں اس کے مسائل اور معاملات کے ذمہ دار ہیں اور شریعت یہ ذمہ داری آپ پر عائد کرتی ہے تو اگر اس شخص کا کوئی ترکہ ہو اور وہ کچھ چھوڑ کر چلا جائے تو اس میں آپ کا بھی حصہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جب وہ مشکل میں ہو تو ساری ذمہ داری آپ پر ہو اور اگر اس کے پاس کوئی جائیداد یا مال و دولت ہو تو اس میں آپ کو کوئی حصہ نہ ملے۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ الخراج بالضمان، یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ فائدہ اور تاوان دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ فائدہ اور ذمہ داری ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جہاں ذمہ داری ہو گی وہاں فائدہ بھی ہو گا اور جہاں فائدہ ہو گا وہاں ذمہ داری بھی ہو گی۔ روح شریعت اور عدل و انصاف کی رو سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کا فائدہ اٹھانے کے لئے تو آپ آگے آگے رہیں اور اس سے خوب متمتع ہوتے رہیں۔ جب اس کا تاوان اور ذمہ داری ادا کرنے کا موقع آئے تو آپ پیچھے نظر آئیں۔ یا جب تاوان اور ذمہ داری کا موقع آئے تو آپ کو آگے کر دیا جائے اور جب فائدے کا موقع آئے تو آپ کو پیچھے کر دیا جائے۔ یہ شریعت کے مزاج اور تصور عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ وعلی الوارث مثل ذالک، یہ جملہ جس سیاق و سباق میں آیا ہے وہاں نفقہ کی ذمہ داریاں بیان ہو رہی ہیں کہ فلاں کی ذمہ داری یہ ہے اور فلاں کی ذمہ داری یہ ہے۔ باپ کے ذمہ ہے کہ بچوں کا نفقہ دے۔ شوہر کے ذمہ ہے کہ وہ بیوی کا نفقہ برداشت کرے۔ باپ کے ذمہ ہے کہ اس کے بچے جب تک اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں ان کا نفقہ برداشت کرے۔ اگر یہ ذمہ داری باپ کی ہے اور بچے کچھ چھوڑ کر مریں اور باپ زندہ ہے تو بچوں کے ترکہ میں سے باپ کو حصہ ملنا چاہیئے۔ اگر باپ بوڑھا ہے اور بچے جوان ہیں تو بچوں کی ذمہ داری ہے کہ باپ کے اخراجات برداشت کریں۔ اور اگر بوڑھا باپ کچھ چھوڑ کر مرا ہے تو اس میں سے بچوں کو حصہ ملنا چاہیئے۔ یعنی فائدہ اور ذمہ داری ایک ساتھ چلتی ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس غرض کے لئے شریعت نے بعض بنیادی اصول دیئے ہیں جن کی روشنی میں وراثت کے احکام دیئے گئے ہیں۔

وراثت کے باب میں دنیا کے ہر نظام قانون نے ناانصافیاں کی ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب، ہر ثقافت اور ہر تہذیب نے وراثت کے معاملہ میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ہماری بہت سی بہنیں مغرب سے آنے والی ہر چیز کو وحی آسمانی کے برابر سمجھتی ہیں۔ پتہ نہیں ان میں سے کتنوں کے علم میں ہے کہ مغرب میں آج بھی خواتین کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جس کو روایتی انگریزی قانون کے مطابق وراثت میں حصہ نہیں ملتا۔ ایک طبقہ ایسا ہے جس میں قانون کے مطابق وراثت میں سے خواتین کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ مورث کے کروڑوں کے ترکہ میں سے ایک پیسہ بھی نہیں ملتا۔ ہمارے ملک میں بہت سی خواتین کو یہ تو خوب یاد رہتا ہے کہ قرآن پاک نے خواتین کا حصہ بعض جگہ آدھا رکھا ہے۔ اس پر وہ آئے دن اعتراض بھی کرتی رہتی ہیں۔ براہ راست قرآن پاک پر اعتراض کرنے کی تو ان میں بہت سیوں کو ابھی ہمت

نہیں پڑتی۔ لیکن مولویوں کو برا بھلا کہتی رہتی ہیں اور اجتہاد کے نام پر احکام وراثت میں ترمیم کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ خواتین مغرب پر اعتراض نہیں کرتیں کہ وہاں عورت کو وراثت سے سرے سے ہی محروم کیوں کر دیا گیا ہے۔ وہاں Primogentiure کا اصول کارفرما ہے۔ پرائموجینیچر کے معنی یہ ہیں کہ سب سے بڑا بیٹا وارث ہو گا۔ اس سے آگے بات ختم۔ سب سے بڑے بیٹے کے علاوہ ہر شخص محروم ہے۔ تمام ورثہ سب سے بڑے بیٹے کو ملے گا۔ یہ اصول پہلے پورے انگلستان اور پورے یورپ میں سو فیصد جاری تھا۔ اب پچھلے پچاس ساٹھ سال سے اس کا دائرہ ذرا محدود ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی وہاں کے جتنے لارڈز اور Landed Aristocracy سے وابستہ جتنے بڑے بڑے لوگ ہیں وہ اسی قانون کے پیرو ہیں۔ ہندوستان میں بھی انگریزوں کے زمانے میں یہ قانون موجود تھا۔ اس پر کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ کبھی کسی کو یہ برا نہیں لگا کیونکہ انگریزوں کے ہاں ایسا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی ہر چیز سوچے سمجھے بغیر ہی قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وارثت شریعت کے احکام کے مطابق جن جن کے حصے قرآن پاک نے مقرر کئے ہیں ان کو ملیں گے۔ قرآن مجید میں حصے مقرر کرنے میں بنیادی اصول یہ پیش نظر رکھا گیا ہے کہ کس کی ذمہ داری کیا ہے۔ جس کی ذمہ داری زیادہ ہے اس کو زیادہ حصہ ملے گا اور جس کی ذمہ داری کم ہے اسے کم حصہ ملے گا یعنی ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ ایک اور صورت میں بہن بھائیوں کا حصہ برابر ہے۔ دونوں کو ترکہ کا چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ بعض جگہ عورتوں کو زیادہ حصہ ملے گا اور مردوں کو کم حصہ ملے گا۔ بعض جگہ مردوں کو زیادہ حصہ ملے گا اور عورتوں کو کم حصہ ملے گا۔ آپ سورۃ النساء کے یہ دو رکوع تو کم سے کم ایک مرتبہ کسی اچھی تفسیر کے ساتھ پڑھ لیں۔ تو احکام کی مختلف شکلیں معلوم ہو جائیں گی اور یہ اعتراض کہ عورتوں کا حصہ ہمیشہ آدھا اور بلا وجہ آدھا ہوتا ہے،، اس کی کمزوری واضح ہو جائے گی۔

عائلی قوانین کا چوتھا اور اہم حصہ وصیت کے احکام و قوانین کا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے لیکن موقع نہیں ملتا۔ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بڑے وسائل دیئے اور بہت دولت دی۔ وہ چاہتا ہے کہ کوئی ادارہ قائم کر دے، کوئی وقف قائم کر دے اور غریبوں اور ناداروں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ کر جائے۔ زندگی میں نفس اور شیطان بہکاتے ہیں اور بعض اوقات انسان کچھ کر نہیں کر پاتا۔ مرنے کے قریب کچھ کر گزرنے کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے۔ اب اس موقع پر بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی انسان کے دل میں اولاد اور رشتہ داروں کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہی خیال ہونے لگتا ہے کہ میرے بڑھاپے میں میری اتنی خدمت نہیں کی جتنی کرنی چاہئے تھی۔ میرا فلاں کام نہیں کیا۔ انسان کے دماغ میں ایک بار یہ چیزیں آجائیں تو شیطان اس کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ بہت سے لوگوں میں یہ رجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ وارثوں کو وراثت سے محروم کر دیں۔ Disinherit کر دیں جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ یہ جو اخباروں میں آتا ہے کہ میں نے عاق کر دیا۔ یہ بالکل فضول بات ہے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ کسی کو بھی کسی حالت میں کسی طے شدہ وارث کو عاق کرنے کا اختیار نہیں۔ شریعت نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ جو حصہ اللہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے یا اللہ کے رسول نے بیان کیا ہے اور اس سے کسی کو محروم کر دیا جائے۔ کوئی دس اشتہار دے یا بیس اشتہار دے، اس سے شریعت کا حکم تو نہیں بدلتا، البتہ اشتہار دینے والا آخرت میں اپنی روسیاہی کا بندوبست ضرور کر جاتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے کئی بار طے کر دیا ہے کہ ان اشتہارات کی کوئی قانونی حیثیت

نہیں، لیکن پھر بھی لوگ غصہ میں آکر اخباروں میں چھاپ دیتے ہیں۔ عملاً شائد محروم بھی کر دیتے ہوں۔ بہر حال یہ گنجائش شریعت نے رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نیک کام کرنا چاہے تو اپنے ترکہ کے ایک تہائی کی حد تک وہ نیک کام کے لئے مختص کر سکتا ہے۔ وہ تہائی حصہ لازماً اس کے وارث رشتہ داروں کو ملے گا۔ ایک تہائی اس نیک کام کا ہو گا جو وہ کرنا چاہتا ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ضرورت مند بھی ہیں اور محتاج بھی ہیں۔ لیکن وہ ذرا دور کے رشتہ دار ہیں اور دیگر ورثا کی موجودگی میں ان کو حصہ نہیں مل سکتا۔ شریعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو قریبی رشتہ دار ہے اس کو پہلے ملے گا اور دور والے کو نہیں ملے گا۔ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو زیادہ دور والے کو نہیں ملے گا البتہ کم دور والے رشتہ دار کو ملے گا۔ میت سے جس کو جتنا قرب ہے اس کے حساب سے حصے مقرر ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ جتنا آپ کو تعلق آپ کو دادا اور دادی سے ہو گا اتنا تعلق پر دادا اور پر دادی سے نہیں ہو سکتا۔ جتنا تعلق اپنے سگے بہن بھائیوں سے ہے وہ دادا اور پر دادا کی اولاد سے نہیں ہو گا۔ اس فطری چیز کا لحاظ رکھتے ہوئے شریعت نے وراثت کے احکام دیئے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار ضرورتمند اور نادار ہے اور وہ کسی اقرب رشتہ دار کی موجودگی کی وجہ سے حصہ دار نہیں بن سکتا۔ تو آپ اس کے لئے وصیت کر دیں۔ اس کی گنجائش موجود ہے کہ آپ اپنے ترکہ میں سے ایک تہائی کے بارے میں از خود کوئی فیصلہ کر دیں۔ تین میں سے ایک حصہ۔

یہ اسلام کے عائلی قوانین کا چوتھا بڑا میدان ہے۔ یہ چار بڑے بڑے موضوعات چند جزوی معاملات کے ساتھ، جن کا انہی میں سے کسی نہ کسی موضوع کے ساتھ تعلق ہے، اسلام کے عائلی قانون کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ فقہ اسلامی کا دوسرا بڑا حصہ ہے۔

دوسرے باب سے مستفاد ہونے والے اہم معاملات اور مسائل درج ذیل ہیں۔

- نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔
- جن چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے ان میں سب سے اہم بات کسی کی دین داری اور اس کا اخلاق ہے۔
- اگر کسی مرد یا عورت میں دین داری پائی جاتی ہے اور ان کا اخلاق اچھا ہے تو چاہے وہ مفلس شخص ہی کیوں نہ ہو اس سے عورت کا نکاح کر دینا چاہیے۔ ورنہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا ہونے کا ڈر ہے۔
- جب کوئی لڑکی کا رشتہ وہ شخص بھیجے جو دیندار اور با اخلاق ہو تو اس سے لڑکی کا نکاح کر دینا چاہیے۔ لڑکا غریب، خستہ حال، بے روزگار یا بد صورت ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ نظام خانہ داری میں مطلوب دو باتیں ہیں
- ایک: اچھے اخلاق میں معیت و صحبت، یعنی با اخلاق رفیق حیات، دوم: وہ معیت و صحبت دین کی اصلاح کا ذریعہ بنے جب لڑکا با اخلاق اور دین دار ہو گا تو وہ بہترین رفیق ہے، وہ لڑکی کی دین کو سنوارے گا۔

- رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی
- ایسی دو عورتوں کو جمع نہ کیا جائے اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کریں تو اس کا نکاح دوسری کے ساتھ جائز نہ ہو۔

- نو مسلم کے گھر میں اگر دو بہنیں ہوں تو ان میں سے ایک کو چھوڑ دے اور ایک کو اپنے نکاح میں رکھے۔اس میں اپنی مرضی سے انتخاب کی اجازت ہے۔
- حدیث کی رو سے مطلقہ بائنہ کو نان و نفقہ اور رہائش نہیں ملے گی۔
- ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنی واجب ہے۔اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو۔امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے لیے سکنی واجب ہے نفقہ نہیں ہے۔امام احمد بن حنبلؒ اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں۔ (واللہ اعلم)
- عزل حرام و ناجائز نہیں بلکہ محض مکروہ ہے۔
- عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی مرد کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہ دے جیسے حضرت عائشہؓ نے حضرت افلح کے گھر کے آنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی۔
- جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت (دودھ پینے) سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔
- تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بالغ کو اگر کوئی عورت دودھ پلادے تو اس سے رضاعت ثابت نہ ہو گی البتہ امام ابن حزمؒ اور امام ابن تیمیہؒ نے اس اجماع کی مخالفت کی ہے۔
- خلاصہ یہ ہے کہ غیر مقلدین کے اکابر علماء کا یہی نظریہ ہے کہ دودھ پینے سے بالغ کی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا نظریہ اس کے بر خلاف ہے اور یہ واقعہ صرف حضرت سالم کے ساتھ مخصوص تھا اب نہیں ہے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک یا دو مرتبہ پستان چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔
- خاص طور پر ان لوگوں کے خلاف یہ دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بڑی عمر کے آدمی کے لیے بھی دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔جو کہ صرف حضرت سالم کے ساتھ مخصوص تھی۔
- اس حدیث کی رو سے ایک عورت کی گواہی سے رضاعت کا ثبوت ملتا ہے۔
- انا کا حق بردہ (ایک غلام یا لونڈی) دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔
- بیوی سے غیر فطری طریقہ سے صحبت کرنا حرام ہے۔
- اغلام مطلقاً حرام ہے، خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ، پھر خواہ اجنبی عورت ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ، بہر صورت حرام ہے۔
- غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت منع ہے

- مانع حمل تدابیر اختیار کرنے کی تو اجازت ہے وہ بھی مشروط یہ کہ یہ عمل تنگ دستی اور افلاس کے خوف سے نہ ہو ورنہ یہ بھی گناہ ہے
- پہلے خاوند سے بیوی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں۔
- رضاعی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔
- ربیبہ (گود میں پالی ہوئی) کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔
- جو یتیم لڑکی اپنے ولی کے زیر پرورش ہو اور وہ اس کے مال میں شریک ہو۔ اگر وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے اُس کے مال اور خوبصورتی کی وجہ سے تو انصاف کے ساتھ پورا مہر ادا کرے۔
- فقہاء کے نزدیک بدنیتی سے یتیم کے مال میں اختلاط جائز نہیں۔
- بیوہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔
- کنواری (باکرہ) سے اجازت لینا ضروری ہے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔
- نکاح کی اجازت مردوں کی طرف سے اور ثیبہ (شوہر دیدہ عورت) کی طرف سے الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جبکہ باکرہ لڑکی کی طرف سے اجازت اس کی خاموشی ہے۔ البتہ اگر نکاح رد کرنا ہو تو ہر حال میں الفاظ سے ہی ہو گا۔
- حیض کی حالت میں سوائے مباشرت کے تمام کام جائز ہیں۔ یہود کا طریقہ کار اپنی بیویوں سے نہ ملنے بلکہ اُن کو علیحدہ رکھنے کا تھا۔
- حائضہ کا اپنے خاوند کا سر دھونا، کنگھی کرنا، گود میں لیٹ کر تلاوت کرنا، تمام کام جائز ہیں۔
- آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی ہونے سے منع فرمایا:
- ایک کپڑے کے عوض نکاح کرنے کی اجازت دی۔ اس پر سورۃ المائدہ کی آیت 86 اُتری۔
- اس حدیث سے تبتل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے
- اپنے خاوند کو خوش رکھے۔ اس کے لیے گھر میں اچھا لباس اور دیگر خوش کرنے والے انداز میں رہے
- اپنے نفس اور دولت میں خاوند کی رائے کے خلاف نہ کرے۔
- سمجھ دار لڑکے کا اپنی بیوہ مطلقہ ماں کا دوسرا نکاح کروانا جائز ہے۔
- باپ کا بیٹے کے متعلق عالم دین سے مسئلہ پوچھنا جائز ہے۔
- حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ رجوع تب ہی ہوتا ہے جب طلاق واقع ہو جائے لیکن حالت حیض میں طلاق دینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔
- رجوع کے بعد عورت کو روکے رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر ایک اور حیض آ کے پھر پاک ہو جائے پھر اگر اُس کو روکنا چاہے تو روک لے ورنہ صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے۔
- اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسی عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو واسکی عدت وضع حمل ہے۔ اس پر چار ماہ دس دن کی عدت نہیں ہے۔

- رمضان میں روزہ کی حالت میں قصداً جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔اور رمضان کے روزے کو عمداً عمل ازدواج سے توڑنے پر کفارے کے لزوم میں مذاہب اربعہ متفق ہیں۔

- جو کام قبیح ہو اس کا صراحۃً ذکر کرنے کی بجائے اس کو کنایہ سے تعبیر کرنا چاہیے۔
- حالت حیض میں دی جانے والی طلاق ایک طلاق شمار ہو گی۔

- آجکل تو DNA ٹیسٹ سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ تخم کس کا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت کے طور پر جو کہا کہ اگر ایسا ہوا تو باپ کی طرح ہو گا یعنی باپ کے سلب سے ہو گا تو اس طرح ہو گا اور اگر زانی کی طرح ہوا تو عورت جھوٹی ہو گی۔ یہ مشابہت کا اثر تھا کہ بچہ زانی کی طرح ہوا۔اس طرح عورت جھوٹی ثابت ہو گئی۔
- بچوں کا رنگ مختلف ہونے کی وجہ سے بیوی پر تہمت زنا لگانا جائز نہیں۔(جب تک کہ زنا کا ثبوت نہ ہو)
- لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہے۔
- ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے۔اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنی واجب ہے۔اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو۔امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کے لیے سکنی واجب ہے نفقہ نہیں ہے۔امام احمد بن حنبلؒ اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں۔(واللہ اعلم)
- جو شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور قسم پورا کرنے سے قسم کو توڑنا بہتر ہو تو اس قسم کو توڑ دے اور اس قسم کا کفارہ ادا کرے۔
-

فصل دوم

احکام تجارت میں استفادہ اور عصری مسائل

اسلام کا قانون تجارت ومالیات

حکمت، مقاصد، طریقہ کار، بنیادی تصورات

آج کی گفتگو کا عنوان ہے، اسلام کا قانون تجارت ومالیات۔ فقہ اسلامی کا یہ شعبہ دور جدید میں بجاطور پر انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ دور جدید میں اسلامی احکام اور قوانین کے نفاذ میں جو مشکلات ہیں وہ سب سے زیادہ اسلام کے قانون تجارت اور مالیات کے شعبہ میں پیش آرہی ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات میں سے اہم اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تجارت اور مالیات کا نظام دور جدید میں بہت پیچیدہ ہو گیا ہے اور اس سے مختلف قوتوں کے بے شمار مفادات وابستہ ہو گئے ہیں۔ جب تک ان مفادات کو ختم کر کے انتہائی جرات، ہمت، آزادانہ رویہ اور راست فکری کے ساتھ ان احکام کو نافذ نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک نفاذ شریعت کے معاملہ میں پیش رفت انتہائی مشکل اور دشوار کام ہے۔

دور حاضر کا پیچیدہ مالیاتی اور معاشی نظام

گزشتہ تین سو سال کے عرصہ میں اہل مغرب نے دنیا کی معاشیات اور مالیات کا ایک ایسا پیچیدہ نظام تشکیل دیا ہے جس کی بنیاد سود اور ربو پر ہے۔ سود اور ربو کے نظام کو فروغ دینے، اس کو پروان چڑھانے اور بعض مخصوص قوتوں کے مفادات کی تکمیل کرنے کے لئے دنیائے مغرب نے ایک نیا نظام تشکیل دیا ہے جس کو free market economy یعنی آزاد معیشت اور آزاد منڈی کا نظام کہا جاتا ہے۔ اس نظام کی تائید اور تشہیر بڑے خوشنما الفاظ، جاذب توجہ اعلانات اور متاثر کن دعاوی سے کی جاتی ہے۔ پورا علم معاشیات اسی نظام کی خدمت کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ مشرقی ممالک کے لوگوں کو معاشیات، بنکاری اور ترقیات ومالیات کے میدان میں جب تربیت دی جاتی ہے تو وہ اسی نظام کے بنیادی تصورات اور افکار کے مطابق دی جاتی ہے۔ دنیائے مشرق سے بالعموم اور دنیائے اسلام سے بالخصوص دنیائے مغرب کے تعلقات جس ایک اساسی نقطے پر قائم ہیں وہ اسی نظام کا تحفظ اور اسی نظام کی نشر واشاعت ہے۔

اس نظام کا اصل مقصد یہ ہے کہ دنیا کے وسائل پر مغربی قوتوں کو کنٹرول برقرار رکھا جائے، دنیا کی دولت کو زیادہ سے زیادہ مرتکز کیا جائے، تیسری دنیا کے خام مال کو مغربی ممالک کی صنعتوں اور معاشی بالادستی کے لئے استعمال کیا جائے، تیسری دنیا کی حیثیت مغربی ممالک کی منڈیوں سے زیادہ نہ ہو۔ اس پوری صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے جو وسائل عطا فرمائے ہیں، ان کا 19 فیصد دنیا کی 81 فیصد آبادی کے تصرف میں ہے۔ اوران وسائل کے 81 فیصد حصوں پر اس وقت دنیا کی 19 فیصد آبادی کا کنٹرول ہے۔ یہ اعداد وشمار بھی کم وبیش دس سال پہلے کے ہیں اور ان میں دن بہ دن تیزی سے تبدیلی آرہی ہے۔ مشرقی دنیا اور دنیائے اسلام کے وسائل تیزی کے ساتھ مغربی دنیا کے کنٹرول اور حلقہ اثر میں آرہے ہیں۔ آج دنیائے اسلام کے وسائل تیزی کے ساتھ مغربی دنیا کے کنٹرول اور حلقہ اثر میں آرہے ہیں۔ آج دنیائے مشرق کو بالعموم اور دنیائے اسلام کو بالخصوص اتنی بھی آزادی میسر نہیں ہے کہ وہ وسائل کو اپنی مرضی اور اپنے مستقبل کے تصور کے مطابق استعمال کر سکیں۔ دنیائے اسلام اپنے وسائل کو کیسے

استعمال کرے۔ دنیائے اسلام مادی ترقی حاصل کرنا چاہے تو کس انداز سے کرے، دنیائے اسلام اپنے ہاں معاشی انصاف کا نظام قائم کرنا چاہے تو کن خطوط پر کرے۔ ان سب سوالات کا جواب قرآن پاک اور سنت اور مسلمانوں کے فکری اور فقہی سرمایہ سے لینے کی بجائے مغربی تصورات اور معیارات بلکہ مغرب کی خواہشات اور ہدایات کے مطابق حاصل کیا جارہا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ اسلام کے احکام اور تصورات کے بارے میں بہت سے شبہات اور غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں۔ ان میں سے بعض شبہات کا تعلق کم فہمی سے ہے بعض شبہات کا تعلق اسلامی نقطہ نظر کو صحیح انداز سے بیان نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور بعض کا تعلق ان مفادات سے ہے جو مغربی نظام سے وابستہ ہیں۔ ان حالات میں دنیائے اسلام کے لئے یہ بات بڑی اہم ہے کہ اسلام کے قانون تجارت و معیشت اور مالیات کو صحیح طور پر سمجھا جائے۔ اس کی حکمتوں سے واقفیت پیدا کی جائے۔ اس کے مقاصد کا فہم حاصل کیا جائے۔ اس کے طریقہ کار کے بارے میں لوگوں کے ذہن صاف ہوں اور بنیاتی تصورات سے ہر شخص واقف ہو۔

ایک بار یہ مقصد حاصل ہو جائے تو جزوی تفصیلات کا تعین آسان ہے۔ جزوی تفصیلات میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حالات اور زمانے کی رعایت سے بدل سکتی ہیں۔ اس لئے جزوی تفصیلات کی بحث میں پڑنے کے بجائے مسلمانوں کی توجہ سردست اسلام کے قانون تجارت و معیشت اور مالیات ی حکمت، مقاصد، طریقہ کار اور بنیادی تصورات پر مرکوز رہنی چاہئے۔ جب ان معاملات کے بارے میں فیصلہ کرنے والوں اور پالیسی سازوں کا ذہن صاف ہو جائے تو پھر جزوی تفصیلات کا تعین بہت آسان کام ہے اور اس میں زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

فقہ اسلام: مربوط نظام

جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے، فقہ اسلامی ایک مکمل اور متکامل نظام ہے۔ اس کے تمام اجزا ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک جز کے اثرات دوسرے اجزا پر اور دوسرے اجزا کے اثرات اس پہلے جز پر پڑتے ہیں۔ یہ سب اجزاء اور ابواب منطقی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ پورے طور پر مربوط ہیں۔ اگر کسی ایک جز کو نافذ کیا جائے اور بقیہ اجزا کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کے وہ ثمرات اور برکات حاصل نہیں ہوں گے جو کل کے نفاذ اور کل کو اختیار کرنے کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں۔

اسلام کا نظام بنیادی طور پر ایک اخلاقی اور روحانی نظام ہے۔ اس کا مقصد انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت ہے۔ خاندانوں کی تربیت بھی اور اداروں کی تربیت بھی، معاشروں کی تربیت بھی اور حکومتوں کی تربیت بھی، قانون کی تربیت بھی اور نظام معاشرت کی تربیت بھی، ان سب پہلوؤں کو اخلاق اور روحانیت کے دائرے میں کیسے لایا جائے۔ اللہ کی رضا کی خاطر انسان کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ کیسے سکھایا جائے۔ یہ اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔ ظاہر بات ہے تجارت اور مالیات اسلام کے نزدیک انسانی زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے، کُل نہیں ہے۔ انسانی زندگی کے اور بھی بہت سے پہلو اور شعبے ہیں۔ تجارت و معیشت کے علاوہ بھی انسان کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ انسانوں کے بہت سے مشاغل اور بہت سی ذمہ داریوں میں سے ایک تجارت بھی ہے۔ ان میں سے ایک معیشت بھی ہے اور ایک مالیات بھی ہے۔ لیکن چونکہ معیشت، تجارت اور مالیات سے متعلق احکام کسی نہ کسی حد تک ہر مسلمان کو معلوم ہونے چاہئیں۔

آپ خود تاجر نہ بھی ہوں لیکن آپ کو تاجروں سے واسطہ ضرور پڑتا ہے۔ روزانہ آپ کو اپنی ضروریات کے لئے سودا خریدنا پڑتا ہے۔ آپ کو خود مالیات سے چاہے فنی طور پر واسطہ نہ پڑتا ہو، لیکن دوسروں سے لین دین اور تجارت کے لئے آپ کے پاس مال ہونا چاہئے۔ آپ کو معیشت میں خود مہارت درکار نہ ہو، لیکن زندگی کے روزمرہ تقاضے پورے کرنے کے لئے معیشت کے مثبت یا منفی اثرات آپ پر پڑیں گے۔ اس لئے معیشت اور اقتصاد سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہر وقت درکار ہے اور ہر انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ آج کی گزارشات ان کو گزارشات سے ملا کر پڑھیں اور سمجھیں جو اسلامی قانون کے بنیادی تصورات کے بارے میں عرض کی گئی تھیں تو بہت سی چیزیوں کو سمجھا آسان ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اسلام میں مال کا تصور کیا ہے۔ ملکیت کا تصور کیا ہے اور مال اور ملکیت میں تصرف کے لئے شریعت نے کیا حدود مقرر کی ہیں۔ وہ گزارشات ذرا ذہنوں میں تازہ کریں تو پھر بات آگے بڑھے گی۔

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک معینہ مدت تک کے لیے ادھار سودا کرنا درست ہے، کیونکہ آپ نے اس طرح کی بیع پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اس یہودی کے پاس اس کے لیے آدمی بھیجا،اسی سے اس باب پر استدلال ہے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے اور ان سے قرض لینا بھی جائز ہے۔

کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح جو چیز انسان کے پاس موجود نہ ہو،اس کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

- دین میں دھوکہ نہیں، کیونکہ دین تو نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے

- نفع سرمایہ میں اضافہ کا باعث ہو گا حقیقی منافع نہ ہونے کی صورت میں مضارب کی محنت کا ازالہ ضروری ہے۔

کاروبار میں کسی قسم کے اختیارات کا حصول یا مختلف تصرفات اور معاہدات کی اجازت یا کسی قسم کی پابندیاں باہمی رضامندی سے عائد کی جاسکتی ہیں۔

- یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پچھنے لگانے کا پیشہ ایک حلال پیشہ ہے اور اس کی اجرت دینا جائز ہے
- انگور کے کچے شیرے یا کھجور کے شیرے سے کشید کردہ نشہ آور شربت کو شراب کہا جاتا ہے۔ تمام آئمہ فقہ کے نزدیک شراب حرام ہے۔اس کی بیع باطل ہے۔اس لیے کہ یہ مسلمان کے لیے مال نہیں ہے۔اگر شراب کو ثمن قرار دے کر بیع کی جائے تو بیع فاسد ہوگی۔
- شراب، مردار، سور اور بتوں کی خرید وفروخت حرام ہے۔
- مردار کی چربی کا استعمال اور بیع حرام ہے۔
- پھلوں کو پکنے (ظہور صلاحیت) سے پہلے بیچنا منع ہے۔
- پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے قدرتی آفات سے پھلوں کے ضیاع پر تاوان کا ذمہ بائع ہو گا۔
- سوکھی کھجور کے بدلے درخت پر لگی کھجور کو نہ بیچو۔
- قراء صحابہ کو قرآن کی تعلیم کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دور دراز مقامات پر تعینات کیا، وہ جا کر ان کو قرآن پڑھاتے اور تفقہ فی الدین کے لئے تیاری کراتے۔ ان میں سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنیہ، عبادہ بن الصامت رضی

اللہ عنیہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا نام بالخصوص تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے امام ابن الجوزی نے تصریح کی ہے کہ باقاعدہ ان کی تنخواہیں دی گئی تھیں۔

- دم کرنے پر اُجرت لینا جائز ہے۔ اور قرآن مجید کی تعلیم دینے پر بھی اُجرت لینا جائز ہے۔
- بیوی اور بچوں کا خرچ شوہر کے ذمے ہے۔ اگر آدمی بخیل اور کنجوس ہو تو اس کی بیوی کا دستور کے مطابق چپکے سے تھوڑا بہت شوہر کے مال سے لے لینا جائز ہے۔
- کسی کو اگر کوئی چیز صدقہ کی ملے اور وہ آگے ہدیہ کر دے تو وہ کھانا سادات کے لیے جائز ہے کیونکہ اب وہ صدقہ نہیں رہی۔ کیونکہ کسی چیز کی ملکیت بدلنے سے اُس کے احکا بدل جاتے ہیں۔
- اس حدیث مبارکہ میں قرض لینے کی مذمت کی گئی ہے۔ کیونکہ مقروض شخص جنت میں نہیں داخل ہو گا۔ جس وقت تک کہ وہ شخص اپنے قرض کو ادا نہ کرے۔
- آپ ﷺ مقروض آدمی کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ اس میت کی طرف سے اس کے لواحقین اس کی ذمہ داری نہیں لیتے تھے۔
-

فصل سوم

فصلِ سوم: مالی لین دین کے احکام میں استفادہ اور دور جدید کے مسائل کا حل

- اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے اور اگر میت کے بیٹے ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں اور بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا ملتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اگرچہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیاہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کے حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کے ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شان نزول ہے۔
- جو بات قرآن کریم سے دلالتہ النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔
- عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے چھٹا حصہ ہے، جب وہ (یہ جواب سن کر) واپس ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تمہیں چھٹا حصہ ملے گا، پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ نے بلایا اور ارشاد فرمایا: یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے۔
- "کلالہ" کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے اور چار قول مشہور ہیں:
- جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، ایسی سورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔
- کلالہ ان وراثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولدہ اور والد نہ ہو، اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ کلام اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا والد اور والد نہ ہو۔
- چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس متی کے مال موروث کا نام ہے جس میت کا ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔
- لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اور (وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً)([1]) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث: انما یرثنی کلالۃ (میرا وارث کلالہ ہوگا) میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔ اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونون معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کر دیا جاتا ہے۔
- مومن کافر کا وارث نہ ہوگا۔
- کافر مسلمانوں کے چھوڑے ہوئے مال و جائیداد پر تصرف کر سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان دوبارہ ان کے وارث نہیں بن سکتے۔

---

[1] - النساء:12

- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور یہ تمام علماء کا مذہب ہے مکہ کی زمین کی خرید وفروخت جائز ہے۔
- اپنی ماں کو لونڈی ہبہ کرنا جائز ہے۔
- اس حدیث کی رو سے اپنی ماں کی وفات کے بعد اس کے قضا روزے رکھنا جائز ہے۔

- حج بدل جائز ہے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس سے اس کو نفع ہوتا ہے۔
- اختلاف اس بات میں ہے کہ مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے بدنی عبادات کا نہیں پہنچتا۔ جیسے اُس کی طرف سے حج کرنا، صدقہ دینا، قرض ادا کرنا وغیرہ کرنا تو جائز ہے مگر نماز، روزے پورے نہیں کیے جاسکتے۔
- علامہ عینی فرماتے ہیں: قرآن مجید پڑھنے کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔(1)
- علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دعا واستغفار اور مالی عبادات، مثلاً: صدقہ و خیرات، حجو عمرہ وغیرہ کا میت کو ثواب پہنچتا ہے، اس سلسلے میں کتابو سنت میں دلاءل موجود ہیں۔، امام ابن القیم رحمہاللہ نے "کتابالروح میں" بہت تفصیلی بحث کی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ تماءمہ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ میت کے حق میں جو بھی دعا کی جاءے اس کا پورا پورا فاءدہ اس کو پہنچتا ہے، کتابو سنت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ اور اجمع سے بھی ثابت ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والے کا شمار اہل بدعت میں سے ہوگا۔ البتہ بدنی عبادات کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔
- میت کی طرف سے اُس کی نذر کو پورا کرنا جائز ہے۔ مگر معصیت کی نذر کو عبادات نافلہ کی نذر کو اور عبادات واجبہ غیر مقصودہ کی نذر کو پورا کرالازم نہیں ہے۔

- جنین کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے۔
- عورت کی دیت کا سگے وارثوں کو حکم دیا گیا ہے۔
- امام مالکؒ اور امام احمد کے نزدیک تہائی دیت تک عورت کے زخموں کی دیت مرد کے زخموں کے برابر اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل اور کثیر دونوں میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔ البتہ جان کی دیت میں ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں عورت کی دیت مرد کی دیت کی نصف ہے۔

- بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص متعدد مالکوں کا غلام ہوتا تھا۔ اس کی صورت ایسی ہی تھی جیسا کہ اگر کوئی کسی پارٹنر شپ کمپنی کا ملازم ہو۔ ایسی صورت میں حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اگر کوئی ایک پارٹنر غلام میں اپنے حصے کو آزاد کرے تو باقی پارٹنر بھی اپنے اپنے حصوں کو آزاد کریں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوں تو غلام خود بخود مکاتب کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ وہ کما کر اپنے باقی مالکان کو ادائیگی کرے گا اور اس معاملے میں اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

---

[1] عمدۃ القاری: 72/14

- ہبہ میں اولاد کے درمیان مساوات کرنے کا حکم ہے۔
- اگر انصاف کے ساتھ اولاد کو ہبہ نہیں کیا گیا تو باپ اس کو واپس لے سکتا ہے۔
- ہبہ اگر برابری کی سطح پر ہبہ نہ کیا ہو تو اس پر گواہ نہیں بننا چاہیے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح گواہ بننے سے منع کیا ہے۔
- اگر کوئی شخص کسی کو فی سبیل اللہ گھوڑا دے تو لینے والا آگے اس کو ضرورت کے تحت بیچ سکتا ہے۔
- دینے والے کو صدقہ کی ہوئی چیز کو دوبارہ نہیں خریدنا چاہیے۔
- سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرنا جائز ہے۔
- کتے کو چھوڑنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینا ضروری ہے۔
- تیر کمان سے شکار کرنے میں اگر پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیر چھوڑا جائے تو اس کو کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔
- سکھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کرنے میں بھی یہ حکم ہے کہ اپنے سدھائے ہوئے کتے پر بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے تو اس کا شکار کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔
- اگر بغیر سکھائے ہوئے کتے کا کیا ہوا شکار زندہ ہے اور تم اس کو ذبح کر لو تو اس کا کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔
- دوسری احادیث میں کہ اگر تم اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کتا پاؤ اور شکار مر چکا ہو تو اُسے مت کھاؤ کیونکہ بسم اللہ تم نے اپنے کتے پر پڑھی تھی دوسرے پر تو نہیں اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے کتے نے شکار کو مارا ہو لہٰذا اُسے مت کھاؤ۔ الا کہ تم اس کو ذبح کر لو۔
- اگر اور برتن نہ ملیں تو اہل کتاب کے برتنوں کو دھو کر اس میں کھانا جائز ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے برتنوں میں کھایا جائے اگر نہ ملیں تو پھر یہ حکم ہے۔
- ہڈی سے عموماً کسی چیز کو کاٹا نہیں جاتا۔ اس کے زخم سے خون تو نکلتا ہے مگر رگیں نہیں کٹتیں۔ اس لیے یہ جانور ذبح نہیں ہوتا بلکہ موقوزۃ ہوتا ہے جو حرام ہے۔
- اگرچہ گوہ حلال ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی اس کا کھانا ثابت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نفرت فرمائی ہے۔ احناف کراہت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے مطابق اس کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں جبکہ باقی ائمہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔
- اگر کوئی غیر محرم کسی جانور کا شکار کرے تو محرم اسے کھا سکتا ہے۔
- محرم شخص کو کسی غیر محرم شخص کی شکار میں مدد نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی شکار کی طرف اشارہ کرنا چاہیے۔ البتہ اگر آپس میں شکار کو دیکھ کر ہنس پڑیں تو جائز ہے۔
-